بسم اللہ الرحمن الرحیم
تشریحات ترمذی
تالیف
حضرت مولانا کمال الدین المسترشد
استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی
جلد ہشتم
قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ کراچی
تشریحات ترمذی

تشریحات ترمذی

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویہ

جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

جلد ہشتم

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ کراچی

نام کتاب: تشریحاتِ ترمذی جلد ہشتم

تالیف: حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

کمپوزنگ: مولانا شمس الحق

ناشر

قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ۔ کراچی

فون: 021-32212220
021-35490065

فہرست عنوانات تشریحات ترمذی جلد ہشتم

فہرست عربی ابواب

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابواب فضائل القرآن

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان ابواب میں قرآن کے جو فضائل بیان ہوں گے وہ کلامِ لفظی سے متعلق ہیں جو دال ہے کلامِ نفسی پر چونکہ احکام کا تعلق کلامِ لفظی سے ہے جیسے نماز کی قرأت وغیرہ اس لئے شریعت میں عموماً اسی سے بحث ہوتی ہے گو کہ صفتِ قدیم باری تعالیٰ کلام نفسی ہے، جیسا کہ شرح عقائد میں تفصیلاً بیان ہوا ہے:

"ولمّا كان دليل الاحكام الشرعية هو اللفظ دون المعنى القديم عرّفه أئمة الاصول بالمكتوب في المصاحف المنقول بالتواتر، وجعلوه اسماً للنظم والمعنى جميعاً اى للنظم من حيث الدلالة على المعنى لا لمجرد المعنى". (شرح عقائد: ص: ۴۸)

قرآن کے فضائل تو ان اگلے ابواب میں بیان ہوں گے لیکن مختصراً اتنی سی بات عرض ہے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس لئے اس کے فضائل الفاظ میں بیان کرنا گویا ایک ناممکن سی بات ہے، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلے بایدت زو رو متاب

امام رازیؒ نے اپنی زندگی کے تجربات کا نچوڑ اپنی وصیت میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

"كنتُ رجلاً مُحِبّاً لِلعلم فكنتُ اكتبُ في كل شيء..... ولقداختبرتُ الطرق الكلامية فمارأيتُ فيهافائدة تساوى الفائدة التى وجدتُهافى القرآن العظيم لانه يسعى الخ".

یعنی میں ہر موضوع پر لکھ چکا ہوں لیکن بالآخر میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن جیسی کوئی کتاب نہیں ہے، یہ اللہ جل جلالہ کی انقیاد واطاعت کی طرف بلاتا ہے اور تعمق سے منع کرتا ہے کیونکہ انسانی سوچ گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔

راقم نے لفظ قرآن کی تحقیق، تعریف، موضوع، فضیلت اور دیگر وہ اصول ومبادی جن کی تفسیر کے لئے ضرورت ہے پر مستقل کتاب لکھی ہے جسے تفصیل درکار ہو وہ ملاحظہ فرمائیں۔ (زاد یسیر فی علوم التفسیر، ناشر قدیمی کتب خانہ)

باب ماجاء فی فضل فاتحة الکتاب

سورۂ فاتحہ کی فضیلت کا بیان

"عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج علی اُبی بن کعب فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یااُبی!وهویصلی فالتفتَ اُبیٌّ فلم یُجِبه وصلی اُبی فخَفَّفَ ثم انصرف الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: السلام علیک یارسول الله! فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلیک السلام مامنعک یااُبی ان تُجیبنی اِذ دَعَوتُکَ؟ فقال: یارسول الله انی کنت فی الصلوٰة قال: أفلم تجدفیما اَوحیٰ الله اِلَیَّ "اَن استجیبوا لله وللرسول اذادعاکم لِمَا یحییکم"؟ قال: بَلیٰ ولااَعُودُان شاء الله قال: اَتُحِبُّ ان اُعَلِّمَکَ سورة لم یُنزَّل فی التوراة ولافی الاِنجیل ولافی الزبورولافی القرآن مثلها؟ قال: نعم یارسول الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: کیف تقرأ فی الصلوٰة؟ قال: فقرأ اُمَّ القرآن فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: والذی نفسی بیده مااُنزِلت فی التوراة ولافی الانجیل ولافی الزبورولافی الفُرقان مثلهاوانهاسبع المثانی والقرآن العظیم الذی اُعطیتُهُ". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُبی بن کعب کے پاس سے گزرے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُبی! جبکہ وہ (اُبی) نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت اُبی متوجہ تو ہوئے مگر آپ کو جواب نہیں دیا، انہوں نے نماز جاری رکھی تاہم نماز جلدی پڑھ کر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف آئے (یا مڑے) اور کہا السلام علیک یارسول اللہ! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعلیک السلام! اے اُبی کس چیز نے تجھ کو مجھے جواب دینے سے روکا جب میں نے تجھے پکارا تھا؟ حضرت ابیؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! میں نماز میں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اس (قرآن) میں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے یہ نہیں پایا ہے "ان استجیبوا للہ وللرسول الخ "اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔ (الانفال: ۲۴) حضرت اُبی نے جواب دیا: کیوں نہیں! (یعنی ضرور پڑھا ہے) اور ان شاء اللہ میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت سکھادوں جس کی مانند کوئی سورت نہ تورات میں نازل ہوئی ہے، نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ قرآن میں؟ حضرت ابی نے فرمایا: ہاں اے اللہ کے رسول! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نماز میں کس طرح قرأت کرتے ہو؟ (پہلے کیا پڑھتے ہو؟) راوی نے کہا کہ حضرت ابی نے امّ القرآن (سورۂ فاتحہ) پڑھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ توراۃ وانجیل اور زبور وفرقان میں اس جیسی سورت نازل نہیں کی گئی ہے اور بے شک یہ (فاتحہ) سبع المثانی ہے (یعنی وہ سات آیتیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں) اور قرآن عظیم کی آیات ہیں جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے چند مسائل مستنبط ہوئے: ایک یہ کہ جب اللہ کے رسول کسی کو بلائیں تو فوراً آجانا چاہیے خصوصاً جب کسی علمی بات بتانے کے لئے ہو۔ دوم: یہ کہ سورۂ فاتحہ باقی سورتوں کی بنسبت افضل ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کی سورتوں یا آیتوں میں تفاضل پایا جاتا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ یعنی جن آیتوں میں اللہ عزشانہ کی صفات کا بیان زیادہ ہو وہ بنسبت اُن آیات کے افضل ہوں گی جن میں مثلاً حکایت ہو یا تفاضل باعتبار ثواب کے ہے کما قالہ البعض، اگر چہ کلام اللہ ہونے میں سب یکساں ہیں، ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے:

"قال بعض السلف: الفاتحة سِرُّ القرآن وسِرُّها هذه الكلمة "اياک نعبدو اياک نستعين". (ابن کثیر: ص: ۲۵ ج:۱)

اس سے تسمیہ بام القرآن کی وجہ بھی معلوم ہوئی۔ سوم: یہ کہ "سبع المثانی" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اگر چہ اس بارے میں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ مثانی کے معنی مکرر کے ہیں یعنی فاتحہ نماز میں دُہرائی جاتی ہے۔

باب ماجاء فی سورة البقرة وآیة الکرسی

سورۂ بقرہ اور آیت الکرسی کی فضیلت

"عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لاتجعلوا بیوتکم مقابرَ وان البیت الذی تُقرأُ البقرة فیه لایدخله الشیطان ". (حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اپنے گھروں کو قبرستان (کی طرح) مت بناؤ! اور بے شک جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہوگا۔

تشریح:۔ یعنی اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح نماز، ذکر اور تلاوت سے خالی نہ رکھو بلکہ وقتاً فوقتاً ان میں نفل نماز اور تلاوت وعبادت کیا کرو۔ حدیث کا یہ حصہ ابواب الوتر سے ایک باب پہلے گذرا ہے۔ (دیکھئے تشریحات، ج:۲ص:۳۱۰)

اس حدیث سے سورۃ البقرہ کی ایک خاص فضیلت یہ معلوم ہوئی کہ جس مقام پر اس کی تلاوت کی جائے وہاں شیطان کا عمل دخل ممنوع ہوجاتا ہے، بلاشبہ اللہ کا نام بہت ہی بابرکت ہے اور اس کا کلام بڑی شوکت والا ہے۔ جس کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے شیطان اس سے ایک لقمہ بھی نہیں کھا سکتا اور جب آدمی گھر میں ذکر وسلام کے ساتھ داخل ہوجائے تو شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے وعلی ھذا القیاس۔ پھر بہتر یہ ہے کہ سورۂ بقرہ پوری ایک نشست میں پڑھی جائے، خاص کر جس گھر میں آدمی نئی رہائش اختیار کرنا چاہتا ہو تو اولاً اس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کرے، پھر پوری سورت پڑھنے سے حفاظت زیادہ عرصہ کے لئے ہوگی بہ نسبت آیت الکرسی وتسمیہ کے۔ (تدبر)

حدیث آخر:۔ "لکل شیء سنام وان سنام القرآن البقرة وفیها آیة الخ"

ہر چیز کا کوہان (ایک بلند ونمایاں حصہ) ہوتا ہے اور قرآن کا کوہان سورۃ البقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی آیتوں کی سردار ہے، وہ آیت الکرسی ہے۔ یعنی جس طرح ہر چیز کے بعض اجزاء دوسروں کی بہ نسبت افضل ہوتے ہیں اسی طرح قرآن میں سورۂ بقرہ کی ایک نمایاں شان ہے، پھر سورۂ بقرہ میں آیت الکرسی کی شان سب سے اونچی ہے، کیونکہ اس میں اللہ تبارک وتعالی کی عظمت شان اور سلطنت دو جہاں مختصر مگر انتہائی جامع انداز سے بیان کی گئی ہے، جبکہ سورۃ البقرۃ میں تفصیل بھی زیادہ ہے اور احکام بھی جو اس کی افضلیت کی

وجوہ ہیں۔اس سے بقرہ کے اطلاق کا جواز بھی معلوم ہوا اگر چہ اس کی سند پر امام ترمذی نے کلام کیا ہے۔

حدیث آخر:۔"من قرأ حم المؤمن إلیٰ الیه المصیر الخ".(غریب)

یعنی جس نے سورۂ مؤمن کی پہلی تین آیتیں حم سے الیه المصیر تک پڑھیں اور آیت الکرسی بھی پڑھی جب وہ صبح کرے تو ان کی وجہ سے وہ محفوظ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ شام کرے اور جو ان دونوں کو شام کے وقت پڑھتا ہے تو ان کی وجہ سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے تا آنکہ وہ صبح کرے۔

صبح وشام کی ماثور دعاؤں میں یہ ضابطہ ہے کہ صبح سے مراد دن کا آغاز ہوتا ہے خواہ فجر کی نماز سے قبل پڑھے یا بعد میں اور شام سے مراد غروب آفتاب کے بعد یعنی رات کی ابتداء ہوتی ہے چاہے مغرب کی نماز سے پہلے پڑھے یا اس کے بعد ہاں البتہ اگر کسی روایت میں وقت کی تخصیص کی گئی ہو مثلاً فجر کی نماز کے بعد تو وہاں اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔

حدیث آخر:۔"عن ابی ایوب الانصاری انه کانت له سهوة فیهاتمر فکانت تجیء الغول فتاخذمنه الخ".(حسن غریب)

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ ان کا ایک طاق تھا جس میں کھجوریں (یا چھوہارے) تھیں پس ایک بھوت آیا کرتا تھا اور اس میں سے لے جاتا تھا۔تو حضرت ابوایوبؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ!اور جب تم اس کو دیکھو تو کہو"بسم اللہ" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل!راوی نے کہا کہ انہوں نے اسے پکڑا تو اس بھوت نے قسم کھائی کہ وہ پھر نہیں آئے گا چنانچہ حضرت ابوایوبؓ نے اسے چھوڑ دیا،پھر جب حضرت ابوایوبؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ابوایوبؓ نے جواب دیا کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ دوبارہ نہیں آئے گا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا ہے اس کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے راوی کہتا ہے کہ ابوایوبؓ نے پھر اسے پکڑا مگر اس نے پھر قسم کھائی کہ وہ دوبارہ نہیں آئے گا،چنانچہ ابوایوبؓ نے اسے پھر چھوڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تیرے قیدی کا کیا بنا؟ابوایوبؓ نے جواب دیا کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ پھر نہیں آئے گا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے وہ جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔

چنانچہ ابوایوبؓ نے اسے پھر پکڑ لیا اور کہا کہ اب کی بار میں تجھے چھوڑوں گا نہیں یہاں تک کہ تجھے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ لے جاؤں، تو وہ بھوت کہنے لگا کہ میں آپ کو ایک چیز آیت الکرسی بتاتا ہوں یہ اپنے گھر میں پڑھ لیا کریں تو نہ شیطان آپ کے قریب آسکے گا اور نہ ہی کوئی دوسری بلا! چنانچہ ابوایوبؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے پوچھا تیرے قیدی نے کیا کیا؟ تو ابوایوبؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وہ بات بتلادی جو بھوت نے کہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے سچ کہا جبکہ وہ خود جھوٹا ہے۔

قولہ: "سَہْوَۃ" بروزن رحمۃ خفیہ کمرے کو کہتے ہیں، طاق اور مچان کو بھی کہا جاتا ہے جو یہاں مراد ہے۔ **قولہ:** "غول" بضم الغین جادوگر جن کو کہتے ہیں، تاہم اس بارے میں عربوں کا خیال یہ تھا کہ غول یعنی بھوت بہت سے تصرفات کا اختیار رکھتا ہے جس کی حدیث میں نفی کی گئی ہے "لاغُولَ و لاصَفَرَ"

قولہ: "وھی معاوِدۃ لِلکذب" بصیغہ اسم فاعل یعنی وہ جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔

قولہ: "صدقت وھی کذوب فان الکذوب قدیصدق" لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ اس کی صرف یہی ایک بات سچی ہے باقی جب بھی وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔

اس قسم کے واقعات اور بھی صحابہ کرامؓ کو پیش آئے ہیں اور سب کا علاج آیت الکرسی اور دوسرے اذکار کے حوالہ سے بتادیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نام کے سامنے ہر شیطان بے بس ہے۔

حدیث ابی ہریرۃ:۔ "قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثاً وھم ذوعدد فاستقرأھم فاستقرأ کل رجل منھم یعنی مامعہ من القرآن الخ". (حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا جس میں گنتی کے لوگ تھے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قرآن پڑھوایا (یعنی سُنا) تو ان میں سے ہر ایک کو جتنا قرآن یاد تھا اس نے وہ پڑھا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک نوعمر شخص کے پاس آئے اور فرمایا: اے فلاں "مامعک؟" تیرے پاس کتنا ہے؟ (یعنی تجھے کتنا یاد ہے؟) اس نے کہا کہ مجھے یاد ہے فلاں فلاں سورت اور سورۂ بقرہ (بھی) یاد ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے سورۃ البقرہ (بھی) یاد ہے؟ (یعنی بطور شاباشی کے فرمایا) اُس جوان نے کہا ہاں یاد ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تم ان سب لشکریوں کے امیر ہو! پس ان کے معززین میں سے ایک شخص نے کہا: بخدا مجھے بقرہ کے یاد کرنے سے صرف اس خوف نے روکا کہ میں اس کو (تہجد میں) پابندی کے ساتھ نہیں پڑھ سکوں گا (کیونکہ یہ تقریباً ڈھائی پاروں پر مشتمل ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تعلّموا القرآن واقرءوہ" قرآن سیکھو اور اس کو پڑھ لیا کرو، کیونکہ قرآن کی مثال اس شخص کے لئے جو اس کو سیکھے

اور پڑھے اور تہجد میں اس کو پڑھتا رہے (یا اس پر عمل کرے) اس تھیلے جیسی ہے جو مشک سے بھرا ہوا ہو اور اس کی خوشبو پھیلتی ہو ہر جانب، اور مثال اس شخص کی جس نے قرآن سیکھا اور پھر سوتا رہا جبکہ وہ قرآن اس کے جوف (یعنی سینے) میں ہو (یعنی تہجد نہیں پڑھتا) اس تھیلے جیسی ہے جس میں مشک بھر کر منہ باندھا گیا ہو۔

قوله: "بعث" ای اراد ان یبعث۔ قوله: "جراب" بروزن کتاب مشک رکھنے کا تھیلا۔

اس حدیث سے قرآن پڑھنے کی بڑی فضیلت معلوم ہوگئی اس سے تواتر برقرار رہتا ہے اور برکات بھی حاصل ہوتی ہیں نیز ہر مسلمان پر قرآن کا حق ہے کہ وہ اسے پڑھے تاہم پڑھنے کی مقدار میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ تدبر کے ساتھ جتنا بھی پڑھ سکے پڑھ لے، غرض قرآن کے ساتھ تعلق تدبر ہمیشہ رکھا جائے اور تلاوت بھی جاری رکھے۔

کچھ تفصیل ابواب القراءات کے آخری باب میں ملاحظہ ہو۔

باب ماجاء فی آخر سورة البقرة

سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں "آمن الرسول" کی فضیلت

"عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من قرأ الآیتین من آخر سورة البقرة فی لیلة کفتاه". (حسن صحیح)

جس نے ایک رات میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں تو وہ اس کے لئے کافی ہیں۔

تشریح:۔ یہ دو آیتیں "آمن الرسول" سے آخر تک ہیں اور ان کے کافی ہونے کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً تہجد کے متبادل کے طور پر یا رات کو قرآن پڑھنے کے طور پر یا شیطان وغیرہ کے شر سے حفاظت کے لئے کافی ہیں یا ثواب کے لئے کافی ہیں بنا بر تقدیر ثواب مراد ہے تفصیلی وانعامی ثواب ہوگا جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ج:۲ص:۲۸۱ باب ماذکر ممایستحب من الجلوس الخ۔)

حدیث نعمان بن بشیرؓ:۔ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی، اس میں سے دو آیتیں اُتاریں جن کے ساتھ سورۃ البقرہ کو ختم کیا نہیں پڑھی جاتیں وہ آیتیں کسی گھر میں تین راتیں (مسلسل) اور پھر (مجال ہے کہ) شیطان اس گھر کے قریب آئے۔ (حسن غریب)

قوله: "کتب کتاباً" اس سے مراد لوحِ محفوظ لینا بھی صحیح ہے اور کوئی دوسری کتاب بھی ہوسکتی ہے

تاہم اگر لوحِ محفوظ ہو تو پھر بظاہر اس حدیث کا اُس حدیث سے تعارض نظر آتا ہے جس میں ہے کہ تقدیر پچاس ہزار سال قبل لکھی جاچکی ہے، مگر اس کا جواب یہ ہے کہ زمین وآسمان سے پہلے کوئی زمانہ موجود نہیں تھا لہٰذا دونوں عددوں سے مراد مدتِ طویلہ ہے کوئی متعین وقت مراد نہیں، نیز سال کا حساب بھی کوئی متعین مدت نہیں کیونکہ سال کبھی قمری ہوتا ہے، کبھی شمسی اور کبھی نوری وغیرہ ان کے آپس کا اختلاف ایک بدیہی بات ہے ہوسکتا ہے کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں الگ الگ سال مراد ہو سائنس کے نظریہ اضافت سمجھنے سے اس بارے میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا ہے۔

ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ میں نے بابل کے ماہر جادوگروں سے سُنا ہے کہ جو شخص ہر سورۃ کی آخری آیت لکھ کر اپنے پاس رکھ دے (یا کسی گھر میں لگادے) تو وہاں تک جادو نہیں پہنچتا ہے "وقد جرّبناه فوجدناه وربكم اعلم بهذا واسواه" انتہی۔ لہٰذا جواس کے پڑھنے کا معمول بنائے وہ سحر سے محفوظ رہے گا۔

باب ماجاء فی سورة ال عمران

سورۂ ال عمران کی فضیلت کا بیان

"عن نوّاس بن سمعان عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یأتی القرآنُ واهلُه الذین یعملون به فی الدنیاتقدُمُه سورة البقرة وال عمران قال نوّاس وضرب لهمارسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاثة امثال مانَسِیتُهن بعدُ،قال تأتیان کانهماغیابتان وبینهماشَرَقٌ او کانهما غُمامتان سَودَاوَانِ او کانهماظُلّة من طیرصَوّافٍ تُجادِلان عن صاحبهما". (حسن غریب)

(قیامت کے دن) قرآن آئے گا اور اس کے پڑھنے والے وہ لوگ آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، سورۃ البقرہ اور ال عمران اس (قرآن یا عمل کرنے والے) کے آگے آگے ہوں گی، حضرت نواسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کی تین مثالیں بیان فرمائی جن کو میں ابھی تک نہیں بھولا ہوں۔

(۱)....آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں آئیں گی گویا کہ وہ دونوں سائبان (چھتریاں) ہیں، ان کے درمیان ایک روشنی ہوگی (جس سے دونوں کے درمیان امتیاز ہوگا)۔

(۲)....یا گویا وہ دونوں کالے (گھنے) بادل (کی مانند) ہوں گی (یعنی کثیف)۔

(۳).....اور یا گویا وہ دونوں سائبان ہوں گے قطار میں اُڑنے والے پرندوں کا۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی (یعنی نجات پر اصرار کریں گی)۔

تشریح:۔ چونکہ قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے جو آنے جانے کے اوصاف سے پاک ہے اس لئے یہاں مراد ان دوسورتوں کا ثواب ہے جو قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو نہ صرف واضح دکھائی دے گا بلکہ وہاں کی شدید گرمی میں اس کا نمایاں فائدہ بھی محسوس کرے گا جس کے لئے آپ علیہ السلام نے تین مثالیں بیان فرمائی ہیں اور حضرت نواسؓ نے تینوں کو یاد کیا ہے، پھر ان دوسورتوں کے درمیان روشنی کا فرجہ ہوگا شاید بسم اللہ کی سطر پڑھنے کا فاصلہ مراد ہے۔

قولہ: "غیابتان" غیابۃ بفتحتین ہر سایہ دار چیز کو کہتے ہیں جو اُوپر سے گھیر لے۔

قولہ: "صَوَافّ" صافّۃ کی جمع ہے بتشدید الفاء جیسے دواب جمع ہے دابۃ کی۔ بڑے پرندے جب دور کا سفر کرتے ہیں تو وہ قطار بنا کر اُڑتے ہیں جیسے سائبیریا سے آنے جانے والے پرندوں میں اس کا بآسانی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں وہی صف وقطار مراد ہے۔ **قولہ:** "تجادِلان" یعنی حجتیں پیش کریں گی۔

اس حدیث کو ظاہر پر حمل کرنے میں کوئی استبعاد نہیں ہونا چاہئے کیونکہ عالم آخرت میں ایسے خوارق کا وجود کوئی غیر معمولی یا ناممکن امر نہیں تاہم قرآن اور ان دوسورتوں کی طرف مجی کی نسبت ان کے ثواب کی طرف مراد ہے کمامرّ۔ اور امام ترمذیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

حدیث ابن مسعودؓ:۔ "ماخلق اللہ من سماء ولا ارض اعظم من اٰیۃ الکرسی "۔ اللہ تعالیٰ نے آیۃ الکرسی سے بڑی کوئی چیز پیدا نہیں کی ہے نہ آسمان اور نہ زمین۔

یہ حدیث سفیان بن عیینہؒ نے اپنی تائید میں نقل فرمائی ہے کہ جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس حدیث میں ایۃ الکرسی سے مراد اس کا ثواب ہے ورنہ تقابل صحیح نہیں ہوگا تو اسی طرح باب کی حدیث میں بھی ان دونوں سورتوں سے مراد پڑھنے کا ثواب ہے، لیکن حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ اس تاویل پر ان کو عوام کے طرز اعتقاد نے مجبور کر دیا جیسا کہ متاخرین نے متشابہات میں اس قسم کی تاویلات کی ہیں ورنہ اس کا سیدھا سیدھا مطلب ظاہری معنی کے اعتبار سے بھی درست ہوسکتا ہے کہ مراد ان سورتوں کے انوار اور تجلیات ہوں، غرض اس قسم کی روایات کو ظاہر پر محمول کر کے مطلب اللہ پر چھوڑنا زیادہ اولیٰ ہے جیسا کہ متقدمین کی رائے

ہے اور پہلے بارہا عرض کی جاچکی ہے۔

(دیکھئے تشریحات: ج:۲،ص:۳۰۷، باب ماجاء فی نزول الرب تبارک الخ)

باب ماجاء فی سورة الکهف

سورۂ کہف کی فضیلت

"عن ابی اسحاق قال سمعتُ البراء یقول: بینما رجل یقرأسورة الکهف إذ رای دابته ترکض فنظرفاذامثل الغمامة او السحابة فأتیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکرله ذالک فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم :تلک السکینة نزلت مع القرآن". (حسن صحیح)

دریں اثنا کہ ایک شخص (أسید بن حضیرؓ) سورۃ الکہف پڑھ رہا تھا کہ اچانک اس نے دیکھا اپنی سواری کے جانور کو کہ وہ کودتا ہے (بدک رہا ہے) تو اس نے (آسمان کی طرف) دیکھا تو یکا یک دیکھا بادل کی طرح ایک چیز کو (راوی کو لفظ غمامۃ اور سحابۃ میں شک ہے) پس وہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سکینہ ہے جو قرآن کے ساتھ نازل ہوا تھا۔

تشریح:۔ دیگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ کہف پڑھنے والے یہ صحابی حضرت أسید بن حضیرؓ تھے، ہوسکتا ہے کہ کوئی اور شخص ہو، پھر اس گھوڑے کے بدکنے کی حالت یہ تھی کہ قریب میں ان کے صاحبزادہ یحیٰ سو رہے تھے ان کے کچلے جانے کا اندیشہ پیدا ہوا تھا، یہ واقعہ تہجد کی نماز میں پیش آیا تھا پھر "نزلت مع القرآن" میں عموم کی طرف اشارہ ہے تاہم سورۃ الکہف کی فضیلت پر بہت ساری دوسری احادیث بھی ناطق ہیں، یہاں سکینہ سے مراد کیا ہے؟ تو اس میں متعدد اقوال ہیں مثلاً فرشتوں کا جھرمٹ یا مخصوص ہوا، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کی کوئی مخلوق تھی جس میں اطمینان تھا۔

حدیث ابی درداءؓ:۔ "من قرأ ثلاث ایات من اول الکهف عُصِمَ من فتنة الدجال". (حسن صحیح)

جس نے سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیتیں پڑھیں تو وہ دجال کے فتنے سے محفوظ کیا گیا۔

قولہ: "من فتنة الدجال" الف لام عہد کے لئے بھی ہوسکتا ہے جس سے مراد دجال اکبر ہے مگر جنس کے لئے بھی ہوسکتا ہے کہ مراد مطلق دجال وفریب کار ہو تو جس طرح اللہ تبارک وتعالی نے سورۂ کہف میں اصحاب کہف کا ذکر فرمایا ہے کہ خدانے ان کو ایک جابر وظالم بادشاہ دقیانوس سے بچالیا اسی طرح جو شخص یہ سورت پڑھے گا تو وہ بھی دقیانوسی قوتوں سے بچالیا جائے گا۔ پھر یہ فضیلت سورۂ کہف کی ابتدائی آیات میں بھی ہے اور آخری آیتوں میں بھی خصوصاً جمعہ کی رات۔

باب ماجاء فی یٰس

سورۂ یٰس کی فضیلت

"عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :ان لکل شیء قلباً وقلب القرآن یٰس ،ومن قرا یٰس کتب اللہ لہ بقراء تھاقراء ۃالقرآن عشرمرات". (حسن غریب)

ہر چیز کا دل (مرکز) ہوا کرتا ہے اور قرآن کا دل یٰس ہے اور جو شخص یٰس پڑھے گا اللہ اس کے لئے دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا ثواب لکھے گا۔

تشریح:۔ پہلے گذرا ہے کہ اس قسم کے فضائل میں تفضیلی وانعامی ثواب مراد ہوتا ہے، ابن العربیؒ نے سورۂ یٰس کی فضیلت کے بارے میں کسی بھی حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے، البتہ بصورت صحت ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورۂ یٰس میں اصول عقائد اور دلائل توحید وقدرت اور مبدأ ومعاد اور رسالت کا ذکر ہے اس لئے تقریباً تمام اصول کے اجتماع کی وجہ سے اس کو قلب قرآن کہا گیا ہے۔

باب ماجاء فی حٰم الدخان

سورۂ دخان کی فضیلت

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :من قرأ حٰم الدخان فی لیلة اصبح یستغفر لہ سبعون الف ملک". (غریب)

جو شخص کسی رات سورۂ حٰم الدخان پڑھے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

حدیث ابی ہریرۃؓ:۔ "من قرا حٰم الدخان فی لیلة الجمعه غفر له. (غریب)

جو شخص سورۂ دخان جمعہ کی رات پڑھے گا تو اس کی مغفرت کی جائے گی۔ سند کے اعتبار سے باب کی دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔

باب ماجاء فی سورة الملک

سورۂ ملک (یعنی تبارک الذی) کی فضیلت

"عن ابن عباس قال ضرب بعض اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم خباءَه علی قبر وهو لا یحسب انه قبر فاذا فیه انسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها فأتی النبیّ صلی الله علیه وسلم فقال: یارسول الله! ضربتُ خبائی علی قبر وانا لا أحسِبُ انه قبر فاذا فیه انسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها فقال النبی صلی الله علیه وسلم: هی المانعة، هی المُنجية تنجيه من عذاب القبر". (غریب)

صحابہ کرامؓ میں سے ایک صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر گاڑا وہ نہیں جانتے تھے کہ یہاں قبر ہے، جبکہ وہ تو قبر تھی کسی انسان کی جو سورۂ ملک پڑھ رہا تھا یہاں تک کہ اسے پورا پڑھ چکا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگایا جبکہ مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ قبر ہے لیکن (وہاں ایک قبر تھی) اس میں ایک انسان سورۂ ملک پڑھنے لگا تا آنکہ اسے پورا کر دیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ (سورت) روکنے والی ہے (عذاب کو) جو اسے قبر کے عذاب سے نجات دیتی ہے۔

تشریح:۔ یہ حدیث یحییٰ بن عمرو کی وجہ سے ضعیف ہے تاہم ترمذی کے بعض نسخوں میں اس پر حسن غریب کا حکم لگایا گیا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی کبھار عالم برزخ کے احوال زندوں پر منکشف فرما دیتے ہیں، نیز موت سے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر جس کو عبادت کی اس طرح عادت ہو جائے کہ وہ مزاج بن جائے تو اس کا دل و دماغ دنیا میں اور روح عالم برزخ میں عبادت میں مستغرق رہتی ہے تو جس طرح وہ دنیا میں ایسے ہی خواب دیکھتا ہے اسی طرح قبر میں اپنا شغل جاری رکھتا ہے، اس لئے ایک حدیث میں آتا ہے کہ اس کے لئے سورج ڈوبنے کی حالت میں دکھایا جاتا ہے اور وہ فرشتوں سے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو میں نماز پڑھتا ہوں۔ بہرحال قبر میں عبادت بطور التذاذ ہی ہو سکتی ہے برائے ثواب نہیں کیونکہ تکلیف موت پر ختم ہو جاتی ہے۔

باب کی اگلی روایت میں ہے کہ قرآن میں ایک سورت تیس آیتوں پر مشتمل ہے وہ آدمی (قاری) کی

سفارش کرے گی وہ "تبارک الذی بیدہ الملک" ہے۔ (حسن)

اس سے معلوم ہوا کہ تسمیہ جزء سورت نہیں ہے۔ پھر یہ شفاعت قبر میں بھی مراد ہوسکتی ہے اور قیامت کے دن بھی۔

قولہ: "تفضلان علی کل سورۃ من القرآن بسبعین حسنۃ" یعنی الم تنزیل السجدہ اور سورۂ تبارک الذی، قرآن کی ہر سورت سے ستر نیکیوں کے ساتھ فضیلت رکھتی ہیں۔

اس سے مراد تفضیلی وانعامی ثواب ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ مراد عذاب قبر کے حوالے سے فضیلت کا بیان ہے۔

باب ماجاء فی "اذازلزلت"

سورۂ زلزال کی فضیلت

"عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأاذازُلزِلت عُدلت له بنصف القرآن ومن قرأقل یاایہاالکافرون عُدلت له بِرُبع القرآن ،ومن قرأقل هو الله احدعدلت له بثُلُثِ القرآن". (غریب)

جس نے "اذازلزلت" پڑھی وہ اس کے لئے قرآن کے آدھے (ثواب) کے برابر شمار ہوگی اور جس نے "قل یاایہاالکافرون" پڑھی وہ اس کے لئے چوتھائی قرآن کے برابر گردانی جائے گی، اور جس نے "قل ھو اللہ احد" پڑھی وہ اس کے لئے تہائی قرآن کے برابر قرار دی جائے گی۔

تشریح:۔ مراد تینوں سورتیں مکمل پڑھنا ہے اور ثواب سے مراد تفضیلی ثواب ہے تاہم حدیث حسن بن سلم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لِرجل من اصحابه: هل تَزَوّجتَ یافلان؟قال:"لاواللہ یارسول اللہاو لاعندی ماأتَزَوّجُ به"قال:ألیسَ معک قُل هو اللہ احد؟قال بلیٰ!قال:ثُلثُ القرآن قال:ألیسَ معک اذاجاء نصر اللہ والفتح؟ قال بلیٰ!قال رُبعُ القرآن قال الیس معک قل یاایہاالکافرون؟قال بلیٰ!قال ربع القرآن قال الیس معک اذازلزلت الارض؟قال بلیٰ!قال ربع القرآن قال تَزَوَّج تَزَوَّج". (حسن)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے ایک صاحب سے فرمایا کہ اے فلاں کیا تم نے شادی کی ہے؟ اس نے کہا کہ بخدا نہیں اے اللہ کے رسول اور نہ ہی میرے پاس اتنا مال ہے کہ جس سے میں شادی کرلوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے "قل ھو اللہ احد" یاد نہیں ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تہائی قرآن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید پوچھا کیا تجھے "اذا جاء نصر اللہ والفتح" یاد نہیں؟ اس نے کہا کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوتھائی قرآن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کیا تجھے "قل یاایھا الکافرون" یاد نہیں؟ اس نے کہا کیوں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوتھائی قرآن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تجھے "اذا زلزلت الارض" یاد نہیں اس نے کہا کیوں نہیں، آپؐ نے فرمایا چوتھائی قرآن، آپؐ نے فرمایا نکاح کر، نکاح کر۔

ہمارے حنفیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بہت معزز ہو شادی کرلو اور اپنی بیوی کو ان سورتوں کی تعلیم دو، جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو وہ علیحدہ سے دینا پڑتا ہے، مسئلہ اختلافی ہے نکاح میں تفصیل گذری ہے فلا نعیدہ۔

اس حدیث سے یہ حکمت معلوم ہوئی کہ جب قرآن والوں کو معزز سمجھا جائے گا تو لوگ قرآن کی طرف راغب ہوں گے، آج اغیار نے سوچی سمجھی سازش کے تحت دنیاوی عزت اور دولت انگریزی کے پیچھے لگائی ہے تاکہ مسلمان بھی قرآن کو نظرانداز کریں۔ ہمارے بہت سے نادان مسلمان بھائی اس سازش کا شکار ہوئے۔ بہرحال ان احادیث سے ان سورتوں کی فضیلت معلوم ہوئی کیونکہ یہ اُمّہات عقائد پر مشتمل ہیں کما لا یخفی۔

باب ماجاء فی سورة الاخلاص وفی سورة اذازلزلت

سورۂ اخلاص اور سورۂ اذا زلزلت کی فضیلت

"عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذازلزلت تعدِلُ نصف القرآن وقل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن وقل یاایھا الکافرون تعدِل رُبع القرآن". (غریب)

"اذا زلزلت" نصف قرآن کے برابر ہے اور "قل ھو اللہ احد" تہائی قرآن کے مساوی ہے اور "قل یاایھا الکافرون" چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

تشریح: یہ حدیث یمان بن مغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے، بصورت صحت اس کا مطلب یہ ہے کہ

چونکہ "اذا زلزلت" میں معاد کا ذکر ہے جو مبدأ کے مقابلہ میں نصف ہے اور قرآن میں مبدأ و معاد دونوں سے بحث ہوتی ہے اس لئے سورۂ زلزال کو نصف قرآن کہا، جہاں تک ثواب کا تعلق ہے تو شاید سورۂ اخلاص کا ثواب زیادہ ہو کیونکہ صفت باری تعالیٰ پر مشتمل ہے۔

باب ماجاء فی سورة الاخلاص

سورۂ اخلاص کی فضیلت

"ایعجز احدکم ان یقرأ فی لیلۃ ثلث القرآن؟ من قرأ "الله الواحد الصمد" فقد قرأ ثلث القرآن۔" (حسن)

کیا تم میں سے کوئی ایک اس سے قاصر ہے کہ ہر رات کو تہائی قرآن پڑھے؟ جس نے "الله الواحد الصمد" (اللہ ایک ہے اور بے نیاز ہے) پڑھی بلاشبہ اس نے تہائی قرآن پڑھا۔

تشریح: مراد پوری سورۂ اخلاص ہے، بخاری شریف میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو صحابہ کرام پریشان سے ہوئے اور کہنے لگے کہ کون رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ سکتا ہے یعنی یہ تو بہت مشکل ہے اور ہر ایک ایسا نہیں کرسکتا، اور جواب تو واضح ہے کہ مراد پوری سورۂ اخلاص پڑھنا ہے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ فضائل سور کے بارے میں "فاتحہ، بقرہ، ال عمران، ملک اور قل ھو اللہ احد" کے ثلث القرآن کے مساوی ہونے کی روایات صحیح ہیں۔

حدیث آخر: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آرہا تھا تو آپ نے ایک شخص کو "قل ھو الله احد" پڑھتے ہوئے سُنا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَجَبَتْ" (ثابت ہوگئی) میں نے پوچھا کہ کیا چیز ثابت ہوگئی؟ آپ نے فرمایا جنت واجب ہوگئی۔ (حسن صحیح غریب)

پیچھے بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ اس قسم کی روایات کو خاصیت مفرد پر محمول کیا جائے گا۔

حدیث انسؓ: جس نے روزانہ دوسو (۲۰۰) مرتبہ "قل ھو الله" (سورۂ اخلاص) پڑھی تو اس کے پچاس سال کے گناہ مٹادیئے جائیں گے مگر یہ کہ اس کے ذمہ دین (قرض) ہو۔ اسی سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے: جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرلے اور وہ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے اور پھر "قل ھو الله احد" (سورۂ اخلاص) سو (۱۰۰) مرتبہ پڑھے، تو جب قیامت کا دن ہوگا تو اس سے رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ: اے

میرے بندے اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو۔ (غریب)

حدیث ابی ہریرۃؓ:۔ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُحشُدُوا فانی ساقرأعلیکم ثلث القرآن قال فحشدمن حشد ثم خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقرأقل ھواللہ احد ثم دخل الخ".

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکٹھے ہو جاؤ کہ میں تمہیں تہائی قرآن سناؤں گا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جو لوگ جمع ہو سکتے تھے وہ جمع ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) نکلے اور "قل ھو اللہ احد" پڑھی اور پھر آپ گھر تشریف لے گئے۔ پس ہم ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا (حالانکہ آپ نے تو صرف ایک سورت سنائی اور پھر اندر واپس تشریف لے گئے) ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کے پاس آسمان سے کوئی خبر آئی ہے (جس کی وجہ سے آپ گھر تشریف لے گئے) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے کہا تھا کہ میں آپ لوگوں کے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا! آگاہ ہو کہ یہ (سورۂ اخلاص) تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (حسن صحیح غریب)

قولہ: "اُحشُدُوا" ضرب ونصر دونوں سے آتا ہے حشد بمعنی جمع کے آتا ہے یعنی اجتمعوا حاضر ہو جاؤ اور جمع ہو جاؤ!۔

صحابہ کرامؓ آپ کے گھر واپس جانے سے یہ سمجھے کہ شاید کوئی وحی آپ پر نازل ہونے والی ہے اس لئے آپ علیہ السلام اندر تشریف لے گئے اور باقی تلاوت مکمل نہ فرما سکے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مقصد واضح ہے یعنی مجھے جو سُنانا تھا وہ میں پڑھ چکا ہوں اور یہی سورت سُنانا چاہتا تھا جو تہائی قرآن ہے۔

حدیث انسؓ:۔ "کان رجل من الانصار یؤمُّھم فی مسجد قبافکان کلما افتتح سورۃ یقرأبھم فی الصلوۃ یقرأبھا افتتح بقل ھو اللہ احد حتی یفرغ منھا ثم یقرأسورۃ اُخری معھا وکان یصنع ذالک فی کل رکعۃ الخ". (حسن غریب)

انصار میں سے ایک شخص مسجد قبا میں لوگوں کی امامت کیا کرتے تھے، اُن کی عادت تھی کہ جب ارادہ کرتے کہ شروع کریں کوئی سورت جو پڑھنا چاہتے نماز میں ان کے لئے تو آغاز "قل ھو اللہ احد" سے کرتے یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر اس کے ساتھ دوسری سورت (ملا کر) پڑھتے (یعنی سورۂ فاتحہ کے بعد متصل پہلے سورۂ اخلاص پڑھتے پھر دوسری کوئی سورت) اور وہ ہر رکعت میں ایسا ہی کیا کرتے تھے، پس ان کے

ساتھیوں (نمازیوں) نے ان سے بات کی ان سب نے کہا کہ تم پہلے یہ سورت (اخلاص) پڑھتے ہو اور پھر جب تک کہ دوسری سورت نہیں پڑھتے ہو تو اس کو اپنے لئے کافی بھی نہیں سمجھتے ہو! تو یا تو تم اسی کو پڑھا کرو یا پھر اسے چھوڑ کر کوئی دوسری سورت پڑھا کرو!۔

اُن صاحب نے جواب دیا کہ میں اس سورت کو نہیں چھوڑ سکتا! اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ میں اس سورت کو پڑھ کر تمہاری امامت کروں تو ٹھیک ہے میں ایسا کروں گا، لیکن اگر تمہیں یہ بات پسند نہیں تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا (آپ اپنے لئے متبادل امام رکھیں) جبکہ لوگ ان صحابی کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، وہ اس کو گوارا نہیں کرتے تھے کہ ان کے علاوہ کوئی اور ان کی امامت کرے، چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول مسجد قبا میں) ان کے پاس تشریف لائے تو لوگوں نے یہ بات آپ کو بتائی تو آپ نے فرمایا: اے فلاں! تجھے کیا چیز روکتی ہے اس سے جو تیرے ساتھی تجھ سے کہہ رہے ہیں؟ اور تجھے کیا چیز آمادہ کرتی ہے اس سورت کے پڑھنے پر ہر رکعت میں؟ انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میں اس سے محبت کرتا ہوں فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إنّ حُبَّهاَ أدخلكَ الجنة آپؐ نے فرمایا: بے شک اس کی محبت تجھے جنت میں لے جائے گی۔

قوله: "فکلمه اصحابه" صحابہ کرامؓ کا ان صاحب پر اعتراض اس بناء پر تھا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح قرأت نہیں سُنی تھی اگر چہ اس وقت سورتوں کی ترتیب مصحف عثمانی کے مطابق نہیں تھی، اور آپؐ کا ان کو اپنی حالت پر چھوڑ نا ان کی خصوصیت ہوئی کہ ان کو آپ نے معذور سمجھا۔

باب ماجاء فی المعوِّذتین

معوّذتین کی فضیلت

"عن عقبة بن عامر الجهني عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قد أنزَلَ اللهُ عَلَيَّ ايات لم يُرَ مثلهن قل اعوذ برب الناس الىٰ آخر السورة وقل اعوذ برب الفلق الىٰ آخر السورة". (حسن صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کچھ آیتیں اُتاری ہیں جن کی مانند (کوئی آیات) نہیں دیکھی گئیں، وہ "قل اعوذ برب الناس" آخر تک اور "قل اعوذ برب الفلق" آخر تک ہیں۔

تشریح:۔یعنی استعاذہ کے باب میں ان دوسورتوں کی طرح کوئی سورت نہیں کیونکہ یہ پوری سورتیں دونوں استعاذہ پر مشتمل ہیں چنانچہ جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو آپ نے استعاذہ کی باقی دعاؤں کے بجائے ان کے پڑھنے کو معمول بنایا جو ہر رات کو سوتے وقت آپ پڑھتے ،اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے راوی حدیث حضرت عقبہ بن عامرؓ سے فرمایا کہ وہ ہر نماز کے بعد یہ دونوں سورتیں پڑھ لیا کریں جیسا کہ باب کی آئندہ حدیث میں بسند غریب مروی ہے۔اس حدیث سے معوذتین کا قرآن میں سے ہونا بھی معلوم ہوااور اس حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف جو بات منسوب ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن کا حصہ نہیں مانتے تھے، یہ نسبت صحیح نہیں۔

راقم نے اس مسئلہ پر بحث ''زادیسیر فی علوم التفسیر ''میں کی ہے۔

باب ماجاء فی فضل قاری القرآن

قرآن پڑھنے والے کی فضیلت

"عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الذى يقرأالقرآن وهو ماهرٌ بـه مع السَفَرَةِ الكِرام البَرَرَة والذى يقرأه قال هشام وهوشديدعليه قال شعبة وهوعليه شاق له اجران". (حسن صحيح)

جوشخص قرآن پڑھتا ہے اوروہ اس کا ماہر ہوتو وہ پیغام رساں معزز نیک فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو قرآن پڑھتا ہے.....ہشام راوی کہتے ہیں...اوروہ اس پر دشوار ہو.....جبکہ شعبہ اپنی روایت میں کہتے ہیں...اوروہ پڑھنا اس پر شاق (گراں) ہوتو اس کے لئے دوگنا اجر ہے۔

تشریح:۔قولہ:"سَفَرَة"سافر کی جمع ہے وہ فرشتے جو سفارت یعنی پیغام رسانی کا کام کرتے ہیں بعض نے کہا کہ مراد نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں، کرام کریم کی جمع ہے معزز کو کہتے ہیں اور بَرَرَة بارٌ کی جمع ہے برٌ سے مشتق ہے یعنی نیک اور فرمانبردار کو کہتے ہیں ۔چونکہ یہ فرشتے اللہ تبارک وتعالی کا کلام لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور ماہر قرآن بھی اللہ کا کلام کثرت سے پڑھتا ہے تو ان دونوں کی صفات ایک جیسی ہوگئیں اس لئے یہ شخص قیامت کے دن ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا، جبکہ غیر ماہر کو یہ مقام تو حاصل نہیں ہوگا البتہ اس کو ثواب دُہرا ملے گا ایک پڑھنے کا اور دوسرا اٹکنے کا یعنی مشقت کا۔

ابن العربیؒ نے ماہر سے مراد عالم بمعانی القران باعمل بھی لیا ہے۔ علی ہذا مطلب یہ ہے کہ جوشخص قرآن کثرت سے پڑھتا ہے اور سمجھ کر پڑھتا ہے وہ فرشتہ صفت بن جاتا ہے جبکہ عام پڑھنے والا ثواب تو حاصل کر لیتا ہے مگر اُونچا مقام پہلے والے کی طرح نہیں پاتا۔

حدیث علی بن ابی طالبؓ:۔ "من قرا القرآن فاستظهره فَاَحَلَّ حلاله وحَرَّمَ حرامه ادخله الله به الجنة وشَفَّعَه فی عشرة من اهل بیته کُلُّهم قد وجبت له النار"۔ (غریب)

جس نے قرآن پڑھا اور اسے یاد کیا (یا اسے پُشت پناہ سمجھا) اور اس کے حلال کو حلال مانا اور اس کے حرام کو حرام مانا تو اللہ اس کی بدولت اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کی سفارش قبول فرمائے گا اس کے خاندان کے ایسے دس افراد کے حق میں جن کے لئے جہنم واجب (لازم) ہو چکی ہوگی۔

تشریح:۔ قوله: "فاستظهره" حفظ کرنا مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے قرأتُ القرآن عن ظهر قلبی یعنی زبانی پڑھنا۔ ظہیر کے معنی معتمد کے بھی ہو سکتے ہیں۔ قوله: "کلهم وجبت" سے مراد کفر کی بناء پر لزوم جہنم نہیں بلکہ گناہوں کی وجہ سے ہے۔ یہ روایت بتصریح ترمذی ضعیف ہے، تاہم حافظ قرآن کے فضائل میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں مگر یہ فضیلت قرآن کے معانی سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے مشروط ہے۔

اس حدیث سے معتزلہ کی تردید ہوئی جو مذنبین کی شفاعت کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ شرح عقائد میں ہے۔

باب ماجاء فی فضل القرآن

قرآن کی فضیلت

"عن الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علیٰ علیٍّ فقلتُ یاامیر المؤمنین اَلاترىٰ الناس الخ"۔ (غریب)

حضرت حارث اعورؒ فرماتے ہیں کہ میں مسجد (کوفہ) میں گذرا تو اس وقت لوگ (باطل قسم کی) باتوں میں مشغول تھے پس میں حضرت علیؓ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! کیا آپ (ان) لوگوں کو نہیں دیکھتے جو (فضول) باتوں میں مشغول ہیں؟ آپؓ نے فرمایا کہ کیا واقعی وہ ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا "ہاں" حضرت علیؓ نے فرمایا بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آگاہ

رہو یات یہ ہے کہ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس سے نکلنے (بچنے) کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی کتاب ہے (یعنی اس سے بچنے کا راستہ قرآن کو تھامنا ہے) اس میں ان لوگوں کی خبریں ہیں جو تم سے پہلے گذرے ہیں اور آئندہ کی اطلاعات ہیں اور تمہارے درمیان کے فیصلے ہیں (یا زمانہ حال کے احکام ہیں) وہ دوٹوک ہے اس میں کوئی ہنسی ٹھٹھے کی باتیں نہیں ہیں، جو کوئی سرکش اسے (حقیر جان کر) چھوڑے گا اللہ اس کے ٹکڑے کرڈالے گا اور جس نے ڈھونڈی ہدایت قرآن سے ہٹ کر اللہ اس کو گمراہ کرے گا وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور وہ حکمت سے لبریز نصیحت نامہ ہے اور وہ سیدھا راستہ ہے وہ ایسی کتاب ہے جس کی وجہ سے خواہشات کج نہیں ہوتیں (یعنی اگر اس کی پیروی کی جائے تو خواہشات قابو میں رہتی ہیں) اور ملاپ نہیں کرتیں اس میں زبانیں (یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس میں مختلف زبانیں شامل ہوجائیں یا مطلب یہ ہے کہ کسی زبان والوں کے لئے اس کا پڑھنا دشوار نہیں ہے بلکہ اللہ نے اس کو آسان بنایا ہے)۔

اور علماء اس سے سیر نہیں ہوتے اور وہ پرانا نہیں ہوتا بار بار پڑھنے سے (یعنی اس کی معلومات ختم نہیں ہوتیں اس لئے ہر مرتبہ پڑھنے سے علم میں اضافہ ہوتا ہے) اور نہ اس کے حیرت انگیز مضامین کبھی ختم ہوتے ہیں، وہی ایسی کتاب ہے کہ جب اس کو جنات نے سنا تو وہ اپنے اوپر قابو نہ پاتے ہوئے بول اٹھے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے، جس نے قرآن کے مطابق بات کی تو اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا اسے ثواب دیا گیا اور جس نے فیصلہ کیا اس کے موافق تو اس نے عدل کیا، اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی تو وہ سیدھی راہ پر قائم رکھا گیا، لے لو تم اس حدیث کو اے اعور! (کانے!)۔

قولہ: "یخوضون" خوض پانی میں گھسنے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد ناپسندیدہ بحث ہے جبکہ فتنہ سے مراد عام ہے۔

باب ماجاء فی تعلیم القرآن

قرآن پڑھانے کی فضیلت

"عن عثمان بن عفان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: خیر کم من تَعَلَّم القرآن وعَلَّمه". (حسن صحیح)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو خود بھی قرآن سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے۔

تشریح:۔ چونکہ تمام دنیاوی پیشوں، پیسوں اور ہنر کا فائدہ دنیوی زندگی تک محدود ہے موت کے بعد اگر کوئی عمل مفید اور دائم وہمیشہ کے لئے نفع بخش ہے تو وہ قرآن سے وابستگی ہے اس لئے عقلمند وہ ہے جو ایسے مفید عمل کو اپنائے جس کا نفع کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ بلاشبہ ایسا شخص ہوشیار بھی ہے اور اعلیٰ نصب العین کی وجہ سے افضل بھی ہے۔ نیز کھانے پینے اور دیگر ضروریات کی اشیاء معدوم ہو جاتی ہیں جبکہ قرآن ہمیشہ باقی وجاویدانی ہے لہذا جو فانی کے مقابلہ میں اس سے لگا رہے گا وہ کامیاب ہوگا۔

اس لئے ابو عبدالرحمٰن راوی نے کہا کہ اسی بشارت نے مجھے مسند تعلیم القرآن پر بٹھایا ہے چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ سے یہ حدیث سننے سے لے کر مسلسل حجاج بن یوسف کے دور تک قرآن پڑھاتے رہے، لیکن یہاں بھی عمل کی شرط کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے نیز سمجھ کر پڑھنے اور پڑھانے سے ثواب مزید بڑھ جاتا ہے، لہذا معانی قرآن کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

باب ماجاء فی من قرأحرفاً من القرآن ماله من الاجر

قرآن کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں

"عن عبدالله بن مسعود یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :من قرأحرفاً من كتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها، لااقول الم حرفٌ ولكن الفٌ حرفٌ ولامٌ حرفٌ وميمٌ حرفٌ". (حسن صحيح غريب)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے، میں نہیں کہتا ہوں کہ "الــم" ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

حدیث ابی هریرة:۔ "يجيء القرآن يوم القيامة فيقول يارب حَلِّه فيُلبَسُ تاج الكرامة ثم يقول :يارب ازِده فيلبس حُلَّةَ الكرامة ثم يقول:يارب ارضَ عنه فيرضىٰ عنه فيقال له إقرأ وارقَأ ويُزاد بكل اية حسنة". (حسن)

قیامت کے دن قرآن (کا ثواب) آئے گا اور کہے گا کہ اے میرے رب! اس (پڑھنے والے) کو

جوڑا (یا زیور) پہنا! پس اسے عزت کا تاج پہنایا جائے گا، پھر کہے گا کہ اے میرے رب! اور زیادہ دے! چنانچہ اس کو عزت والا جوڑا پہنایا جائے گا وہ پھر کہے گا کہ اے میرے رب! اس سے راضی ہو! تو راضی ہوگا اس سے پروردگار، پھر اس سے کہا جائے گا: تو پڑھتا جا اور چڑھتا جا! اور ہر آیت کے بدلے ایک نیکی زیادہ کی جائے گی۔

قوله: "یجیئ القرآن" بعض نسخوں میں یجیئ صاحب القرآن ہے اس پر بحث "باب ناجاء فی سورۃ آل عمران" میں گذری ہے فلیراجع۔

باب (بلا ترجمہ)

قرآن پڑھنا بہترین ذکر ہے۔

"عن ابی امامة قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم: ماأَذِنَ اللهُ لِعبدٍ فی شیء افضل من رکعتین یصلیهما وان البِرَّ لَیُذَرّ علی رأس العبد مادام فی صلاته وماتَقَرَّبَ العِبادُ الی اللہ عزوجل بمثل ماخرج منه قال ابوالنضر یعنی القرآن". (غریب)

نہیں سنی اللہ نے کسی بندے کی بات کسی چیز میں (اتنی شفقت سے) جو ان دو رکعتوں سے بڑھ کر ہو جو وہ پڑھتا ہے، اور بے شک نیکی بندے کے سر پر چھڑکی جاتی ہے جب تک وہ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے اور بندوں نے اللہ کی اتنی نزدیکی کبھی حاصل نہیں کی جتنی وہ حاصل کرتے ہیں بسبب اس چیز کے جو نازل ہوتی ہے اللہ کی طرف سے یعنی قرآن پاک۔

تشریح: . **قوله:** "أَذِنَ اللّٰه" "أَذِنتُ الشیء اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی بات بہت توجہ سے اور غور سے سنی جائے۔ یہاں مراد بندے پر رحمت کاملہ کا نزول ہے، جو اللہ کی طرف سے نمازی پر بطور خاص کیا جاتا ہے۔ آخر میں راوی ابوالنضر نے "ماخرج منہ" کی ضمیر کا مرجع بتلا دیا اور لفظ "ما" کا مصداق بھی متعین فرمایا یعنی قرآن جو اللہ سے صادر ہوا ہے، تاہم ابن العربیؒ عارضہ میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کی نسبتیں باعتبار مُبلغ یعنی جبرائیل علیہ السلام کے مراد ہوتی ہیں چونکہ حضرت جبرئیلؑ عالم بالا سے نکل کر زمین پر قرآن اللہ کی طرف سے لے آئے اس اعتبار سے خروج کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی جو آسان لفظوں میں سمجھانے کا طریقہ ہے۔

اس لئے اوپر ترجمہ میں خارج کا ترجمہ نازل سے کیا گیا، متشابہات پر بحث بارہا گذر چکی ہے۔

باب (بلا ترجمه)

ہر آیت کے بدلے جنت میں درجہ ملتا ہے۔

"عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :ان الذی لیس فی جوفه شیءٌ من القرآن کالبیت الخَرِبِ ".(حسن صحیح)

بے شک وہ شخص جس کے باطن میں کچھ قرآن نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

تشریح:۔قوله:"فی جوفه" ای قلبه .قوله:"الخرب"بفتح الخاء وکسر الراء ویران کو کہتے ہیں یعنی جس طرح کسی گھر کی تزئین وآرائش کے لئے سامان زیب وزینت درکار ہے اسی طرح انسانی قلب کے لئے قرآنی تعلیمات کا ہونا ضروری ہے۔اس کے بغیر انسان کا دل اُجڑے ہوئے خالی گھر کی مانند ہوتا ہے۔

باب کی دوسری روایت میں ہے کہ صاحب قرآن سے کہا جائے گا:

"اِقرأ وارقِ وَرَتِّل کما کنت تُرَتِّلُ فی الدنیافان منزلتک عندآخر اٰیة تقرأ بها". (حسن صحیح)

پڑھتا جا اور (جنت کے درجوں پر) چڑھتا جا، اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا رہ جیسے دنیا میں آہستہ آہستہ پڑھتا تھا بے شک تیرا مقام اس آخری آیت کے پاس ہے جس کو تو پڑھے گا۔

یعنی جب اہل ایمان جنت میں داخل ہوں گے تو ان میں سے جو اصحاب قرآن ہیں ان سے یہ ارشاد فرمایا جائے گا۔اس حدیث سے جنت کے درجوں کی کثرت معلوم ہوئی جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، اور چونکہ امت میں سے کوئی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح قرآن نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تدبر کر سکتا ہے اس لئے اتنے درجے طے کرنے کے باوجود بڑا تفاوت رہے گا۔جبکہ آپ علیہ السلام کو نبوت اور دوسرے فضائل کی خصوصیت بھی حاصل ہے اور یہی حال باقی انبیاء علیہم السلام کا بھی ہے۔اس لئے انبیاء علیہم السلام کے درجات بہر حال سب سے بلند ہوں گے۔

باب (بلا ترجمہ)

قرآن کو بھلانا بڑا گناہ ہے۔

"عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :عُرِضَت عَلَیَّ اُجُورُ اُمَّتی حتی القذاۃ یخرجھاالرجل من المسجد،وعُرِضت عَلَیَّ ذنوب امتی فلم اَرَذنباً اعظم من سورۃ من القرآن اوایۃ اُوتیھارجل ثم نسیھا". (غریب)

میرے سامنے میری امت کی نیکیاں پیش کی گئیں، یہاں تک کہ وہ تنکا بھی پیش کیا گیا جس کو نکال کر پھینک دیا ہو کسی آدمی نے مسجد سے، اور میرے سامنے میری امت کے گناہ پیش کیے گئے، تو میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی کو قرآن کی کوئی سورت دی گئی ہو یا کوئی آیت (یعنی یاد کی ہو) پھر وہ اس نے بھلادی ہو۔

تشریح:۔ چونکہ مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا اللہ کے گھر کی تعظیم ہے اس لئے یہ بڑی نیکی ہے۔ جبکہ قرآن کو بھول جانا اللہ کے کلام کو نظر انداز کرنا ہے اس لئے یہ بڑا گناہ ہے تاہم نسیان ایک غیر اختیاری وصف ہے اگر کوئی شخص قرآن کے ساتھ وابستگی رکھنے کے باوجود بھول جاتا ہے تو اس پر گناہ نہیں۔ مگر جو شخص اس کا پڑھنا چھوڑ دے تو اس پر گناہ ہے کیونکہ اس طرح نسیان اختیاری اسباب کی بناء پر اختیاری عمل میں آتا ہے جبکہ اس پر عمل ترک کرنا نسیان کا بدترین درجہ ہے جو اس آیت میں مراد ہے "**قال کذالک اَتتکَ ایاتنا فَنَسِیتَھا وَ کذالک الیوم تُنسیٰ**"۔ (طٰہٰ:۱۲۶)

لہٰذا اول تو بھرپور کوشش جاری رکھنی چاہئے کہ قرآن کا جتنا حصہ یاد ہے اسے یاد ہی رکھے لیکن اگر وہ بھول جائے تو عمل میں سستی ہرگز نہ کی جائے۔ اگرچہ یہ روایت منقطع ہے۔

باب (بلا ترجمہ)

قرآن کو سوال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

"عن عمران بن حصین انہ مَرَّ علیٰ قاریٔ یقرأثم سَأَلَ فاسترجع ثم قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول:من قرأ القرآن فلیسأل اللہ بہ فانہ سیجیئ اقوام

یقرء ون القرآن یسألون به الناس". (حسن)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصینؓ ایک شخص کے پاس سے گذرے جو قرآن پڑھ رہا تھا (تلاوت کرکے) پھر اس نے مانگا (یعنی لوگوں سے سوال کرنے لگا) تو حضرت عمرانؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جس نے قرآن پڑھا اسے چاہئے کہ اس کے ذریعہ اللہ سے مانگے، کیونکہ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن پڑھیں گے اور اس کے ذریعہ لوگوں سے مانگیں گے۔

تشریح:۔ حضرت عمران بن حصینؓ کا انا للہ الخ پڑھنا اس قاری کی مصیبت پر بھی ہوسکتا ہے اور اپنے مشاہدے پر بھی، کہ انہوں نے وہی حالت مشاہدہ فرمائی جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ پھر اللہ سے سوال کرنے میں اگرچہ دنیاوی حوائج مانگنا بھی جائز ہے لیکن زیادہ تر سوال آخرت کے لئے ہونا چاہئے۔

ابن العربیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے عمل سے استدلال کرکے قرآن کے ذریعہ سوال کرنے کو جائز کہا ہے۔

المسترشد عرض کرتا ہے کہ پھر یوں کہنا چاہئے کہ ان لوگوں کے سامنے تعریضاً قرآن پڑھنا جائز ہے جو قرآن کے مقام کو جانتے ہیں اور قرآن والوں کی قدر کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے سوال نہیں کیا تھا بلکہ راستہ پر بیٹھ گئے تھے اور حضرات شیخینؓ سے آیت کا مطلب پوچھا تھا، پھر جب آپؐ وہاں سے گذرے تو مسکرائے اور ابو ہریرہؓ کو اپنے ہمراہ لے گئے، لہٰذا ان کا تفسیر پوچھنا تعریض تھی کھانے کی نہ کہ صریح سوال۔

حدیث صہیبؓ:۔"ما اٰمَنَ بالقرآن من استحل محارمه". (لیس اسناده بذالک)

ایمان نہیں لایا قرآن پر وہ شخص جس نے قرآن کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال جانا۔

اگر کوئی شخص حرام کو درحقیقت حلال سمجھے تو یہ عین کفر ہے۔ اس صورت میں حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہوگی، لیکن اگر کوئی آدمی حرام کو دل میں اور عقیدے میں حرام ہی سمجھتا ہے لیکن اس سے اجتناب نہیں کرتا اور اس سے حلال جیسا معاملہ کرتا ہے تو گناہگار ہوتا ہے کافر نہیں، اس صورت میں حدیث تغلیظ پر محمول ہوگی، یہ ضابطہ مطلق حرام کا ہے خواہ وہ حدیث کی وجہ سے کیوں نہ ہو یہاں قرآن کی تخصیص جلالتِ شان، یا قطعیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ ظنی کا منکر کافر نہیں ہوتا اگرچہ فاسق ہو جاتا ہے، تکفیر کا اصول پہلے عرض کیا

جا چکا ہے۔(ملاحظہ ہو تشریحات: جلد: ششم ص:۴۲۵)

حدیث عقبہ بن عامرؓ:۔"الجاهر بالقرآن کالجاهر بالصدقة والمُسِرُّ بالقرآن کالمُسِرِّ بالصدقة".(حسن غریب)

بلند آواز سے قرآن پڑھنے والا اعلانیہ (کھلم کھلا) صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا چھپا کر خیرات کرنے والے کی مانند ہے۔

اگر صدقہ سے مراد نفلی خیرات ہو تو پھر وہی مطلب ہوگا جو امام ترمذیؒ نے بیان کیا ہے یعنی آہستہ پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ پوشیدہ صدقہ علانیہ سے افضل ہے لیکن اگر مطلق صدقہ مراد ہو تو چونکہ کبھی خفیہ صدقہ کرنا افضل ہوتا ہے اور کبھی آشکارا تو اسی طرح حال قرآن پڑھنے کا بھی ہوگا لہٰذا جہاں عجب اور ریاء کا اندیشہ نہ ہو اور بلند پڑھنے سے کسی کو تکلیف نہ ہو تو جہر افضل ہوگا ورنہ اخفاء بہتر بلکہ لازم ہوگا۔

باب (بلا ترجمہ)

"عن ابی لُبابة قال قالت عائشة کان النبی صلی الله علیه وسلم لاینام حتی یقرأ بنی اسرائیل والزمر".(حسن غریب)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہ سوتے تھے جب تک کہ سورت بنی اسرائیل اور زمر نہ پڑھ لیتے۔

حدیث عرباض بن ساریہؓ:۔"ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقرأ المُسبِحات قبل ان یرقد،یقول ان فیهن اٰیة خیر من الف اٰیة".(حسن غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مُسبحات پڑھا کرتے تھے قبل اس کے کہ آپ سوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔

قولہ:"المسبحات" وہ سورتیں جن کا آغاز وافتتاح تسبیح سے ہوتا ہے مسبحات کہلاتی ہیں، جیسے "سبحان الذی،سبّح اسم ربک الاعلیٰ،الحدید،حشر،صف،جمعہ اور سورۂ تغابن"۔

باب

"عن معقل بن یسار عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من قال حین یُصبح ثلاث

مرات اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم وقرأ ثلاث آیات من آخر سورة الحشر وَکَّلَ اللہ بہ سبعین الف ملک یصلون علیہ حتی یُمسی وان مات فی ذالک الیوم مات شہیداً ومن قالھا حین یُمسی کان بتلک المنزلة". (حسن غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تین مرتبہ پڑھا "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم" صبح کو اور سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کے لئے مغفرت مانگتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جائے اور اگر وہ اس دن فوت ہو جائے تو وہ شہید مرے گا، اور جو شخص ان کو پڑھے گا جبکہ وہ شام کرتا ہے تو وہ بھی اسی مرتبہ پر ہوگا (یعنی رات کو اس کے لئے فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اگر رات کو مرتا ہے تو شہید ہوگا)

باب ماجاء کیف کانت قراءة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کیسی تھی؟

"عن یعلی بن مملک انہ سأل أم سلمة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قراءة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصلوتہ، فقالت: مالکم وصلوتہ؟ کان یُصَلِّی ثم ینام قدرماصَلّیٰ ثم یُصَلِّی قدرمانام ثم ینام قدرماصلیٰ حتیٰ یصبح ثم نَعَتَت قِراءتہ (فاذا) ھی تنعتُ قراءة مفسّرة حرفاً حرفاً". (حسن صحیح غریب)

حضرت یعلی بن مملک سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت ام سلمہؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا تمہیں آپؐ کی نماز سے کیا غرض ہے؟ (یعنی آپؐ کی نماز کا حال معلوم کر کے کیا کرو گے اس طرح کی نماز تو ویسے بھی تم نہیں پڑھ سکو گے) آپؐ نماز (تہجد) پڑھتے پھر نماز کے بقدر (اتنی دیر کے لئے) سو جاتے، پھر نماز پڑھتے جتنی دیر آپؐ سوتے تھے، پھر جتنی دیر نماز پڑھی اتنی دیر سو جاتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، پھر حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ کی قرأت کا طریقہ بیان فرمایا (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کس طرح پڑھتے تھے) تو وہ حروف کو جدا جدا پڑھنا بیان کر رہی تھیں۔

تشریح:۔ چونکہ علم حاصل کرنے کا بڑا مقصد عمل کرنا ہے اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا مالکم؟

یعنی تم لوگ آپ علیہ السلام کی طرح تہجد نہیں پڑھ سکتے ہو پھر معلوم کرنے کا کیا فائدہ؟ بخاری کی روایت میں ہے کہ آپؐ کی قرأت مَدًّا ہوا کرتی تھی پس مطلب یہ ہوا کہ آپ علیہ السلام کی قرأت صاف صاف ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ہوتی تھی جس میں آیتوں پر وقف فرماتے اور حروف کی ادائیگی صاف ہوتی تھی۔

حدیث آخر:۔ عبداللہ بن ابی قیس سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں پوچھا کہ آپؐ وتر کب پڑھتے تھے۔ رات کے شروع میں پڑھتے یا آخرِ شب میں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آپؐ دونوں طرح پڑھتے کبھی اول شب میں پڑھتے اور کبھی آخر رات میں وتر پڑھتے! میں نے کہا کہ شکر ہے اللہ کا جس نے امر دین میں گنجائش رکھی ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: آپ کی قرأت کس طرح ہوتی تھی؟ (یعنی تہجد میں) کیا آپ آہستہ پڑھتے یا جہر فرماتے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ دونوں طرح کرتے تھے، کبھی سراً پڑھتے اور کبھی جہراً پڑھتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں کہ جس نے امر دین میں وسعت رکھی۔

عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا آپؐ جنابت (کی حالت) میں کیا کرتے تھے کیا آپ غسل کر کے سوتے یا بغیر غسل کے سوتے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جواب دیا کہ یہ سب آپ کرتے کبھی غسل کر کے سو جاتے اور کبھی وضوء کر کے سو جاتے، میں نے کہا: الحمد للہ! جس نے دین کے معاملہ میں فراخی وکشادگی رکھی ہے۔ (حسن غریب)

حدیث جابر بن عبداللہؓ:۔ "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یُعرِض نفسه بالموقف فقال: اَلَا رجل یحملنی الی قومه فان قریشامنعونی ان اُبَلِّغَ کلام ربی". (حسن صحیح غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم موقف (حج کے موسم) میں خود کو (لوگوں کے سامنے) پیش کیا کرتے تھے اور فرماتے کیا کوئی ایسا شخص ہے جو مجھے اپنی قوم کی طرف لے چلے کیونکہ قریش نے مجھے اپنے رب کے کلام کی تبلیغ سے روک دیا ہے۔

یہ مکی دور کے اس وقت کی بات ہے جب ۹ نبوی میں خواجہ ابوطالب کا انتقال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے۔ بالآخر یہ شرف اللہ نے مدینہ کے انصار کو بخشا چنانچہ اس حوالے سے بیعت عقبہ اور پھر ہجرت کا واقعہ مشہور ہے۔

امام ترمذیؒ شاید اس حدیث سے جہر قرأت کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

باب

"عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :یقول الرب تبارک وتعالیٰ:من شَغَلَه القرآن عن ذکری ومسالتی اَعطیتُه افضل ماأُعطِی السائلین وفضل کلام اللہ علیٰ سائر الکلام کفضل اللہ علیٰ خَلقِه". (حسن غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں جس کو قرآن نے مشغول رکھا میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے تو میں اس کو بہتر دوں گا اس چیز سے جو میں مانگنے والوں کو دیتا ہوں اور اللہ کے کلام کی فضیلت باقی سب کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت ہے اپنی مخلوق پر۔

تشریح:۔ یعنی جو قرآن کی کسی طرح خدمت کی وجہ سے دوسرے اذکار اور دعاؤں کے لئے فرصت نہ نکال سکا تو اس کو اللہ دوسروں سے زیادہ دیتا ہے، اور جس طرح اللہ فرماتا ہے "لیس کمثله شیء" تو اسی طرح اس کا کلام بھی مثل ونظیر سے بالاتر اور پاک ہے۔ اس سند میں محمد بن الحسن اور عطیۃ العوفی دونوں ضعیف راوی ہیں۔
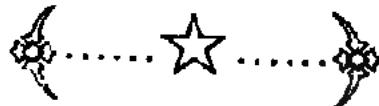
ابواب القراءات

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مختلف قراءتوں کا بیان

اس پر اجماع ہے کہ آیتوں کی ترتیب توقیفی ہے، جہاں تک وقف کرنے کا تعلق ہے تو اگرچہ مستحب یہ ہے کہ ہر آیت پر وقف کیا جائے تاہم وقف کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سانس توڑ دے بلکہ سکتہ بھی کافی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے العرف الشذی میں فرمایا ہے کہ قرآن پاک کے نسخوں کے حواشی پر جو لکھا ہوتا ہے وقف لازم تو اس کی کوئی اصل وبنیاد نہیں ہے نیز وقف نہ کرنا اور ملا کر پڑھنا بھی جائز ہے، الکوکب میں ہے کہ وقف کے اوپر ''لا'' کے نشان پر وقف جائز ہے۔

پھر یہ جو مشہور ہے کہ قراٗتیں سات ہیں تو یہ بات درست نہیں بلکہ قراءتوں کی تعداد دس سے بھی زیادہ ہے، غرض وقف اور قراٗتوں کی تعداد کے بارے میں غیر صحیح باتیں بھی مشہور ہو گئی ہیں۔

''عن ام سلمة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يُقَطِّعُ قراء ته يقرأ الحمدلله رب العالمين ثم يقف، الرحمن الرحيم، ثم يقف.... وكان يقرأ مَلِكِ يوم الدين''. (غريب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قراٗت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے، الحمد لله رب العالمين پڑھتے پھر ٹھہرتے، الرحمن الرحيم، پڑھتے پھر ٹھہر جاتے اور پڑھتے مَلِكِ يوم الدين۔

تشریح:۔ حضرت ام سلمہؓ کی روایت سابقہ باب سے پیوستہ باب میں بھی گذری ہے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ ''يقرأ الحمدلله رب العالمين، ثم يقف'' اس لئے طیبیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ امام ترمذیؒ نے بھی اس کو منقطع قرار دیا ہے۔ حاشیہ قوت المغتذی پر بحوالہ طیبی منقول ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کی ابتدائی آیات پر وقف فرمایا ہو تو یہ صرف سامعین کو آیتوں کی ابتداء وانتہاء بتانے کے لئے کیا ہوگا ورنہ موصوف وصفات کے مابین وقف بلاغت کے موافق نہیں اس لئے وقف تام

مالک یوم الدین پر مناسب ہے۔

جہاں تک مَلِکِ یوم الدین قرأت کا تعلق ہے تو اس میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ مالک الف کے ساتھ بھی صحیح اور ثابت ہے اور مَلِک بغیر الف کے یعنی کسرۂ لام کے ساتھ بھی جائز اور ثابت ہے دونوں قرأتیں فصیح ہیں، عارضہ میں ہے کہ بغیر الف کے زیادہ فصیح ہے جیسا کہ "الملک القدوس" (حشر: آیت: ۲۳) اور "فتعالیٰ اللہ الملک الحق" (طٰہٰ: آیت: ۱۱۴) میں ہے، اس میں مزید قرأتیں بھی ہیں۔

حدیث انسؓ:۔ "ان النفس بالنفس والعینُ بالعین" (مائدہ: ۴۵) یعنی والعینُ کو رفع کے ساتھ کیونکہ یہ نفس کے محل پر عطف ہے جو معنی کے لحاظ سے مرفوع ہے۔ کیونکہ النفس "ان" کا اسم ہے جو درحقیقت مبتدأ ہے لہٰذا اگر النفس کے لفظ کو دیکھا جائے تو اس پر معطوف جملوں کو منصوب پڑھا جائے گا۔ اور جب معنی کو دیکھا جائے گا تو مرفوع پڑھا جائے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہر جگہ نحوی قوانین کو سامنے رکھ کر اعراب لگانا شروع کر دیں کیونکہ قرأتیں جتنی بھی ہیں وہ سب توقیفی ہیں، اس لئے اگر کسی اعراب کی وجہ بیان ہو جائے تو اسے نکتہ بعد الوقوع کہا جائے گا۔

حدیث معاذ بن جبلؓ:۔ "ھل تستطیع ربَّکَ" (المائدہ: آیت: ۱۱۲) یعنی تستطیع تاء کے ساتھ اور ربَّکَ منصوب، جبکہ دوسری قرأت متواترہ میں بغیر تاء کے اور رفع کے ساتھ ہے "اِذقال الحواریُّون یا عیسیَ ابنَ مریم ھل یستطیع ربُّک الخ" باب کی حدیث کی قرأت کے مطابق مخاطب کا صیغہ اس لئے ہے کہ خطاب دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے اور تقدیر اس طرح ہے "ھل تستطیع ان تسال ربَّک" لہٰذا ربک تسأل مقدر کے لئے مفعول بہ ہے۔ یا منصوب بنزع الخافض ہے یعنی ھل تستطیع سوالَ ربِّک، باب کی حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر ابن العربیؒ عارضہ میں فرماتے ہیں کہ قرأتیں دونوں صحیح ہیں۔

حدیث ام سلمہؓ:۔ "انہ عَمِلَ غیرَ صالح" (ھود: ۴۶) یہ کسائی کی قرأت ہے یعنی بصیغہ ماضی جبکہ غیرَ منصوب ہے بنا بر مفعولیت ای عَمِلَ عملاً غیرَ صالح، مراد بُرا عمل ہے جبکہ باقی قُرّاء کرام نے بصیغہ مصدر اور غیر کو مرفوع پڑھا ہے "اِنّہ عَمَلٌ غیرُ صالح" ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کے پسر کنعان کی طرف راجع ہے یعنی یہ "بدعمل ہے"۔

قولہ: "اسماء بنت یزید ھی ام سلمۃ الانصاریۃ کِلا الحدیثین عندی واحد" یعنی باب کی حدیث ام سلمہؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں بلکہ یہ دوسری ام سلمہؓ ہیں جن کا نام اسماء ہے

لہٰذا شہر بن حوشب کے شاگردوں میں کوئی معنوی اختلاف نہیں بلکہ صرف نام کا اختلاف ہے، تاہم دوسرے طرق میں یہ روایت ام سلمہ ام المؤمنینؓ سے بھی مروی ہے، لہٰذا یہ دو حدیثیں ہو گئیں۔

قولہ: "قدبلغت من لدُنّی عُذُراً" (مثقلہ) (الکہف: آیت:۷۶) یعنی عُذُراً میں ذال پر ضمہ کے ساتھ جبکہ عام قراءت میں عذراً کا ذال ساکن ہے، بے شک آپ میری طرف سے عذر (کی انتہاء) کو پہنچ چکے ہیں۔ چونکہ ضمہ بنسبت سکون پڑھنے میں ثقیل ہوتا ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے اس کو مثقلہ کہا، اس روایت کی سند میں ابوالجاریہ راوی بتصریح امام ترمذی مجہول ہیں۔

قولہ: "فی عین حَمِئة" (الکہف: آیت:۸۶) یعنی ذوالقرنین کو سورج ایک سیاہ (یا گرم) پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا۔ یعنی باعتبار ظاہر کے ورنہ سورج پانی میں نہیں ڈوبتا مگر نظامِ شمسی میں چونکہ مرأی الناس اور متفاہم الناس کے مطابق بات کی جاتی ہے اس لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی، یہ اصول اس قسم کی آیتوں میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے، یعنی تعبیرات کو مشاہدہ کے مطابق سمجھنا چاہئے۔ اس آیت میں مزید قرأتیں بھی ہیں جیسے حامية، حَمِئَة وغیرہما۔

امام ترمذیؒ کا میلان اس طرف ہے کہ مذکورہ روایت مرفوع نہیں ہے بلکہ موقوف علی ابن عباس ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے پاس ابن عباسؓ اور عمرو بن العاصؓ کے درمیان اس قرأت میں اختلاف ہوا، ابن عباسؓ حَمِئَةٍ پڑھتے تھے جبکہ (عبداللہ بن) عمرو بن العاصؓ حامية پڑھتے تھے تو دونوں کعب احبار کے پاس گئے حالانکہ کعب احبار تو تابعی ہیں تو اگر ابن عباسؓ کے پاس کوئی مرفوع روایت اس قرأت کے حوالے سے ہوتی تو تابعی کے پاس کیوں جاتے؟ مگر کعب الاحبار کی طرف رجوع والی روایت صحیح نہیں کما فی العارضۃ۔

حدیث آخر: "عن ابی سعید قال لمّا کان یوم بدر ظھرتِ الرومُ علیٰ فارسَ فاعجب ذالک المؤمنین فنزلت "الم غلبت الروم..... الی قوله ...... یفرح المؤمنون "قال ففرح المؤمنون بظهور الروم علی فارس". (حسن غریب) ویُقرأ غَلَبت و غُلِبَت یقول کانت غُلِبَت ثم غَلَبت ھکذا قرأ نصر بن علی غَلَبَت".

جب بدر کا دن آیا تو رومی اہل فارس (ایرانیوں) پر غالب ہو گئے، اس سے مسلمانوں کو خوشی ہوئی پس "الم غلبت الروم........ یفرح المؤمنون" (آیت:۴) تک آیتیں نازل ہوئیں...... ابوسعیدؓ

فرماتے ہیں: پس اہل ایمان فارسیوں پر رومیوں کے غلبہ سے خوش ہوئے، چنانچہ نصر بن علی نے دونوں قرأتوں کو الگ الگ صورتوں پر محمول کر کے معروف ومجہول دونوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ یعنی رومی پہلے مغلوب ہو گئے تھے اور پھر غالب آ گئے لہٰذا غلبت یعنی مجہول کے صیغہ میں ان کی پہلی حالت مراد ہے جبکہ معروف میں آخری یعنی فاتحانہ حالت مراد ہے جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے، فتحہ غین یعنی معروف صیغہ سے متعلق باب کی حدیث اگرچہ عطیہ العوفی کی وجہ سے اتنی زیادہ قوی نہیں تاہم قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ فتحہ کی صورت میں ''سیغلبون'' کو مجہول پڑھنا ہوگا جو مسلمانوں کے ہاتھوں رومیوں کی شکست کی طرف اشارہ ہے چنانچہ مسلمانوں نے شام کی اراضی ان کے ہاتھوں سے لے لیں۔ اس طرح رومی مغلوب ہو گئے اور مسلمان غالب۔

حضرت شاہ صاحبؒ العرف الشذی میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دو قرأتیں دو مستقل آیتوں کے حکم میں ہوتی ہیں اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ جیسا کہ غسل رجلین میں گذرا ہے۔

حدیث ابن عمرؓ:۔ ''انه قرأ على النبي صلى الله عليه وسلم خلقكم مِن ضَعفٍ فقال "من ضُعفٍ" (روم:۵۴) یعنی اللہ وہ ہے جس نے تم کو کمزوری (یا معمولی چیز) سے پیدا کیا ہے، اس میں ابن عمرؓ نے ضعف بفتح الضاد پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضُعف بضمہ ضاد کی تلقین فرمادی۔ کیونکہ فتحہ بنوتمیم کی لغت میں ہے جبکہ قریش کی لغت ضمہ کے ساتھ ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ علی ہذا کہا جائے گا کہ ضعف بالفتح صحیح اور فصیح تو ہے لیکن ضُعف بالضم اصح اور زیادہ فصیح ہے اس لئے آپ علیہ السلام نے لقمہ دیا۔

حدیث عبداللہ بن مسعودؓ:۔ ''ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقرأ "فهل من مُذكر"۔ (حسن صحیح) (سورۂ قمر کی آیت: ۳۲ ہے) ایک قرأت میں مُذکر ذال معجمہ کے ساتھ بھی ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہے یعنی کوئی نصیحت حاصل کرنے اور قبول کرنے والا ہے؟

حدیث عائشہؓ:۔ ''فَرُوح ورَيحان وجنة نعيم '' (الواقعہ: آیت: ۱۹) یعنی بضمہ راء۔ یہ قرأت شاذ ہے جبکہ مشہور قرأت میں راء مفتوح ہے بمعنی آرام کے جبکہ ریحان رزق کو کہتے ہیں یعنی مقربین آرام وراحت کے رزق دباغات میں ہوں گے، جبکہ بضمہ راء بمعنی رحمت وحیاۃ کے آتا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ ہم شام گئے تو ہمارے پاس حضرت ابودرداءؓ تشریف لائے اور پوچھا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو عبداللہ (بن مسعود) کی قرأت کے مطابق پڑھتا ہو؟ علقمہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا (کہ یہ پڑھتا ہے) تو میں نے کہا ہاں (میں اس طرح پڑھ سکتا ہوں!)

ابودرداءؓ نے فرمایا تم نے عبداللہ کو یہ آیت "واللیل اذایغشی" کس طرح پڑھتے ہوئے سُنا ہے؟ علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نے ان کو سُنا ہے وہ اس کو پڑھتے تھے "واللیل اذایغشیٰ والذکر والانثی" پس ابودرداءؓ نے فرمایا کہ بخدا! میں نے بھی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح پڑھتے تھے، اور یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں کہ میں پڑھوں اس کو "وماخلق" پس (ابن مسعودؓ کی سند کے بعد) میں ان کی اتباع نہیں کروں گا۔ (حسن صحیح)

حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ بعض آیات میں کچھ اضافہ بعد میں نازل ہوتا تھا جیسے "من الفجر" اور "غیر اولی الضرر" تو ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی "وماخلق" بعد میں نازل ہوا ہو اور ان حضرات نے وہ اولین وحی سنی ہو۔

حدیث آخر: "انی انا الرزّاق ذوالقوۃ المتین" (ذاریات: ۵۸) یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت ہے جبکہ متواتر قرأت "ان اللہ ہو الرزّاق ذوالقوۃ المتین" ہے۔

قولہ: "بئسما لاحدھم او لاحدکم ان یقول نَسِیتُ آیۃ کیتَ وَکیتَ بل ھو نُسِّیَ فاستذکروا القرآن فوالذی نفسی بیدہ لھو اشد تفصّیا من صدور الرجال من النعم من عُقُلہ". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بُرا ہے ان میں سے کسی ایک کے لئے یا فرمایا تم میں سے کسی ایک کے لئے کہ کہے میں فلاں فلاں آیت بھول گیا، بلکہ (اسے یوں کہنا چاہئے کہ) بھلادی گئی مجھ سے فلانی آیت، پس تم قرآن کو یاد کرتے رہو کہ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قرآن لوگوں کے سینوں سے جلدی بھاگ جاتا ہے بنسبت چوپایوں کے اپنے باندھنے کی رسّی سے۔

قولہ: "بئسما الخ" یعنی قرآن پاک سے لاتعلقی کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ اس طرح یاد رکھنا ممکن نہیں رہتا، بلکہ وہ اس اونٹ سے بھی زیادہ جلدی غائب از سینہ ہوجاتا ہے جو پاؤں سے بندھا ہوا اور وہ رسّی سے چھوٹ جائے اور بھاگ جائے اگر بالفرض کوئی شخص قرآن کا کوئی حصہ بھول جائے تو پھر وہ اس کا اظہار اور خصوصاً نسیان کی نسبت براہ راست اپنی طرف نہ کرے کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔

قرآن کی طرح احادیث بھی لاپرواہی کی وجہ سے جلد بھول جاتی ہیں جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کے خطبہ

میں ہے، لہٰذا علوم قرآن وحدیث ودیگر علوم شریعت کے ساتھ ہروقت لگا رہنا ہی ان علوم کی حفاظت کا بہترین طریقہ ہے۔

العلم خرش وماءه درس

باب ماجاء ان القرآن أُنزل علیٰ سبعة احرف

قرآن پاک سات حرفوں پر اتارا گیا ہے

"عن ابی بن کعب قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل فقال یاجبرئیل انی بُعثت الی امة اُمّیین منھم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریة والرجل الذی لم یقرأ کتاباً قط اقال یامحمد ان القرآن اُنزل علیٰ سبعة احرف". (صحیح)

حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت جبریلؑ سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبریل! میں تو ناخواندہ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں جن میں سے کوئی بوڑھی عورت ہے، کوئی بوڑھا شخص ہے اور کوئی بچہ اور کوئی بچی ہے اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے کوئی کتاب کبھی نہیں پڑھی ہے (غرض ان کے لئے ایک ہی طرح پڑھنا دشوار ہے) حضرت جبریل نے (اللہ کے حکم سے) فرمایا اے محمد! قرآن سات حرفوں پر اُتارا گیا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہشام بن حکیم کے پاس سے گذرا وہ سورت فرقان پڑھ رہے تھے (یہ واقعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں (پیش آیا) تو میں نے ان کی تلاوت غور سے سُن لی، پس اچانک (میں نے سُنا کہ) وہ تو ایسے بہت سے الفاظ پڑھ رہے تھے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے، پس میں قریب تھا کہ ان پر (ان کی) نماز ہی میں حملہ کرتا.... تاہم میں نے ان کا انتظار کیا تاکہ وہ سلام پھیرلیں، چنانچہ جیسے ہی انہوں نے سلام پھیرا میں نے انہی کی چادر کو ان کی گردن پر لپیٹ کر پکڑا اور میں نے کہا کہ جو سورت تم پڑھ رہے تھے کس نے تمہیں اس طرح پڑھائی ہے جو میں نے سُنی! انہوں نے کہا کہ مجھے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے! میں نے ان سے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو! بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تو یہ سورت جو تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی پڑھائی ہے (تو پھر دونوں میں فرق کیوں ہے؟) چنانچہ میں ان کو اپنے پیچھے کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، میں نے عرض

کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے ان کو سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے سُنا ہے جو ایسے الفاظ میں پڑھتے ہیں جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے ہیں حالانکہ مجھے بھی آپ ہی نے سورۂ فرقان پڑھائی ہے! پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو اس کو عمر! اور ہشام تم پڑھو! تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسی طرح پڑھا جو میں نے سُنا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح نازل کی گئی ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر تم پڑھو! تو میں نے اسی طرح پڑھا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا تھا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح اتاری گئی ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن سات حروف پر اُتارا گیا ہے پس جو بھی اس میں سے آسان لگے وہ پڑھو! (صحیح حسن)

تشریح:۔ آج کل بعض ملاحدہ نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے حالانکہ یہ انتہائی اعلیٰ درجہ کی صحت پر ہے البتہ اس کے مطلب میں چالیس سے زیادہ اقوال ہیں۔ راقم نے ''زاد یسیر فی علوم التفسیر'' (ناشر قدیمی کتب خانہ) میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے یہاں صرف ایک قول نقل کیا جاتا ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ مراد اس سے ایک معنیٰ کو مختلف الفاظ سے تعبیر کرنا ہے بشرطیکہ مضمون ایک ہی رہے جیسے مَشَوا کی جگہ مَرّوا یاسعوا پڑھنا، کیونکہ عرب پڑھے لکھے نہ تھے اس لئے ان کو ایک ہی لفظ کا یاد کرنا جبکہ کوئی کتابی شکل میں الفاظ عام موجود بھی نہیں تھے مشکل تھا اس لئے ان کو الفاظ و تعبیرات کی وسعت دی گئی تھی تاہم یہ رخصت دو شرطوں سے مشروط تھی: ایک یہ کہ مطلب اور معنیٰ میں کسی طرح تبدیلی نہ آنے پائے۔ دوم یہ کہ وہ الفاظ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے گئے ہوں جیسا کہ باب کی دوسری حدیث میں تصریح ہے، لیکن جب عرب پڑھنے کے خوگر ہو گئے اور دوسری طرف اسلام جزیرہ نما عرب سے نکل کر عجمیوں کی سرزمین میں دور دور تک پھیل گیا تو عجمیوں نے اس اختلافِ الفاظ کو جھگڑوں کی شکل دے دی چنانچہ آرمینیا اور آذربائیجان کے جہاد کے دوران اس کی کچھ جھلکیاں نظر آنے لگیں اس لئے صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ایک ہی مصحف تیار کیا اور باقی الفاظ کی اجازت جو ایک عذر کی بناء پر تھی ختم کر دی گئی۔

باب (بلا ترجمہ)

قرآن پڑھنے سے اطمینان نصیب ہوتا ہے

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من نفّس عن اخیہ کربۃ

مِن کُرَبِ الدنیا نَفَّسَ اللہ عنہ کربۃً من کرب یوم القیامۃ ومن ستر مسلماً ستره اللہ فی الدنیا والآخرۃ ومن یَسَّرَ علی معسرٍ یَسَّرَ اللّٰہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ ومن سَلَکَ طریقاً یَلتَمِسُ فیہ علماً سَهَّلَ اللہ لہ طریقاً اِلیٰ الجنۃ وما قعد قوم فی مسجد یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الانزلت علیھم السکینۃُ وغشیتھم الرحمۃُ وحفتھم الملا ئکۃُ ومن اَبطابہ عَمَلُہ لم یُسرِع بہ نَسَبُہ"۔

جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کی کوئی دنیوی پریشانی دور کی تو اللہ قیامت کے دن اس کی مصیبتوں میں سے بڑی مصیبت دور فرمائے گا، اور جس نے کسی مسلمان کی (دنیا میں) پردہ پوشی کی تو اللہ دنیا وآخرت دونوں میں اس کی پردہ پوشی کرے گا، اور جس نے کسی تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کردیا تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت دونوں میں اس پر آسانی فرمائے گا، اور اللہ بندہ کی مدد میں اس وقت تک ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے، اور جو شخص ایسے راستہ پر چلتا ہے جس میں وہ علم تلاش کرتا ہے تو اللہ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کردیتا ہے، اور جو لوگ کسی مسجد میں بیٹھتے ہیں تاکہ وہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کریں اور آپس میں اس کا تکرار کریں (یعنی ایک دوسرے سے پڑھیں اور پڑھائیں) تو ان پر ضرور سکینہ (اطمینان) نازل ہوتا ہے اور ان پر رحمت الٰہی چھا جاتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کردے تو اس کا نسب اس کو آگے نہیں کرسکتا۔

تشریح:۔ اس حدیث کا پہلا حصہ فی عون اخیہ تک ترمذی کے ابواب الحدود اور ابواب البر والصلۃ میں گذرا ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: جلد: پنجم ص:۳۳۲، باب ماجاء فی الستر علی المسلم، وجلد: ششم ص:۱۸۴، باب ماجاء فی الستر علی المسلمین، جبکہ ومن سَلَکَ طریقاً..... الی الجنۃ تک ابواب العلم کے دوسرے باب میں گذرا ہے، وہاں امام ترمذیؒ نے اس پر حسن کا حکم لگایا ہے اور ابواب الحدود میں حسن صحیح غریب کا۔ اگرچہ وہ طریق دوسرا ہے مگر مضمون ایک ہے۔)

باب کی حدیث میں جو اضافہ ہے اس میں دو باتیں ذکر کی گئی ہیں: ایک یہ کہ قرآن سے تعلق خواہ تلاوت کے اعتبار سے ہو یا پڑھنے اور پڑھانے کا، ہر قسم کی وابستگی اطمینان اور سکینہ کے نزول کا سبب ہے۔ دوم یہ کہ اپنے نسب پر مغرور نہیں ہونا چاہئے بلکہ عمل میں لگنا چاہئے کیونکہ اگر آدمی کا نسب بہت ہی اعلیٰ ہو لیکن وہ شخص اگر جاہل وبدعمل ہوگا تو محض اپنے نسب سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں جبکہ علم وعمل ایسے

عوامل وعناصر ہیں جو آدمی کی دنیا وآخرت دونوں میں کامرانی کا موجب بنتے ہیں۔

باب (بلا ترجمہ)

کتنے دنوں میں قرآن ختم کرنا مناسب ہے؟

”عن عبدالله بن عمرو قال قلتُ يارسول اللّٰه! فى كم أقرأ القرآن؟ قال اختمه فى شهرا قلت انى أُطيق افضل من ذالک قال اختمه فى عشرين قلتُ انى أُطيق افضل من ذالک قال اختمه فى خمسة عشرا قلتُ انى أُطيق افضل من ذالک قال اختمه فى عشرا قلت انى أُطيق افضل من ذالک قال اختمه فى خمس قلتُ انى أُطيق افضل من ذالک! قال: فمارخص لى“. (حسن صحيح غريب)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں کتنے دنوں میں پورا قرآن ختم کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ماہ میں ختم کرو! میں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں! آپؐ نے فرمایا بیس دنوں میں پڑھ لیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے (بھی) زیادہ (جلدی) پر قادر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا پندرہ دنوں میں ختم کیا کرو میں نے کہا کہ میں اس سے (بھی) جلدی ختم کرسکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ دس ایام میں پڑھا کرو۔ میں نے کہا کہ میں اس سے (بھی) زیادہ (جلد) پڑھ سکتا ہوں، آپؐ نے فرمایا پانچ دنوں میں ختم کرو میں نے عرض کیا کہ میں اس سے (بھی) بہتر (زیادہ جلدی ختم کرنے) کی طاقت رکھتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے مجھے مزید (جلد ختم کرنے) کی اجازت نہیں دی۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو پانچ دن سے کم مدت میں قرآن کے ختم کرنے کی اجازت نہ دینا دو وجوہ پر مبنی ہے: ایک معانی پر غور کرنا یعنی تدبر کے ساتھ پڑھنا۔ دوم تلاوت کا عمل دوام وہمیشگی سے جاری رکھنا، لہٰذا نہ تو ایسا ہونا چاہیئے کہ بغیر تدبر کے جلدی جلدی پڑھ کر پورا قرآن تو ختم کردے لیکن اس کا کچھ مطلب سمجھ میں نہ آئے اور نہ یہ ہونا چاہیئے کہ کچھ دن تدبر کے ساتھ تلاوت کرکے پھر یکسر چھوڑ دے بلکہ اعتدال کا تقاضا یہ ہے کہ چالیس دن کے اندر اندر کم از کم ایک ختم تو ہونا چاہیے جیسا کہ آگے امام ترمذیؒ نے ان ہی کی روایت نقل کی ہے:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر عبداللہ بن عمرو ان یقرأالقرآن فی اربعین".

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمروؓ سے فرمایا کہ وہ چالیس دن میں قرآن ختم کریں۔اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم کسی شخص کے لئے مناسب نہیں سمجھتے کہ وہ چالیس دن میں ختم نہ کرے۔

اور اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول!اللہ کو کون سا عمل پسند ہے؟ آپؐ نے فرمایا:"الحالّ المُرتحِل "یعنی جو پڑاؤ کر کے فوراً کوچ کرنے والے کی طرح ہو یعنی جس کا عمل تسلسل سے جاری ہو، خواہ تلاوت ہو یا جہاد وغیرہ کوئی عمل ہو۔ان دوعلتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص تدبر اور ہیشگی کے ساتھ روزانہ ختم کرسکتا ہو تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کہ انتفاء علت سے انتفاء کراہیت ہو جائے گا جیسا کہ بہت سے اسلاف سے مروی ہے، امام ترمذیؒ نے حضرت عثمانؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔

علیٰ ہذا باب کی آخری حدیث"لم یفقه من قرأالقرآن فی اَقَلِّ من ثلاث "کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جلدی پڑھنے کے ساتھ تدبر اور غور نہیں کر سکتا ہے تو وہ تین دن سے کم میں ختم نہ کرے، رہا آج کل کے قُراء حضرات کا عمل جو تراویح میں آخری سورت کے ساتھ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی پانچ آیتیں پڑھ کر رکوع کرتے ہیں تو یہ اگر چہ مستحسن ہے، لیکن اس سے حال و مرتحل کا مقصد تب پورا ہوگا جب اس عمل کو آئندہ بھی جاری رکھا جائے۔اس کے برعکس اگر کسی نے قرآن ختم کر کے'والناس' پر وقف کر کے رکوع کیا یا نماز کے علاوہ سورۂ ناس پر تلاوت روک دی اور آئندہ کل پھر تلاوت سورۂ فاتحہ سے شروع کر دی تو وہ درحقیقت اس حدیث پر عمل پیرا شمار ہوگا، جیسے مجاہد ایک غزوہ سے فارغ ہوتے ہی دوسرے سفرِ جہاد کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔

ابن قیمؒ نے"الحال المرتحل "الحدیث کو صرف مجاہد کے ساتھ مختص کرنے کی کوشش کی ہے لیکن امام ترمذیؒ کا اس حدیث کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو عام عبادات کے لئے ایک ضابطہ ماننا زیادہ بہتر ہے، اور یہی ذوق کو لگنے والی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ کو وہ عمل پسند ہے، جس پر مداومت ہو جیسا کہ پیچھے گذرا ہے، خواہ وہ نماز وروزہ ہو یا صدقہ وتلاوت اور جہاد وغیرہ ہو۔

بظاہر یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جو عوام قرآن کی تفسیر نہیں جانتے ان کو تلاوت سے کوئی ثواب یا فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ چاہے جلدی ختم کریں یا بدیر بہرحال وہ تدبر وتفقہ سے تو قاصر ہیں ہی۔اس

کا جواب یہ ہے کہ ان کو نفس تلاوت کا ثواب تو ملتا ہے لیکن کما حقہ ثواب صرف ان کو ملتا ہے جو تلاوت کے ساتھ ساتھ معانی پر غور بھی کرتا ہے اور قرآن سے اس قسم کا استفادہ ہی شانِ قرآن کے مناسب ہے۔ پس تلاوت اور تدبر نور علی نور ہے جبکہ بغیر تدبر کے عام شخص کے لئے تو باعثِ اجر ہے لیکن اسے اپنی کوتاہی کے ازالہ کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اور جو شخص معانی جانتے ہوئے بغیر تدبر کے پڑھتا ہے تو شاید ایسی بے اعتنائی اس کے لئے اچھی ثابت نہ ہو۔ واللہ اعلم

جہاں تک حفظِ قرآن کا تعلق ہے تو صاحب بزازیہ نے اسے فرض کفایہ کہا ہے۔

"وفی البزازیة: تَعَلَّمَ بعضَ القرآن وَوَجَدَ فراغاً فالافضل الاشتغال بالفقه لِاَنَّ حفظ القرآن فرض كفاية وتعلم مالابدمن الفقه فرض عين الخ".

(مقدمہ۔ ص:۱۳۹ ایچ ایم سعید)

یعنی قرآن کریم کی معتد بہ مقدار حفظ کرنے کے بعد فقہ میں مشغول ہونا اس اعتبار سے افضل ہے کہ پورے قرآن کا حفظ فرض کفایہ ہے جبکہ فقہ کا علم فرض عین ہے۔ یعنی جس سے روزمرہ کی ضرورت کے مسائل معلوم ہوں۔

ابواب التفسیر

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

ف، س، ر، مادہ میں بیان اور وضاحت، کشف اور کھلنے کے معنی پائے جاتے ہیں لہٰذا تفسیر کے لغوی معنی بیان، کشف اور وضاحت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ سفر کا مقلوب (اُلٹ) ہے کیونکہ سفر سے مسافر کی عقل تجربی روشن ہو جاتی ہے اور لوگوں کے حالات سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے، اسفر الصبح اس وقت کہا جاتا ہے جب صبح روشن اور واضح ہو جائے۔

تفسیر اور تاویل میں متعدد اقوال ہیں: (۱) دونوں مترادفین ہیں۔ (۲) تفسیر عام ہے اور تاویل خاص ہے کتب سماویہ کے ساتھ۔ (۳) تفسیر کا اطلاق لفظ کے واحد مدلول پر ہوتا ہے جبکہ تاویل مختلف محتمل معانی میں سے دلیل کی رو سے کسی ایک کے تعین کو کہتے ہیں۔ (۴) تفسیر مدلول لفظ کو کہتے ہیں جبکہ تاویل ماھو المراد کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں جو راقم نے "زادِ یسیر فی علوم التفسیر" میں نقل کئے ہیں۔

باب ماجاء فی الذی یُفَسِّرُ القرآن برأیه

تفسیر بالرأی کی سخت ممانعت

"عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من قال في القرآن بغير علم فليتبوأ مقعده من النار". (حسن صحيح)

جس نے بغیر علم کے قرآن (کی تفسیر) میں گفتگو کی تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہئے۔ (یعنی وہ شخص دوزخی ہے)۔

تشریح: قوله: "فليتبوأ مقعده من النار" اس میں سخت وعید ہے کہ جو نااہل لوگ قرآن کی تفسیر اپنے طور پر کرتے ہیں وہ جہنم میں جگہ اور ٹھکانہ بناتے ہیں، عارضة الاحوذی میں ہے کہ ایسا شخص انتہائی سنجیدہ

موضوع میں لاپرواہی اور اللہ کی طرف سے غلط خبر شائع کرنے کی وجہ سے آگ کا مستحق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ انشاء بمعنی اخبار ہے یعنی ایسا کرنے والا شخص جہنمی ہے۔

تفسیر بالرأی کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آدمی قرآن میں تدبر نہ کرے اور جو کچھ کہے وہ بس فقط منقول ہی ہونا چاہئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنی خواہش سے بغیر علم کے اور بغیر دلیل نقلی یا بغیر دلیل عقلی یقینی یا ظنی کے کچھ رائے زنی کرنا۔ تفسیر بالرأی مذموم وممنوع ہے خواہ نیت اچھی ہو یا بُری ہو، پس جو شخص تفسیر کے لئے ضروری علوم کو نہیں جانتا مثلاً علوم عربیت، علم حدیث، علم اصول وفقہ اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ تو وہ تفسیر کرنے اور قرآن میں رائے زنی کرنے کا مجاز نہیں، حتیٰ کہ اگر اس نے اس کی جسارت کرتے ہوئے کوئی تفسیر کرلی اور بالفرض وہ صحیح بھی ہو تو بھی وہ شخص گنہگار ہوگا جیسا کہ باب کی جندب بن عبداللہ سے مروی حدیث میں ہے: ''من قال فی القرآن برایہ فاصاب فقد اخطا'' جس نے قرآن میں اپنی رائے سے گفتگو کی اور وہ اس میں درست تفسیر کرنے میں کامیاب بھی ہوا تو بھی اس نے غلطی کی۔ جیسے آج کل بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ پہلے کوئی معیار قائم کرتے ہیں پھر اس کے لئے قرآن کی آیتوں کو اپنی غرض کی طرف موڑتے ہیں۔

اس کے برعکس جو شخص تفسیر کے بنیادی علوم کا حامل ہو اور وہ تفسیر کرنے میں اپنی ذاتی خواہش کی پرواہ نہ کرتا ہو بلکہ محض حق کی پیروی کی پابندی کرتا ہو تو وہ اگر ان اصول کا سہارا لے کر تفسیر کرتا ہو جو اسلاف نے تفسیر اور استنباط کے لئے بنائے ہیں تو وہ تفسیر اگرچہ بالرأی ہوگی مگر وہ جائز کے زمرے میں آتی ہے جیسا کہ اسلاف کا طریقہ رہا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے بھی اس مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"واما الذی روی عن مجاهد وقتادة وغيرهما .... فليس الظن بهم انهم قالوا فی القرآن او فسّروه بغير علم او من قِبَلِ انفسهم وقد روی عنهم مايدل علیٰ ماقلنا الخ".

اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن کی ہر آیت کے متعلق سُنا ہے یعنی اول تو یہ حضرات تفسیر بالروایت پر اکتفاء کی کوشش کرتے اور جہاں تفسیر بالرائے کی ضرورت پیش آتی تو پھر ان کا تفسیر کرنا بغیر علم کے نہیں تھا بلکہ اصول جانتے ہوئے تفسیر کرتے تھے۔

اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر میں ابن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق پڑھتا تو مجھے ابن عباسؓ سے بہت سارے سوالات پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کیونکہ ان کی ترتیب نزول کے مطابق تھی جس میں ناسخ

ومنسوخ کا پتہ بآسانی چلتا تھا۔ اسی طرح بعض کلمات سے ابہام بھی ختم ہو جاتا بہرحال امام ترمذیؒ کا یہ قول نقل کرنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ حضرت مجاھدؒ بہت سے سوالات ابن عباسؓ سے پوچھتے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عباسؓ اپنی رائے سے تفسیر فرماتے تو معلوم ہوا کہ ہر تفسیر بالرأئے مذموم نہیں اور یہ کیسے مذموم ہو سکتی ہے حالانکہ پیچھے حضرت علیؓ کی حدیث گذری ہے کہ قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ ہاں بغیر علم کے یا غلط طریقے سے یا غلط نیت سے تفسیر کرنا یقیناً مذموم اور سبب دخول جہنم ہے۔ فلیحذر۔

ومن سورة فاتحة الكتاب

سورۂ فاتحہ کے بارے میں

"عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من صلىٰ صلوٰةً لم يقرأ فيها بام القرآن فهى خِداج، فهى خداج غير تمام قال قلتُ ياابا هريرة انى احياناً اكون وراء الامام؟ قال يا ابن الفارسى فاقرأها فى نفسك فانى سمعتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول قال الله تعالىٰ قسمتُ الصلوٰة بينى وبين عبدى نصفين فنصفها لى ونصفها لعبدى، و لعبدى ماسَألَ، يقوم العبد فيقول الحمدلله رب العالمين، فيقول الله تبارك وتعالىٰ حمدنى عبدى، فيقول الرحمن الرحيم، فيقول الله اثنىٰ علىَّ عبدى فيقول مالك يوم الدين فيقول مَجّدنى عبدى وهذالى..... وبينى وبين عبدى : اياك نعبدواياك نستعين، وآخر السورة لعبدى ولعبدى ماسألَ يقول اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين". (حسن)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور اس میں اُمّ القرآن یعنی فاتحہ نہیں پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے۔ راوی نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہؓ! میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں، ابو ہریرہؓ نے فرمایا اے فارسی! تو پھر اس کو اپنے نفس (دل) میں پڑھو (یعنی اس پر غور کرو) کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز (فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کیا ہے اس کی آدھی میرے لئے ہے اور نصف میرے بندے کے لئے ہے، اور میرے بندے کے لئے وہ چیز ہے جو اس نے مانگی ہے، بندہ (کھڑا ہوتا ہے اور) کہتا ہے الحمد لله

رب العالمین، پس اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی، پھر بندہ کہتا ہے الرحمن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثناء کی پھر بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، اور یہ میرے لئے ہے، (یہ سات میں سے تین آیتیں ہوگئیں) اور میرے اور میرے بندے کے درمیان ایاک نعبدو ایاک نستعین ہے، اور آخر سورت تک میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ چیز (دعاء) ہے جو اس نے مانگی ہے بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

تشریح:۔ یعنی سورۂ فاتحہ کی پہلی تین آیتوں کا مضمون حمد وثناء پر مشتمل ہے اس لئے اس کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی جبکہ آخری تین آیتیں دُعا پر مشتمل ہیں تو ان کی نسبت بندے کی طرف کی گئی کیونکہ دعا بندہ مانگتا ہے جبکہ درمیان کی آیت عبادت کے متعلق ہے جو عابد ومعبود کے درمیان کا تعلق ہے۔ اس حدیث کا پہلا حصہ فاتحہ خلف الامام کی بحث میں اور دوسرا تشریحات میں افتتاح القرأۃ بالحمدللہ رب العالمین، کے باب میں گذرا ہے۔

حدیث آخر:۔ عن عدی بن حاتم قال اتیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو جالس فی المسجدفقال القوم ھذاعدی بن حاتم.... وجئتُ بغیر امان ولا کتاب فلمادُفِعتُ الیہ اَخَذَبیدی وقد کان قال قبل ذالک:اِنی لَاَرجُوان یجعل اللّٰہُ یدہ فی یدی قال فقام بی فلقِیَتہ اِمرأۃ وصبّی معھافقالاان لناالیک حاجۃً فقام معھماحتیٰ قضیٰ حاجتھما ثم اَخذ بیدی حتیٰ اَتیٰ بی دارَہ فالقت لہ الولیدۃُ وِسادۃً فجلس علیھاوجلستُ بین یدیہ فحمد اللہ والنیٰ علیہ ثم قال:مایُفِرُّکَ ان تقول لااِلٰہ الااللّٰہ؟فھل تعلم مِن اِلٰہٍ سِوَی اللّٰہ؟ قال قلتُ "لا"قال ثم تکلم ساعۃ ثم قال انماتَفِرُّ ان تقول اللہ اکبر وتعلم شیئاً اکبرمن اللّٰہ؟قال قلتُ"لا"قال فان الیھود مغضوب علیھم وان النصاریٰ ضلال قال قلت فانی حنیف مسلم قال فرایتُ وجھہ تَبَسّطَ فَرحاً قال ثم اَمَرَ بی فَاُنزِلتُ عند رجل من الانصار اَغشاہ طَرَفَي النھار قال فبینما انا عندہ عَشِیَّۃً اذجاءہ قوم فی ثیاب من الصوف من ھذہ النِّمارِ قال فصلیٰ وقام فحثّ علیھم ثم قال ولو صاع ولو بنصف صاع ولو قُبضۃ ولو ببعض. قُبضۃ یقی احدکم

وجهه حَرّ جهنم او النار ولو بتمرة ولو بشق تمرة فان احدكم لاقى الله وقائل له ماأقول لكم: ألم اجعل لك سمعاً وبصراً فيقول: "بلىٰ" فيقول الم اجعل لك مالاً وولداً فيقول بلىٰ فيقول اين ما قدّمتَ لنفسك فينظر قُدامه وبعده وعن يمينه وعن شماله ثم لايجد شيئاً يقي به وجهه حَرَّ جهنم.... لِيَقِ احدكم وجهَه النار ولو بشق تمرة فان لم يجد فبكلمة طيبة فاني لااخاف عليكم الفاقة فان الله ناصركم ومعطيكم حتىٰ تسير الظعينة فيمابين يثرب والحِيرة اكثر مَايُخَافُ علىٰ مَطِيَّتِها السَّرَق فجعلتُ اقول في نفسي فاين لصوص طيّ". (حسن غريب)

حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپؐ مسجد میں بیٹھے تھے، پس لوگوں نے کہا کہ یہ عدی بن حاتم ہے اور میں بغیر امان کے اور بغیر تحریر کے آیا تھا پس جب میں آپؐ کے حوالہ کیا گیا تو آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس سے پہلے آپؐ فرما چکے تھے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عدی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے گا۔ حضرت عدی فرماتے ہیں کہ آپؐ مجھے لے کر کھڑے ہوئے (یعنی جانے لگے) پس آپ سے ایک عورت نے ملاقات کی اور اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا دونوں نے عرض کیا کہ ہمیں آپ سے کچھ کام ہے تو آپؐ ان دونوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ان کا کام پورا کر دیا، پھر آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا یہاں تک کہ لے گئے مجھے اپنے گھر پس آپ کے لئے ایک لڑکی نے گدا ڈالا (یعنی بچھا دیا) آپؐ اس پر بیٹھ گئے اور میں آپؐ کے سامنے بیٹھا پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور اللہ کی ثنا بیان کی پھر فرمایا تم کو کیا چیز بہکاتی ہے اس سے کہ تم کہو "لا الہ الا اللہ؟" کیا تم اللہ کے سوا کوئی (دوسرا) معبود جانتے ہو؟ حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا "نہیں"! فرماتے ہیں کہ پھر آپؐ کچھ دیر تک گفتگو فرماتے رہے پھر آپؐ نے فرمایا کیا تم اس بات سے بھاگ رہے ہو کہ تم کہو اللہ سب سے بڑا ہے تو کیا تم جانتے ہو کہ کوئی چیز اللہ سے بڑی ہے؟ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا "نہیں" آپؐ نے فرمایا پس بے شک یہود پر اللہ تعالیٰ کا غضب (غصہ) اُترا ہے اور نصاریٰ گمراہ ہیں! عدی نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ میں حنیف (ایک طرف سیدھا) مسلم ہوں۔ حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ کا چہرہ دیکھا جو خوشی سے کھل اُٹھا۔

حضرت عدی کہتے ہیں کہ پھر آپؐ نے میرے لئے حکم دیا اور میں ایک انصاری آدمی کا مہمان بنا دیا گیا چنانچہ میں آپؐ کی خدمت میں دن کے دونوں کناروں (یعنی صبح و شام) میں حاضر ہوتا تھا، فرماتے ہیں کہ دریں

اتنا کہ میں ایک شام آپؐ کے پاس تھا کہ اچانک آپؐ کے پاس کچھ لوگ آئے جو اُون کی سفید و سیاہ دھاری دار چادروں میں ملبوس تھے، عدی فرماتے ہیں کہ پس آپؐ نے نماز پڑھی اور کھڑے ہوئے (یعنی تقریر کے لئے) اور رغبت دلائی (صدقہ کی) فرمایا اگر چہ ایک صاع (غلہ) ہو اگر چہ آدھا صاع ہو، اگر چہ ایک مٹھی ہو اور اگر چہ ایک مٹھی سے بھی کم ہو بچائے تم میں سے ہر ایک اپنا منہ دوزخ کی گرمی سے یا فرمایا دوزخ کی آگ سے اگر چہ ایک کھجور کے ذریعہ ہو اور اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہو، بے شک تم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے وہی پوچھنے والا ہے جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ (اللہ تعالیٰ) پوچھے گا کہ کیا میں نے تیرے لئے کان اور آنکھ نہیں بنائی؟ وہ کہے گا کہ کیوں نہیں پھر اللہ کہے گا کہ کیا میں نے تجھے مال اور اولا نہیں دی؟ وہ کہے گا کہ کیوں نہیں پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کہاں ہے وہ عمل جو تو نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے پس وہ اپنے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں دیکھے گا تو وہ کوئی ایسی چیز نہیں پائے گا کہ جس کی بدولت وہ اپنے چہرے کو جہنم کی گرمی سے بچا سکے.... چاہئے کہ بچائے تم میں سے ہر ایک اپنے چہرے کو دوزخ (کی آگ) سے اگر چہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ ہو اور اگر وہ نہ پائے (کھجور) تو بھلی بات کے ذریعہ بچائے کیونکہ بے شک میں تم پر فقر (محتاجی) کا اندیشہ نہیں کرتا اس لئے کہ اللہ تمہاری مدد کرنے والا ہے اور تمہیں عطا کرنے والا ہے، یہاں تک کہ ایک ہودج نشین عورت (یا اکیلی عورت) سفر کرے گی یثرب (مدینہ) اور حیرہ (کوفہ کے پاس ایک مقام کا نام ہے) کے درمیان (یا) اس سے بھی زیادہ۔ وہ نہیں ڈرے گی اپنی سواری کے چوری ہونے سے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ قبیلہ طی کے چور کہاں ہوں گے (یعنی اس وقت اتنا امن کیسے آئے گا؟)

تشریح:۔ جب صحابہ کرامؓ نے عدی بن حاتم طائی کے قبیلہ والوں پر حملہ کیا تھا تو عدی اپنے بچوں سمیت شام کی طرف بھاگ گئے تھے جبکہ ان کی ہمشیرہ گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لائی گئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے عزت کے ساتھ بھیجا تھا چنانچہ وہ آپ علیہ السلام کے اخلاق سے بے حد متاثر ہو کر جب شام گئیں تو اپنے بھائی کو مجبور کر کے مدینہ بھیج دیا، اس کے بعد کا واقعہ باب کی حدیث میں مذکور ہے، اور چونکہ ان کی بہن نے ان کو اطمینان دلایا تھا کہ وہ نبی بہت رحم دل اور معاف کرنے والے ہیں اس لئے حضرت عدی بغیر کسی امان اور دستاویز کے مدینہ آ گئے۔

قولہ: "فَلَقِیَتْہ امرأۃ الخ" اس جملہ سے حضرت عدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا بیان کرنا چاہتے ہیں کہ آپ اتنے عظیم ہونے کے باوجود متواضع تھے۔ **قولہ:** "فان الیھود مغضوب علیھم

الــخ" امام ترمذیؒ نے یہ حدیث اسی آیت کی تفسیر کرنے کی غرض سے ذکر کی ہے، اگر چہ مغضوب علیھم اور ضالین کا مصداق بہت سارے لوگ ہیں لیکن یہود ونصاریٰ چونکہ ہدایت کے نسبتاً قریب تھے مگر پھر بھی راہِ راست سے ہٹ جانے کی وجہ سے مغضوب علیھم اور ضالین ٹھہرے تو دوسرے کفار بطریق اولیٰ گمراہ ہوئے جیسے ہندو اور آتش پرست وغیرہ۔ پھر یہود پر غضب کا حکم لگایا اور نصاریٰ پر گمراہی کا، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے متعدد ظاہری و باطنی اسباب ہیں تاہم اس کی عام فہم وجہ یہ ہے کہ یہود کے پاس علم تھا مگر وہ اس کی عملی وقولی پیروی نہیں کرتے تھے۔ جبکہ نصاریٰ بغیر علم کے عمل کے جذبہ میں راہِ حق سے اُتر گئے چنانچہ اسی بناء پر اسلاف سے مروی ہے کہ جو ہمارے علماء میں سے بگڑ جائے تو اس میں یہود کا شائبہ ہوتا ہے اور جو ہمارے عبادت گذاروں میں سے بگڑ جائے تو اس میں نصاریٰ کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم:ص:۵)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی تفسیر "تفسیر الجیلانی" میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس عقل کے درپے رہتے ہیں کہ جس میں وَہم کی آمیزش ہو تو وہ بھی مغضوب علیھم ہیں اور جو لوگ شیطانی تزیین اور خواہشات کی وجہ سے حق سے اور یقین سے ہٹ جائیں تو وہ بھی ضالین اور گمراہ ہیں۔ (تفسیر الجیلانی:ص:٦٤، مکتبہ معروفیہ کوئٹہ)

قولــہ: "فــانـی حنیف مسلم" جو شخص تمام ادیان سے بے زار ہو کر صرف اسلام کی طرف مائل و راغب ہو وہ حنیف کہلاتا ہے۔ قولہ: "النِّمار" بکسر النون المشددة نَمِرَة کی جمع ہے سفید اور سیاہ لکیروں کی اُونی چادر۔ قولہ: "فَحَثَّ علیھم" چونکہ یہ لوگ بہت غریب تھے اس لئے آپ علیہ السلام نے لوگوں کو ان پر خرچ کرنے اور صدقہ دینے کی ترغیب دی۔ قولــہ: "الـظعینة" اصل میں ہودج کو کہتے ہیں لیکن ہودج نشین عورت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں پر بھی ہودج میں سفر کرنے والی اکیلی عورت مراد ہے۔

یثرب مدینہ کا پُرانا نام ہے اور حیرہ کوفہ کے قریب ایک علاقے کا نام ہے۔ قولہ: "اکثر" مسند احمد میں اکثر سے پہلے "لفظ اوْ" بھی ہے اور وہی صحیح معلوم ہوتا ہے یعنی ایک عورت حیرہ اور یثرب کے درمیان یا اس سے بھی زیادہ مسافت کا سفر کرے گی اور تنہا ہونے کے باوجود اسے اپنی سواری کے چوری ہونے کا اندیشہ اور خطرہ نہیں ہوگا۔

قولــہ: "یُخاف" مجہول کا صیغہ ہے۔ قولــہ: "السَّرَق" بفتح السین والراء بمعنی سَرَقة کے ہے یعنی مالداری کا عالم یہ ہوگا کہ کسی کو چوری کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوگی، بنابریں امن کا عالم یہ ہوگا کہ اکیلی

عورت بھی بے خوف ہوکر دور دراز علاقوں کا سفر کرسکے گی۔ قولہ: "فاین لصوص طی" لِصٌ بکسر اللام کی جمع ہے رہزن کو کہتے ہیں اور طی، ان کے قبیلہ کا نام ہے یعنی میں دل میں سوچتا رہا کہ اس وقت قبیلہ طی، کے رہزن کہاں ہوں گے، کیونکہ ظاہری اعتبار سے یہ بات بعید معلوم ہورہی تھی کہ عراق وحجاز کے درمیان تو طی، قبیلہ کے ڈاکوؤں کا راج تھا، چونکہ حضرت عدی بن حاتم اس سے پہلے عیسائی یعنی نصرانی مذہب پر تھے اس لئے آپ علیہ السلام نے ان کے سامنے یہود ونصاریٰ کی حقیقت بیان فرمائی۔

ومن سورة البقرة

سورۂ بقرہ کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان الله خلق آدم من قُبضةٍ قَبَضَهامن جميع الارض فجاء بنو ادم على قدرِ الارض، فجاء منهم الاحمر والابيض والاسود وبين ذالك والسهل والحَزن والخبيث والطيّب". (حسن صحیح)

اللہ عزوجل نے آدم کو ایک مُٹھی مٹی سے پیدا کیا جو اس نے ساری زمین سے لے لی تھی۔ پس ادم کی اولاد زمین کے مطابق آئی (یعنی پیدا ہوئی) کوئی ان میں سے سُرخ پیدا ہوا، کوئی سفید، کوئی کالا اور کوئی درمیانے رنگ کا، کوئی نرم خو، کوئی سخت مزاج، کوئی گندہ طبیعت والا اور کوئی پاکیزہ طبعیت والا۔

تشریح:۔ یعنی جس کا خمیر زمین کی جس جگہ سے لیا گیا ہے وہ اسی رنگ اور مزاج کے مطابق پیدا ہوتا ہے ظاہری رنگ بھی اس پر نظر آتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے اور باطنی خوبیوں اور خامیوں کو بھی اس کی طبیعت میں دخل ہوتا ہے جیسا کہ تجربہ سے ثابت ہے۔ غرض جس مٹی پر جو اثر غالب رہا ہے اس مٹی سے پیدا ہونے والے لوگوں پر وہی اثر غالب رہے گا، پس نرم زمین کے رہنے والے نرم دل اور شگفتہ خاطر ہوتے ہیں، جبکہ بعض سخت مزاج ہوتے ہیں۔ یہ باطنی اثرات ہیں ظاہری اثرات ان کے رنگوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر عام شارحین نے لکھا ہے کہ یہ تین رنگ سرخ وسفید اور کالا اصول ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ اصول سُرخ، بلو (نیلا) اور گرین (سبز) ہیں۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ یہاں صرف تمثیل ہے بیان اصول مراد نہیں۔ قولہ: "السهل" یہ حزن (بروزن شمس) کی ضد ہے۔ سہل جس کے اخلاق نرم ہوں جبکہ حزن سخت مزاج کو کہتے ہیں، سہل کی صحبت سے فائدہ حاصل ہوتا ہے جبکہ حزن وہ ہے جس کی صحبت ومعیت مشقت سے خالی نہ ہو جیسے سخت زمین

ہو چلنا اور رہنا آسان نہیں ہوتا ہے اور خبیث سے مراد وہ شخص ہے جس کی صحبت ومعیت میں ضرر ونقصان ہو، طیب وہ ہے جس میں ضرر نہ ہو۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ اس جمع کی کیفیت یہ تھی کہ اللہ نے فرشتہ سے کہا کہ وہ روئے زمین سے مٹی جمع کرے، چنانچہ اسی کا خمیر بنایا گیا، جس میں شاید یہ حکمت تھی تا کہ لوگ مختلف النوع پیدا ہوں اگر سب ایک ہی طرح کے ہوتے تو اجتماعی زندگی میں یہ اُتار چڑھاؤ نظر نہ آتا جبکہ یہ مقتضائے حکمت ہے۔ (تدبر)

حدیث ابی ھریرۃؓ:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ: اُدخلوا الباب سُجّداً... قال دَخَلوا متزَحّفین علیٰ اوراکھم ای مُنحرِفین".

یعنی بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ تم (شہر کے) دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہوں۔ (آیت:۵۸) فرمایا کہ وہ داخل ہوئے اپنے کولہوں (سرینوں) پر کھسکتے ہوئے۔

قولہ:"ای منحرفین" یہ بعض راویوں کی تفسیر ہے یعنی انہوں نے حکم عدولی کی کیونکہ ان سے کہا گیا تھا کہ تم جھک کر داخل ہو جاؤ اور زبان پر حِطّۃٌ کا ورد کرتے رہو یعنی اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتے ہوئے لیکن انہوں نے دونوں باتوں سے انحراف کیا، داخل ہوئے تو سرینوں کو زمین پر سرکتے ہوئے اور زبان پر بجائے حِطّۃٌ کے حِنطۃ یا حَبّۃ فی شعیرۃ کہتے ہوئے اس لئے فرمایا"فبدّل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لھم" ان ظالموں نے وہ بات تبدیل کردی جو ان سے کہی گئی تھی اور کہنے لگے حبۃ فی شعیرۃ۔

ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ اس دروازے سے مراد بیت المقدس کا باب ہے جو قبلہ کی جانب ہے اور میں اس میں کئی دفعہ داخل ہو کر آیت کے مطابق عمل کرتا رہا پھر"سُجّداً" سے مراد عاجزی بھی ہو سکتی ہے اور جھکنا بھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو حکم ہو کہ جب مسجد میں داخل ہو جاؤ تو وہاں شکر کے طور پر نماز پڑھو اور حطۃ یعنی ایسی بات کہو جس سے تمہارے گناہ معاف ہو جائیں وہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" ہے لیکن ان ظالموں نے بطور استہزاء دونوں باتیں نظر انداز کر دیں۔

جنائز میں ہم نے ایک روایت کا حوالہ دیا تھا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے طاعون مسلط کر دیا جس سے ایک گھنٹہ میں چوبیس ہزار لوگ مر گئے۔

حدیث آخر:۔"کُنّا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فی لیلۃ مظلمۃ فلم ندرِ

الخ"

حضرت عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر کے دوران تاریک رات میں تھے تو ہم قبلہ کو نہ جان سکے کہ کس جانب ہے اس لئے ہم میں سے ہر آدمی نے اپنے آگے کی طرف نماز پڑھی پھر جب صبح ہوئی تو ہم نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی "فاینما تولوا فثم وجه الله"۔ (غریب)

اس آیت کے شان نزول میں کم از کم پانچ اقوال ہیں۔ اس کی تفصیل (تشریحات: ج: دوم ص: ۱۸۶ پر گذری ہے، دیکھئے باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم)

حدیث ابن عمرؓ:۔ قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی علیٰ راحلته تطوّعا حیثما توجهت به وهو جاء من مکة الی المدینة ثم قرأ ابن عمر هذه الآیة ولله المشرق والمغرب وقال ابن عمر فی هذا نزلت هذه الآیة". (حسن صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر نفل نماز پڑھتے آپ کی سواری جدھر بھی متوجہ ہوتی جبکہ آپ مکہ سے مدینہ کی جانب آرہے تھے۔ پھر ابن عمرؓ نے یہ آیت پڑھی اللہ ہی کے لئے ہے مشرق و مغرب، ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت اسی (نفل علی الراحلہ) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

تشریح:۔ راقم نے نزلت فی کذا کی روایات میں تطبیق و ترجیح کے اصول "زاویہ سیر فی علوم التفسیر" میں بیان کئے ہیں فلیراجع، نیز نفل نماز غیر قبلہ کی طرف سواری پر اور مطلق نماز سواری پر دونوں مسئلے تفصیل سے پہلے گذرے ہیں۔ (تشریحات: ج: دوم ص: ۱۹۱ "باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الدابۃ حیث ما توجهت بہ")

حضرت قتادہؓ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور ناسخ یہ آیت ہے: فولّ وجهک شطر المسجد الحرام "ای تلقاء ه" کہ آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔

قولہ: "تلقاء ه" راوی کی تفسیر ہے کہ شطر سے مراد طرف ہے، لیکن حضرت قتادہؓ کا یہ قول جمہور مفسرین کے خلاف ہے اور نسخ کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ "لله المشرق والمغرب الخ" کا حکم معذورین کے بارے میں ابھی باقی ہے مثلاً جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے یا سواری پر نفل پڑھنا چاہے تو اس کی نماز غیر قبلہ کی طرف بھی صحیح ہے۔ گو اس میں کچھ شرائط ہیں جو ابواب الصلوٰۃ میں بیان ہوئی ہیں۔ وجہ اللہ سے مراد قبلۃ اللہ ہے۔

حدیث اُس: ۔" عن عمر بن الخطاب قال یارسول اللہ لو صلّینا خلف المقام فنزلت:
"واتخذوا من مقام ابراهيم مصلی". (حسن صحیح)

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کاش ہم مقام (ابراہیم) کے پیچھے نماز پڑھتے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی "مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ مقرر کرو" یعنی اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔

تشریح: ۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ محدَّث تھے ان کی موافقات کی تعداد کافی زیادہ ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر فرمائی اور اس کے مطابق آیت نازل ہوئی۔ مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کا حکم استحباب کے لئے ہے، چونکہ پہلے یہ بیت اللہ شریف کی دیوار سے متصل تھا اس لئے اس کے پیچھے ہی نماز ادا کی جاسکتی تھی پھر حضرت عمرؓ نے طواف کی سہولت کے پیش نظر اس کو موجودہ مقام پر منتقل فرمایا ہے۔ لہٰذا اب اس کے آس پاس ہر طرف نماز پڑھنا جائز ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں اس کے پیچھے پڑھی جائیں جیسا کہ ابواب حج میں گذرا ہے۔ مندرجہ بالا ترجمہ میں "لو" کو تمنا کیلئے بنایا گیا اس لئے ترجمہ کاش سے کیا گیا ہے لیکن اس میں یہ بھی جائز ہے کہ یہ بمعنی شرط ہو پھر اس کا جواب مقدر ہوگا "ای لکان حسنا"۔

حدیث آخر: ۔عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یُدعیٰ نوح فیقال هل بلّغت فیقول "نعم" فیُدعیٰ قومه فیقال: هل بلّغکم؟ فیقولون ماأتانا من أحدٍ فیقال من شهودک؟ فیقول محمد و أمته ،قال فیؤتی بکم تشهدون انه قد بلّغ فذالک قول اللہ تبارک وتعالی: وکذالک جعلناکم أمّةً وَسَطاً لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیداً والوسط العدل". (حسن صحیح)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نوحؑ بلائے جائیں گے (یعنی قیامت کے دن) پس ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے (اپنی قوم وامت کو) پیغام پہنچایا تھا؟ وہ جواب دیں گے "ہاں" پھر ان کی امت بلائی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا نوحؑ نے تمہیں دین پہنچایا تھا؟ تو وہ کہیں گے کہ "نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بھی (ڈرانے والا) پس کہا جائے گا (نوحؑ سے کہ) آپ کے گواہ کون ہیں؟ تو وہ عرض کریں گے کہ محمد ہیں اور ان کی امت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چنانچہ تمہیں بلایا جائے گا تم گواہی دو گے کہ انہوں نے (حضرت نوحؑ نے) یقیناً پیغام الٰہی پہنچایا تھا، اور یہی مطلب ہے اللہ

تبارک وتعالیٰ کے ارشاد کا ''وکذالک جعلنا کم امۃ وسطاً'' الآیہ اسی طرح ہم نے بنایا تم کو معتدل امت تاکہ تم گواہ رہو (باقی) لوگوں پر اور (یہ) رسول گواہ (مزکی) رہیں تم پر۔ وسط بمعنی درمیانہ کے۔

قولہ: ''یدعی نوح فیقال ھل بلّغت؟'' چونکہ کفر وعصیان کے بانیان حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں اس لئے قیامت کے دن عدالت عظمیٰ کی کارروائی کا آغاز ان ہی سے کیا جائے گا۔ کیونکہ کسی چیز کی تحقیق کا اصول یہی ہے کہ اس کے نقطۂ آغاز کا تعین کر کے تفتیش کا عمل اسی سے شروع کیا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہ قوم اپنے گناہوں کے علاوہ دنیا والوں کے گناہوں اور کفر کا بیڑا اٹھانے والی بھی ہے۔ اگرچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ سب کچھ معلوم ہے لیکن وہ ہر کام ضابطے کے مطابق کرتا ہے۔ اس لئے مجرمین کے انکار کی صورت میں انبیاء علیہم السلام سے گواہ پیش کرنے کو کہا جائے گا چنانچہ ہر نبی، ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیں گے اور آپ علیہ السلام کی امت کی گواہی پر اعتماد کا اظہار فرمائیں گے۔

قولہ: ''اُمّۃً وَسَطاً'' وسط درمیانہ اور معتدل کو کہا جاتا ہے چونکہ امت مرحومہ افراط وتفریط کے درمیان ہے اور درمیانی چیز عمدہ اور بہتر ہوتی ہے کہ ''خیر الامور اَوسَطُھا'' اس لئے یہاں وسط بمعنی افضل کے ہے جیسے قوت شہوانی کی افراط وتفریط کے درمیان ''عفت'' ہے قوت غضبیہ کی افراط وتفریط کے مابین ''شجاعت'' ہے اور قوت عاقلہ کی افراط وتفریط کے درمیان ''حکمت'' ہے اور تینوں مل کر عدالت کہلاتی ہیں، اس لئے حدیث کے آخر میں وسط کی تفسیر عدل سے کی گئی۔

قولہ: ''ویکون الرسول علیکم شھیداً'' اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: ایک یہ کہ آپ علیہ السلام اس امت کے ایمان واعمال اور کفر وعصیان پر قیامت میں گواہ ہوں گے کہ کون ایمان لایا اور کون نہیں لایا، کون مخلص تھا اور کون منافق تھا؟ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام مُزکی ہوں گے یعنی جب آپؐ کی امت انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی اور سابقہ امم کے کفار ان پر جرح کریں گے کہ تمہیں کیا پتہ ہے کہ انبیاء نے ہمیں تبلیغ کی ہے تو وہ بولے گی کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے چنانچہ آپؐ اپنی امت کا تزکیہ فرمائیں گے اور اس کے ساتھ اِتمام حجت ہو جائے گا۔ بنا بر ہر تقدیر ''ویکون الرسول'' میں الف لام عہد کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور عوض مضاف الیہ سے بھی، ای ویکون رسولکم جو کہ محمد رسول اللہ ہیں۔

حدیث البراءؓ: ''قال لمّا قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ صلیٰ نحو بیت المقدس ستۃ اوسبعۃ عشر شھرالخ''.

حضرت براء بن عازبؓ کی یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ "باب ما جاء فی ابتداء القبلة" میں گزری ہے اس کی مکمل تشریح کے لئے ملاحظہ ہو (تشریحات: جلد: دوم ص: ۱۷۹ من ابواب الصلوٰۃ)

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس قال لمّا وُجِّهَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الکعبۃ قالوا یارسول اللّٰہ! کیف باخواننا الذین ماتوا وھم یُصَلُّون الی بیت المقدس فانزل اللہ تعالیٰ: وما کان اللہ لیضیع ایمانکم "الایہ. (حسن صحیح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ کردیے گئے کعبہ کی جانب تو صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے ان بھائیوں (کی نمازوں) کا کیا حال ہوگا جو فوت ہوچکے ہیں، کیونکہ وہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارے ایمان (نماز واعمال) کو۔

تشریح:۔ چونکہ تحویل قبلہ سے پہلے جن صحابہ کرامؓ کا انتقال ہوا تھا اور وہ کعبہ شریفہ کی طرف نماز نہ پڑھ سکے تھے، ان کا قبلہ اول کی طرف نماز پڑھنا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان وتصدیق ہی کی وجہ سے تھا اس لئے وہ نمازیں سب صحیح قرار دے دی گئیں کیونکہ جو بھی عمل محض ایمان کی وجہ سے ہو وہ درست ہوتا ہے اسی بناء پر یہاں نماز پر ایمان کا اطلاق کیا گیا۔

حدیث آخر:۔ "عن عروۃ قال قلتُ لعائشۃ: ماأریٰ علیٰ احدٍ لم یَطُف بین الصفا والمروۃ شیئاً وماأُبالی ان لاأَطُوف بینھما فقالت بئس ماقلتَ یاابن اختی! طاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وطاف المسلمون وإنّما کان مَن أَھَلَّ لِمَنَاۃ الطاغیۃ التی بِالمُشَلَّلِ لایطوفون بین الصفا والمروۃ فانزل اللہ تبارک وتعالیٰ: "فمن حَجَّ البیت أَوِ اعتمر فلاجناح علیہ ان یَطَّوَّفَ بھما" ولو کانت کماتقول لکانت: فلاجناح علیہ ان لایطوف بھما الخ".

(حسن صحیح)

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ میں اس شخص پر کوئی چیز (گناہ) نہیں سمجھتا ہوں جو صفا ومروہ کی سعی نہ کرے اور میں اگر دونوں کے درمیان سعی نہ کروں تو اس کی پرواہ نہیں کرتا (گویا میرے خیال میں سعی مباح عمل ہے) تو حضرت ام المؤمنین نے فرمایا: میرے بھانجے! تم نے جو بات کی ہے وہ ٹھیک نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کی ہے اور مسلمانوں نے بھی کی ہے (اور جہاں

آیت میں ''فلاجناح'' کا تعلق ہے تو) دراصل جو لوگ منات بت کے لئے احرام باندھتے تھے جو مُشَلَّل مقام پر تھا تو وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''فمن حج البیت الخ'' پس جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر ان دونوں کے درمیان طواف (سعی) کرنے کا کوئی گناہ نہیں ہے، اگر بات ویسی ہوتی جو تم نے سمجھی ہے تو پھر آیت اس طرح ہوتی ''فلاجناح علیہ ان لایطوف بہما'' جو صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے بیان کی تو انہوں نے اسے بہت پسند کیا اور فرمایا کہ یہ اہم علم (نکتہ) ہے اور میں نے اہلِ علم سے سُنا ہے کہ جو صحابہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ ان دونوں پتھروں (صفا اور مروہ جن پر اِساف و نائلہ بُت رکھے گئے تھے) کے درمیان سعی کرنا جاہلیت کی بات ہے، جبکہ دوسرے انصار صحابہ فرماتے تھے کہ ہمیں تو بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا گیا ہے صفا و مروہ کے درمیان سعی کے ہم مامور نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' نازل فرمایا، چنانچہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت اِن کے بارے میں بھی نازل ہوئی ہے اور اُن کے متعلق بھی، یعنی آیت کے شان نزول کے بارے میں یہ دونوں سبب بیان کرنا درست ہے کیونکہ ایک حکم کے متعدد اسباب ہوسکتے ہیں لہٰذا جو لوگ جاہلیت میں صفا اور مروہ کے مابین سعی سے بچتے تھے ان کو بھی یہ حکم شامل ہے اور جو جاہلیت میں سعی کرتے تھے اور اسلام میں اس سے پرہیز کرنے لگے ان کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی سعی پر مداومت رہی ہے لہٰذا اس کو مباح سمجھنا غلط فہمی ہے اور آیت کا مطلب اس کے پس منظر و سبب نزول کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے معلوم ہوگا کہ آیت میں ان لوگوں کے ذہن سے جھجک کا ازالہ مقصود ہے جو عمل جاہلیت کی بناء پر ان کو لاحق تھی، لہٰذا اس سے سعی کے وجوب کی نفی کسی طرح ظاہر نہیں ہوتی ہے۔

قولہ: ''لِلْمَنَاۃِ الطَّاغِیَۃِ'' مناۃ مشہور بت تھا جو حدیث کی تصریح کے مطابق مُشَلَّل مقام پر جو ساحلی علاقے میں قُدَید (مُصَغَّر) کے پاس ہے نصب کیا گیا تھا۔ طاغوت میں سرکشی و تجاوز کے معنی پائے جاتے ہیں اس کا اطلاق شیطان وغیرہ بہت ساری چیزوں پر ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی بمعنی معبود باطل کے ہے، حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مناۃ بُت کے لئے احرام باندھتے تھے وہ صفا و مروہ کے مابین طواف یعنی سعی نہیں

کرتے تھے یہاں تک کہ اسلام آیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ وہ لوگ بھی صفا ومروہ کے درمیان سعی کر سکتے ہیں جو جاہلیت میں نہیں کرتے تھے یعنی اب حج کے ارکان میں قبائلی سابقہ امتیازات کی کوئی گنجائش نہیں۔

قولہ: "یقولون ان طوافنا بین ھذین الحجرین من امر الجاھلیۃ" یہ ان عربوں کا بیان ہے جو صفا اور مروہ کے درمیان طواف کے قائل رہے تھے لیکن اسلام سے پہلے صفا ومروہ پر دو بُت اِساف (بروزن کتاب) اور نائلہ رکھے ہوئے تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں دراصل آدمی تھے ایک مرد اور ایک عورت مگر کعبہ کے اندر زنا کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کو مسخ کر دیا تھا، پھر لوگوں نے عبرت حاصل کرنے کے لئے ان کی مورتیوں کو صفا اور مروہ پر نصب کیا تھا پھر قصی بن کلاب کی شرارت سے یہ دونوں قابل تعظیم ٹھہرا دیئے گئے تھے اس لئے لوگ ان کی خاطر سعی کرتے تھے، تو اسلام آنے کے بعد صحابہ کے ذہن میں یہی خدشہ تھا کہ کہیں سعی ان بتوں کی وجہ سے ممنوع نہ ہو؟ تو اللہ نے فرمایا "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" الآیہ یعنی عمل کا دارومدار اعتقاد پر ہے۔ اب اسلام میں سعی صفا اور مروہ کی وجہ سے ہوگی جو اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں اساف ونائلہ کی وجہ سے نہیں، لہٰذا سعی کرنے میں باوجود ماضی کی غلط روش کی وجہ سے کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ: "وقال آخرون من الانصار الخ" یعنی قرآن میں تو صرف بیت عتیق کے طواف کا حکم ہے لہٰذا صفا ومروہ کا طواف جو زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا اب گویا اسلام میں نہیں ہوگا گویا ان کی نظر "ولیطوفوا بالبیت العتیق" الآیہ پر تھی کہ چونکہ مقام بیان کا تھا اور اللہ نے صفا ومروہ کا ذکر نہیں فرمایا لہٰذا سکوت قائم مقام نفی ہوا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا حکم دیا۔

قولہ: "قال ابوبکر.... فأراھا قد نزلت فی ھؤلاء وھؤلاء" یعنی یہ ان لوگوں کے بارے میں بھی نازل ہوئی جن کا بیان حضرت عائشہؓ نے فرمایا اور ان کے بارے میں بھی جو ہم نے اہل علم سے سنا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں بھی ہے جو سعی میں حرج سمجھتے تھے جو پہلے دو فریقین ہیں یعنی جو مناۃ کے احرام باندھتے تھے اور سعی نہیں کرتے اور جو اِساف ونائلہ کی تعظیم کے لئے سعی کرتے تھے اور پھر اسلام میں سعی میں حرج سمجھتے تھے، یہ دونوں ایک فریق ہوئے اور جو عدم ذکرِ سعی کی وجہ سے طواف بین الصفا والمروہ میں حرج سمجھتے یہ دوسرا فریق ہوا۔ سعی کے بارے میں تفصیل ابواب الحج میں گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ج:۳ ص:۱۰۲)

حدیث آخر :۔ "عن عاصم الاحول قال سالت انس بن مالک عن الصفا والمروة فقال كنا نرى من شعائر الجاهلية قال فلما كان الاسلام امسكنا عنهما فانزل الله تبارک وتعالى: ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما" قال: هما تطوع ومن تطوع خيراً فان الله شاكر عليم". (حسن صحيح)

حضرت عاصم احول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے صفا ومروہ کی سعی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دونوں جاہلیت کی نشانیوں میں سے (سمجھے جاتے) تھے، پھر جب اسلام آیا تو ہم ان کی سعی سے رک گئے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ان الصفا والمروة الخ" جیسا کہ سابقہ حدیث میں تفصیل سے گذرا۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ یہ دونوں (صفا ومروہ) کی سعی نفل ہے اور جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو بے شک اللہ بڑا قدردان اور علم والا ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث کے مطابق حضرت انسؓ نے بھی آیت کا مطلب وہی لیا جو سابقہ حدیث میں حضرت عروہ کا موقف تھا اور یہ رائے حضرت ابن عباسؓ، امام احمدؒ اور بعض دوسرے حضرات کی بھی ہے مگر جمہور کی رائے میں سعی لازمی ہے اگر چہ اس کی تفصیل میں تھوڑا سا اختلاف ضرور ہے کہ آیا واجب ہے جیسا کہ حنفیہ ومالکیہ کا مذہب ہے یا فرض ہے جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے اور ایک ایک روایت امام مالکؒ وامام احمدؒ کی بھی ہے جیسا کہ ابواب الحج میں گذرا ہے۔ (تشریحات: ج:۴ص:۲۷)

جمہور کے مطابق آیت کا صحیح مطلب وہی ہے جو حضرت عائشہؓ نے حضرت عروہ کی رائے کی تردید میں فرمایا جیسا کہ سابقہ حدیث میں بیان ہوا۔ جہاں تک اس آیت کا تعلق کہ "ومن تطوع خيراً" تو اس سے مراد نفلی حج اور عمرہ ہے نفلی سعی مراد نہیں یا پھر طواف کے اشواط اور چکروں میں زیادت علی مقدار الضروری ہے، بعض وجوب سعی کی بنیاد "اسعوا فان الله كتب عليكم السعى" الحدیث پر ہونا چاہیے۔

حدیث آخر :۔ "عن جابر بن عبدالله قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قدم مكة طاف بالبيت سبعاً فقرأ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى فصلى خلف المقام ثم اتى الحجر فاستلمه ثم قال: نبدأ بما بدأ الله به وقرأ ان الصفا والمروة من شعائر الله". (حسن صحيح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ آئے تو بیت اللہ کا طواف کیا سات بار اور پڑھا" واتخذوا النح" (الآیہ) یعنی مقامِ ابراہیم کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو پس آپؐ نے مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی پھر حجر اسود کے پاس آئے اور اس کا بوسہ لیا پھر آپؐ نے فرمایا کہ ہم اسی سے شروع کرتے ہیں جس کے ساتھ شروع کیا ہے اللہ نے اور پڑھی آپؐ نے یہ آیت "ان الصفاو المروۃ من شعائر اللّٰہ"۔

فائدہ:۔ یہ حدیث ابواب الحج کے "باب ماجاء انه یبدأبالصفاقبل المروۃ "میں گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: جلد: چہارم ص:۲۷) مقام ابراہیم کے لئے دیکھئے ("باب ماجاء فی فضل الحجرالاسود والرکن والمقام" ج:۴، ص:۶۱ تا ۶۵)

حدیث البراءؓ:۔ "قال کان اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذاکان الرجل صائماً فحضرَ الافطارُ فنام قبل ان یفطرلم یاکل لیلتَہ ولایومَہ حتی یُمسِی وان قیس بن صِرمَۃ الانصاری کان صائماً فلماحضره الافطارُ اَتیٰ امراَتَہ فقال ھل عندکِ طعام؟ فقالت "لا" و لکن اَنطلقُ فاطلُبُ لَکَ وکان یومہ یعمَلُ فغلبتہ عینُہ وجاء تہ امراتہ فلمّارأتہ قالت خَیبَۃً لَکَ فلماانتصف النھار غُشی علیہ فذُکِرَ ذالک للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فنزلت ھذہ الآیۃ "اُحِلَّ لکم لیلۃ الصیام الرفَثُ الی نساء کم "ففرحوابھافرحاً شدیداً .... وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر".(حسن صحیح)

حضرت براءؓ فرماتے ہیں (کہ شروع میں) جب صحابہ میں سے کوئی شخص روزہ دار ہوتا اور افطار کا وقت آجاتا اور وہ افطار کرنے سے پہلے سوجاتا تو وہ اس رات کو اور اگلے دن کچھ نہیں کھاسکتا تھا (یعنی افطاری کے وقت کے بعد سونے سے پہلے خود بخود دوسرا روزہ شروع ہوجاتا) یہاں تک کہ شام کرتا، چنانچہ قیس بن صرمہ انصاریؓ روزے سے تھے پھر جب افطار کا وقت ہوگیا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ (یعنی گھر میں کچھ کھانے کی چیز ہے؟) اہلیہ نے کہا "نہیں" لیکن میں جاکر آپ کے لئے کہیں سے تلاش کرتی ہوں اور وہ دن ان کی محنت مزدوری کا موسم تھا (یعنی باغات پک چکے تھے) پس ان کی آنکھ لگ گئی اتنے میں ان کی اہلیہ آگئیں تو جب ان کو (سوتا ہوا) دیکھا تو کہا کہ ہائے تمہاری محرومی، پھر جب (اگلا) دن آدھا ہوگیا (یعنی دوپہر ہوگئی) تو وہ بے ہوش ہوگئے چنانچہ اس بات کا تذکرہ کیا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ آیت نازل ہوئی "اُحِلَّ لکم" الآیہ۔ تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ مشغول

... ہو گئے، پس صحابہ کرامؓ اس پر بہت زیادہ خوش ہوئے (اور مزید فرمایا) کھاؤ پیو یہاں تک کہ ... ہو جائے سفید تاگا (لکیر) سیاہ تاگے (لکیر) سے یعنی صبح کی روشنی۔ (سورۂ بقرہ: آیت: ۱۸۷)

تشریح:۔ یعنی اس آیت کے نزول سے پہلے یہ حکم تھا کہ افطاری کے وقت آدمی جب تک جاگتا رہتا تو اس کے لئے مفطرات ثلاثہ کی اجازت تھی مگر سو جانے کے ساتھ اباحت ختم ہو جاتی، یہاں تک کہ مذکورہ حدیث کا واقعہ پیش آیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری رات کے لئے جماع اور کھانے پینے کی اجازت عنایت فرمائی اس لئے صحابہ کرامؓ خوش ہوئے پھر فنزلت هذه الآية سے مراد پوری آیت ہے جس میں تینوں مفطرات کا ذکر ہے البتہ اس میں رفث جو بمعنی جماع کے ہے کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ بعض سے غلبہ میں اس حکم کی تعمیل میں کوتاہی ہو گئی تھی پھر انہوں نے نادم ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت قیس بن صرمہ باغات میں مزدوری کیا کرتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ کھجوریں بھی لائے تھے مگر بیوی سے کہا جاؤ اس کو تبدیل کر دو کیونکہ کھجور کی حرارت سے میرے پیٹ میں جلن ہو رہی ہے، تو بیوی اسے لے کر گندم کے آٹے سے تبدیل کرنے کی غرض سے نکلی۔ حدیث کا آخری حصہ آگے حضرت عدی بن حاتم کی حدیث میں ملاحظہ ہو۔

حدیث آخر:۔ "عن النعمان بن بشير عن النبي صلى الله عليه وسلم في قوله: وقال ربكم ادعوني استجب لكم" (سورة المؤمن: آیت: ۶۰) وقال الدعاء هو العبادة وقرأ "وقال ربكم ادعوني استجب لكم... الىٰ قوله... داخرين". (حسن صحيح)

حضرت نعمان بن بشیرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے آیت "وقال ربكم ادعوني ...... اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ پکارو مجھ کو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا" آپؐ نے فرمایا دعا ہی اصل عبادت ہے پھر آپ نے یہ آیت آخر تک (داخرين تک) پڑھی۔

دعا کو اصل عبادت یا مغز قرار دینا جیسا کہ بعض روایات میں ہے توجہ تام اور خلوص کامل کی وجہ سے ہے کیونکہ دعا کے وقت آدمی ہمہ تن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے چنانچہ فاسق ماں باپ کی دعا بھی اپنی اولاد کے حق میں قبول ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اپنی اولاد کے لئے بھرپور خلوص کے ساتھ دعا مانگتے ہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "حتىٰ يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "انما ذالک

بیاض النہار من سواد اللیل'' کہ اس سے مراد دن کی سفیدی ہے جب وہ رات کی سیاہی سے جدا ہو جائے۔
(حسن صحیح)
اس تفسیر کی وجہ اگلی حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے اس آیت کے نزول کے بعد (اونٹ باندھنے کی) دو رسیاں لیں ایک سفید تھی اور دوسری کالی پس میں ان دونوں کو (آخر شب میں) دیکھتا رہا (کہ وہ جب الگ الگ ہوں گی تو میں روزہ رکھوں گا) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک بات فرمائی جو سفیان (راوی) کو یاد نہیں رہی (وہ بات یہ تھی) کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ شب و روز (مراد) ہیں۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عدیؓ نے دو دھاگے لے کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھے تھے یعنی خیط سے مراد دھاگہ لیا تھا اور تبین سے مراد ان ہی کی جدائی لی تھی یعنی جب دونوں واضح طور پر نظر آئیں گے تو وہی گویا رات کی انتہاء ہو گی تو آپؐ نے فرمایا کہ ''انک لَعَرِیض الوِسادۃ''۔ اور ایک روایت میں ہے ''انک لعریض القفا'' یعنی تمہارا تکیہ تو بہت چوڑا ہے یا تمہاری گردن تو بہت چوڑی ہے کہ پورے افق کو اپنے نیچے دباتی ہے، کیونکہ اس سے مراد صبح کی روشنی ہے جو رات کی تاریکی سے ممتاز و جدا ہو جاتی ہے۔ بعض روایات کے مطابق یہ غلط فہمی بعض دوسرے صحابہ کو بھی لاحق ہو گئی تھی جس کے ازالہ کے لئے ''من الفجر'' نازل ہوا اور ابہام دور ہوا جہاں تک حضرت عدی کی غلط فہمی کا تعلق ہے تو اگرچہ ان کے اسلام لانے سے پہلے ہی یہ آیت مکمل نازل ہوئی تھی لیکن ان کا تعلق دوسرے قبیلے سے تھا تو شاید وہ ''من الفجر'' کو بیان پر حمل نہ کر سکے، علیٰ ھذا پھر ان کے اِس قول ''لما نزلت'' کا مطلب یہ ہو گا کہ جب میں نے یہ آیت سُنی۔ اولین نزول مراد نہیں کیونکہ یہ ان کی آمد سے قبل نازل ہوئی تھی۔

جب سورج کی شعاعیں زمین پر پڑتی ہیں تو اس کے مقابل جانب میں اندھیرے کی ایک مخروطی شکل بن جاتی ہے جس کا کنارہ روشنی سے متصل ہوتا ہے افق پر صبح کے وقت سفید لکیر آجاتی ہے اور کالی لکیر غائب ہو جاتی ہے۔ خیط سے مراد وہی مخروطی شکل کی لکیر ہے۔ کذا فی التشریح وغیرہ۔ فجر کی تفصیل صوم میں گذری ہے۔

حدیث آخر:۔ ''عن اسلَمَ ابی عمران قال کنا بمدینۃ الروم فاخرجوا الینا صفاً عظیماً من الروم فخرج الیھم من المسلمین مثلُھم او اکثرُ وعلیٰ اھل مصر عُقبۃ بن عامر وعلیٰ الجماعۃ فَضالۃُ بن عبید فَحَمَلَ رجل من المسلمین علیٰ صف الروم حتی دخل علیھم فصاح الناس وقالوا سبحان اللہ یُلقی بیدیہ الی التھلکۃ فقام ابو ایوب الانصاری فقال: یا ایھا الناس! انکم لَتُاَوِّلون ھذہ الایۃ ھذا التاویل وانما نزلت ھذہ الایۃ فینا مَعشَرَ الانصار

لَمّا أعزّ الله الاسلام وکثُرَ ناصروه فقال بعضنا لبعض سِرّاً دون رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اموالَنا قد ضاعت وان الله قد أعَزَّ الاسلام وکثر ناصروه فَلَوْ أقمنا فی اموالنا فاصلحنا ما ضاع منها فانزل الله تعالیٰ علیٰ نبیه صلی الله علیه وسلم یَرُدُّ علینا ما قُلنا: وانفقوا فی سبیل الله ولاتلقوا بایدیکم الی التهلکة فکانت التهلکة الاقامة علی الاموال واصلاحها وتَرکنا الغزوَ فمازال ابو ایوب شاخِصاً فی سبیل الله حتیٰ دُفِنَ بارض الروم".

(حسن غریب صحیح)

حضرت اسلم ابی عمرانؒ فرماتے ہیں کہ ہم روم کے ایک شہر (موجودہ ترکی کے شہر استنبول جسے قسطنطنیہ کہتے ہیں) میں تھے پس رومیوں نے ہماری طرف ایک بڑی قطار (پر مشتمل فوج) نکالی تو مسلمانوں میں سے بھی ان کی طرف اُتنے ہی یا ان سے بھی زیادہ نکلے اور مصری لشکر پر عقبہ بن عامرؓ امیر تھے اور (شامی) جماعت پر فضالہ بن عبید امیر تھے (جبکہ عمومی سالار عبدالرحمٰن بن خالد تھے) پس مسلمانوں میں سے ایک شخص نے رومیوں کے لشکر پر حملہ کیا (اور لڑتے بڑھتے) یہاں تک کہ وہ اُن کے اندر تک جا گھسے پس لوگ چلانے لگے اور کہا سبحان اللہ! یہ شخص خود اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں ڈال رہا ہے، پس ابوایوب انصاریؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے لوگو! تم اس آیت کا یہ مطلب نکال رہے ہو حالانکہ یہ آیت ہم انصار ہی کی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت بخشی اور اس کے معاون بڑھنے لگے تو ہمارے لوگ ایک دوسرے سے چپکے سے کہنے لگے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے کہ ہمارا مال (باغات) ضائع ہوگیا ہے اور چونکہ اللہ نے اسلام کو عزت دی ہے اور اس کے مددگار بھی زیادہ ہوگئے ہیں تو کیوں نہ ہم اپنے اموال (باغات) کی طرف متوجہ ہوکر اُن میں سے جو خراب ہوگیا ہے اسے بحال کردیں؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہماری بات کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی "وانفقوا فی سبیل الله ولاتلقوا بایدیکم الی التهلکة "۔ (سورۃ البقرۃ: آیت: ۱۹۵) اور تم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو، پس ہلاکت (سے مراد) مال کے ساتھ لگا رہنا، اسے سنوارنا اور ہمارا جہاد کو چھوڑنا ہے (یعنی ارادہ کرنا) چنانچہ حضرت ابوایوب انصاریؓ جہاد میں ہمیشہ مشغول رہے یہاں تک کہ روم کی سرزمین میں سپرد خاک کیے گئے۔

قولہ: "شاخصاً" شخوص کے معنی گھر سے باہر نکلنے کے ہیں یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اس

آیت کے بعد عمر کو نیز باد ہمہ کر زندگی جہاد کے لئے وقف کر دی یہاں تک کہ استنبول کے قلعہ کی دیوار کے قریب حسب وصیت دفن کر دیئے گئے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے آیت کا شانِ نزول معلوم ہوا کہ اس کا اصل مصداق جہاد چھوڑنا اور دنیا میں انہماک ہے تاہم لفظ تہلکہ کے عموم سے گناہوں اور بخل وغیرہ کا موجب تباہی ہونا بھی معلوم ہوا۔

حدیث آخر:۔ ”عن مجاهد قال كعب بن عُجرة :والذى نفسى بيده لَفِيَّ اُنزلت هذه الاية وَلَايَ عنى بها فمن كان منكم مريضاً اوبه اَذىً من رأسه ففدية من صيام او صدقة اونُسُك قال كنا مع النبى صلى الله عليه وسلم بالحُديبيَة ونحن مُحرمُون وقد حَصَرَنا المشركون وكانت لى وفرة فجعلت الهوامُ تُساقِطُ على وجهى فمَرّ بى النبىُ صلى الله عليه وسلم فقال كَاَنَّ هَوَامُّ راسِك تُؤذيك؟ قال قلتُ نعم قال فاحلق اوَنَزَلت هذه الآية..... قال مجاهد الصيام ثلاثة ايام والطعام لِسِتَّة مساكين والنُسُك شاة فصاعداً“. (حسن صحيح)

حضرت مجاہدؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہؓ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میرے ہی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور میں ہی اس آیت سے مراد لیا گیا ہوں ”فمن كان منكم الخ“ پس اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو (وہ سر منڈوا کر) فدیہ (یعنی اس کا شرعی بدلہ) دے دے (تین) روزے سے یا (چھ مسکینوں کو) خیرات دے دینے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے۔ (سورۂ بقرہ: آیت:۱۹۶)

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مقامِ) حدیبیہ میں تھے جبکہ ہم مُحرم تھے (یعنی احرام باندھے ہوئے تھے) اور ہمیں مشرکین (مکہ) نے روک رکھا تھا اور میرے لمبے بال تھے تو جوئیں میرے چہرے پر رینگ رہی تھیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے تو آپؐ نے فرمایا شاید تیرے سر کی جوئیں تجھے پریشان کرتی ہیں؟ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا تو سر منڈوا دو! اور یہ آیت (مندرجہ بالا) نازل ہوئی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ روزے تین ہیں اور کھانا چھ مسکینوں کا اور بکری ایک یا زیادہ مراد ہے (یعنی ایک لازمی ہے اور زیادہ نفل ہے)۔

اگلی حدیث میں ہے کہ میں ہانڈی پکار ہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے" والقمل یتناثر علی جبھتی اوقال حاجبی جوئیں میری پیشانی پریا فرمایا کہ میری بھنوؤں پر جھڑ رہی تھیں، معلوم ہوا کہ پہلی حدیث میں ھوام سے جوئیں مراد ہیں عام کیڑے مراد نہیں۔ (یہ حدیث مع التفصیل ابواب الحج میں گذری ہے، دیکھئے تشریحات: جلد چہارم ص:۱۹۹، باب ماجاء فی المحرم یحلق رأسہ فی احرامہ ماعلیہ؟)

حدیث آخر:۔"الحج عرفات الحج عرفات الحج عرفات ایام مِنیٰ ثلاث فمن تَعَجّلَ فی یومین فلااِثم علیہ ومن تأخر فلااثم علیہ ومن ادرک عرفۃ قبل ان یطلع الفجر فقد ادرک الحج". (حسن صحیح)

حج عرفات (کا وقوف) ہے (تین مرتبہ فرمایا) منیٰ کے ایام تین ہیں تو جو جلدی کر کے دو ہی دنوں میں چلا گیا (یعنی بارہ ذی الحجہ کو) تو اس پر گناہ نہیں اور جو ٹھہرا (یعنی تیرہ تک) تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جس نے عرفہ (کا وقوف) پالیا فجر طلوع ہونے سے پہلے تو اس کو حج مل گیا۔ یعنی حج کا سب سے بڑا رکن عرفہ ہے اور تیرہ کی رمی اختیاری ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر کی روایت ابواب الحج میں گذری ہے وہاں لفظ "الحج عرفۃ" کا ہے وجہ حصر اور تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ (تشریحات: جلد چہارم ص:۹۳، باب ماجاء من ادرک الامام بجمع فقد ادرک الحج)

حدیث آخر:۔"عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :ابغَضُ الرجال الی اللہ اَلاَلَدُّ الخَصِمُ". (حسن)

اللہ کے نزدیک لوگوں میں ناپسندیدہ ترشخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔

یہ حدیث گویا سورۂ بقرہ کی آیت:۲۰۴ کی تفسیر ہے جو اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو ایک فصیح وبلیغ آدمی تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کھا کر جھوٹا دعوائے اسلام کیا، مگر جب واپس جارہا تھا تو راستہ میں مسلمانوں کی فصلیں جلادیں اور ان کے جانور قتل کر دیئے، جس پر تین آیتیں نازل ہوئیں "ومن الناس من یعجبک قولہ......الیٰ.....وَلَبِئسَ المھاد "۔(بقرہ: آیت:۲۰۶)

حدیث آخر:۔"عن انس قال کانت الیھود اذاحاضت امراۃ منھم لم یواکلوھا ولم

يشاربوها ولم يجامعوها في البيوت فسُئِلَ النبي صلى الله عليه وسلم عن ذالك فانزل الله تبارك وتعالىٰ "ويسئلونك عن المحيض قل هو اذىً" فامرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يواكلوهن ويشاربوهن وان يكونوا معهن في البيوت وان يفعلوا كل شيء ما خلا النكاح فقالت اليهود مايريدان يدع من امرنا شيئاً الاخالفنافيه، قال فجاء عباد بن بشير وأسيد بن حُضير الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخبراه بذالك وقالايارسول الله! أفلا ننكحهن في المحيض؟ فتمَعَّرَ وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم حتىٰ ظننا انه قدغضب عليهما فقامافاستقبلتهماهديةٌ من لبن فارسل النبي صلى الله عليه وسلم في اثرهما فسَقَاهما فعلمنا انه لم يغضب عليهما". (حسن صحيح)

حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہود کی عادت تھی کہ جب ان میں سے کسی عورت کو حیض آتا تو اس کو اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے نہیں تھے اور کمروں میں اس کے ساتھ رہتے بھی نہیں تھے، چنانچہ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ويسئلونك عن المحيض قل هو اذىً" (بقرہ: آیت: ۲۲۲) اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ وہ گندی چیز ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ کھائیں پئیں، اور گھروں میں ان کے ساتھ رہیں اور یہ کہ ہر قسم کا برتاؤ کریں سوائے جماع کے۔ (یہ سن کر) یہود نے کہا کہ یہ (پیغمبر) ہر بات میں ہماری مخالفت کے سوا کچھ نہیں چاہتے، فرمایا کہ عباد بن بشیر اور اُسید بن حضیر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تو انہوں نے آپؐ کو یہ بات (یہود کی) بتلائی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! تو کیا ہم حالتِ حیض میں ان کے ساتھ صحبت نہ کریں؟ (تاکہ اختلاف مزیداً جاگر ہو؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور تبدیل ہوا یہاں تک کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ آپؐ ان پر ناراض ہوئے چنانچہ وہ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے (اور جاتے ہوئے) دونوں کے سامنے دودھ کا ہدیہ آیا (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی طرف) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے پیچھے آدمی بھیج کر (ان کو بلایا اور) ان کو دودھ پلایا تو ہمیں یقین ہوا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہوئے۔

تشریح:۔ ان دونوں صحابہ کی غرض تو اوپر بریکٹ میں لکھ دی جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کا تعلق ہے تو اس کہ وجہ یہ تھی کہ وہ حرام چیز میں اجازت طلب کرنا چاہتے تھے مگر چونکہ وہ جلد تائب و نادم ہوئے

اس لئے آپؐ کا غصہ بھی جلد ہی اُتر گیا۔ یہ توجیہ ابوداؤد کی روایت کے موافق ہے، جیسا کہ ترمذی میں لفظِ نکاح سے معلوم ہوتا ہے۔

اس حدیث کا دوسرا مطلب ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق رحمہما اللہ نے بیان کیا ہے کہ ''افلا ننکحھن'' کے بجائے مسلم میں ''افلا نجامعھن'' آیا ہے پھر کلام میں تقدیر ہوگی ''ای آلا نعزلھن فلانجتمع معھن فی الاکل والشرب والبیوت الخ'' یعنی کہ جس طرح یہود حائضہ عورت کو الگ کمرے میں بٹھاتے ہیں تو کیا ہم بھی ایسا نہ کریں؟ تاکہ ہم ان کے اعتراض سے بچ سکیں؟ اور ان کی موافقت سے ان کی تالیف قلوب بھی ہو جائے گی؟؟؟ اس صورت میں آپؐ کی ناراضگی اس بناء پر ہے کہ منہی عنہ میں یہود کی موافقت کیسے ہو سکتی ہے؟

پھر ''اذی'' میں تنوین تقلیل وتنکیر کے لئے ہے یعنی یہ گندگی اتنی معمولی ہے کہ جماع سے تو مانع ہے کیونکہ ناپاکی ہے طبیعت اس سے گھن کرتی ہے لیکن اپنے محل سے متجاوز نہیں، لہٰذا صحبت کے علاوہ باقی کام وسلوک جائز ہوئے۔

پھر یہاں عباد بن بشیر یا کے ساتھ ہے حالانکہ یہ بغیر یا کے بشر ہے۔ مسئلہ کی تفصیل ابواب الطہارت میں گذری ہے۔ (دیکھئے باب ماجاء فی مباشرة الحائض تشریحات: ج:۱ص:۳۵۸)

ابن العربیؒ نے عارضہ میں دودھ کے ہدیہ کی صورت اس طرح بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے حضرت بلالؓ کو دودھ دے کر بھیجا چنانچہ انہوں نے وہ دودھ ان کو پلایا تو وہ خوش ہوئے اور سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض نہیں ہیں۔ لفظہ: ''فقاما ثم ارسل الیھما بلالاً معہ ھدیۃ لبن استقبلتھما الی الطریق ففرحا وعلما انہ لم یجد علیھما'' یعنی آپؐ کا غصہ اُتر گیا کما مرّ۔

حدیث آخر:۔ ''عن ابن المنکدر سمع جابراً یقول کانت الیھود تقول: من اتیٰ إمرأتہ فی قبلھا من دُبُرِھا کان الولد احول فنزلت نساءُ کم حرث لکم فاتوا حرثکم انّیٰ شئتم''.

(حسن صحیح)

ابن المنکدرؒ نے حضرت جابرؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ یہود کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی قُبل (آگے کے راستہ) میں پیچھے سے صحبت کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، تو اس پر یہ آیت اُتری ''نساء کم الخ'' یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو جاؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو!

تشریح:۔ کھیت وہ زمین جہاں تخم ریزی اور پیداوار ہوتی ہے عورت کو کھیت سے تشبیہ دینے کی وجہ

ظاہر ہے کہ اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے جو آدمی کا ثمرہ ہے ظاہر ہے یہ مقصد صرف قبل سے ہی پورا کیا جاسکتا ہے لہٰذا مطلب یہ ہے کہ محل جماع اگلا راستہ ہی ہونا چاہئے جیسا کہ اس کے بعد آنے والی حدیث جو ام سلمہؓ سے مروی ہے میں اس کی تصریح ہے یعنی "صِماماً واحداً" یعنی سوراخ ایک ہی (آگے کا راستہ) ہونا چاہئے جماع کرنے کا طریقہ کوئی بھی ہو چاہے عورت کو چت لِٹا کر یا پیچھے سے عورت کو سجدہ کی حالت میں اُلٹا کر کے۔ علیٰ ہذا آیت میں "انّیٰ شئتم" بمعنی کیف شئتم ہے بمعنی اَینَ نہیں ہے۔

"عن ابن عباس قال: جاء عمر الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: یارسول الله هَلَکتُ! قال "وما اَهلَکَکَ"؟ قال حَوَّلتُ رَحلی اللیلة قال فلم یَرُدَّ علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئاً قال فاُنزِلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم هذه الایة "نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انیٰ شئتم اَقبل واَدبِر واتق الدبر والحِیضه". (حسن غریب)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا آپؐ نے فرمایا کس چیز نے تجھے ہلاک کر دیا؟ انہوں نے نے عرض کیا کہ میں نے آج رات کو اپنی سواری (بیوی) کو گھما دیا (یعنی جیسے سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے) فرمایا راوی نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کچھ بھی جواب نہیں دیا کہا راوی نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی "نساء کم حرث لکم الخ" (الایۃ: آیت: ۲۲۳) یعنی سامنے سے صحبت کرو اور پیچھے سے البتہ دبر (میں وطی کرنے) سے اور حالتِ حیض میں صحبت کرنے سے بچو!

چونکہ ایک حکم کے متعدد اسباب نزول ہو سکتے ہیں اس لئے سابقہ حدیث سے اس کا کوئی تعارض نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن معقل بن یسار انه زوّج اخته رجلاً من المسلمین علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فکانت عنده ماکانت ثم طَلَّقَهَا تطلیقة لم یُراجِعها حتیٰ انقضت العدةُ فهَوِیَهَا وهَوِیَته ثم خَطَبَهامع الخُطّابِ، فقال له یالُکَعُ اکرمتُکَ بها وزوّجتُکها فطلّقتَها والله لا ترجع الیک ابداً آخِرَ ما علیک قال فعَلِم الله حاجته الیها وحاجتها الی بعلها فانزل الله تبارک وتعالیٰ: واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن... الیٰ قوله... وانتم لاتعلمون" فلماسمعها معقِل قال سمعاً لِربیّ وطاعةً ثم دعاه فقال اُزوِّجک

واکرمک"۔(حسن صحیح)

حضرت معقل بن یسارؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں میں سے ایک شخص سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا وہ اس کے پاس ایک عرصہ تک رہی پھر اس نے ان کو طلاق دے دی بایں طور کہ اس سے رجوع نہیں کیا یہاں تک کہ عدت گذر گئی، پھر وہ اس (عورت) کو چاہنے لگا اور وہ اس (سابقہ شوہر) کو چاہنے لگی، چنانچہ اس نے بھی دوسرے پیغام دینے والوں کے ساتھ اُسے رشتہ کا پیغام بھیجا تو معقل نے کہا: اے کمینے! میں نے اس (بہن) کی وجہ سے تیری عزت افزائی کی تھی اور اس کا نکاح تجھ سے کیا تھا تو تو نے اس کو طلاق دے دی! بخدا! وہ اب تیرے پاس (نکاح میں) کبھی نہیں لوٹے گی تیری زندگی کے آخری سانس تک۔ حضرت معقل فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس کی، عورت کی طرف اور عورت کی اپنے شوہر کی طرف حاجت (فریاد) سُنی پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُتاری (یہ آیت) "واذاطلقتم النساء الخ "(الآیۃ: ۲۳۲) اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت گزار دیں...... تو تم ان کو اپنے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنے مت روکو اگر وہ دستور شریعت کے مطابق نکاح کرنے پر باہم خوش ہوں...... لاتعلمون تک۔

پس جب اس آیت کو حضرت معقل نے سُنا تو کہا کہ میں نے اپنے رب کی بات سُنی اور اطاعت کی پھر اس (سابقہ) بہنوئی کو بلایا اور کہا کہ میں تیرا نکاح (اس سے) کرتا ہوں اور تجھ ہی کو (منگنی کا) اعزاز بخشتا ہوں۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث سے استنباط کر کے فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کے اذن کے بغیر نکاح نہیں ہوتا ورنہ پھر معقل کے روکنے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے حالانکہ ان کی بہن بڑی اور ثیبہ تھیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ عورت باوجود اختیار کے اپنا حق اولیاء کی مرضی کے بغیر استعمال نہیں کرتی، تو نہ روکنے کا مطلب یہ ہوا کہ عورت کی خوشی کو مدنظر رکھ کر ان کا رشتہ کیا کرو، کیونکہ پیغامِ رشتہ براہِ راست عورتوں کو نہیں ملتا اور نہ ہی وہ مجلس میں حاضر ہوتی ہیں یہ کام عموماً اولیاء کے ذمہ ہوتا ہے، غرض یہاں ایک عرفی اصول کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مسئلہ کی پوری تفصیل ابواب النکاح میں گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: ج:۴ ص:۴۵۳، باب ماجاء لانکاح اِلّابولیّ)

حدیث آخر:۔ "عن ابی یونس مولیٰ عائشۃ قال اَمَرَتنی عائشۃ ان اکتب لھامصحفاً وقالت: اذابلغت ھذہ الآیۃ فآذِنّی "حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ" فلما بلغتُھا

فَأَمْلَتْ عَلَيَّ حافظوا على الصلوات والصلوة الوُسطىٰ ،وصلوة العصر وقوموا لله قانتين
وقالت سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم ". (حسن صحيح)

حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو یونس فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لئے قرآن کا ایک نسخہ لکھ دوں چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ جب تم اس آیت پر پہنچو تو مجھے بتلا دینا "حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطىٰ" یعنی سب نمازوں کی پابندی کرو اور درمیانی نماز کی (علی الخصوص) تو جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے ان کو بتادیا تو انہوں نے مجھے اس کی املاء یوں کرادی (یعنی لکھوایا) "حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطىٰ وصلوة العصر وقوموا لله قانتين" (یعنی صلوۃ وسطیٰ کی تعیین عصر کی نماز سے فرمائی) اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے۔

تشریح:۔ یعنی حاشیہ پر صلوٰۃ العصر کا اضافہ بطور تفسیر لکھا اور یہی جمہور کی رائے ہے کہ اس آیت میں صلوۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس کی تفصیل ابواب الصلوٰۃ میں گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ج: اول ص ۲۲۹، باب ماجاء فی الصلوٰۃ الوسطیٰ انها العصر) اور اس سے ایک باب پہلے ص: ۲۲۶ پر باب ماجاء فی الرجل تفوته صلوات الخ میں غزوۂ خندق کی قضاء شدہ نمازوں کا ذکر ہے البتہ وہاں اور یہاں حضرت علیؓ کی حدیث کے الفاظ میں لفظی تفاوت ہے۔ حضرت علیؓ کی آنے والی حدیث میں ہے کہ احزاب والے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! ان (مشرکین) کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھردے جیسا کہ انہوں نے ہمیں بیچ کی نماز سے مشغول کردیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، جبکہ ابواب الصلوٰۃ میں یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فلیراجع

حدیث زید بن ارقمؓ:۔ "قال كنا نتكلم على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلوة فنزلت وقوموا لله قانتين فأمرنا بالسكوت". (حسن صحيح)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز میں باتیں کیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی "وقوموا لله الخ" کھڑے رہو اللہ کے لئے ادب سے خاموش ہو کر پس ہمیں چپ رہنے کا حکم دیا گیا۔

تشریح:۔ قنوت کے تقریباً دس معنی آتے ہیں یہاں خاموشی مراد ہے جیسا کہ سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہے۔ یہ روایت حنفیہ کی واضح دلیل ہے کہ نماز میں بات چیت منسوخ اور مُفسدِ صلوٰۃ ہے مسئلہ کی تفصیل ابواب الصلوٰۃ میں گذری ہے۔ دیکھئے تشریحات ترمذی: ج: ۲ ص: ۲۲۴، باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین

من الظہر والعصر)

حدیث آخر:۔"عن البراء "ولاتیمموا الخبیث منه تنفقون" قال نَزَلت فینا معشر الانصار کُنا اصحاب نخل فکان الرجل یأتی من نخله علیٰ قدر کثرته وقِلّتِه وکان الرجل یاتی بالقِنو والقنوین فیُعلِّقه فی المسجد وکان اهل الصُفة لیس لهم طعام فکان احدهم اذا جاع اَتیٰ القِنو فضربه بِعصاه فیسقط البُسر والتمر فیاکل وکان اناسٌ مِمّن لایرغب فی الخیر یاتی الرجل بالقنو فیه الشِیصُ والحَشَفُ وبالقنو قدانکسر فیعلقه فانزل الله تبارک وتعالیٰ یا ایها الذین امنوا انفقوا من طیّبات ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولاتیمموا الخبیث منه تُنفقون وَلستم بِاٰخذیه اِلآ ان تُغمضوا فیه قال: لوان احدکم اُهدِیَ الیه مثل مااعطیٰ لم یاخذه اِلاعلیٰ اِغماض اوحیاء قال فکنابعدذالک یأتی احدُنابصالح ماعنده". (حسن صحیح غریب)

حضرت براءؓ "ولاتیمموا الخبیث منه تنفقون" (الآیہ:ص:۲۶۷) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے گروہ انصار ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے، ہم کھجوروں والے تھے تو ایک آدمی اپنے کھجور کے درخت سے اس کی کثرت وقلت کے مطابق لایا کرتا تھا، کوئی آدمی ایک دو گچھے لاکر اسے مسجد میں لٹکا دیتا، اور اہل صفہ کا کہیں کھانا مقرر نہ تھا، پس ان میں سے اگر کسی کو بھوک لگ جاتی تو وہ گچھے کے پاس آتا اور اپنی لاٹھی سے اس کو مارتا (یعنی جھاڑتا تھا) تو اس سے گدری (نیم پختہ) اور پکی کھجوریں گر پڑتی تھیں تو وہ اسے ایسا کھا لیتا، اور کچھ لوگ ان میں سے جو کارِ خیر میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے، ایک آدمی ایسا گچھا (بھی) لاتا تھا جس میں کچی اور ردی قسم کی (سوکھی) کھجور ہوا کرتی تھی اور ایسا گچھا لاتا جو ٹوٹ چکا ہوتا تھا، (یعنی مُرجھایا ہوا) وہ (بھی) اسے مسجد میں لٹکا دیتا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی "یاایها الذین امنوا الخ" اے ایمان والو! تم اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز خرچ کیا کرو اور اس میں سے (بھی عمدہ دیا کرو) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے اور تم ہلکی چیز کی نیت نہ کرو کہ تم اسی میں سے خرچ کروگے جبکہ تم خود اسے قبول کرنے والے نہیں ہو مگر یہ کہ اس (کے لینے) میں تم چشم پوشی کرو! آپؐ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کو اس جیسی چیز کا ہدیہ دیا جائے جو اس نے دی ہے تو وہ اس کو نہیں لیتا مگر چشم پوشی کرتے ہوئے یا شرماتے ہوئے حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم ایسے ہوئے کہ ہم میں سے ایک شخص لاتا تھا عمدہ ترین چیز جو اس کے پاس ہوتی تھی۔

قولہ: "الشِیص" جس کی گٹھلی نہ ہو یا نرم ہو۔ قولہ: "الحشَف" بروزن قمر خشک اور ردی کھجور
آیت میں خبیث سے مراد ادنیٰ مال ہے اس پر بھی ثواب ملتا ہے لیکن اعلیٰ خرچ کرنے کی طرح نہیں جبکہ حرام پر اجر نہیں ملتا۔

"عن عبداللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :ان للشیطان لَمّۃً بابن ادم وللملک لَمّۃً، فاما لمة الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق واما لمّة الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق فمن وجد ذالک فلیعلم انه من الله فلیحمد الله ومن وجد الأخریٰ فلیتعوّذ بالله من الشیطان ثم قرأ: الشیطان یعدکم الفقر ویأمرکم بالفحشاء".
(حسن صحیح غریب)

بے شک ابن آدم (کے دل) پر شیطان کا اثرِ وسوسہ ہوتا ہے اور فرشتے کا (بھی) اثرِ الہام ہوتا ہے، پس جہاں تک شیطان کا اثر ہے تو وہ برائی کی تلقین ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے، جبکہ فرشتے کا اثرِ الہام بھلائی کی ترغیب دیتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے، پس جو شخص یہ (آخری) حالت پائے تو وہ جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اس پر اللہ کا شکر کرے، اور جو شخص وہ دوسری حالت (پہلی) پائے تو شیطان سے اللہ کی پناہ پکڑے، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: "الشیطان یعدکم الفقر " الخ (آیت:۲۶۸) شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

تشریح:۔ آیت کا اگلا حصہ اس طرح ہے "واللہ یعدکم مغفرۃ منه وفضلاً واللہ واسع علیم " اللہ تم سے اپنی جانب سے گناہ معاف کرنے اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا خوب جاننے والا ہے۔

قولہ: "لَمّۃً" بفتح اللام والمیم المشددۃ کسی کے پاس آکر ٹھہرنے اور قرب حاصل کرنے کو کہتے ہیں، یہاں مراد خیال اور جذبہ ہے پس اگر یہ جذبہ شیطان کی طرف سے ہو تو اس کو وسوسہ کہتے ہیں اور اگر فرشتے کی جانب سے ہو تو اسے الہام کہتے ہیں۔

قولہ: "فایعاد" وعد اور وعید میں فرق یہ ہے کہ وعدہ اچھی مراد اور نیک انجامی کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ وعید ناگوار شے کے لئے بولی جاتی ہے چونکہ شیطان کفر اور فسق پر اُکساتا ہے اور غربت سے ڈراتا ہے اس لئے خرچ کرنے سے ڈراتا ہے جبکہ فرشتہ نیکی کی تلقین کرتا ہے اور اُخروی ثواب سامنے پیش کرتا ہے۔ اس

لئے وہ وعدہ کرتا ہے کہ خرچ سے مت گھبراؤ۔

انسان کے اندر دو مخلی تو تیں ودیعت کی گئی ہیں: ایک شہوت اور دوم عقل۔ خواہشات شیطانی لشکر ہیں اور عقل ملکی جُند ہے پس جس کو اچھا خیال آجائے وہ شکر کرے کہ جند اللہ غالب ہوا اور وہ مؤمن محفوظ ہو گیا اور اگر ابلیس کا لشکر غالب ہو جائے تو پھر آدمی کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی امان طلب کرے، فقر سے ڈرانا، شر کا وعدہ ہوا اور مغفرت کا وعدہ خیر کا وعدہ ہوا۔ تفکر

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :یاایهاالناس ان الله طیب ولایقبل الاطیباً وان الله اَمَرَ المؤمنین بمااَمَرَ به المرسلین،فقال یاایهاالرسل کلوامن الطیبٰت واعملوا صالحاانی بما تعملون علیم وقال :یاایهاالذین اٰمنوا کلوامن الطیبٰت مارزقناکم قال: وَذَكَرَ الرجل يُطيل السفر اَشعثَ اَغبرَ يَمُدُّ يدَه الى السماء: يارب ايارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام،وغُذِیَ بالحرام فَاَنی يُستَجَابُ لذالک". (حسن غریب)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: اے لوگو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور قبول نہیں فرماتا مگر ستھری چیز کو اور بے شک اللہ نے اہل ایمان کو وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم کیا ہے

چنانچہ فرمایا ہے: اے پیغمبرو! کھاؤ تم پاکیزہ چیزوں میں سے اور نیک کام کرو! میں تمہارا عمل خوب جانتا ہوں، اور فرمایا اے ایمان والو! کھاؤ تم اُن پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ کہا راوی نے کہ اس کے ساتھ آپؐ نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو لمبا سفر کرتا ہے بکھرے بال اور گرد آلود جسم ہوتا ہے، اپنا ہاتھ (دُعاء کے لئے) آسمان کی طرف لمبا کرتا (پھیلاتا) ہے (اور کہتا ہے) اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے اور پینا حرام ہے اور اس کے کپڑے حرام ہیں اور حرام غذا دیا گیا ہے (یعنی پرورش اس کی حرام مال سے کی گئی ہے) پھر کیوں (اور کہاں) قبول ہو اس کی دعاء؟

تشریح: قولہ: "ان الله طیبٌ" یعنی اللہ تمام عیوب سے پاک اور منزہ ہے۔ قولہ: "کلوامن الطیبٰت" اگر طیب سے مراد حلال ہو تو پھر امر وجوب کے لئے ہے اور اگر مراد لذیذ ہو تو پھر امر اباحت کے لئے ہے۔ قولہ: "یدہ" مسلم میں "یَدَیہ" آیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر نفیس بحث فرمائی ہے کہ غذا سے خون پیدا ہوتا ہے اور خون سے دماغی خیالات اور خیلات سے ارادے اور ارادوں سے اعمال، پس اگر غذا پاکیزہ ہو گی تو اس پر مرتب

تمام آثار پاکیزہ ہوں گے لہٰذا ان سے نیک عمل جنم لے گا، اس کے برعکس اگر غذا گندی ہوگی تو باقی ساری عمارت بھی ناپاک ہوگی۔

غرض غذا عمل کی بنیاد ہے لہٰذا بنیاد اچھی رکھنی چاہئے تا کہ اچھی عمارت بنے کیونکہ جب اللہ پاک ہے تو وہ ناپاک کو کیسے پسند اور قبول کرے گا؟؟؟ تدبر

حدیث آخر: "عن السدی قال ثنی من سمع علیاً یقول: لَمّانزلت هذه الایة:"ان تبدوا مافی انفسکم اوتخفوه یحاسبکم به الله فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء" الایة...احزنتنا قال: قلنا یُحَدِّث احدُنا نفسه فیُحاسبُ به لاندری مایُغفرمنه ومالایُغفرمنه؟فَنَزَلت هذه الایة بعدها...فَنَسَختها"لایکلف الله نفساً اِلّاوُسعهالهاماکسبت وعلیها مااکتسبت".

حضرت سُدّی اپنے استاد (مجہول) کے ذریعہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "ان تبدوا مافی انفسکم الخ" (بقرہ: آیت: ۲۸۴) تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے خواہ تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، پھر جسے چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس نے ہمیں غمگین کر دیا، ہم نے کہا (یا سوچا) کہ ہم میں سے ایک شخص اپنے دل میں (گناہ کا) خیال کرتا ہے تو اس پر بھی اس کا محاسبہ ہوگا؟ ہم نہیں جانتے کہ اس میں سے کون سی بات بخشی جائے گی اور کون سی بات نہیں بخشی جائے گی؟ تو یہ آیت نازل ہوئی جو اس کے بعد ہے تو اس (بعد والی) نے اس (پہلی آیت) کو منسوخ کر دیا "لایکلف الله الخ" یعنی اللہ تعالیٰ مکلف نہیں بناتا کسی کو مگر اس کی استطاعت کے مطابق آدمی کے لئے ثواب ہے اس نیکی کا جو اس نے کمائی اور اس پر عذاب ہے اس بدی کا جو وہ کمائے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ "لایکلف الله نفساً الاوسعها" پہلی آیت "ان تبدوا مافی انفسکم الخ" کے لئے ناسخ ہے اور یہی عام مفسرین کی رائے بھی ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہاں نسخ کیسے صحیح ہوسکتا ہے حالانکہ اخبار پر تو نسخ نہیں آسکتا؟

اس کا ایک جواب: یہ ہے کہ اگر چہ "ان تبدوا مافی انفسکم اوتخفوه یحاسبکم به الله"

خبر ہے لیکن یہ متضمن ہے حکم کو اور ایسی خبر کا نسخ جائز ہے جو بمعنی احکام یا متضمن ہو احکام کو۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہاں نسخ سے مراد پہلی آیت کی شدت میں نرمی کرنا ہے یعنی محاسبہ تو اب بھی ہوگا تاہم اس پر مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت کے بارے میں دوسری رائے عدم تنسیخ کی ہے جیسا کہ اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ظاہر ہے، چنانچہ حضرت اُمیہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا ہے اور اسی طرح "من یعمل سوءً یُجزبه" کے متعلق، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہے اس مسئلہ کے بارے میں کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا ہے.... آپؐ نے فرمایا کہ یہ (محاسبہ) سرزنش ہے اللہ کی طرف سے بندے کی بواسطہ اس تکلیف کے جو اسے پہنچتی ہے جو بخار اور مشقت وغیرہ ہیں یہاں تک کہ پونجی جو وہ اپنی قمیص کی آستین (والی جیب) میں رکھے۔ پھر وہ (خیال کرتا ہے کہ وہ) اس نے کھو دی تو وہ اس کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے اس طرح (پاک ہوکر) نکل جاتا ہے جیسے سونا بھٹی سے (صاف ہوکر) نکلتا ہے۔

تشریح:۔ یہ روایت اگرچہ سند کے اعتبار سے اتنی قوی نہیں کیونکہ حافظ ذہبی نے امیہ کو مجہولات میں شمار کیا ہے لیکن پہلی حدیث سے پھر بھی اس کی سند اچھی ہے جیسا کہ امام ترمذی نے حسن کہہ کر اشارہ کیا ہے تاہم حدیثِ علیؓ مسلم میں بھی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مطابق تنسیخ کی ضرورت نہیں کیونکہ محاسبہ تو ہوتا ہے لیکن بجائے آخرت کے مؤمن کو اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں دی جاتی ہے جس کی کئی صورتیں ہیں: کبھی بشکل بخار اور کبھی بصورت حادثہ وغیرہ یہاں تک کہ جیب سے کسی چیز کا گم ہو جانے کا معمولی صدمہ یا ایک جیب کے بجائے دوسری جیب میں تلاش کرنے سے جو معمولی پریشانی گم ہونے کے اندیشہ کی ہوتی ہے وہ سب مؤمن کے گناہوں کے دنیا میں کفارات ہیں یہاں تک کہ موت کے وقت اس کا کوئی گناہ بچا ہوا نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر میں فرمایا ہے کہ "مافی انفسکم" سے مراد اخلاص اور نفاق ہیں جو اختیاری ہیں اور قابلِ گرفت ہیں جبکہ دوسری آیت میں غیر اختیاری خیالات اور وسوسوں پر مؤاخذہ کی نفی کی گئی ہے لہٰذا نسخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

قوله: "هذه معاتبة الله" عتاب اپنے رفیق پر شفیق ہونے کے باوجود غصہ کے اظہار کو کہتے ہیں، علی

مؤمن کو جو سزا دی جاتی ہے وہ تطہیر کے لئے ہے نہ کہ تذلیل کے لئے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس قال لمّانزلت هذه الاية:"إن تبدوا مافی انفسكم او تخفوه يُحاسبكم به الله "دخل قلوبهم منه شيء لم يدخل من شيء الخ".(حسن صحيح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''ان تبدوا الخ ''تو صحابہ کے دلوں میں اس کی وجہ سے ایسا رنج داخل ہوا جو کسی اور چیز سے داخل نہیں ہوا تھا، پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی (جیسا کہ حدیثِ علیؓ میں گذر گیا) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو! ''سمعنا واطعنا''ہم نے سُنا اور ہم نے فرماں برداری کی، تو اللہ نے صحابہ کے دلوں میں اطمینان ڈالا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمایا:

"امن الرسول بماانزل اليه من ربه والمؤمنون "الاية .... لايكلف الله نفساً الاوسعها لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت ربنا لاتؤاخذنا ان نسينا او اخطأنا...قال قد فعلتُ...... ربنا ولاتحمل علينا اصرا كماحملته على الذين من قبلنا...قال ... قد فعلت .... ربنا و لاتُحملنا مالاطاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت...الاية قال قدفعلت"۔(رواہ مسلم نحوہ)

(اعتقاد رکھتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مؤمنین بھی، سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں الخ۔)

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اتنا ہی جتنا اس کی طاقت میں ہو، اس کو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے...

اے ہمارے رب! ہم پر دارو گیر نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے قبول کیا...اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم (بوجھ) لازم نہ فرما جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر تو نے لازم کردیئے تھے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے قبول کیا۔اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں اور درگذر فرما ہم سے! اور بخش دے ہم کو! اور رحم فرما ہم پر الخ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے قبول کیا۔

تشریح:۔ مذکورہ بالا سب دعائیں قبول ہوئیں، یہاں ثواب وعقاب سے مراد براہِ راست کئے جانے والے اعمال کے ثمرات ہیں نہ کہ بطور تسبیب کے۔

غرض اللہ نے اس امت مرحومہ کو امورِ شاقہ کی تکلیف سے بچایا جبکہ یہود بعض ایسے امور سے آزمائے

گئے پھر کوتاہی کی بناء پر اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا۔ حضرت معاذؓ جب سورۂ بقرہ ختم فرماتے تو کہتے ''آمین''!

ومن سورة آل عمران

سورۂ آل عمران کی بعض آیتوں کی تفسیر

''عن عائشة قالت سُئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن هذه الاية ''هو الذى انزل عليك الكتاب منه ايات محكمات ''الىٰ آخر الاية فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اذا رأيتم الذين يتبعون ماتشابه منه فاولئك الذين سماهم الله فاحذروهم''. (حسن صحيح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا''هو الذى انزل عليك الخ ''اللہ وہ ہے جس نے اُتاری ہے کتاب تم پر اس کی بعض آیتیں محکم (مراد میں قطعی) ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم دیکھوان لوگوں کو جو پیچھے پڑتے ہیں متشابہات کے یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے (زائغین اور اہلِ زیغ) سے مسمّیٰ کیا ہے، پس ان سے بچو!

تشریح:۔ آیت مبارکہ کا باقی حصہ اس طرح ہے''هن ام الكتاب وأُخَرُ متشابهٰت فاما الذين فى قلوبهم زيغ فيتّبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويله ''(الآیہ:۷) اور یہی محکم آیتیں اصل ہیں کتاب کی اور دوسری متشابہات (آیتیں) ہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کی اُن آیتوں کے پیچھے لگتے ہیں جو مراد پر پوری طرح ناطق نہیں ہیں (یہ پیروی محض) فتنہ کی غرض سے اور انہی مراد ڈھونڈنے کی غرض سے ہوتی ہے۔

محکم اور متشابہ کے کئی معنی آتے ہیں اس آیت میں محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کی مراد اور معنی مدلول میں کسی طرح کا اشتباہ وابہام نہ ہو جبکہ متشابہ وہ آیتیں ہیں جن کے معنی مراد میں اشتباہ وابہام پایا جاتا ہو۔ غرض محکم کا ایک ہی واضح معنی ہوتے ہیں اور متشابہ میں ایک سے زائد معانی کا احتمال پایا جاتا ہے یعنی جو ایک معنی پر صریح نہ ہو۔

یہ آیتیں اگرچہ نجران سے آنے والے عیسائی وفد کے اُلٹے سیدھے استدلالات کی نفی میں اور ان کے

طرزِ استدلال، طرزِ عمل اور بے بنیاد عقیدہ کی تردید میں نازل ہوئی ہیں جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق الوہیت اور ابن اللہ ہونے کا خود ساختہ عقیدہ رکھتے تھے اور اس کو انجیل سے اخذ کرنے کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انجیل میں اس قسم کے الفاظ آیات متشابہات کے زمرے میں داخل ہیں جبکہ محکم اور صریح آیات انجیل وقرآن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت، رسول ہونے اور بشریت پر ناطق ہیں، پھر ان لوگوں کی متشابہات کی پیروی محض کج روی کے سوا کچھ نہیں، تاہم یہ حکم عام ہے اور اس امت مرحومہ کے اہلِ زیغ کی تنبیہ کے لئے بھی ہے۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ جب ایسے لوگوں کو دیکھو تو ان سے پرہیز کرو!

اس حکم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک اصول وضابطہ بیان فرمایا ہے کہ تحلیل وتحریم اور عقائد کو محکم آیتوں سے لیا جائے۔ اور متشابہات کی مراد کو محکم کی طرف راجع کیا جائے، کیونکہ محکم آیتیں عقائد واعمال وغیرہ اور قرآنی معانی کے ادراک کی بنیاد ہیں، پس جو شخص اس واضح پیغام کے باوجود متشابہات کے پیچھے پڑتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہی بنتا ہے کہ وہ راہِ راست پر چلنا نہیں چاہتا اور اہلِ زیغ میں سے ہے مثلاً: ''ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم '' (اٰل عمران: آیت:۵۹) اس پر صریح اور محکم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہیں نہ تو یہ دونوں عین اللہ ہیں اور نہ ہی ابن اللہ ہیں، مگر عیسائی لوگ اس کے بجائے دوسری منطق پیش کرتے ہیں وہ ''روح اللہ'' وغیرہ الفاظ کو بنیاد بناتے ہیں اور ''ان ھو الاّ عبد انعمنا علیہ '' کو چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح ''قل لایعلم من فی السموات والارض الغیب الااللہ '' اس پر صریح اور محکم ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب دان نہیں لیکن اس امت کے بہت سارے لوگ آج کل دوسری طرف اُلٹے چلے جارہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی اگلی روایت میں ہے: ''فاذا رأیتھم فاعرفیھم '' یہ ابو عامر کی سند میں ہے جبکہ یزید بن ابراہیم کے الفاظ اس طرح ہیں ''فاذا رایتموھم فاعرفوھم '' نیز یزید کی سند میں قاسم بن محمد کا بھی اضافہ ہے جیسا کہ امام ترمذی نے وضاحت فرمائی ہے۔

پھر متشابہات کے نزول میں کئی حکمتیں ہیں مثلاً تاکہ اہلِ علم کے درجات کو ان میں تفکر کی وجہ سے بلند فرمائے، اور اہلِ زیغ اپنی طغیانی وسرکشی میں مزید آگے بڑھیں اور ''اُولو الالباب'' کے یقین وہدایت میں اضافہ ہو، وغیر ذالک من الحِکَم والفوائد۔

حدیث آخر:۔ ''عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان لِکلِّ نبی

وُلاۃً من النبیین وان وَلِیَّ اَبی وخلیلُ ربی ثم قرأان اولیٰ الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین اٰمنوا واللہ ولی المؤمنین"۔

ہر نبی کے انبیاء میں سے دوست (خصوصی تعلق دار) ہوا کرتے ہیں اور میرے دوست میرے باپ (دادا حضرت ابراہیمؑ) ہیں اور میرے رب کے خلیل (حضرت ابراہیم میرے دوست ہیں) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: "ان اولیٰ الناس الخ" بے شک لوگوں میں ابراہیم کے زیادہ نزدیک تر (قریبی دوست) یقیناً وہ لوگ ہیں جنہوں نے ابراہیمؑ کی (ان کے زمانہ میں) پیروی کی، اور یہ نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور اللہ ایمان والوں کا حامی ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "من النبیین" وُلاۃً سے حال ہے یعنی یہ اَحِبّاء انبیاء میں سے ہوتے ہیں۔

قولہ: "وخلیل ربی" خبر بعد خبر ہے پس وَلِیّ اسم ان اور اَبِی خبر اول ہے ہر دو خبروں سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ چونکہ "ان لکل نبی" میں نبی نکرہ ہے اس لئے یہ مفید للاستغراق بمعنی جمع ہے اور وُلاۃ بضم الواو جمع ہے وَلی کی پس مقابلہ جمع بجمع کی وجہ سے توضیع کا فائدہ حاصل ہوا یعنی ہر نبی کا انبیاء میں سے ایک خصوصی تعلق والا نبی ہوتا ہے۔

اس حدیث اور آیتِ کریمہ میں ولایت سے مراد شرائع میں توافق اور مناسبت ہے چونکہ دینِ اسلام ملتِ ابراہیمی کے لئے متمم ہے اس لئے آپؐ اور حضرت ابراہیمؑ میں کامل مناسبت پائی جاتی ہے۔

اس آیت کا سببِ نزول بھی وفدِ نجران کے غلط دعوے کی تردید ہے کہ جب وہ مسجد نبوی میں ٹھہرے تھے اور یہود کے اَحبار بھی وہاں پہنچے دونوں فریقوں میں بحث وتکرار ہوئی، نصاریٰ خود کو ابراہیمی ثابت کرنا چاہتے تھے اور یہود بھی ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے دعویدار تھے تو اللہ نے ان دونوں کے دعووں کی نفی فرما کر یہ تاج اعزاز مسلمانوں کے سر پر رکھ دیا۔

حدیث آخر:۔ "عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :من حَلَفَ علی یمین وھو فیھا فاجر لیقتطع بھا مال امریٔ مسلم لَقِیَ اللہ وھو علیہ غضبان ،فقال الاشعث بن قیس: فِیَّ واللہ کان ذلک ... کان بینی وبین رجل من الیھود ارضٌ فَجَحَدَنی فقدّمتُہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اَلَکَ بَیِّنَۃٌ؟ قلتُ "لا" فقال للیھودی:احلف،فقلتُ یارسول اللہ اذاً یَحلف فیذھب بِمالِی فانزل اللہ تبارک

وتعالیٰ :ان الذین یشترون بعھداللہ وایمانھم ثَمَناً قلیلاً ....الیٰ آخر الایۃ". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قسم کھائی کسی بات (امر) پر حالانکہ وہ اس میں جھوٹا ہو، تا کہ وہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا مال ہڑپ کر جائے تو وہ اللہ سے ملے گا اس حالت میں کہ اللہ اس پر غضبناک ہوگا (یہ سن کر) اشعث بن قیسؓ نے کہا کہ بخدا! میرے ہی بارے میں ہے یہ حدیث (مــن حــلف) ہوا یہ کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک (متنازعہ) زمین تھی، اس نے وہ زمین میرے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا تو میں اس کو لے گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے گواہ ہیں؟ میں نے کہا کہ "نہیں" تو آپؐ نے یہودی سے فرمایا کہ تم قسم کھاؤ! میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس طرح تو یہ قسم کھا کر میرا مال لے جائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ان الــذیــن یشتــرون الخ "(آل عمران: آیت: ۷۷) بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں حقیر معاوضہ لیتے ہیں....ان لوگوں کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں الخ۔

تشریح:۔قــولــہ: "علیٰ یمین "یمین سے مراد وہ مال ہے جس کے حصول کے لئے آدمی نے قسم کھائی ہو۔قولہ: "فاجر "بمعنی کاذب اور جھوٹا۔قولہ: "لیقتطع "کاٹنے سے مراد حاصل کرنا ہے۔

قــولـــہ: "غــضــبــان" فعلان وزن مبالغہ کے لئے آتا ہے معنی ارادۂ انتقام اور مظلوم کی مدد ہے۔
قولـہ: "بعھد اللّٰہ" چونکہ اس آیت میں یہود کو ان کی شرعی ذمہ داری یاد دلانا ہے اس لئے مراد ایمان بموسیٰ بھی ہوسکتا ہے اور "ع، ھ، د" کا اطلاق قسم پر بھی ہوتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان تنازعہ ہو اور مدعی یعنی مسلمان کے پاس گواہ نہ ہوں تو ذمی کو قسم دی جائے گی اگر چہ مسلمان کے خلاف ان کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہے۔متن ہدایہ میں ہے: "وتُقبل شھادۃ اھل الذمۃ بعضھم علیٰ بعض وان اختلفت مِللھم "یہ کتاب الشہادۃ کی عبارت ہے اور باب الیمین میں ہے: "ویستحلف الیھودی باللہ الذی انزل التوراۃ علیٰ موسیٰ علیہ السلام الخ، والوَثَنِیُ لایُحلف اِلاّ باللہ الخ "مزید احکام جلد پنجم ابواب الاحکام میں گذرے ہیں۔

حدیث آخر:۔"عــن انــس قــال لَـمّـانـزلـت هـذہ الآیۃ: "لـن تـنـالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تُحبون ......او.......من ذاالذی یُقرِضُ اللہ قرضاً حسناً "قال ابو طلحۃ وکان لہ حائط

یارسول اللہ احائطی للہ ولو استطعتُ اَن اُسِرَّہ لم اُعلِنہ فقال اِجعلہ فی قرابتک اواقربیکَ". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "لن تنالو االبر حتیٰ تنفقوا الخ" "تم پوری نیکی ہرگز حاصل نہیں کرسکو گے جب تک کہ اپنی پسندیدہ اشیاء میں سے خرچ نہ کرو!

یا فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "من ذاالذی یقرض اللہ الخ" "کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے، تو حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا (اوران کا ایک باغ تھا) اے اللہ کے رسول! میرا باغ اللہ کے لئے ہے (یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ ہے) اگر میرے بس میں اس کا چھپانا ہوتا تو میں اس کو ہرگز ظاہر نہ ہونے دیتا، تو آپؐ نے فرمایا اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو، راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے "قرابتک" فرمایا یا "اقربیک" فرمایا۔ تاہم مطلب دونوں صیغوں کا ایک ہی ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "او.... من ذاالذی یقرض اللہ الخ" اس میں لفظ "او" شک من الراوی کے لئے ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے اپنا باغ کس آیت کے نزول کے وقت صدقہ کیا تھا؟ امام ترمذیؒ کا اس حدیث کو سورۂ آل عمران میں لانے سے ان کا میلان پہلی آیت کی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ من ذاالذی یقرض اللہ الخ سورۂ بقرہ کی آیت ہے۔

قولہ: "لواستطعتُ ان اُسِرَّہ" یہ معذرت ہے کہ اگر میں اس باغ کو خفیہ طریقہ سے صدقہ کرنے پر قادر ہوتا تو اسے چپکے سے خیرات کرتا کیونکہ خفیہ صدقہ افضل ہے لیکن میرے پاس آپ کو بتانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمر قال قام رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال من الحاجُ یارسول اللہ؟ قال الشَعِثُ التَفِلُ فقام رجل آخر فقال ایُّ الحج افضل یارسول اللہ؟ قال العجُ والثجُ فقام رجل آخر فقال ماالسبیل یارسول اللہ؟ قال الزادوالراحلة!۔ (من حدیث ابراھیم بن یزیدالخوزی المکی)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا حاجی افضل ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ پراگندہ بالوں اور میلے کچیلے کپڑوں والا (یعنی جس کا بدن غسل نہ کرنے کی وجہ سے میلا ہوگیا ہو) پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوکر کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! حج میں کون سا عمل افضل ہے؟

آپؐ نے فرمایا آواز بلند کرنا اور خون بہانا (یعنی زور سے تلبیہ پڑھنا اور قربانی دینا) پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا اے اللہ کے رسول! سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا توشہ اور سواری۔

تشریح:۔ قولہ: "مَنِ الحاجّ" یعنی کامل حاجی کون ہوتا ہے؟ **قولہ:** "الشعِثُ و التَفِلُ" دونوں کَتِفْ کے وزن پر ہیں شعث جس کے بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے میلے ہوں اور تفل جو خوشبو کا استعمال نہ کرتا ہو اور پسینہ کی وجہ سے اس کے جسم سے بدبو محسوس کی جاتی ہو، جبکہ "عج اور ثج" دونوں بتشدید الجیم ہیں عج باواز بلند تلبیہ پڑھنے اور ثج خون بہانے یعنی قربانی کرنے کو کہتے ہیں۔ شَعِث اور تَفِل کے علاوہ اس حدیث کے باقی دونوں ٹکڑوں پر ابواب الحج میں تفصیلی ابحاث گذری ہیں فلا نعیدھا، ملاحظہ ہو "باب فی ایجاب الحج بالزاد والراحلۃ" اور باب ماجاء فی فضل التلبیۃ والنحر"۔

حدیث آخر:۔ عن عامر بن سعد عن ابیه قال لَمّانزلت هذه الأیۃُ "نَدعُ اَبناء نا واَبناء کم ونساء نا ونساء کم "(الآیۃ) دعارسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علیاً وفاطمة وحَسَناً وحُسیناً فقال :اللّٰھم ھٰؤلاء اھلی".(حسن غریب صحیح)

جب یہ آیت نازل ہوئی (فمن حاجک فیه من بعد ماجاء ک من العلم فقل تعالوا ندع ابناء نا الخ (پس جو شخص آپ سے عیسیٰ کے بارے میں صاف علم (بیان) کے بعد بھی حجت بازی کرے تو آپ کہہ دیجئے آؤ) ہم اپنے بچوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بچوں کو، ہم اپنی عورتوں کو بلالیں اور تم اپنی عورتوں کو بلالاؤ!..... آخر آیت تک، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ، اور حضرات حسنینؓ کو بلایا اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔

ویسے تو سورۂ آل عمران کی تقریباً اسی آیتیں وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی ہیں تاہم مذکورہ آیت جس میں مباہلہ کا چیلنج ان کو دیا گیا ہے کے بارے میں ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بحوالہ ابن اسحاق کے نقل کیا ہے کہ نصاریٰ نجران کے ساٹھ آدمی مدینہ آئے تھے جن میں چار بڑے تھے: (۱) عاقب اس کا نام عبدالمسیح تھا۔ (۲) سَیّد اس کو اَیہم کہتے ہیں۔ (۳) ابو حارثہ بن علقمہ۔ (۴) اویس بن الحارث وغیرہم ان میں عاقب امیر تھا، سید عالم تھا جبکہ ابو حارثہ دراصل عربی تھا مگر نصرانی بن گیا تھا اور ان کے مدارس کا منتظم تھا۔

یہ لوگ مسجد نبوی میں عصر کی نماز کے بعد آئے اور مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، پھر آپؐ اور ان کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بات چیت ہوئی، ان لوگوں نے واضح آیتیں سنیں مگر اپنے موقف

سے پیچھے نہیں ہٹے اور بالآخر مباہلہ کا مندرجہ بالا حکم نازل ہوا۔ جب انہوں نے یہ صورت حال دیکھی کہ آپؐ آگے ہیں، حضرت حسینؓ آپ کی گود میں اور حضرت حسنؓ کو ہاتھ سے پکڑ کر آپؐ تشریف لا رہے ہیں، آپؐ کے پیچھے حضرت فاطمہؓ اور آخر میں حضرت علیؓ ہیں تو انہوں نے مہلت مانگی کہ مشورہ کرتے ہیں۔

وہ جانتے تھے کہ اگر مباہلہ ہوا تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا قیامت تک، ایک نصرانی بھی پیدا نہ ہوگا اس لئے انہوں نے صلح کر کے جزیہ قبول کیا اور واپس چلے گئے، آپؐ نے ان کے ہمراہ امین الامت ابوعبیدۃ الجراحؓ کو بھیجا۔

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ مباہلہ ترک کرنے کی ایک حکمت یہ تھی تا کہ ان کو ایمان بالغیب کا مکلف رکھا جائے۔ دوم چونکہ ان کی اگلی نسل میں کچھ لوگ مسلمان ہونے تھے اس لئے مباہلہ نہ ہوا۔

مباہلہ کے معنی ملاعنہ کے ہیں یعنی آئیں ہم مل کر طرفین اپنے اپنے اہل وعیال جمع کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ اہل بیت پر کچھ گفتگو سورۃ احزاب میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی غالب قال رأی ابو امامة رءوساً منصوبةً علیٰ دَرَج دِمَشق، فقال ابو امامة کِلابُ النارشرُّ قتلیٰ تحت ادیم السماء خیرُ قتلیٰ مَن قتلوہ، ثم قرأ: یوم تبیض وجوهٌ وتسودُّ وجوهٌ ..... الیٰ آخر الایة قلت لابیٖ امامة: انت سَمِعتَه من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم؟ قال لولم اسمعه الا مرة او مرتین او ثلاثاً او اربعاً حتیٰ عَدَّ سبعاً، ما حدثتکموه۔ (حسن)

حضرت ابو غالب کہتے ہیں کہ حضرت ابو امامہ نے دمشق (کی جامع مسجد) کی سیڑھی پر کچھ لٹکے ہوئے سروں کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ دوزخ کے کتے ہیں اور آسمان کی سطح کے نیچے بدترین مقتولین ہیں، اور بہتر مقتول (شہداء) وہ ہیں جن کو انہوں (خوارج) نے قتل کیا ہے، پھر ابو امامہؓ نے یہ آیت پڑھی: "یوم تبیض وجوہ وتسودُّ وجوہ" آیت کے آخر تک (یعنی جس دن کچھ چہرے (اہل سنت کے) سفید ہوں گے اور کچھ (خوارج واہل بدع کے) چہرے سیاہ ہوں گے۔ باقی آیت اس طرح ہے "فاما الذین اسودت وجوهھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون واما الذین ابیضت الخ" پس جن لوگوں کے چہرے کالے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) کیا تم اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرنے لگے تھے؟ تو چکھو عذاب اپنے کفر کے سبب الخ) ابو غالب کہتے ہیں کہ میں نے ابو امامہؓ سے کہا کیا آپ نے یہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے؟ (یعنی خوارج کی مذمت؟) ابوامامہؓ نے فرمایا کہ اگر میں نے نہ سُنا ہوتا اس کو (یعنی ان لوگوں کی بُرائی) صرف ایک بار یا دوبار یا تین بار یا چار مرتبہ یہاں تک کہ انہوں نے سات تک گِنا تو میں ہرگز اس کو تم سے بیان نہ کرتا۔

تشریح:۔ ابوامامہ باہلیؓ مشہور صحابی ہیں اور ابو عامر کا نام امام ترمذیؒ نے خود ذکر کیا ہے، قتلیٰ جمع ہے قتیل کی بمعنی مقتول کے ہے۔ قولہ: "علیٰ دَرَجِ دِمشق" درجہ وہ راستہ جو بلندی کی طرف جاتا ہو یہاں مراد جامع مسجد کے دروازہ کی سیڑھی ہے جس پر ان خوارج کے سر نصب کئے گئے تھے۔ قولہ: "کلاب النار" خبر ہے مبتداء مقدر کی "ای اصحاب ھذہ الرؤس کلاب النار" حضرت ابوامامہؓ نے یہ حکم اس آیت سے اخذ کیا ہے "اِخسئوا فیھا ولا تکلمون" (المؤمنون: آیت:۱۰۸) کیونکہ اِخساء اور دُھتکارنا کتے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قولہ: "شر قتلیٰ" خبر بعد خبر ہے یا مبتداء مقدر ہے یعنی ھؤلاء شر قتلیٰ۔ قولہ: "خیر قتلیٰ الخ" دفع توہم ہے کہ ان خوارج سے جو مسلمان لڑے ہیں اور اس لڑائی میں شہید ہوئے ہیں تو وہ بہتر شہید ہیں کیونکہ وہ باغیوں اور مفسدین کے خلاف لڑے ہیں لہٰذا ان کی موت شہادت ہی ہے۔

اس حدیث سے خوارج کا خارج از ایمان ہونا معلوم ہوتا ہے اگر چہ اسلاف نے احتیاطاً ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا ہے اور اگر چہ ان کی تکفیر میں اختلاف بھی ہے۔

حدیث آخر:۔ "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس" (آیت: ۱۱۰) قال انتم تتمّون سبعین امۃ انتم خیرھا واکرمھا علی اللّٰہ". (حسن)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی خیر رسانی کے لئے نکالی گئی ہو، آپؐ نے فرمایا کہ تم پورا کرنے والے ہو ستر امتوں کو (یعنی تم پر ستر کی تعداد مکمل ہو جائے گی) تم ان سے بہتر اور اللہ کے نزدیک ان سے زیادہ معزز ہو۔

تشریح:۔ قولہ: "خیر امۃ" امت سے مراد جنس ہے لہٰذا یہ فضیلت پوری امت مرحومہ کو حاصل ہوگی اگر چہ الاقدم فالاقدم اولیٰ وافضل ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے، خیر القرون قرنی الخ تاہم یہ فضیلت بوجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہے لہٰذا جس فرد میں یہ خصوصیت ہوگی وہ سابقہ امتوں سے افضل کے زمرہ میں شامل ہوگا اور جو شخص یہ ذمہ داری چھوڑ دیتا ہے وہ اس فضیلت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ قولہ: "سبعین امۃ" مراد امم سابقہ ہیں اگر چہ ان کی تعداد ستر سے متجاوز ہو سکتی ہے لیکن سبعین کا عدد کثرت کے لئے بھی آتا ہے اور یہاں یہی کثرت مراد ہے۔ یعنی تم لوگ گذشتہ تمام لوگوں سے افضل ہوا کیونکہ اس امت کا نبی افضل ہے

لہٰذا امت بھی افضل ہوئی۔ نیز اس امت کا کام انبیاء والا کام اور اس کا فیض عام اور تام ہے۔

حدیث آخر:۔"عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کُسِرت رَبَاعیته یوم احد وشُجَّ وَجهُه شَجَّةً فی جَبهتِه حتی سال الدم علی وجهه فقال: کیف یفلح قوم فعلوا هذا بنبیهم وهو یدعوهم الی اللہ فنزلت "لیس لک من الامر شیء او یتوب علیهم او یعذبهم" الیٰ آخرها. (حسن صحیح)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت توڑا گیا اُحد کے دن اور چہرہ مبارک زخمی کیا گیا اور پیشانی میں زخم لگا، یہاں تک کہ خون بہنے لگا آپؐ کے چہرہ مبارک پر۔ پس آپؐ نے فرمایا: وہ لوگ کیسے کامیاب ہوں گے جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا حالانکہ وہ ان کو اللہ کی طرف بُلاتا ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "لیس لک من الامر شیء الخ" یعنی تجھے اختیار نہیں (کہ کس کو کامیاب کریں) یا تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور یا ان کو عذاب دے دے گا (یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے)

تشریح:۔ قوله "کُسِرت رَبَاعیته" رباعی وہ دانت جو ثَنیہ اور نچلی کے درمیان ہوتا ہے چونکہ اگلے دانت دو ہیں اس لئے وہ ثنیہ کہلاتے ہیں۔ پھر مزید دو دانتوں کو جو دونوں جانب ہوتے ہیں شامل کر کے آگے کے کل چار دانت بنتے ہیں اس لئے ان دونوں کو رباعی کہتے ہیں، آپؐ کے نچلے دائیں دانت کا کچھ حصہ احد کے دن شہید ہو گیا تھا۔ قوله: "شُجَّ" ماضی مجہول کا صیغہ ہے اصل میں سر کے زخم کو کہتے ہیں مگر توسعاً ہر زخم پر اس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ماتھے اور دائیں نچلے ہونٹ کا زخم مراد ہے۔ قوله: "لیس لک من الامر شیء الخ" چونکہ ان لوگوں میں سے بعض کی توبہ قبول ہونے والی تھی اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بددعا سے روک دیا حتیٰ کہ ابوسفیان جو لشکر کفار کے سالار تھے وہ بھی مشرف بہ ایمان ہوئے۔

اگلی روایت میں یہ بھی ہے کہ "وَرُمِیَ رمیة علیٰ کتفه" آپؐ کے شانے پر سخت چوٹ ماری گئی تھی، اس حوالے سے ابن عمرؓ کی دونوں حدیثوں میں تصریح ہے کہ نبی علیہ السلام کی یہ بددعا صرف چار اشخاص کے لئے تھی۔ ان میں سے تین کے نام ترمذی نے ذکر کئے ہیں جبکہ چوتھے حضرت سُہیل بن عمروؓ تھے اللہ عزوجل نے ان چاروں کو اسلام کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ لیکن ابن العربیؒ کی تحقیق کے مطابق چوتھا عتبہ تھا جو کافر مرا۔ واما الرابع الملعون فهو عتبة واللہ اعلم۔ (عارضۃ الاحوذی)

حدیث علی رضی اللہ عنہ:۔"یقول انی کنت رجلاً اذا سمعت من رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم حدیثاً نفعنی الله منه بماشاء ان ینفعنی الخ".

حضرت علیؓ کی یہ حدیث اسماء بن الحکم الفزاری سے ان ہی الفاظ کے ساتھ "باب ماجاء فی الصلوٰۃ عند التوبۃ" میں گذری ہے۔ (تشریحات: ج:۲،ص:۲۶۰)

حدیث آخر: "عن انس عن ابی طلحة قال رَفعتُ راسی یومَ اُحُدٍ فجعلتُ انظُر وما منهم یومئذٍ اَحَدٌ اِلاّ یَمیدُ تحت حَجَفَتِه مِن النُّعاس فذالک قوله تعالی: "ثم انزل علیکم من بعد الغم اَمَنَةً نُعاساً". (حسن صحیح)

حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے احد کے دن (میدانِ جنگ میں) اپنا سر اٹھایا اور (صحابہ کو) دیکھنے لگا، تو اس دن ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اپنی ڈھال کے نیچے اونگھ کی وجہ سے جھکا ہوا نہ ہو۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا: پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر اونگھ کی صورت میں سکون نازل کیا۔

تشریح:۔ قوله: "یَمیدُ" ای یمیل وزناً ومعناً، جھومنا اور جھکنا۔ قوله: "حجفته" حاء کے بعد جیم ہے۔ دونوں مفتوح ہیں سپر اور ڈھال کو کہتے ہیں۔ قوله: "اَمَنَةً" جب اسباب خوف باقی ہوں لیکن خوف ختم ہو جائے تو اسے اَمَنَہ کہتے ہیں اور اسباب بھی ختم ہو جائیں تو اس کو امن کہتے ہیں چونکہ اونگھ کی وجہ سے فکر اور سوچ کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اس لئے خوف کے اسباب کے ساتھ نتائج کی کڑیاں ملانے کا سلسلہ بھی ٹوٹ جاتا ہے تو خوف ختم ہو کر آدمی بے خوف ہو جاتا ہے، یہ سکینہ صرف مخلصین صحابہ کرامؓ پر نازل ہوا تھا جیسا کہ اگلی روایت میں ہے۔

حدیث ابی طلحہؓ:۔ "غُشِینا ونحن فی مَصَافِّنا یوم اُحُدٍ حَدَّث انه کان فیمن غَشِیَه النُّعاسُ یومئذٍ قال فجعل سیفی یسقط مِن یدی وَآخِذُه ویسقط من یدی وآخِذُه والطائفة الاُخریٰ المنافقون لیس لهم هَمٌّ الاّ انفسهم اَجْبَنَ قوم وارعَبَه وآخذَ له للحق". (حسن صحیح)

حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ ہم احد کے دن اپنی صفوں (میدانِ جنگ) میں ڈھانپ لئے گئے تھے (اونگھ میں) فرماتے ہیں کہ وہ (ابوطلحہ) بھی ان لوگوں میں سے تھے جن پر اس دن اونگھ چھا گئی تھی، کہتے ہیں کہ میری تلوار میرے ہاتھ سے گرنے لگتی پھر میں اس کو پکڑ لیتا وہ پھر چھوٹنے لگتی، میں پھر اسے تھامتا، (یہ صحابہ کا حال تھا) دوسری جماعت (والے) منافقین تھے ان کو کوئی فکر نہیں تھی سوائے اپنی جانوں کی، وہ بے حد بزدل لوگ

تھے، نہایت خوف زدہ اور حق کو چھوڑنے والے تھے۔

تشریح:۔ چونکہ مندرجہ بالا آیت میں دو جماعتوں کا ذکر ہے ایک جماعت صحابہ کرامؓ کی اور دوسری منافقین کی، اس لئے حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا "والطائفة الاُخرىٰ"۔ اجبن، ارعب اور اخذل اسماء تفضیل ہیں اور ضمائر قوم کی طرف راجع ہیں۔ خذل ترک نصرت کو کہتے ہیں یعنی منافقین بزدل اور خوف زدہ بھی تھے اور حق یعنی جہاد کو چھوڑ کر اپنے مفادات کے درپے تھے۔

حدیث آخر:۔ "قال ابن عباس: نزلت هٰذه الاية "وما كان لِنَبيٍّ ان يَغُلَّ" في قطيفة حمراء اُفتُقِدَت يوم بدر فقال بعضُ الناس لعلّ رسول الله صلى الله عليه وسلم اَخَذَها، فانزل الله تبارك وتعالىٰ: "وما كان لنبي ان يغُلّ".... الى آخر الايه. (حسن غريب)

ابن عباسؓ اس آیت "وما كان لنبي ان يغل" کی تفسیر اور شان نزول بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ایک سُرخ جھالردار چادر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بدر کے دن گم ہوگئی تھی تو کچھ لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لی ہو (یعنی اپنا خصوصی اختیار استعمال کر کے) پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یعنی کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کریں۔

تشریح:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص نبی کو خائن کہے یا خائن سمجھے وہ کافر ہے، اس بناء پر یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر صحابہ میں کسی کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ وہ آپ علیہ السلام پر خیانت کا الزام لگائے؟

اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ شاید یہ کہنے والا کوئی منافق ہو جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے۔ لیکن اس جواب سے دل مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اصحاب بدر سب کے سب مخلصین تھے، اس لئے صحیح جواب یہ ہے کہ اس قائل کا مطلب بطور خیانت لینا نہیں تھا بلکہ مراد یہ تھی کہ آپؐ کا جو خصوصی حصہ اور صوابدیدی اختیار ہے آپؐ نے اس کی بناء پر یہ چادر لی ہوگی۔ جو کسی طرح خیانت کے زمرہ میں نہیں آتا بلکہ خصوصیت وتفاضل میں آتا ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ بات بھی پسند نہیں آئی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک تو اس کی ظاہری صورت خیانت کی تھی جو نبی کی شان سے بعید ہے۔ دوم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تو آئندہ کے لئے اُمراء کو بہانہ مل جاتا۔ اس طرح جو خائن امیر آتے وہ اس کو اپنا حق سمجھ کر مالِ غنیمت میں سے اپنے لئے قبل از تقسیم خصوصی حصہ الگ کر لیتے جس سے خیانت کا دروازہ کھل جاتا، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سداً للذرائع اس صورت کو بھی غلول یعنی خیانت سے تعبیر کیا اور اس کو ممنوع قرار دیا۔

حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:۔"یقول لَقِیَنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی: یاجابر مالی أراکَ مُنکَسِراً؟ قلت یارسول اللہ اُستُشھِدَابی وترکَ عِیالا و دیناً قال: آلاأبشرک بمالَقِیَ اللّٰہُ بہ اَبَاکَ قال بلیٰ یارسول اللہ! قال ماکَلّمَ اللہُ احداً قط الامِن وراءِ حِجاب.... وَاَحییٰ اَبَاکَ فکلمہ کِفاحاً وقال: یاعبدی اتَمَنّ عَلَیَّ اُعطِیکَ قال یاربّ تُحیینی فَأُقتَلَ فیکَ ثانیۃً قال الربُّ تبارک وتعالیٰ: انہ قدسبق مِنّیَ انھم لایرجعون قال وأُنزلت ھذہ الایۃ: ولاتحسبنّ الذین قُتلوا فی سبیل اللہ امواتاً" (الایۃ)(حسن غریب)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور فرمایا مجھ سے: اے جابر! میں کیوں تجھے شکستہ خاطر دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد شہید کردیئے گئے (یعنی اُحد میں) اور چھوڑ گئے بچے اور قرضہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو اس کی خوشخبری نہ سناؤں جس طریقہ سے اللہ نے تیرے والد سے ملاقات فرمائی ہے حضرت جابرؓ نے فرمایا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (ضرور سنایئے!) آپؐ نے فرمایا اللہ نے کبھی کسی سے گفتگو نہیں فرمائی ہے مگر پردہ کے پیچھے سے (یعنی روبرو کبھی کسی سے بات نہیں کی ہے) جبکہ تیرے والد کو زندہ کیا اور اس سے روبرو بات فرمائی اور فرمایا: اے میرے بندے! مجھ سے فرمائش کر! (کسی چیز کی) میں تجھے دوں گا! انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! تو مجھ کو زندہ فرماتا کہ میں پھر دوبارہ قتل کیا جاؤں تیری راہ میں! اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میری طرف سے یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی ہے کہ (مرنے والے) لوگ دوبارہ دنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اسی باب میں یہ آیت نازل ہوئی: تم ہرگز ان لوگوں کو مرے ہوئے خیال مت کرو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں۔ (آیت:۱۶۹)

تشریح:۔قولہ: "کِفاحاً" بروزن کتاب بالمشافہ اور آمنے سامنے بات چیت کرنا۔ پھر عالم برزخ میں اگرچہ ہر مردہ زندہ ہوتا ہے لیکن شہداء کی حیات امتیازی ہوتی ہے جبکہ کفار کی حیات مسلسل عذاب میں ہونے کی وجہ سے حیات کہلانے کی قابل نہیں اگرچہ وہ بھی زندہ ہوتے ہیں قال اللہ: لم لایموت فیھا ولایحییٰ"۔(الاعلیٰ: آیت:۱۳)

حدیث آخر:۔"عن عبداللہ بن مسعودؓ انہ سُئل عن قولہ تعالیٰ: ولاتحسبنّ الذین قُتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم فقال: أمَا إنّا قد سألنا عن ذالک فأُخبرنا ان

ارواحھم فی طیر خضر تسرح فی الجنۃ حیث شاء ت وَتأوِی الیٰ قنادیل مُعلّقۃٍ بالعرش فاطلع الیھم ربّک اطلاعۃً فقال: ھل تستزیدون شیئاً فازیدکم ؟قالوا: ربّنا ومانستزید ونحن فی الجنۃ نَسرحُ حیث شئنا ثم اطلع علیھم الثانیۃ فقال ھل تستزیدون شیئاً فازیدکم؟ فلمّا رَاوا انھم لایترکون قالوا تعیدُارواحنافی اَجسادِناحتیٰ نرجعَ الی الدنیافنُقتلَ فی سبیلک مَرّۃً اُخریٰ". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی "ولاتحسبن الذین الخ "تو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا آگاہ ہو کہ ہم نے اس بارے میں پوچھا تھا (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے) تو ہمیں بتلایا گیا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں (کی شکل) میں ہوتی ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں چرتی ہیں (یعنی سیر کرنے اور میوے کھانے کے لئے جاتی ہیں) اور آرام کرنے کے لئے عرش سے لٹکی ہوئی قندیلوں (فانوسوں) میں بسیرا کرتی ہیں، پس ان کی طرف تیرے رب نے اپنی شان کے مطابق جھانکا اور فرمایا کیا تمہیں مزید کچھ چاہئے؟ انہوں نے جواب دیا: اے ہمارے رب! ہم مزید کیا چاہتے ہیں جبکہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں چرتے ہیں (اور ٹہلتے ہیں) پھر جھانکا اللہ نے دوبارہ اور فرمایا کہ تم مزید کوئی چیز چاہتے ہو؟ تاکہ میں وہ (تمہاری نعمتوں کے ساتھ) بڑھادوں! پس جب شہداء نے دیکھا کہ وہ نہیں چھوڑے جاتے ہیں (جب تک کہ مزید خواہش نہ کریں) تو وہ کہنے لگے کہ ہماری ارواح کو ہمارے جسموں میں لوٹا دو تاکہ ہم دنیا کی طرف لوٹیں اور تیری راہ میں ایک بار پھر مارے جائیں (یعنی یہی آرزو ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے)۔

تشریح:۔ بلاشبہ ابن مسعودؓ کا اس آیت کے بارے میں سوال و جواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہوا ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک تو اس حدیث کا مطلب سمجھنا بہت آسان ہے کہ شہداء کی ارواح جسم مثالی میں متشکل و مجسم ہوجاتی ہیں گویا یہ سبز پرندہ شہید کا جسم مثالی ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر تفصیل سے بحث فرمائی ہے، لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس کا مطلب سمجھنا کافی دشوار ہے جس کی کچھ تفصیل تشریحات جلد پنجم ص ۱۸۴ پر "باب ماجاء فی ثواب الشھید "میں گذری ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روح قیامت کے دن اپنے دنیوی جسم میں لوٹا دی جاتی ہے مگر قیامت سے پہلے وہ آزاد ہوتی ہے اور سرعت اُڑان و طیران اور دیگر صفات میں سبز پرندوں یعنی طوطوں کے مشابہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے تناسخ پر استدلال کی کوئی گنجائش نہیں۔

موت، زندگی بعد ازموت

دراصل تناسخ کا نظریہ سقراط وغیرہ قدیم یونانیوں اور دیگر لوگوں نے ایک قانون کی وجہ سے اپنایا تھا یعنی موت حیات میں علاقۂ تضاد کی وجہ سے کہ ہر موت کے بعد حیات ہے تو ہر حیات کے بعد موت ہے کیونکہ نقیضین نہ جمع ہو سکتی ہیں اور نہ ہی بیک وقت رفع ہو سکتی ہیں لہٰذا موت کے بعد روح دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے یہ اصول خود نیوٹن جیسے مادہ پرستوں نے بھی مسترد کیا ہے جس کا اصول تشریحات جلد ششم ''باب ماجاء فی طلوع الشمس من مغربھا'' ص: ۵٦۰ پر گذرا ہے۔

غرض جس طرح سکون کے بعد حرکت اور حرکت کے بعد سکون لازمی نہیں، تو اسی طرح حیاتِ اُخروی کے بعد موت کا طاری ہونا بھی لازمی نہیں ہے علاوہ ازیں موت وحیات کے درمیان علاقہ عدم وملکہ کا ہے تضاد کا نہیں پس سقراط کا استدلال باطل ہوا۔

اگلی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ان شہداء نے کہا کہ ہمارے نبی کو ہمارا اسلام پہنچاؤ اور ان کو بتاؤ کہ ہم بہت خوش ہیں اور وہ (اللہ) ہم سے خوش ہے۔ (حسن)

حدیث آخر:۔ مامن رجل لایُؤدِّی زکوٰۃ مالہ الاّجعل اللہ یوم القیامۃ فی عُنُقِہ شُجاعاً ثم قرأعلینامصداقہ من کتاب اللہ: لایحسبنّ الذین یبخلون بمااٰتاھم اللہ من فضلہ'' (الایۃ) وقال مرۃ: قرأرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصداقہ سیُطوّقون مابخلوا بہ یوم القیامۃ'' ومَنِ اقتطع مال اخیہ المسلم بیمین لقی اللہ وھوعلیہ غضبان ،ثم قرأرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصداقہ من کتاب اللہ: ان الذین یشترون بعھداللہ ''(الایۃ). (حسن صحیح)

جو شخص بھی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اللہ (اس مال کو) قیامت کے دن اس کی گردن میں اژدھا بنا دے گا پھر پڑھی آپ نے قرآن سے اس کے مصداق کے طور پر آیت: ''لایحسبن الذین الخ'' (ال عمران: آیت: ۱۸۰) وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا ہے ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ بخل ان کے لئے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے حق میں بُرا ہے، قیامت کے روز طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس میں وہ بخل کرتے ہیں۔

(یہ آیت ال عمران کی ہے لیکن راوی نے ایک مرتبہ اس کا شروع حصہ نقل کیا اور دوسری مرتبہ روایت کے درمیان سے سیطوقون سے آگے نقل کیا ہے)۔

اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کا مال ہڑپ کیا (جھوٹی) قسم کھا کر وہ اللہ سے ملے گا اس حالت میں

کہ اللہ اس پر سخت غضبناک ہوگا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: ''الذین یشترون بعهدالله الخ''۔ یہ حدیث آل عمران کے شروع میں گذری ہے۔ دیکھئے عبداللہ بن مسعودؓ کی چوتھی حدیث۔

حدیث آخر:۔ ''عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان موضع سوط فی الجنة خیر من الدنیا ومافیها، اقرء وا ان شئتم فمن زُحزح عن النار وادُخل الجنة فقد فاز ومالحیوٰة الدنیا الاّمتاع الغرور''. (حسن صحیح)

بے شک جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ ساری دنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے سے بہتر ہے، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو! پس جو شخص دوزخ سے بچالیا (دور کیا) گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہوا اور دنیاوی زندگی تو بس دھوکے کا (وقتی نفع کا) سامان ہے۔

تشریح:۔ قولہ: ''اقرء وا'' بظاہر یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے۔ ایک کوڑے کی جگہ عربوں کے عرف کے مطابق ہے کہ جب کوئی مسافر کسی جگہ پڑاؤ کرتا تھا تو وہ اپنے لئے جگہ مختص کرنے کی غرض سے سواری سے اترنے سے قبل (یا مطلقاً) اپنا کوڑا اس جگہ پر پھینکتا، ہم بچپن میں بھی جب جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کے لئے جاتے تو جو شخص اپنے اوزار کسی جگہ رکھتا تو اس کے آس پاس کی جگہ اسی کی شمار ہوتی تھی۔
چونکہ وہ جگہ بہت زیادہ نہیں ہوتی تھی اس لئے حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی کو جنت میں تھوڑی سی جگہ بھی مل جائے تو وہ دنیا و مافیہا سے افضل ہے کیونکہ کم از کم وہ دوزخ سے تو محفوظ رہے گا جو بلاشبہ بڑی کامرانی ہے۔

حدیث آخر:۔ ''ان مروان بن الحکم قال: اذهب یارافع لِبوّابه ... الی ابن عباس فقل له لَئن کان کل امرئ فَرِحَ بمااُوتیَ وَاَحَبَّ ان یُحمَدَ بمالم یفعل مُعذَّباً لَنُعَذَّبَنَّ اجمعون فقال ابن عباس: مالکم ولهذه الایة؟ اِنمانزلت هذه فی اهل الکتاب ثم تلاابن عباس: واذ اخذ الله میثاق الذین اوتوا الکتاب لَتُبَیِّنُنَّه للناس ولاتکتمونه وتلا''ولاتحسبن الذین یفرحون بمااتوا ویحبون ان یُحمدوا بمالم یفعلوا''قال ابن عباس سالهم النبی صلی الله علیه وسلم عن شیٔ فکتموه واَخبروه بغیره فخرجوا وقداَرَوه اَن قداخبروه بماقدسالهم عنه واستحمدوا بذالک الیه وفرحوا بمااوتوا من کتابهم وماسالهم عنه''. (حسن غریب صحیح)

حضرت مروان بن حکم نے اپنے دربان (رافع) سے کہا: اے رافع! تو جا ابن عباسؓ کے پاس، اور ان

ہے کہ اگر ہر وہ شخص جو خوش ہوتا ہے اس پر جو وہ دیا گیا ہے (یعنی جو چیز اسے ملی ہے) اور وہ پسند کرتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اس کام پر جو اس نے نہیں کیا ہے سزا کا مستحق ہوگا تو بخدا! پھر تو ہم سب عذاب دیئے جائیں گے (کیونکہ یہ حالت تو اکثر لوگوں کی ہے) تو ابن عباسؓ نے فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا واسطہ ہے؟؟؟ یہ آیت تو اہلِ کتاب کے بارے میں اُتری ہے پھر ابن عباسؓ نے (یہ آیت) پڑھی "واذا اخذ اللہ میثاق الذین الخ" یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اقرار لیا کتاب والوں سے کہ تم اس کتاب کو عام لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، اور ابن عباسؓ نے اس آیت کو بھی پڑھا "ولا تحسبن الذین یفرحون الخ" تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر، تو مت سمجھ ان کو عذاب سے چھوٹ پانے والے۔ (آیت: ۱۸۸)

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (اہلِ کتاب) سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس (اصل بات) کو چھپایا اور آپؐ کو اس کے علاوہ بات بتلائی (یعنی غلط جواب دیا) اور وہاں سے نکلتے ہوئے آپؐ کو یہ تاثر دیا کہ انہوں نے آپؐ کو وہی بات بتلادی ہے جو آپؐ نے ان سے دریافت کی تھی، اور اس جواب پر وہ آپؐ سے تعریف کے خواہاں بھی رہے اور وہ خوشی ہونے لگے اس کتاب پر (یا کتمان پر) جو ان کو دی گئی ہے اور اس بات پر (بھی خوش تھے) جو آپؐ نے ان سے پوچھی تھی۔

تشریح:۔ ایک نسخہ میں کتابھم کی جگہ "کتمانھم" ہے معلوم نہیں کہ مروان کو یہ غلط فہمی کیسے لاحق ہوئی کہ "کل امرئ فرح بما اُوتی" حالانکہ آیت میں اَتَوا معروف کا صیغہ ہے یعنی یہود اپنے غلط کردار پر بھی خوش ہوتے ہیں۔

تاہم حضرت مروان کا نفس سوال بالکل بجا ہے کیونکہ اعتبار لفظ کے عموم کو ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں، گویا مروان کا سوال اسی اصول کے پیشِ نظر ہے۔ ابن عباسؓ کا جواب بظاہر مندرجہ بالا اصول کے خلاف ہے حالانکہ خود ابن عباسؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ بھی لفظ کے عموم کے اعتبار کے قائل ہیں جبکہ اس جواب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خصوص مورد کا حوالہ دے کر یہ جواب دیا کہ یہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اس کے جواب کی طرف شارحین میں سے حضرت گنگوہیؒ نے توجہ فرمائی ہے اور وہی ایسے عقدوں کے حل کے اہل ہیں چنانچہ وہ کوکب میں فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ حکم مورد کے مصداق اور افراد کو شامل ہوتا ہے اور ان افراد کو بھی جو اس موردو مصداق کے مساوی ہوں اس سے کمتر کو شامل نہیں

ہوتا۔ چونکہ یہود نے حضور علیہ السلام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی اور پھر اس معصیت کو نجات کا ذریعہ بھی مانتے تھے اور مع ہذا اس پر مدح سرائی کے بھی خواہاں تھے، لہذا یہ وعیدان تینوں اسباب پر نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ امت مرحومہ میں سے کوئی فرد بھی اس شرمناک حرکت کا مرتکب نہیں ہوسکتا علیٰ ھذا امت مرحومہ کا کوئی فرد اس آیت کے مصداق میں نہیں آتا یہ حرکت یا تو یہود ہی کر سکتے ہیں یا پھر منافقین جیسا کہ بخاری میں اس کا ایک شان نزول منافقین کے بارے میں بھی بیان ہوا ہے، رہا نمازوں وغیرہ عبادات پر خوش ہونا تو اس کا آیت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ عبادت پر خوشی الگ شے ہے اور تزویر وتغریر یعنی دھوکہ دہی پر نازاں ہونا الگ چیز ہے۔ احفظ هذا فانه دقيق وبالحفظ يليق۔

ومن سورة النساء

سورۂ نساء کی بعض آیتوں کی تفسیر

حدیث جابر عبداللہ رضی اللہ عنہ:۔ "يقول مَرِضتُ فاتاني رسول الله صلى الله عليه وسلم يعودني وقد اُغمي عَلَيَّ فلما اَفقتُ قلت كيف اَقضي في مالي؟ فَسَكَتَ عَنّي حتى نزلت: يوصيكم الله في اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين" (نساء: آیت: ۱۱). (حسن صحيح)

۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے آئے جبکہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی تھی پس جب مجھے ہوش آیا تو میں نے پوچھا: میں اپنے مال میں کیا حکم کروں؟ تو آپؐ مجھے جواب دینے سے خاموش رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: **يوصيكم الله الخ** اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے (یعنی میراث کا حکم نازل ہوا)۔

یہ حدیث بمع تشریح ابواب الفرائض میں گذر چکی ہے۔ (دیکھئے تشریحات ج: ششم ص: ۴۱۰ و ص: ۴۱۱ "باب ميراث البنين مع البنات اور باب ميراث الاخوات")

حدیث آخر:۔ "عن ابي سعيد الخدري قال لمّا كان يوم اوطاس اَصبنا نساءً لهن ازواجٌ في المشركين فكرِهَهُنّ رجال منا (منهم) فانزل الله تعالىٰ: "والمحصنات من النساء

الاماملکت ایمانکم". (۲۴)(حسن)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جب اوطاس (وہوازن) کی لڑائی کا دن تھا تو ہم کچھ عورتوں پر قابض ہوئے (یعنی غنیمت میں حاصل کیں) جن کے مشرکوں میں شوہر تھے (یعنی ہم شادی شدہ عورتوں کے مالک ہوئے) تو ہم میں سے بعض صحابہ نے ان (باندیوں) سے صحبت کرنے کو ناپسند کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "والمحصنات الخ" یعنی شادی شدہ عورتیں بھی حرام ہیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے دائیں ہاتھ (تو وہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں)

تشریح:۔ اوطاس طائف میں ایک مقام کا نام ہے۔ **قولہ: "رجال منا"** یعنی صحابہ میں سے، ایک نسخہ میں "منا" کے بجائے "منهم" ہے، یہ ضمیر بھی صحابہ کرام کی طرف لوٹتی ہے۔ محصنات: محصنہ کی جمع ہے اس کا اطلاق تین قسم کی عورتوں پر ہوتا ہے: (۱) پاکباز (۲) آزاد وحر (۳) شادی شدہ۔ یہاں تیسری قسم مراد ہے، پس مطلب یہ ہوا کہ شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے سوا کسی کے لئے حلال نہیں البتہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے دوران بطور غنیمت مملوکہ اور باندی بن جائے تو وہ جس کے حصہ میں آئے گی اس کے لئے حلال ہو جائے گی۔ تاہم اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل کے بعد وہ اس کے لئے حلال ہوگی۔

قولہ: "ولا اعلم ان احداً ذکر اباعلقمة الخ" امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دو سندیں ہیں: پہلی سند میں ابوعلقمہ کا اضافہ ہے جو صرف ہمام کی سند میں ہے۔ لیکن مسلم ونسائی اور ابوداؤد وغیرہ میں ہمام کے متابع موجود ہیں لہٰذا امام ترمذیؒ کا یہ کہنا اپنی جستجو کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکبائر قال: الشرک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس وقول الزور". (حسن غریب صحیح)

حضرت انسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے کبیرہ گناہوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو (ناحق) قتل کرنا اور جھوٹ بولنا (بڑے گناہ ہیں)۔

تشریح:۔ یہ حدیث دراصل سورۂ نساء کی آیت (۳۱) **اِن تجتنبوا کبائر ماتُنهون عنه نُکفر عنکم سیاٰتکم الخ** کی تفسیر ہے، اگلی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (آخری جملے کے ساتھ) بیٹھ گئے (یعنی سیدھے) جبکہ پہلے آپؐ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور فرمایا "**وشهادة الزور**" اور جھوٹی گواہی

اورآپؐ اس جملے کو بار بار مکرر فرما رہے تھے یہاں تک کہ ہم (دل میں) کہنے لگے کہ کاش آپؐ خاموش ہوجائیں (کیونکہ آپؐ تھک جائیں گے)۔

اگلی دونوں روایتوں میں یمین غموس یعنی جھوٹی قسم کا بھی ذکر ہے، اسی بناء پر اختلاف ہوا کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد کتنی ہے؟ تو کسی نے بارہ اور کسی نے زیادہ ذکر کی ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جس گناہ پر وعید آئی ہے وہ بھی کبیرہ ہے اور جو شناعت میں اس کے مساوی یا اس سے بڑھ کر ہو وہ بھی کبیرہ ہے جبکہ باقی صغائر ہیں۔

اس بارے میں تفصیل پہلے گذری ہے فلیراجع تشریحات: جلد اول ص: ۴۸۸ "باب فی فضل الصلوات الخمس" اور جلد ششم ص: ۱۵۲ "باب ما جاء فی عقوق الوالدین" اور ابواب الشہادۃ میں بھی ایک جزء پر بحث گذری ہے۔

حدیث عبداللہ بن اُنیس الجہنیؓ:۔ "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من اكبر الكبائر الشرك بالله.....وفيه......وما حَلَفَ حالفٌ بالله يمينَ صبرٍ فادخَلَ فيها مثل جناح بعوضة الا جُعلت نكتةٌ (سوداء) في قلبه الى يوم القيامة". (حسن غريب)

اس حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے: جس قسم خور نے قسم کھائی اللہ کی صبر والی قسم (یعنی جھوٹی یمین جس کی وجہ سے فیصلہ روک دیا گیا ہو اور قاضی کا حکم موقوف کر دیا گیا ہو اس قسم پر) پھر داخل کیا اس نے اس قسم میں (جھوٹ کو) مچھر کے پر کے برابر تو وہ قسم (یا جھوٹ کی آمیزش) اس کے دل میں قیامت تک ایک (سیاہ) دھبہ بنادی جائے گی۔

تشریح:۔ "واليمين الغموس" غمس اصل میں ڈبونے کے معنی میں آتا ہے چونکہ جھوٹی قسم جہنم میں داخل کرنے کا قوی سبب ہے اس لئے اسے غموس کہتے ہیں اس کا کفارہ نہیں البتہ توبہ ضروری ہے۔

قوله: "يمين صبر" اضافت کے ساتھ صبر روکنے کے معنی میں آتا ہے چونکہ حاکم مدعی علیہ کو روکتا ہے کہ جب تک قسم نہیں کھاؤ گے اس وقت تک فیصلہ نہیں ہوگا اور جانے کی اجازت بھی نہیں ملے گی، اس لئے آدمی جھوٹی قسم کھا کر غلط فیصلہ کا سبب بن جاتا ہے گویا اپنے آپ کو جھوٹی قسم میں منحصر کر دیتا ہے۔ پھر یہ ضروری نہیں کہ جس چیز پر وہ قسم کھا رہا ہے اس میں سب باتیں جھوٹی ہوں بلکہ تھوڑا سا جھوٹ بھی حتیٰ کہ مچھر کے پر کے برابر غلط بیانی بھی اس کے دل کو سیاہ کر دیتی ہے اُخروی وبال اس کے علاوہ ہے۔

حدیث آخر:۔"عن ام سلمة انها قالت يغزو الرجال ولا تغزو النساء وانما لنا نصف الميراث فانزل الله تبارك وتعالىٰ: ولا تتمنوا ما فضّل الله به بعضكم على بعض"قال مجاهد وانزل فيها":ان المسلمين والمسلمات"وكانت اُمّ سلمة اوّل ظعينة قَدِمَتِ المدينةَ مهاجرةً". (مرسل)

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے انہوں نے عرض کیا کہ (یارسول اللہ!) مرد جہاد کرتے ہیں اور عورتیں جہاد نہیں کرتیں (یعنی مردوں کو حکم ہے جبکہ عورتوں کے لئے حکم نہیں ہے) اور ہمارے (عورتوں کے) لئے میراث کا آدھا ہے (یعنی ایک مرد کا آدھا) پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت:"ولا تتمنوا ما فضّل الله الخ" نازل فرمائی یعنی تم ایسی چیز کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر برتری بخشی ہے۔(نساء: آیت:۳۲) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ام سلمہؓ کے سوال کے متعلق یہ بھی نازل فرمایا:"ان المسلمين والمسلمات الخ"۔(احزاب:۳۵) اور ام سلمہؓ وہ پہلی خاتون ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں۔

تشریح:۔اسباب نزول کا موضوع کافی تفصیلی ہے۔ راقم نے"زادیسر فی علوم التفسیر"میں اس پر لکھا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ کبھی ایک سبب رونما ہونے پر متعدد آیتیں نازل ہوتی ہیں اور اس کی مثال میں ام سلمہؓ کا یہی سوال پیش کیا ہے، جبکہ کبھی متعدد اسباب پر ایک ہی حکم نازل ہوتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ غیر مکسوبہ ملکات وفضائل کی تمنا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اس سے حسد اور بغض جیسی بیماریاں جنم لیتی ہیں البتہ کسبی فضائل ریس اور دوڑ لگانے کی چیزیں ہیں اس لئے محنت اور دعا کرنی چاہئے جہاں تک فضیلت دینے کا تعلق ہے تو یہاں دو امر ہیں: ایک تو ملکات ان میں تفاضل حکمت باری تعالیٰ کی بناء پر ہے ورنہ یہ نظام نہ چلتا۔دوسرا میراث میں تفاوت تو یاد رکھنا چاہئے کہ انصاف کی تعریف میں یورپ کے ماہرین کے درمیان اختلاف ہے ایک فریق مساوات کو انصاف کہتا ہے مگر دوسرا فریق جس کا سرخیل ارسطو ہے کہتا ہے کہ انصاف مساوات پر نہیں بلکہ صحیح تناسب پر مبنی ہے، جو صرف بعض اوقات مساوات ہوتا ہے یعنی اگر ایک شخص کو ایک وقت کھانے کے لئے تین روٹیوں کی ضرورت ہے اور دوسرے کے لئے ایک بھی کافی ہو جاتی ہے تو انصاف یہ نہیں ہوگا کہ ہم چار روٹیوں کو دونوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیں بلکہ انصاف یہ ہوگا کہ جس کے لئے ایک کافی ہے اس کو ایک ہی دیں اور جس کو تین کی ضرورت ہے اس کو تین دے دیں۔ چنانچہ عورت کی ضروریات

کم ہیں اس لئے میراث میں اس کی ضرورت کے تناسب سے حصہ کم رکھا گیا ہے علیٰ ھذا القیاس مرد کی جسمانی قوت اور صلاحیت کے تناسب سے اس کے احکام عورت کے مقابلے میں سخت اور مشکل ہیں اس لئے مرد کو جہاد کا حکم ہے عورت کو نہیں۔ غرض آیت میں اس نظام کے اندر ردوبدل کی سوچ اور تصرف کی ممانعت ہے کہ یہ حکمت کے منافی ہے۔

حدیث عبداللہ بن مسعودؓ:۔ "اَمَرَنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَن اَقرأ علیہ وھو علیٰ المنبر فقرأتُ علیہ من سورۃ النساء، حتیٰ اذا بلغتُ: فکیف اذا جئنا من کل اُمۃ بشھید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شھیداً غَمَزَنی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ فنظرتُ الیہ وعیناہ تدمعان".

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپؐ کے آگے قرآن پڑھوں اور اس وقت آپؐ منبر پر تھے پس میں نے آپؐ کے سامنے سورۃ النساء پڑھی (یعنی اول سے پڑھنا شروع کیا) یہاں تک کہ جب میں پہنچا اس آیت تک "فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید الخ" (پھر کیا حال ہوگا جب بلائیں گے ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اور بلائیں گے تجھ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، پس میں نے آپؐ کی طرف دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

تشریح:۔ اگلی روایت میں تدمعان کے بجائے "تھملان" ہے، ہمول سے بمعنی بہنے کے آتا ہے جبکہ تدمعان دموع سے بمعنی آنسو کے ہے۔

امام ترمذیؒ نے دوسری حدیث ذکر کر کے اس کو اصح قرار دیا ہے کیونکہ دوسری سند میں اعمش کے شاگرد سفیان ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان عُبیدہ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں جبکہ پہلی سند میں اعمش کے شاگرد ابوالاحوص عبیدہ کے بجائے علقمہ کا واسطہ نقل کرتے ہیں۔ دونوں میں سے سفیان کی روایت اس لئے اصح ہے کہ حفص بن غیاث اور عبدالواحد وغیرہ سفیان کی متابعت کرتے ہیں اور صحیحین میں بھی یہی ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اپنی امت پر شفقت کی بناء پر تھا کہ میری امت میں ایسے بھی لوگ ہیں (یعنی امت دعوت میں) جن کے کفر اور نفاق و دیگر اعمال کفریہ کے خلاف مجھے گواہی دینی پڑے گی، اس حدیث سے قرآن سننے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ جس طرح آدمی خود پڑھتا ہے اسی طرح دوسرے سے بھی

سُن سکتا ہے کیونکہ کبھی سُننے میں تدبر کا زیادہ موقع ملتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نوافل سے روکنا بمصلحت جائز ہے بشرطیکہ ضرر کا اندیشہ نہ ہو، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت کے دوران تدبر اور غور کر کے رونا چاہئے۔

صاحب تحفۃ الاحوذیؒ نے عبداللہ بن المبارکؒ کی کتاب "الزھد" سے حضرت سعید بن مسیبؒ کی حدیث نقل کی ہے یعنی مرسل کہ امت کے افراد اور ان کے اعمال آپ علیہ السلام کی خدمت میں صبح وشام روزانہ پیش کئے جاتے ہیں اس لئے آپ ان لوگوں کو پہچانیں گے اور ان کے بارے میں گواہی دیں گے لفظہ: "لیس من یوم الا یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ غُدوۃ وعشیۃ فیعرفھم بسیماھم واعمالھم فلذالک یشھد علیھم" لیکن اس پر تبصرہ یا مزید کلام نہیں ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

حدیث آخر:۔"عن علی بن ابی طالب قال: صنع لنا عبدالرحمن بن عوف طعاماً فَدَعانا وسقانا من الخمر فَاَخَذَتِ الخمرُ مِنّا وحَضَرَتِ الصلوٰۃ فقدَّمُونی فقرأتُ قل یاایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون ونحن نعبدما تعبدون فانزل اللہ :یاایھا الذین امنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سُکریٰ حتیٰ تعلموا ماتقولون ". (حسن غریب صحیح)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا اور ہمیں (کھانے کے لئے) بلایا اور ہمیں شراب پلائی (یعنی حرمت سے قبل) تو شراب نے ہماری عقل لے لی (یعنی ہم سے گویا ہوش چھین لیا) اور اتنے میں نماز کا وقت آ گیا تو لوگوں نے مجھے آگے کیا پس میں نے پڑھا "قل یاایھا الکافرون الخ" (یعنی نفی واثبات میں ایسا ردوبدل کیا کہ مضمون یکسر متغیر ہو گیا کیونکہ "ونحن نعبد ما تعبدون" پڑھنا حالتِ نشہ میں ہی ممکن ہے) پس اللہ نے نازل فرمائی یہ آیت: اے ایمان والو! تم نماز کے قریب مت جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم جو کچھ کہتے ہو اس کو سمجھنے لگو! (یعنی نشہ اُترنے تک)۔

تشریح:۔ایک روایت میں ہے کہ نماز پڑھانے والے عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے۔قولہ: "لاتقربوا الصلوٰۃ" یعنی نماز کے لئے کھڑے مت ہو۔ "سُکریٰ" سکران کی جمع ہے۔

اگلی حدیث بلفظہ ابواب الاحکام میں گذری ہے فلانعیدہ۔(دیکھئے تشریحات جلد: پنجم ص: ۲۷۶ "باب ماجاء فی الرجلین یکون احدھما اسفل من الآخر فی الماء")۔

حدیث آخر:۔"فمالکم فی المنافقین فئتین "(۸۸) قال رجع ناس من اصحاب النبی

صلی اللہ علیہ وسلم یوم أحد فکان الناس فیهم فریقین فریق منهم یقول اقتلهم وفریق یقول "لا" فنزلت هذه الآیة: "فمالکم فی المنافقین الخ" فقال: انها طیبة وقال: انها تنفی الخبث کما تنفی النار خبث الحدید". (حسن صحیح)

تم منافقین کے بارے میں کیوں دو فرقے بن گئے؟ "واللہ ارکسهم بما کسبوا" حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے عمل کی وجہ سے الٹا پھیر دیا ہے) حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ لوگ اُحد کے دن واپس لوٹ گئے تو (باقی) لوگ ان کے بارے میں دو جماعتیں ہوگئے ایک فریق ان میں سے کہتا تھا کہ ہم ان کو قتل کر دیں گے دوسرے نے کہا کہ "نہیں" پس یہ آیت نازل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ طیبہ ہے اور فرمایا کہ مدینہ گندگی کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کے میل کو دور کرتی ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "فئتین" یہ "فمالکم" سے حال ہے جیسے "مالک قائماً" سیبویہ کہتے ہیں اذا قلت مالک قائماً فمعناه لِمَ قُمتَ؟۔ (تفسیر مدارک)

اس آیت کا ایک شان نزول تو وہی ہے جو باب کی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی بن سلول نے تین سو آدمیوں کے ساتھ جنگ اُحد سے پسپائی اختیار کرتا ہوا مدینہ کی طرف واپس آیا تو صحابہ کرامؓ کے درمیان ان کے بارے میں اختلاف ہوا۔

لیکن اس کا دوسرا شان نزول جو زیادہ اصح معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے وہ لوگ ہیں جو مکہ میں بظاہر اسلام قبول کر کے ہجرت نہیں کر رہے تھے اور کافروں کی مدد کر رہے تھے وہ کسی کام سے مدینہ آرہے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں مسلمانوں سے خطرہ نہیں کیونکہ ہم بھی مسلمان ہیں، اُدھر مدینہ میں دو رائے سامنے آگئیں جس پر یہ آیت نازل ہوگئی۔ چونکہ ان پر ہجرت فرض تھی جس کے ترک کی حیثیت کلمۂ شہادت کے اقرار کو ترک کرنے کی تھی اس لئے اللہ نے ان کی ترک ہجرت کی بناء پر ملامت فرمائی۔ اور ان کو مسلمان کہنے والوں پر عتاب فرمایا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ ہے چونکہ ہجرت سے قبل لوگ اس کو یثرب کہتے تھے جس کے معنی ندامت کے ہیں لیکن آپؐ کی ہجرت کے بعد اللہ نے یہاں کی آب وہوا کو عمدہ بنایا اور وبائی بیماریوں کا قلع قمع ہوگیا اس لئے یہ شہر طیبہ یعنی صاف ستھرا کہلاتا ہے اور مدینہ اس لئے کہلاتا ہے کہ یہاں اللہ کی سب سے زیادہ

تحریرات

اطاعت ہوتی ہے اور منافق آدمی یہاں سے تنگ دل ہوکر ایسا ہی نکلتا ہے جیسے لوہے کا میل آگ کی بھٹی میں باقی نہیں رہ سکتا۔

اوراس ارشادکا مقصد یہ ہے کہ یہ منافقین قتل کے بغیر خود بخود مٹ جائیں گے اور مدینہ ان سے خالی ہوجائے گا۔ وقد فعله الله تعالیٰ۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یجیئ المقتول بالقاتل یوم القیامة ناصیته ورأسه بیده واوداجه تشخُبُ دماً ،یقول :یاربّ اِقتَلَنِی هذا ،حتیٰ یُدنیه من العرش قال فذکروالابن عباس التوبةَ فَتَلاهذه الایة "ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاءُه جهنم "قال :مانُسِخت هذه الایة وَلَابُدِّلت وانیٰ له التوبة؟(حسن)

مقتول قیامت کے دن قاتل کو لائے ،اس کی پیشانی کے بال (یعنی سر کے اگلے حصے کے بال)اوراس کا سراس (مقتول) کے ہاتھوں میں ہوگا اورمقتول کے گلے کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا، وہ کہے گا کہ اے میرے رب! اس نے مجھے قتل کیا ہے، یہاں تک کہ قریب کرے گا اس کو عرش کے، کہا راوی نے کہ لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ سے توبہ کا ذکر کیا (یعنی اگر قاتل نے توبہ کرلی ہوتو؟) توانہوں نے یہ آیت پڑھی "ومن یقتل مؤمنا الخ" اورجو شخص کسی مسلمان کو عمداً مارے تو اس کی سزا جہنم ہے (آیت:۹۳) اورفرمایا (ابن عباسؓ نے) یہ آیت نہ تو منسوخ کی گئی ہے اورنہ ہی بدلی گئی ہے، تو اس کی توبہ کہاں قبول ہوسکتی ہے؟۔

تشریح:۔ قوله: "واوداجه" وَدَج کی جمع ہے گلے کی دونوں جانب خون کی دوموٹی رگیں ہیں جن کو ذبح کرنے والا کاٹتا ہے یہ حلقوم اور مرئی کے علاوہ ہیں۔

ابن عباسؓ کا یہ جواب اصول فتویٰ کے ایک اہم اصول کے پیش نظر تھا کہ اگر کوئی شخص قتل کر چکا ہو اور اپنے فعل پر نادم ہو تو اسے توبہ کی تلقین کرلینی چاہئے تا کہ وہ صدق دل سے توبہ کرلے، اوراگر کوئی قتل کا ارادہ رکھتا ہو اور توبہ کے بارے میں پوچھے تو اسے کہا جائے گا کہ قتل سے توبہ قبول نہیں ہوتی تا کہ وہ اپنے ارادہ سے باز رہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباسؓ قال مرّ رجل من بنی سُلیم علیٰ نَفَرٍ من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ومعه غنم له فَسَلّم علیهم قالوامَاسَلّم علیکم الالِیَتَعَوّذَمنکم فقاموا وقتلوه واخذواغَنَمَه فاتوابهارسول الله صلی الله علیه وسلم فانزل الله تعالیٰ یاایها

الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمناً". (حسن)

بنوسُلیم کا ایک شخص صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اور اس کے ساتھ اس کی بکریاں بھی تھیں تو اس نے صحابہ کرامؓ کو سلام کیا (بعض) صحابہ نے کہا اس شخص نے تمہیں سلام صرف تم سے پناہ حاصل کرنے کی غرض سے کیا ہے (یعنی صرف ظاہراً اسلام لایا ہے) پس وہ اٹھے اور اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں قبضے میں لے لی، پس وہ ان بکریوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو یہ آیت نازل ہوئی "یاایھا الذین امنوا الخ (آیت: ۹۴) اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو! تو تحقیق (اور احتیاط) کرو اور مت کہو اس کو جو تم کو سلام کرے (یعنی پیغام امن دے) کہ تو مؤمن نہیں۔ (یعنی کسی کی تکفیر اور قتل کا فیصلہ جلدی مت کیا کرو بلکہ پوری تفتیش اور خوب تسلی کرنے کے بعد قدم اٹھایا کرو! حضرت اسامہ کا واقعہ بھی اس کا شان نزول ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن البراء بن عازب قال لما نزلت: لایستوی القاعدون من المؤمنین" الآیة جاء عمرو بن اُمّ مکتوم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان ضریر البصر فقال: یارسول اللہ! ماتامرنی انی ضریر البصر؟ فانزل اللہ ھذہ الایة "غیر اولی الضرر" الایة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِیتونی بِالکتِفِ والدواة اوِ اللوح والدواة". (حسن صحیح)

جب لایستوی القاعدون من المؤمنین، آیت نازل ہوئی تو (حضرت عبداللہ یا حصین) ابن ام مکتومؓ آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور وہ ایک نابینا صحابی تھے، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا میرے لئے کیا حکم ہے، میں تو نابینا ہوں؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی غیر اولی الضرر (یعنی یکساں نہیں مؤمنین میں سے وہ لوگ جو بجائے جہاد کے گھر میں) بیٹھے رہتے ہیں سوائے تکلیف میں مبتلاء لوگوں کے، اور جہاد کرنے والے الخ (آیت: ۹۵) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ میرے پاس شانہ کی ہڈی اور دوات" یا فرمایا کہ "تختی اور دوات (لاؤ)۔

تشریح:۔ اس پوری آیت میں دو حکم بیان کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ کوئی شخص عذر کی وجہ سے جہاد سے رہ جائے تو اس پر اگرچہ گناہ یا ملامت نہیں لیکن یہ مجاہدین کے درجہ تک نہیں پہنچتا ہے۔ دوم یہ کہ ایک شخص بلا عذر جہاد نہیں کرتا تو اس پر مجاہدین کو تین فضیلتیں حاصل ہیں: (۱) اجر عظیم اور بلند درجات۔ (۲) مغفرت اور (۳) رحمت باری تعالیٰ۔

معلوم ہوا کہ عذر کی بناء پر اگر چہ ترک عمل کی رخصت تو مل جاتی ہے لیکن ثواب اس عمل کا نہیں ملتا چنانچہ عورتیں زمانہ حیض میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ناقصات الدین قرار پائیں۔

تاہم حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نے اس رخصت کے باوجود اسلام کی مشہور جنگ قادسیہ میں نہ صرف شرکت فرمائی بلکہ درخواست کی کہ جھنڈا مجھے دے دیا جائے کہ میں بھاگ نہیں سکوں گا اس طرح وہ میدان جنگ میں چٹان کی طرح کھڑے رہے تیسرے دن فتح کے بعد ان کو میدان جنگ میں شہید پایا گیا جبکہ جھنڈا ان کے سینے کے ساتھ لگا ہوا تھا یعنی ہاتھ کٹ جانے کے بعد بھی انہوں نے جھنڈے کو گرنے نہیں دیا" وكان بين هؤلاء الشهداء عبدالله بن ام مكتوم فقد وُجِدَ صريعاً مضرّجاً بدمائه وهو يعانق راية المسلمين"۔ (صُور من حياة الصحابہؓ ص:۱۵۴)

حدیث آخر:۔"عن ابن عباس انه قال: لايستوى القاعدون من المؤمنين غيراولى الضرر، عن بدرو الخارجون الىٰ بدر، لَمّانزلت غزوة بدرقال عبدالله بن جحش وابن مكتوم إنّا أعمَيَانِ يارسول الله فهل لنارخصة؟ فنزلت لايستوى القاعدون من المؤمنين غيراولى الضرر وفضّل الله المجاهدين على القاعدين درجة، فهٰؤلاء القاعدون اولوا الضرر وفضّل الله المجاهدين على القاعدين اجراً عظيماً درجات منه على القاعدين من المؤمنين غيراولى الضرر". (حسن غريب)

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "قاعدون" یعنی غزوۂ بدر سے رہ جانے والے علاوہ معذورین کے اور بدر کی طرف نکلنے والے برابر نہیں، جب جنگ بدر کا حکم آیا تو عبداللہ بن جحشؓ اور ابن ام مکتومؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم دونوں تو نابینا ہیں تو کیا ہمارے لئے کچھ گنجائش ہے تو "لایستوی القاعدون الخ" آیت نازل ہوئی آگے آیت کا مطلب وہی ہے جو اوپر سابقہ حدیث میں بیان ہوا۔

تشریح:۔اس روایت میں عبداللہ بن جحشؓ کو نابینا قرار دینا تسامح ہے دراصل یہ ابو احمد بن جحش تھے جن کا نام عبد تھا یعنی بغیر اضافت کے۔ نیز یہاں بدر کا ذکر آیت کا مصداق عام کرنے کے لئے ہے۔

حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ:۔اس روایت میں یہ تفصیل ہے کہ جب "لایستوی القاعدون الخ" آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم آئے حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ یہ آیت مجھ سے لکھوا رہے تھے تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بخدا! اگر میرے بس میں جہاد ہوتا تو

میں ضرور جہاد کرتا، (کیونکہ) وہ نابینا شخص تھے پس اللہ نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی آپ کی ران میری ران پر تھی تو وہ اتنی بھاری (اور وزنی) ہوگئی کہ قریب تھا کہ کچلی جائے، پھر آپ کی وہ کیفیت ختم کردی گئی، تو اللہ نے آپ پر "غیر اولی الضرر" نازل کیا۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ "عن یعلی بن اُمیۃ قال قلتُ لِعُمَرَ انما قال اللہ ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم وقد اَمِنَ الناسُ؟ فقال عُمَرُ عجبتُ مِمّا عجبتَ منہ فذکرتُ ذالک لِرَسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال صدقۃ تَصَدّقَ اللہ بہا علیکم فاقبلوا صدقتہ". (حسن صحیح)

حضرت یعلی بن امیہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ بے شک اللہ نے فرمایا ہے کہ نماز میں قصر کرنے پر بشرطیکہ تمہیں خوف ہو تم کو کوئی گناہ نہیں، اور اب تو لوگ بے خوف ہو گئے ہیں (یعنی دشمن سے) تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے بھی اس بات پر حیرت تھی جس پر تمہیں حیرت ہوئی ہے، چنانچہ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک صدقہ ہے اللہ نے عنایت کیا ہے تم کو پس تم اللہ کے صدقے کو قبول کرو۔

تشریح:۔ صلاۃ خوف کے متعلق تفصیل ابواب الصلوۃ میں گذری ہے (دیکھئے تشریحات: جلد دوم ص:۴۴۹، باب ماجاء فی صلوۃ الخوف) اسی طرح قصر صلوۃ کی بحث بھی ابواب الصلوۃ میں گذری ہے۔

یہاں پر قابل ذکر بات وجہ سوال ہے یعنی قصر صلوۃ کو مشروط کیا گیا ہے وجود خوف پر اور اب تو چونکہ خوف ختم ہوگیا تو ہم قصر کس بناء پر پڑھتے ہیں؟

اور جواب کا مقصد یہ ہے کہ "اِن خفتم" کی قید احترازی نہیں ہے کیونکہ آیت کے نزول کے زمانہ میں اکثر سفر خوف کے عالم میں ہوا کرتے تھے اس لئے اس کا مفہوم مخالف نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں "والمنطوق اذا خرج مخرج الغالب او علیٰ حادثۃ فلا مفہوم لہ "کقولہ تعالٰی" ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصناً الخ" تاہم قید احترازی اور اتفاقی وغیرہ اصطلاحات مابعد کی ہیں، اس لئے آپ علیہ السلام نے اس مطلب کو صدقہ سے تعبیر فرمایا کہ جس طرح گرا ہوا صدقہ واپس نہیں لیتے اسی طرح اللہ تبارک وتعالی نے یہ رخصت ہمیشہ کے لئے عنایت فرمائی ہے۔ نیز جس چیز کی تملیک نہیں ہوسکتی ہے اس کا تصدق اسقاط محض ہوتا ہے اور ساقط شدہ چیز دوبارہ نہیں لوٹتی۔

حدیث ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ:۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نَزَلَ بین ضجنان

عُسفان فقال المشر کون ان لهؤ لاء صلوٰة هی احب الیهم من اٰبائهم و ابنائهم ،هی العصر فاجمعوا امر کم فیمیلوا علیهم میلةً واحدةً وان جبرئیل اَتی النبی صلی الله علیه وسلم فَاَمَرَه ان یقسم اصحابه شطرین فیصلیٰ بهم وتقوم طائفة اُخریٰ وراء هم ولیاخذوا حِذرهم واسلحتهم ثم یاتی الاٰخرون ویصلون معه رکعة واحدة ثم یاخذ هؤلاء حِذرهم واسلحتهم فیکون لهم رکعة رکعة ولِرسول الله صلی الله علیه وسلم رکعتان". (حسن صحیح غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضجنان اور عُسفان کے درمیان اُترے (یعنی مقابلہ کے لئے) تو مشرکین نے کہا کہ ان کی ایک نماز ہے جو ان کو اپنے باپوں اور بیٹوں سے بھی زیادہ دلعزیز ہے اور وہ عصر کی نماز ہے پس تم اپنی تیاری مکمل کرو! اور ان پر یکبارگی حملہ کردو! (تاکہ ان کو سنبھلنے کا موقع نہ ملے) چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ کو حکم دیا کہ اپنے صحابہ کو دو حصوں میں بانٹ دیں، اور پھر ان کو نماز پڑھائیں (بایں صورت کہ) ایک جماعت ان (نمازیوں) کے پیچھے کھڑی ہوگی اور یہ (نمازی) لوگ اپنے ہتھیار اور اسلحہ اپنے پاس رکھیں، پھر وہ دوسرے لوگ آئیں اور آپؐ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لیں پھر وہ لوگ بھی اپنے ہتھیار اور اسلحہ لے لیں پس لوگوں کی ایک ایک رکعت (باجماعت) ہو جائے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں ہوں گی۔

تشریح:۔"ضجنان" بروزن مرجان جبکہ عُسفان بروزن عثمان ہے اس حدیث میں ھٰؤلاء کا اشارہ جماعت اولیٰ کی طرف ہے اور جماعت ثانیہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے بناء برہر تقدیر مطلب یہ ہے کہ جو جماعت مشغول نماز ہوگی وہ بھی احتیاط کی پابند ہے جبکہ دوسری جماعت پر یہ ذمہ داری ڈبل عائد ہوتی ہے کہ وہ نمازیوں کا بھی خیال رکھیں اور دشمن کی بھی نگرانی جاری رکھے۔

حدیث آخر:۔"حضرت قتادہ بن نعمانؓ فرماتے ہیں کہ ہم (یعنی انصار) میں ایک گھرانہ (خاندان) تھا جن کو بنو اُبیرق کہتے تھے (وہ تین بھائی) بشر و بشیر اور مُبشر تھے، پس بشیر ایک منافق آدمی تھا وہ شعر کہتا تھا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ہجو کرتا تھا، اور پھر اسے بعض عربوں کی طرف منسوب کرتا تھا اور کہتا تھا کہ فلاں نے (شاعر) نے یوں کہا ہے اور ایسا کہا ہے۔ پس جب صحابہ کرامؓ وہ شعر سُنتے تو وہ کہتے بخدا! یہ شعر اسی خبیث (بشیر) نے کہا ہے۔ یا جیسا کہ راوی نے کہا (کہ لفظ خبیث کہا ہے یا کوئی دوسرا بولا) ہے وہ کہتے کہ بنو اُبیرق ہی نے یہ شعر کہا ہے (غرض وہ مشتبہ لوگ تھے) راوی نے کہا کہ بنو اُبیرق ضرورت مند اور غریب لوگ تھے جاہلیت میں

بھی اور اسلام میں بھی۔

مدینہ میں لوگوں کا کھانا، کھجور اور جو ہی تھا اور اگر کسی آدمی کو کچھ (پیسہ وغیرہ) مُیسّر ہوتا، اور شام سے کوئی بنجارا (سوداگر) آجاتا میدہ (باریک آٹا) لے کر تو وہ آدمی اس میں سے خرید لیتا اور اسے اپنے لئے ہی مخصوص کر لیتا (کیونکہ سب گھر والوں کے لئے وہ ناکافی ہوتا) جبکہ باقی گھر والوں کا کھانا وہی کھجور اور جو رہتے۔ چنانچہ ایک بنجارا شام سے آیا تو میرے چچا رفاعہ بن زید نے میدہ کی ایک گٹھڑی خرید لی اور اسے سٹو (چھوٹے خانہ) میں رکھ دیا۔ اس میں ہتھیار بھی تھے، زرہ اور تلوار وغیرہ بھی۔ پس ان پر ظلم کیا گیا، گھر کے نیچے سے کمرے کی طرف سُرنگ نکالی گئی اور لے لیا گیا وہ میدہ اور اسلحہ، جب صبح ہوئی تو میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا کہ اے میرے بھتیجے! آج کی رات ہمارے اوپر ظلم ہوا ہے چنانچہ ہمارے سٹور میں نقب لگا کر ہمارا میدہ اور ہتھیار کوئی لے گیا ہے، کہتے ہیں کہ ہم نے محلہ میں تفتیش کی اور دریافت کیا تو ہمیں بتایا گیا کہ ہم نے آج کی رات میں بنو اُبیرق کو آگ جلاتے ہوئے دیکھا ہے اور ہمارا تو یہی خیال ہے کہ وہ تمہارے ہی طعام (آٹے) پر ہوگی۔

کہا راوی نے کہ بنو اُبیرق کہا کرتے تھے کہ ہم نے اڑوس پڑوس میں جو تحقیق کی ہے اس کے مطابق بخدا تمہارا چور لبید بن سہل ہے (حضرت قتادہ فرماتے ہیں حالانکہ) وہ ایک مرد صالح اور (پکے) مسلمان تھے ہم میں سے (یعنی لبید)، پس جب لبید نے سُنی یہ بات تو نکال لی اپنی تلوار، اور کہا کہ میں چوری کرتا ہوں؟ خدا کی قسم! یا تو لگے گی یہ تلوار تم کو یا تم اس چوری کا انکشاف کرو گے، بنو ابیرق نے کہا اے آدمی ہم سے پرے ہٹو! تم چور نہیں ہو۔ پھر ہم نے محلہ میں پوچھ گچھ کی یہاں تک کہ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ یہی بنو اُبیرق چور ہیں۔ میرے چچا نے مجھ سے کہا اے میرے بھتیجے! اگر تو جا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کرو! (تو شاید ہمارا سامان ہمیں مل جائے) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک گھر والے (بنو اُبیرق) ظالم قسم کے لوگ ہیں وہ میرے چچا رفاعہ بن زید کے گھر میں نقب لگا کر ان کا اسلحہ اور غلّہ لے گئے ہیں تو ان کو چاہئے کہ ہمارا ہتھیار تو واپس کر دیں رہا غلّہ تو اس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کا فیصلہ کرتا ہوں، پس جب بنو اُبیرق نے سُنا (کہ اب تو راز کھل جائے گا) تو وہ آئے اپنے خاندان (یا قبیلہ) کے ایک شخص کے پاس جس کو اُسیر بن عروہ کہا جاتا تھا تو اس سے اس بارے میں بات چیت کی (یعنی مشورہ کیا) اور بہت سارے اہل محلّہ بھی اس حوالے سے جمع ہو گئے وہ (آ کر) کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا دونوں نے ہم میں سے ایک

مسلمان اور نیک گھرانے پر بغیر کسی گواہی اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگانے کا ارتکاب کیا ہے.... حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے گفتگو کی تو آپ نے (اظہار ناراضگی کرکے) فرمایا کہ تو ایک ایسے گھرانے پر چوری کا الزام لگاتے ہو جس کا اسلام اور نیکی مشہور ہے نہ تو کوئی گواہ ہیں اور نہ ہی کوئی ثبوت ہے (تیرے پاس) قتادہ فرماتے ہیں میں لوٹا اور میری شدید خواہش تھی کہ کاش میں اپنے کچھ مال سے نکل جاتا لیکن اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ نہ کرتا (یعنی اپنے چچا کو چوری کے بقدر مال اپنی طرف سے دیتا تو زیادہ اچھا ہوتا) چنانچہ میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہا کہ میرے بھتیجے تم نے کیا کیا؟ تو میں نے ان کو وہ بات بتادی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہی تھی تو انہوں نے کہا ''اللہ المستعان '' اللہ ہی مددگار ہے، پس زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ قرآن نازل ہوا: ''انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ و لا تکن للخائنین خصیماً '' (آیت:۱۰۵) بے شک ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے حق بتانے کے لئے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اس حکم کے مطابق جو اللہ نے آپ کو بتلایا ہے اور یہ کہ آپ خیانت کرنے والوں کی طرف داری نہ کریں! یعنی بنواُبیرق والوں کی اور آپ نے قتادہ سے جو کہا ہے اس پر اللہ سے معافی مانگیں: ان اللہ غفوراً رحیماً.... ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم ان اللہ لایحب من کان خوّاناً اثیماً '' اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی نہ کیجئے جو اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں کیونکہ اللہ ایسے شخص کو جو بڑا خائن اور بڑا گناہ گار ہو پسند نہیں کرتا یعنی بشیر اور بنواُبیرق کو۔

''یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللہ وھو معھم الی قولہ رحیماً'' وہ لوگوں سے چھپتے ہیں (شرم کے مارے) لیکن اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ اللہ ان کے ساتھ ہے.... رحیماً تک یعنی اگر وہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو اللہ یقیناً ان کی مغفرت کرتا، اور جو کماتا ہے گناہ تو اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے .... الی قولہ..... اثماً مبیناً۔

''قولھم لِلَبید'' یعنی مراد اس کسب گناہ سے بنواُبیرق کا لبید پر الزام لگانا ہے اور فرمایا ولو لا فضل اللہ علیک ورحمتہ .... الی قولہ...... فسوف نؤتیہ اجراً عظیماً۔ (آیت:۱۱۴)

اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی (تو ان لوگوں میں سے ایک جماعت نے آپ کو غلطی میں ڈالنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا) اجراً عظیماً تک یعنی یہ لوگ آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے ہیں یہ دراصل

... ہیں۔ پس جب قرآن نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ ہتھیار ... لو واپس کر دیئے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جب میں وہ اسلحہ اپنے چچا رفاعہ کے ... تھے اور ان کی بینائی کمزور ہوگئی تھی (یہ شین والے نسخے کے مطابق یعنی عَشَی اور اگر ... یعنی عمر رسیدہ ہونے اور نگاہ کمزور ہونے کے لئے آتا ہے امام ترمذی کو شک ہے) آگے ... جاهلية لفظ کا تعلق عشی سے ہے یعنی زمانہ قبل اسلام ہی سے وہ بوڑھے ہوچکے تھے۔ اور میں گمان (بدگمانی) کرتا تھا کہ ان (رفاعہ) کے اسلام میں کچھ خلل (گڑبڑ) ہے۔ پس جب میں ان کے پاس بھتیجا لایا تو انہوں نے کہا کہ اے میرے بھتیجے! ھو فی سبیل اللہ یعنی یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے تو میں سمجھ گیا کہ ان کا اسلام صحیح تھا (اور میری بدگمانی غلط تھی)۔

فلما نزل القرآن لَحِقَ بشير بالمشركين الخ پس جب قرآن نازل ہوا تو بشیر مشرکوں سے جاملا اور سُلافہ بنت سعد بن سُمیہ کے پاس رہائش پذیر ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی یہ آیت: ''ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهُدىٰ الخ ''یعنی جو مخالفت کرے رسول کی بعد اس کے کہ کھل گئی ہے اس پر ہدایت اور چلے اہلِ ایمان کی راہ سے الگ، پھیر دیں گے ہم اس کو وہاں جدھر وہ پھرا ہے اور داخل کر دیں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی، بے شک اللہ ہرگز نہیں بخشتا اس کو کہ شریک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دے گا اس کے سوا جس کو چاہے اور جس نے شریک کیا اللہ کے ساتھ وہ یقیناً دور کی گمراہی میں جا گرا، چنانچہ جب وہ سُلافہ کے ہاں ٹھہرا تو حسان بن ثابتؓ (شاعر رسولؐ) نے سُلافہ کو اشعار کی چند ابیات کا ہدفِ تنقید بنایا تب وہ بشیر کا سامان اپنے سر پر اٹھا کر نکلی اور اس کو میدانِ جنگ میں پھینک آئی (یعنی مکہ سے باہر سنگریزوں میں، کیونکہ بشیر مرتد ہو کر مکہ گیا تھا اور سلافہ کے پاس ٹھہرا تھا) اور کہنے لگی کہ تو میرے لئے حسان کے اشعار کا ہدیہ لایا! تجھ سے کبھی مجھے خیر نہیں پہنچے گی۔ (غریب)

تشریح:۔ چونکہ سارے بنو اُبیرق چور نہیں تھے بلکہ صرف بشیر ہی اس کا اصل ذمہ دار تھا جو مرتد ہو کر اپنا نفاق ظاہر کر کے مکہ چلا گیا اس لئے باقی پر حد جاری نہیں کی گئی، بشیر مصغر و مکبر دونوں طرح مروی ہے البتہ بشیر بروزن جمیل زیادہ مشہور ہے، یہ منافق تھا آپ کی ہجو کیا کرتا تھا لیکن اس کی ہجو اسی پر منعکس ہوگئی اور وہ ساری عمر بلکہ دنیا تک مذموم و مہجور بن گیا۔

حدیث آخر:۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قرآن میں یہ آیت مجھے سب سے زیادہ پیاری لگتی ہے ...

اللہ لایغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذالک لمن یشاء''۔ (حسن غریب)

تشریح:۔خوارج مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے تھے یہ آیت اس کی نفی کرتی ہے اس لئے حضرت علیؓ کو یہ آیت اچھی لگتی تھی۔

آیت کا ترجمہ سابقہ حدیث کے آخر میں گزرا ہے، اس آیت سے معتزلہ وخوارج کے مذاہب کی صریح تردید ہوئی کہ کبیرہ گناہ قابل عفو نہیں ہے وجہ تردید یہ ہے کہ اگر کبیرہ کی مغفرت توبہ پر موقوف ہوتی تو پھر تو اس آیت کا کچھ مطلب نہیں بنتا کیونکہ توبہ سے تو شرک بھی معاف ہوتا ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آیت بالا میں بغیر توبہ کی مغفرت مراد ہے جو اللہ کی مشیت پر ہے (تدبر)

حدیث آخر:۔"عن ابی ھریرۃ قال لمّانزلت :"من یعمل سوءً یُجزبہ" شَقَّ ذالک علی المسلمین فشکوا ذالک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: قارِبوا وسَدِّد وا وفی کل مایصیب المؤمن کفارۃ حتی الشوکۃ یشاکھا والنکبۃ ینکبھا". (حسن غریب)

جب یہ آیت نازل ہوئی جو بھی کوئی بُرائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔ (آیت :۱۲۳) تو مسلمانوں پر یہ بات بہت گراں گذری انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حال (پریشانی کا) بیان کیا، تو آپؐ نے فرمایا نزدیک ہوتے جاؤ حق کے اور سیدھے رہو اور مؤمن کے لئے ہر اس تکلیف میں جو اس کو پہنچتی ہے کفارہ ہے (یعنی گناہ معاف ہوتے ہیں) یہاں تک کہ کوئی کانٹا چبھے یا کسی (اور) مصیبت سے دوچار کیا جائے۔

تشریح:۔"قاربوا وسدِّدُوا" کا مطلب یہ ہے کہ افراط وتفریط سے بچتے رہو اور میانہ روی کی پابندی کرو۔

اس حدیث کے بارے میں قدرے تفصیل سورۂ بقرہ کے آخر میں حضرت ابن عباس اور حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھم کی احادیث کے تحت گزری ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی حدیث بھی آرہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: "من یعمل سوءً یجزبہ ولایجدلہ من دون اللہ ولیاً ولانصیراً" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! کیا میں وہ آیت تمہیں پڑھ کر نہ سناؤں جو مجھ پر نازل کی گئی ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں:

"فاقرأنیھا فلااعلم اِلّاانی وجدتُ فی ظھری اقتصاماً فتمطّاتُ لھا، فقال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماشانک یاابابکر؟قلت یارسول اللہ بابی انت وامی وایّنالم یعمل سوءً وانالمجزیّون بماعملنا؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اماانت یاابابکر والمؤمنون فتجزون بذالک فی الدنیاحتی تلقوااللہ ولیس لکم ذنوب واماالآخرون فیجمع ذالک لھم حتیٰ یجزوابہ یوم القیامۃ"۔(غریب)

پس آپؐ نے آیتِ مذکورہ مجھ کو پڑھائی تو مجھے ایسا لگا جیسے میری کمر ٹوٹ گئی تو میں نے اس کی وجہ سے انگڑائی لی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے بُرائی نہ کی ہو تو کیا ہم ضرور بدلہ پائیں گے اپنے اعمال کا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! جہاں تک تیرا تعلق ہے اور دوسرے مؤمنوں کا تمہیں بدلہ ملے گا گناہوں کا دنیا ہی میں، یہاں تک کہ ملاقات کرو گے اللہ سے اور نہ ہوں گے تمہارے کوئی گناہ، رہے دوسرے لوگ (یعنی منافق وغیرہ) تو جمع کی جائیں گی ان کی بُرائیاں ان کے لئے یہاں تک کہ قیامت کے دن انہیں بدلہ دیا جائے گا۔

ایک نسخہ میں اقتصاء کے بجائے انتصاء ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے یعنی انکسار اور شکستگی یعنی شدتِ بوجھ کی وجہ سے ابوبکر صدیقؓ نے محسوس کیا کہ گویا ان کی کمر ٹوٹ گئی، اس سے معلوم ہوا کہ نفسیاتی کیفیات کا جسمانی احوال پر بڑا اثر ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کو گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے تا کہ وہ بڑی مصیبت سے محفوظ رہیں، اگرچہ کبھی کبھار مصائب وآلام رفعِ درجات کے لئے بھی ہوتے ہیں جو حسبِ قوتِ ایمانی مختلف ہوتے ہیں۔

حدیث ابن عباسؓ:۔ "خشیت سودۃُ ان یطلقھاالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت لاتطلقنی وامسکنی واجعل یومی لعائشۃ ففعل فنزلت "فلاجناح علیھماان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر"(آیت:۱۲۸) فمااصطلحاعلیہ من شیء فھو جائز"۔(حسن صحیح غریب)

حضرت سودہؓ کو اندیشہ محسوس ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیں گے تو وہ کہنے لگیں آپ مجھے طلاق نہ دیں اور مجھے اپنی بیبیوں میں رکھئے اور میری باری کا دن عائشہ کے لئے کر دیجئے، تو آپ نے ایسا ہی کیا

تشریح:۔ پس آخری یہ آیت "فلا جناح الخ "یعنی اگر کوئی عورت خوف کے پیش نظر (بھی) اپنے شوہر سے صلح کرنا چاہے اور دونوں صلح کرلیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور صلح (جھگڑے اور جدائی سے) بہتر ہے (ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ) پس جس امر پر وہ صلح (سمجھوتہ) کرلیں تو وہ جائز ہے۔

تشریح:۔ ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ وہ خاتون ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کی شریک حیات بنیں گو کہ عقد حضرت عائشہؓ کا پہلے ہوا تھا، گویا آپؐ کے مکہ میں تین نکاح ہوئے تھے البتہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی مدینہ منورہ میں ہجرت کے اوائل میں ہوئی تھی، یعنی خطبہ مکہ مکرمہ اور رخصتی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔

ابن سعد کی روایت جو قاسم بن ابی بزہ سے مرسلا مروی ہے کے مطابق آپؐ نے حضرت سودہؓ کو طلاق دی تھی جس سے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر رجوع فرمایا لیکن وہ روایت باب کی حدیث کے مقابلہ میں مرجوح ہے کیونکہ باب کی حدیث سند کے اعتبار سے قوی ہے، اور متصل ومسند بھی ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ حضرت سودہؓ کو صرف اندیشہ محسوس ہوا تھا اس سے آپ علیہ السلام کا ارادۂ طلاق یا اقدام علی الطلاق ثابت نہیں ہوتا۔

ہدایہ جلد سوم باب القسم میں ہے کہ اگر ایک بیوی اپنی باری کا دن دوسری بیوی کے لئے چھوڑنے پر راضی ہو جائے تو یہ جائز ہے "لان سودۃ بنت زمعہ الخ "یعنی حدیث باب کی وجہ سے، البتہ اگر وہ پھر باری واپس لینا چاہے تو بھی وہ حق بجانب ہوگی کیونکہ گذشتہ نوبتوں کے ترک سے آنے والی نوبتوں کا سقوط لازم نہیں آتا "ولھا ان ترجع فی ذالک لانھا اسقطت حقاً لم یجب بعد فلا یسقط"۔

حدیث البراءؓ:۔ "قال آخِرُ اٰیۃ اُنزِلت او آخر شیء اُنزل: یستفتونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ". (حسن)

آخری آیت جو نازل کی گئی ہے یا فرمایا کہ آخری شے جو نازل کی گئی ہے وہ آیت: "ویستفتونک الخ" ہے یعنی تجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ فتویٰ دیتا ہے تم کو کلالہ کے بارے میں، اگلی روایت میں ہے کہ ایک شخص آپ علیہ السلام کے پاس آیا اور اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تیرے لئے (اس کی تفسیر میں) گرمیوں کی آیت یعنی جو گرمیوں میں نازل ہوئی ہے وہ کافی ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "آخر اٰیۃ اُنزلت" یعنی میراث کے متعلق آخری آیت یہ ہے نہ کہ قرآن کی آخری

آیت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے والا شخص حضرت عمرؓ ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ
تفسیر معلوم کرنا چاہتے تھے اور جواب کا مطلب یہ ہے کہ یہی آیت خود اس کی تفسیر کے لئے کافی
ابوداؤد اور مسند احمد کی روشنی میں کہا جائے گا کہ سائل کا مقصد کلالہ کے بارے میں سوال تھا کہ کلالہ
اور اس کا حکم میراث میں کیا ہے؟ اور جواب کا مطلب یہ ہے کہ اس کو سمجھنے کے لئے سورۂ نساء کی آخری آیت کافی
ہے، چونکہ کلالہ کا حکم سورۂ نساء میں دو مرتبہ آیا ہے ایک شروع میں جو مجمل ہے یہ سردیوں میں نازل ہوا تھا اور دوسرا
آخر میں یہ تفصیلی ہے جو موسم گرما میں نازل ہوا تھا، پہلی آیت کو آیۃ الشتاء اور دوم کو آیۃ الصیف کہتے ہیں۔

کلالہ وہ شخص ہے جس کے ورثاء میں اصول وفروع نہ ہوں تو اس کی میراث بہن بھائیوں وغیرہ رشتہ
داروں کو ملے گی جس کی تین صورتیں ہیں: (۱) فقط بہن ہو۔ (۲) فقط بھائی ہوں۔ (۳) بہن بھائی دونوں
ہوں۔ پس پہلی صورت میں بہن کے لئے نصف ہے اگر ایک ہو ورنہ ثلثان ہیں جبکہ دوسری صورت میں وہ
پورا برابر تقسیم کریں گے اور تیسری صورت میں ''وللذکر مثل حظ الانثیین'' ہوگا۔ البتہ عینی بھائی علاتی بہن
بھائی سب کو محروم کرتا ہے۔

ومن سورة المائدة

سورۂ مائدہ کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن طارق بن شهاب قال قال رجل من اليهود لعمر بن الخطاب: يا امير المؤمنين! لو علينا اُنزلت هذه الاية "اليوم اكملتُ لكم دينكم واتممتُ عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دِيناً" لاتخذنا ذالک اليوم عيداً فقال عمر: انی لَاعلم اَیّ یوم اُنزلت هذه الاية، اُنزلت يوم عرفة فی يوم الجمعة". (حسن صحيح)

ایک یہودی شخص نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا: اے امیر المومنین! اگر یہ آیت ہمارے اوپر اُترتی
''الیوم اکملتُ الخ'' آج کے دن پورا کر دیا میں نے تمہارا دین تمہارے لئے اور پوری کر دی اپنی نعمت تم پر،
اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین۔ (آیت: ۳) تو ہم اس دن کو عید ٹھہراتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:
میں خوب جانتا ہوں کہ یہ آیت کس دن اُتری ہے، یہ (آیت) عرفہ کے دن جمعہ کے روز نازل کی گئی ہے۔

تشریح: سائل کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس عظیم نعمت کی یاد میں نزول کا دن بطور جشن مناتے

...ب کا مقصد بھی واضح ہے کہ وہ دن جس میں یہ آیت نازل کی گئی ہے وہ پہلے سے عید کا دن ہے بلکہ اس میں دو عیدوں کا اجتماع ہوا ہے ایک عرفہ اور دوم جمعہ۔ بعض طرق میں تصریح ہے کہ یہ سائل کعب الاحبار تھے۔

یہی مضمون اگلی حدیث میں بھی ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی تو ان کے پاس ایک یہودی بیٹھا تھا اس نے کہا کہ ہم اس دن کو عید مناتے آپؓ نے وہی اوپر والا جواب دیا، محشی نے معالم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس دن پانچ عیدیں جمع ہوگئی تھیں جو نہ کبھی پہلے جمع ہوئی تھیں اور نہ بعد میں جمع ہوں گی، جمعہ، عرفہ، عید یہود، عید نصاریٰ اور عید مجوس۔

ان دونوں جوابوں کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر یہ آیت کسی دوسرے دن نازل ہوتی تو ہم اس کو عید بناتے کیونکہ اپنی طرف سے عید منانے کی کوئی گنجائش نہیں یہ تو صرف شریعت کی اجازت پر موقوف ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ خود کو آزاد سمجھتے ہو جبکہ اللہ عز وجل نے ہماری خواہش شریعت کے اندر ہی رکھی ہے، ہمیں اس سے نکلنے کی ضرورت نہیں۔

امام راغبؒ ''مفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ مکمل اسے کہتے ہیں کہ جس کا مقصد پورا ہو جائے چنانچہ اسلام کے تمام حدود، فرائض و آداب وغیرہ آج مکمل ہو کر دین کا مقصد پورا ہو گیا اور اتمام کا مطلب یہ ہے کہ آج مسلمانوں کو کسی کی حاجت و ضرورت نہ رہی کیونکہ اللہ نے ان کو قوت وغلبہ اور اقتدار عطا کر انہیں دین حق نافذ کرنے کی توفیق وطاقت بخشی۔

المسترشد عرض کرتا ہے کہ مجتہد کا استنباط اور قیاسی مسائل چونکہ ان حدود کے اندر ہی ہیں اس لئے ان مسائل کے اظہار سے دین پر کسی طرح اضافہ کا شبہہ نہ کیا جائے۔

حدیث ابی هریرةؓ:۔ "یمین الرحمن مَلاٰی سَحّاءُ لایُغِیضُها اللیلَ والنهارَ قال اَرَاَیتم ما انفق منذ خلق السموات والارض فانه لم یَغِض مافی یمینه وعرشه علی الماء وبیده الاخریٰ المیزان یخفض ویرفع". (حسن صحیح)

اللہ کا یمین بھرا ہوا ہے، خرچ کرنے والا ہے (بہانے والا ہے نعمتوں کا) کم نہیں ہوتا (یا کم نہیں کرتی خرچ کرنے کو کسی طرح) نہ رات اور نہ دن (کو)، آپؐ نے فرمایا بتایئے کہ کتنا خرچ کر چکا جب سے پیدا کئے آسمانوں اور زمین کو، اور اب تک کچھ بھی کم نہیں ہوا جو اس کے یمین میں ہے اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور اس

کے دوسرے ہاتھ میں ترازو ہے (یعنی رزق کا) جھکاتا اور بلند کرتا ہے (یعنی جس کے لئے چاہے)۔

تشریح:۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث "**وقالت اليهود يد الله مغلولة الخ**" کی تفسیر ہے یعنی یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ (حالانکہ) ہاتھ (تو) ان کے بندھے ہوئے ہیں اور لعنت کئے گئے وہ اس بات سے۔ "**بل يداه مبسوطتان ينفق كيف يشاء**" بلکہ اللہ کے دونوں ید کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔

قوله. "لایغیضها اللیلَ والنهار" لیل اور نہار بنا بر ظرفیت منصوب ہیں جبکہ یغیضها لازمی بھی آتا ہے اور متعدی بھی، دوسری صورت میں اس کا فاعل مقدر شیء بمعنی نفقہ ہے۔

سخ مسلسل بہاؤ کو کہتے ہیں جبکہ غاض الماء بمعنی نقص کے آتا ہے، ید کا اطلاق باری تعالیٰ پر از قبیل متشابہات کے ہے جس پر پہلے تفصیلاً لکھا جاچکا ہے فلا نعیدہ۔

(دیکھئے ابواب الاتر سے پہلے باب سے سابقہ باب "فی نزول الرب تبارک وتعالیٰ الی السماء الدنیا کل لیلۃ" ابواب الصلوٰۃ)

وقوله: "**وعرشه على الماء**" سورت ہود کی آیت نمبر ۷ میں بھی اس کی تصریح ہے "**وكان عرشه على الماء**" "تفسیر جیلانی" میں لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سے پہلے دائمی حیات تھی یعنی ایسی مخلوق اللہ نے پیدا فرمائی تھی جس پر انقلابات نہیں آتے تھے البتہ تم کو پیدا کیا اور انقلابات کا سلسلہ اللہ نے جاری فرمایا "**ليبلوكم ايكم احسن عملا**" (ھود: آیت: ۷) جبکہ عام مفسرین اس کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں۔ ابو سعود خطیب المفسرین فرماتے ہیں کہ پانی اور عرش کے درمیان خلاء بھی ہوسکتا ہے اور اس کا پانی پر براہِ راست ہونا بھی ہوسکتا ہے جبکہ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ مابین خلاء ہونا لازمی ہے ورنہ چند استحالے لازم آئیں گے۔

تفسیر روح المعانی میں اس پر کافی بحث کی گئی ہے لیکن میرے خیال میں خلاء کے متعلق پرانی ابحاث کی اب چنداں ضرورت شاید نہیں رہی کیونکہ اب تو خلاء کا وجود تقریباً سب نے مان لیا ہے۔ لہٰذا اب اس بحث کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ پانی کس چیز پر ٹھہرا ہوا تھا؟ کیونکہ خلاء کا قانون اب جو معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ اس میں ہر ساکن چیز ہمیشہ کے لئے خود بخود ساکن رہتی ہے یعنی اس کو کسی دوسری چیز کے سہارے کی ضرورت قطعاً نہیں پڑتی۔

البتہ عرش اور پانی سے پہلے کیا منظر تھا؟ تو تفسیر روح المعانی میں بحوالہ طیالسی، امام احمدؒ، ابن ماجہ، ابن

جریر، ابن السند، امام بیہقی اور امام ترمذی (وحسنہ) لکھا ہے۔

"عن ابی رزین العقیلی قال: قلت یارسول اللہ! این کان ربنا قبل ان یخلق السموات والارض؟ قال: کان فی عماء الخ".

یہ بھی ممکن ہے کہ ماء سے مراد بھی عین خلاء ہو کیونکہ جب خلاء کو دور سے دیکھا جاتا ہے اور خصوصاً جب اس میں روشنی کا انعکاس ہوتا ہو تو وہاں پانی کا منظر نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ عَماء سے مراد انوار ذات وصفات بھی ہوسکتے ہیں کما سیأتی فی سورۃ ہود۔

حدیث آخر:۔ "عن عائشة قالت كان النبی صلی الله عليه وسلم يُحرَسُ حتیٰ نزلت هذه الاية: "والله يعصمک من الناس" (مائدہ: آیت: ۶۷) فاخرج رسول الله صلی الله عليه وسلم راسه من القبة فقال لهم يا ايها الناس انصرفوا فقد عَصَمَنِی الله". (غريب)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کے لئے پہرہ مقرر کیا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی "والله يعصمک من الناس" اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر خیمہ سے نکالا اور فرمایا اپنے پہرہ داروں سے: اے لوگو! چلے جاؤ میرے پاس سے کہ اللہ ہی مجھے لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔

تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق سے نہیں ڈرتے تھے جیسا کہ انبیاء کا وصف ہے تاہم وہ حفاظت کی تدبیر فرماتے یہاں تک کہ اللہ نے اس تدبیر سے بھی بے نیاز کردیا۔

یہ آیت یا تو غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی ہے یا عصمت سے مراد قتل سے حفاظت ہے۔ چنانچہ دشمنانِ رسول کی کثرت وشوکت کے باوجود آپؐ محفوظ رہے۔

حدیث عبداللہ بن مسعودؓ:۔ "لَمّا وقعت بنو اسرائيل فی المعاصی فَنَهَتْهُم علماء هم فلم ينتهُوا فَجَالَسُوهم فی مجالسهم وواكلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم علی بعض وَلَعَنَهُم علیٰ لِسانِ داؤد وعيسی بن مريم "ذالک بماعصوا وكانوا يعتدون" وقال فجلس رسول الله صلی الله عليه وسلم وكان متكئاً فقال: لا والذی نفسی بيده حتیٰ تَاطِرُوهم أطراً". (حسن غريب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نافرمانیوں (گناہوں) میں پڑ گئے تو ان کے

علماء نے ان کو روکا مگر وہ باز نہ آئے پھر علماء ان کے ساتھ بیٹھنے لگے ان کی مجلسوں میں اور کھانے پینے میں ان کے ساتھ شریک رہے، تو اللہ نے ان کے دل ایک دوسرے سے ملا دیئے اور لعنت کی ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے (یعنی بددعاء سے)، یہ (سزا) ان کی نافرمانی اور حد سے بڑھنے کی تھی۔ (آیت: ۷۸)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے جبکہ پہلے آپؐ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور فرمایا "نہیں" اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہاں تک کہ تم اچھی طرح نہ روکو ظالم کو ظلم سے۔

تشریح:۔ قولہ: "لضرب اللہ قلوبھم" ای تاثر خیارُھم من شرارھم، ضرب اللبن بعضہ ببعض ای خلط". قولہ: "لاوالذی الخ" ای لاتعذرون ولاتنجون من العذاب. قولہ: "حتیٰ تَاطِرُوھم" ای حتیٰ تمنعوھم. قولہ: "اَطراً" بفتح الھمزۃ مفعول مطلق ہے، اس کے معنی مائل کرنے کے ہیں یعنی ظالم کو ظلم سے اور عاصی کو نافرمانی سے انصاف و نیکی کی طرف مائل کرنے سے ہی ذمہ فارغ ہوگا۔ یعنی بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہونے اور نصائح کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے ملعون ہوگئے اور اللہ کی رحمت سے دور ہوگئے چنانچہ اصحاب السبت بندر بن گئے اور اصحاب مائدہ خنازیر بن گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے علماء نے ان کو روکا مگر جب وہ باز نہ آئے تو ان واعظین نے بجائے قطع تعلق کے ان سے مراسم جاری رکھے جس کی وجہ سے ان کے دل بھی سیاہ ہوگئے۔

یہاں پر لا، حتیٰ میں تقدیر ہے جب آپؐ نے مندرجہ بالا ارشاد فرمایا تو گویا کسی سائل نے بزبان قال یا بزبان حال پوچھا کہ کیا ظالم سے دوری بھی نجات اور معذرت کے لئے کافی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا "لا" یعنی یہ کافی نہیں جب تک کہ ظالم کا ہاتھ نہ روکا جائے اور مظلوم کی مدد نہ کی جائے۔ یعنی ظالم کو حق پر قائم اور مجبور کیا جائے۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مظلوم کی مدد حسب استطاعت ضروری ہے عدم قدرت کی صورت میں ظالم سے قطع تعلق ضروری ہے۔ مظلوم کی مدد اگر مضر ہو اور ضرر برداشت کرنے کی ہمت نہ ہو تو ترک مدد کی رخصت ہے جیسے آج کل کے عام حالات میں۔

حدیث ابی عبیدہؓ:۔ جب بنی اسرائیل میں نقص اعمال آگیا تو یہ حال تھا کہ ان میں سے ایک آدمی اپنے بھائی کو دیکھتا کہ وہ گناہ کر رہا ہے، تو وہ اس کو اس گناہ سے منع کرتا تھا، جب آئندہ کل ہوتا تو وہ اسے نہ

روکتا اس ... ... ملتا صرف اس وجہ سے کہ وہ اس کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ اور شریک ہے (یعنی ان مراسم کی وجہ سے اس کے گناہوں پر خاموش ہو جاتا) تو اللہ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے خلط کر دیا اور ان کے بارے میں قرآن نازل فرمایا۔ اللہ نے فرمایا: "لعن الذین کفروا الخ" یعنی اگر وہ لوگ ایمان رکھتے اللہ پہ اور نبی پر اور جو اترا اس پر تو وہ نہ بناتے گنہگاروں کو دوست لیکن ان میں سے اکثر فاسق ہیں، عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے تو سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا "لا حتیٰ تاخذوا علی ید الظالم فتاطروہ علی الحق اطراً" نہیں یہاں تک کہ تم ظالم کا ہاتھ پکڑو اور اس کو حق کی طرف مائل کر دو اچھی طرح

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس انّ رجلاً اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یارسول اللہ! انی اذا اَصبتُ اللحمَ انتشرتُ للنساء واخذتنی شھوتی فحرّمتُ علیّ اللحمَ! فانزل اللہ "یاایھا الذین اٰمنوا لاتحرّموا طیّبات ما اَحلّ اللہ لکم ولاتعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین وکلوا ممّا رزقکم اللہ حلالاً طیّباً"۔ (آیت: ۸۷) (حسن غریب)

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! میں جب گوشت کھاتا ہوں تو میں عورتوں کی طرف مائل ہو جاتا ہوں اور میری شہوت (خواہش) مجھ پر غالب آجاتی ہے، اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت کھانا حرام کر دیا ہے، پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو تم حرام مت کرو وہ پاکیزہ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور تم حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اس میں سے جو دیا ہے اللہ نے تم کو حلال، پاک (رزق)۔

تشریح:۔ چونکہ حلال نہ کھانا اور اسے حرام قرار دینا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور ان صاحب نے گوشت اپنے اوپر حرام کر دیا تھا جبکہ کسی چیز کی تحلیل و تحریم کا حق تو صرف شارع کا کام ہے اس لئے اس طرز عمل کی تردید کی گئی اور چونکہ یہ تحریم ایک صحیح نیت پر مبنی تھی مگر پھر بھی اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی تو جو سوچ اور محرک غلط ہو تو اس کی تو ہرگز اجازت نہیں رہی۔

حدیث آخر:۔ "عن عمر بن الخطاب انہ قال: اللھمّ بیّن لنا فی الخمر بیانَ شِفاءٍ فنزلت التی فی البقرۃ "یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اِثمٌ کبیر" الأیۃ فدُعیَ عمرُ فقُرِئت علیہ، قال اللّٰھم بین لنا فی الخمر بیانَ شِفاءٍ فنزلت التی فی النساء "یا ایھا الذین

امنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکٰری" فَدُعِیَ عمر فقُرِئت علیه، ثم قال: اللّٰهم بین لنا فی الخمر بیان شفاءٍ فنزلت التی فی المائدۃ: "انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر. الیٰ قوله...... فهل انتم منتهون" فَدُعِیَ عمر فقُرِئت علیه فقال: انتهینا انتهینا".

حضرت عمرؓ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ہمارے لئے شراب کا حکم صاف صاف بیان فرما تو وہ آیت اتری جو سورت بقرہ میں ہے یعنی "یسئلونک عن الخمر الخ" "پوچھتے ہیں تجھ سے خمر اور جوئے کا، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑی خرابی ہے، پس عمرؓ کو بلایا گیا اور یہ آیت ان کے آگے پڑھی گئی، انہوں نے پھر فرمایا کہ اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے بارے میں صاف صاف بیان فرما! چنانچہ پھر وہ آیت نازل ہوئی جو سورت نساء میں ہے: "یاایها الذین امنوا لاتقربوا الخ" "اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں تم نماز کے قریب مت جاؤ، پھر بلائے گئے عمرؓ اور یہ آیت ان کو سنائی گئی تو آپؓ نے پھر فرمایا کہ اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے بارے میں صاف صاف بیان فرما تو وہ آیت نازل ہوئی جو سورت مائدہ میں ہے: "انما یرید الشیطان الخ" بے شک شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ڈال دے شراب اور جوئے کے سبب..... "فهل انتم منتهون" "تو کیا تم اب باز رہو گے، پس عمرؓ بلائے گئے اور یہ آیت ان کو سنائی گئی تو آپؓ نے فرمایا کہ باز رہے ہم، باز رہے ہم۔ (یہ روایت اسرائیل سے مرسل مروی ہے)۔

تشریح:۔ قوله: "فیهما اثم کبیر" چونکہ یہاں اثم مقابل نفع آیا ہے اس لئے اوپر اس کا ترجمہ خرابی سے کیا گیا ہے یعنی خمر و میسر میں اگر چہ کچھ وقتی منافع تو ہیں لیکن ان کی خرابیاں بھی زیادہ ہیں اور کبھی مستقل بھی ہوتی ہیں۔ شرابی آدمی بسا اوقات اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہے اور پھر دوسرا نکاح کروائے بغیر اسے اپنے پاس رکھتا ہے۔ اور جواری ایک دوسرے کو کبھی قتل کر کے مستقل دشمن بن جاتے ہیں۔ پھر قتل، زنا اور چوری کے مفاسد چونکہ معاشرے کے لئے ناسور سے کم نہیں اس لئے ان کو تو دوٹوک الفاظ میں بیان کر کے اس پر سخت قانونی پہرہ بٹھا دیا جبکہ شراب اور جوا اپنے تمام تر مفاسد کے باوجود قتل، زنا اور چوری سے نسبتاً کم تر ہے اس لئے اس کی سزا ہلکی مقرر کر دی۔

پھر "انتهینا" کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ ہم شراب پینے سے باز رہتے ہیں اور دوسرا یہ کہ ہم اس میں مزید بیان شافی کے مطالبہ سے باز آجاتے ہیں۔

حدیث آخر:۔"عن البراء قال مات رجال من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قبل ان تحرم الخمر فلما حرّمت الخمر قال رجال کیف باصحابنا وقد ماتوا یشربون الخمر فنزلت: "لیس علی الذین امنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصالحات". (حسن صحیح)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ حرمتِ شراب سے پہلے وفات پاگئے پس جب شراب حرام کی گئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ ہمارے ان ساتھیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور اب فوت ہوگئے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی: "لیس علی الذین امنوا الخ "یعنی کچھ گناہ نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اس چیز (شراب) میں جو پی انہوں نے (یعنی حرام ہونے سے قبل) جبکہ وہ تقویٰ بجالائے اور ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

تشریح:۔ چونکہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا امر شرعی تھا اس لئے اس کی تنسیخ کے بعد اس قسم کا سوال پیدا نہ ہوا جبکہ شراب پہلے مسکوت عنہ تھی اس لئے جب اس کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرامؓ گھبراگئے کہ اس میں تو قباحت تھی تو انہوں نے آپ علیہ السلام سے ان صحابہ کرامؓ کے متعلق پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا بنے گا جو شراب سے توبہ کئے بغیر فوت ہوگئے ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کا مطلب وخلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ ایمان وعمل صالح اور تقویٰ کے زیور سے آراستہ پیراستہ ہوں تو مسکوت عنہ اشیاء کا جب تک صریح حکم نازل نہیں ہوتا ان کے ارتکاب میں اُن کی گرفت ہرگز نہ ہوگی کیونکہ وہ یہ کام نفس پرستی اور مستی کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ اسے شرع کے موافق سمجھ کر کرتے تھے لہٰذا جب اس کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تو ان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ زندہ لوگ توبہ کرلیں گے اور جو فوت ہوگئے اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ بھی توبہ ہی کرتے تھے، اس لئے آگے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ "انت منهم "یعنی آپ علیہ السلام کا ان سے یہ کہنا کہ آپ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو تقویٰ کے معیار پر سیدھے قائم ہیں چاہے وہ فوت ہوگئے ہوں یا زندہ ہوں۔

ہاں البتہ یہ حکم نزول وحی کے امکان کے زمانہ کا ہے جب آپ علیہ السلام کا وصال ہوگیا تو قرآن میں جو کچھ بیان ہوا ہے یا حدیث وفقہ میں اس کی تفصیلات آئی ہیں وہ اب اپنی جگہ سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتی ہیں اور جو مسکوت عنہ ہیں وہ نظائر واشباہ کی طرف لوٹائی جائیں گی، اصل اشیاء میں اباحت ہے یا کیا ہے؟ یہ مسئلہ پہلے

...تہ بارہ ہے۔

حدیث آخر:۔"عن علی قال لمّانزلت" وللہِ علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا" (ال عمران: آیت:۹۷)قالوا یارسول الله افی کل عام؟فَسَکَتَ فقالوا یارسول اللہ افی کل عام؟قال "لا" ولو قلت "نعم"لَوَجَبَت فانزل الله عزوجل یاایھاالذین امنوالاتسالواعن اشیاء اِن تُبدلکم تَسُؤکم". (حسن غریب)

جب "للہ علی الناس الخ" ال عمران کی یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ تو آپؐ خاموش رہے، صحابہ نے دوبارہ پوچھا کہ ہر سال حج فرض ہے (یعنی ایک شخص پر)؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں" اور اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، پس اللہ عزوجل نے (سورت مائدہ کی آیت) نازل فرمائی "اے ایمان والو امت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر بیان (ظاہر) کر دی جائیں تو (پھر) تم کو ناگوار ہوں (یعنی پھر تمہارے لئے ان پر عمل کرنا دشوار ہو جائے گا)۔

تشریح:۔قولہ:"فانزل الله"اس میں فاء تعقیب کے لئے نہیں کیونکہ یہ آیت اس سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

اشیاء اصل میں شیئاء بروزن حمراء تھا،لفظاً مفرداً اور معناً جمع ہے مگر جب دو ہمزوں کا قرب موجب ثقل تھا تو ہمزہ اولیٰ شین پر مقدم کیا گیا، ہمزہ ثانیہ تانیث کے لئے ہے اس لئے یہ غیر منصرف ہے، آیت کی کچھ تفصیل ابواب الحج میں گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: جلد: سوم "باب ماجاء کم فرض الحج"؟)

حدیث آخر:۔"قال رجل :یارسول اللہ امَن اَبِی؟قال ابوکَ فلانٌ قال فنزلت "یا ایھا الذین امنوالاتسالواعن اشیاء اِن تُبدلکم تسؤکم". (حسن صحیح غریب)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص (عبداللہ بن حذافہ السہمی) نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیرا باپ فلاں شخص ہے۔ راوی نے کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لاتسالواعن اشیاء الخ"۔

تشریح:۔چونکہ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے بارے میں بعض لوگوں کو بدگمانی لاحق تھی کہ ان کا والد کون ہے تو اس لئے انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا جواب میں آپ علیہ السلام نے حذافہ بن قیس کا نام لے کر تصدیق فرمائی۔

...میں ہے کہ جب انہوں نے گھر جا کر اپنی والدہ کو آگاہ کیا تو وہ ان پر برس پڑیں کہ تجھے کیا پتہ تھا کہ تیری والدہ پاکباز تھی؟ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بعض عورتیں گڑبڑ کرتی تھیں تو انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ مجھے کسی کالے غلام کے ساتھ شامل کرتے تو میں شامل ہو جاتا۔

اس کا سابقہ حدیث سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ سابقہ حدیث میں فانزل اللہ الخ کا یہ مطلب نہیں کہ یہ آیت اسی وقت اسی سوال پر نازل ہوئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بھی اس کا مصداق ہے ای وقد انزل اللہ عزوجل "یاایھا الذین اٰمنوا لاتسألوا" الخ۔

حدیث آخر:۔"عن ابی بکر الصدیق انہ قال: یاایھا الناس انکم تقرء ون ھذہ الاٰیۃ: یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لایضرکم"۔ یہ حدیث بلفظہ ابواب الفتن میں گزری ہے۔(دیکھئے تقریرات: جلد ششم ص:۵۲۲"باب ماجاء فی نزول العذاب اذالم یُغیّر المنکر") وہاں اس کے چار مطلب بیان کئے گئے ہیں، آخری مطلب وہی ہے جو امام ترمذیؒ نے یہاں پر اس کے بعد بیان کیا ہے وہ مندرجہ ذیل روایت ہے۔

"عن ابی امیّۃ الشعبانی قال اتیتُ اباثعلبۃ الخُشَنِی الخ "ابوامیہ فرماتے ہیں کہ میں ابوثعلبہ خشنی کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ آپ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ کون سی آیت؟ میں نے کہا "یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم الخ "انہوں نے کہا کہ آگاہ رہو قسم ہے اللہ کی کہ تم نے بڑے خبردار سے پوچھا، میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ضرور اچھی باتوں کا حکم دیا کرو اور بُری باتوں سے منع کرتے رہو یہاں تک کہ جب دیکھو فرمانبرداری کی جانے والی بخیلی کو اور پیروی کی جانے والی نفسانی خواہش کو اور ترجیح دی جانے والی دنیا (دولت) یعنی آخرت کے مقابلہ میں اور ہر ذی رائے کا اپنی عقل پر نازاں ہونا، تب تم لازم کرو صرف اپنی فکر کو اور چھوڑ دو عوام کو (کیونکہ ایسی بیماریوں کا علاج ناممکن یا بہت مشکل اور خطرناک ہے) بے شک تمہارے آگے ایسے دن آنے والے ہیں کہ ان میں صبر کرنا (یعنی دین پر چلنا یا امر بالمعروف کرنا) ایسا ہوگا جیسے چنگاری ہاتھ میں پکڑنا، ان دنوں میں (سنت پر) عمل کرنے والے کے لئے ایسے پچاس آدمیوں کا جتنا ثواب ہوگا جو تمہارے جیسا عمل کرتے ہوں۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ عُتبہ (مذکورہ سند) کے علاوہ دوسرے استاذ نے یہ زیادتی بھی نقل کی ہے کہ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! پچاس آدمی ہم میں سے یا اُن میں سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا نہیں بلکہ تم میں سے پچاس آدمیوں کا ثواب۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ چونکہ "فان العطایا علی متن البلایا" کے اصول کے تحت اس زمانہ میں سنت پر چلنا انتہائی دشوار ہوگا اور لوگوں کی اصلاح کی بھی امید باقی نہیں رہے گی خصوصاً اعجاب کی صورت میں، کیونکہ خود پسندی کا بیمار دوسروں کو احمق سمجھتا ہے، ایسے میں دین دار لوگ بے وقوف شمار ہوں گے اس لئے ان کا دین پر چلنا بڑے ثواب کا سبب ہوگا۔

بظاہر اس حدیث سے صحابہؓ پر فضیلت معلوم ہوتی ہے لیکن اس بارے میں پہلے ضابطہ بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ فضیلت جزوی ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن تمیم الداری فی ھذہ الایة: "یاایھاالذین امنوا شھادۃُ بینکم اذا حضر احدکم الموت" قال بریٔ الناس منھا غیری وغیر عدیّ بن بدّآء وکان نصرانیین یختلفان الی الشام قبل الاسلام فاتیا الشام لتجارتھما وقدِم علیھما مولیٰ لبنی سھم یقال لہ بُدیل بن ابی مریم بتجارۃ ومعہ جام من فضة یریدبہ المَلِکَ وھو عُظمُ تجارتہ فمَرِض فاوصی الیھما وامرھما ان یُبلغا ماترک اھلَہ ،قال تمیم فلما مات اخذنا ذالک فبِعناہ بالف درھم ثم اقتسمناہ اناوعدی بن بدّآء فلما اتینا الی اھلہ الخ". (غریب)

حضرت تمیم داریؓ فرماتے ہیں کہ میرے اور عدی بن بدّاء کے علاوہ باقی سب لوگ اس آیت "یاایھاالذین امنوا شھادۃ بینکم الخ" سے بَری رہے۔ (آیت کا ترجمہ) اے ایمان والو! گواہی تمہارے درمیان (ضروری ہے) جب آجائے تم میں سے کسی کو موت (کا صدمہ) وصیت کے وقت تم میں سے دو شخص قابلِ اعتبار (گواہی دیں)۔ (آیت: ۱۰۶)

یہ دونوں نصرانی تھے اسلام سے پہلے شام آتے جاتے تھے، چنانچہ وہ اپنی تجارت کے لئے شام گئے اور ان کے پاس بنی سہم کا مولی (آزاد کردہ غلام یا بنو ہاشم کا) جس کو بدیل بن ابی مریم کہا جاتا تھا (اور وہ مسلمان تھے) اپنے تجارتی مال کے ساتھ آیا، اس کے پاس چاندی کا ایک پیالہ بھی تھا وہ یہ (پیالہ) بادشاہ کو دینے کا ارادہ رکھتا تھا اور یہی اس کی تجارت کی اہم ترین چیز تھی (کیونکہ بادشاہ کو دینے سے عوض ملنے کا قوی امکان تھا) پس وہ بیمار ہوا تو اس نے ان دونوں (تمیم وعدی) کو وصیت کی اور حکم کیا ان کو کہ میراترکہ میرے گھر والوں کو پہنچا دیں۔ حضرت تمیم فرماتے ہیں کہ جب وہ فوت ہوگیا تو ہم نے یہ پیالہ لے کر ایک ہزار درہم کے عوض

فروخت کیا۔ پھر میں نے اور عدی بن بداء نے اس رقم کو آپس میں تقسیم کر لیا، چنانچہ جب ہم اُس کے گھر والوں کے پاس آئے تو ہمارے پاس جو سامان (امانت کا) تھا ہم نے وہ ان کے حوالہ کر دیا (بدیل نے اس میں ایک خفیہ پرچی پر سامان کی تفصیل لکھ دی تھی جس میں اس پیالہ کا بھی ذکر تھا) ان لوگوں کو وہ پیالہ نہیں ملا تو انہوں نے اس کے بارے میں ہم سے پوچھا، ہم نے کہا کہ اس نے تو اس کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا اور نہ ہی اس کے علاوہ ہمیں مزید کچھ دیا ہے۔

حضرت تمیمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے بعد جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے اس گناہ سے بچنا چاہا اس لئے میں ان کے گھر والوں کے پاس آیا اور ان کو پوری صورت حال بتادی اور پانچ سو درہم بھی ان کو دیئے اور یہ بھی میں نے ان کو بتادیا کہ میرے ساتھی (عدی) کے پاس بھی اتنے ہی پیسے ہیں (یعنی پانچ سو درہم)۔ چنانچہ وہ لوگ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے، آپؐ نے ان سے گواہ پیش کرنے کو کہا لیکن ان کو گواہ نہ ملے تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس (عدی) سے ایسا حلف اٹھوائیں جو اس کے دین والے (عیسائی) بہت بھاری سمجھتے ہوں، چنانچہ عدی نے قسم کھالی (یعنی جھوٹی)۔ پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی: ''یاایھاالذین امنوا شھادۃ بینکم الخ '' (چونکہ عدی نے جھوٹی قسم کھائی تھی اس لئے وہ وقتی طور پر بری ہو گیا تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی اس میں یہ تھا کہ موت کے وقت دو آدمی وصی ہونے چاہیۓ جن سے وصیت پر قسمیں لی جائیں گی البتہ اگر ان کی غلط بیانی کا اندیشہ محسوس ہو جائے تو میت کے قریبی رشتہ داروں میں سے دو آدمی قسمیں کھائیں کہ پہلے والے گواہ (وصی) جھوٹ بولتے ہیں اور ہماری شہادت ان کی شہادت یعنی بیان اور قسم سے زیادہ درست ہے) چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ اور ایک شخص (مطلب بن ابی وداعۃ) کھڑے ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی (کہ عدی جھوٹ بولتا ہے اور پانچ سو درہم اسی کے پاس ہیں) پس عدی بن بداء سے وہ پانچ سو درہم وصول کیۓ گئے۔

اگلی روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے قسم اس وقت کھائی جب وہ پیالہ مکہ میں ایک خاندان کے پاس سے برآمد ہوا۔ جب بدیل کے ورثاء نے ان سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو یہ جام تمیم اور عدی دونوں سے خریدا ہے، چنانچہ میت کے ورثہ میں سے دو آدمیوں نے قسم کھا کر کہا کہ پیالہ ہمارا ہی ہے اور ہماری شہادت ان سے زیادہ قابل بھروسہ ہے، انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (حسن غریب اخرجہ البخاری ایضاً فی صحیحہ)

حدیث آخر: عن عمار بن یاسر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اُنزلت المائدة من السماء خبزا ولحما وامروا ان لایخونوا ولایدخروا لغد فخانوا وادخروا لغد فمسخوا قردة وخنازیر" (غریب)

دسترخوان آسمان سے اتارا گیا تھا روٹی اور گوشت سے آراستہ، اور ان کو حکم ہوا کہ خیانت نہ کریں اور کل کے لئے نہ رکھیں، پھر انہوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لئے بھی رکھا تو ان کی شکلیں بندر اور سور کی بنادی گئیں۔

تشریح:۔ یہ حدیث دراصل اس آیت کی تفسیر ہے "قال اللہ انی منزلها علیکم فمن یکفر بعد منکم فانی اُعذبه الخ" امام بیضاویؒ سے محشی نے نقل کیا ہے کہ یہ ایک لال دسترخوان تھا جو دو بدلیوں کے درمیان اُتارا گیا اور لوگوں کے سامنے نازل کیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وضوء کر کے اس سے پردہ اٹھایا تو اس میں ایک مچھلی اور پانچ روٹیاں تھیں، نمک، سرکہ اور کچھ سلاد وغیرہ بھی ساتھ تھا، ایک روٹی پر زیتون، دوسری پر شہد، تیسری پر گھی، چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر سوکھا گوشت تھا۔

بہرحال ترمذی کی اس روایت سے دسترخوان کا نازل ہونا ثابت ہوتا ہے اگرچہ بعض مفسرین جیسے حضرت مجاہد وغیرہ عدم نزول کے قائل ہیں، مگر باب کی حدیث جمہور کی دلیل ہے جو نزول کے قائل ہیں اور ظاہر قرآن بھی اس پر ناطق ہے۔ واللہ اعلم

حدیث آخر:۔ "عن ابی هریرة قال تلقیٰ عیسیٰ حُجّته فلقّاه اللہ فی قوله "واذقال اللہ یاعیسیٰ بن مریم ءَ انت قلتَ للناس اتخذونی وامّی اِلٰهین من دون اللہ "قال ابوهریرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فلقّاه اللہ "سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق" الآیة کُلّها. (حسن صحیح)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اپنی دلیل (جواب) سیکھیں گے تو اللہ ان کو سکھائیں گے، اور یہ بات اس آیت کی تفسیر میں کہی "واذقال اللہ یاعیسیٰ بن مریم ءَ انتَ قلت الخ" اور جب (قیامت کے دن) اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ سکھادے گا (عیسیٰ کو ان کا جواب) "پاک ہے تو! میرے لئے ممکن نہیں کہ ایسی بات کروں جو میرا حق نہیں" آیت کے آخر تک پورا کا پورا

تشریح:۔ بعض مفسرین کی رائے کے مطابق یہ گفتگو اس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، لیکن جمہور کہتے ہیں کہ یہ سوال وجواب قیامت کے دن ہوں گے اور اس آیت اور حدیث میں ماضی کے صیغے تیقن کی وجہ سے ہیں جو علم بلاغت کا اصول ہے۔

ومن سورة الانعام

سورتِ انعام کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن علی ان اباجهل قال للنبی صلی الله علیه وسلم :انالانکذبک وَلکن نُکذّب لماجئت به فانزل الله تبارک وتعالیٰ:"فانهم لایکذبونک ولکن الظالمین بایات الله یجحدون ".(آیت:۳۳)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ جو آپ لائے ہیں اُسے جھٹلاتے ہیں (یعنی قرآن کریم کو)۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "فانهم لایکذبونک الخ" بے شک یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے ہیں لیکن ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں۔

تشریح:۔ ابن العربی عارضۃ الاحوذی میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات ابوجہل نے بطورِ مذاق کی ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تمسخر کرنے والوں کے لئے کافی ہوا اور اگر مذاق نہیں تو پھر یہ محض جہالت ہے، جس پر اس کا نام شاہد ہے کیونکہ جس کی بات جھٹلائی جائے تو وہ اس مخبر کو جھٹلانا ہے، بہرحال ابوجہل کا مقصد یہ ہے کہ آپؐ کی ذات سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں، ہمارا اختلاف آپ کے دین اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب سے ہے۔

اس بات کی بناء محض حسد ہی ہوسکتی ہے کیونکہ جب تک ابوجہل کو آپ علیہ السلام کی ذات سے اپنی عزت میں کمی کا خطرہ لاحق نہیں ہوا تھا اس وقت تک وہ آپؐ کو ناپسند نہیں کرتا تھا لیکن جب آپ علیہ السلام نے نبوت کا اعلان کیا تو ابوجہل بہت نیچے اور بے حد پیچھے رہ گیا جس کی بناء پر وہ دشمنی کرنے لگا۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ:۔ لـمّا نـزلـت هـذه الأية :"قل هو القادر علیٰ ان یبعث علیکم

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :اعوذ بوجھک "فلما نزلت: "اویلبسکم شیعاً ویذیق بعضکم باس بعض "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ھاتان اھون اوھاتان ایسر. (حسن صحیح)

جب یہ آیت نازل ہوئی "قل ھو القادر علیٰ الخ "آپ کہہ دیجئے کہ وہ (اللہ) اس پر قادر ہے کہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تیری ذات کی پناہ مانگتا ہوں، پھر جب اترا (اگلا حصہ) "اویلبسکم الخ "یا وہ (اللہ) تمہارے مختلف گروہ بنادے اور چکھادے تم میں بعض کو بعض کی لڑائی، تب فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں آفتیں آسان تر ہیں یعنی پہلی دونوں کی بنسبت۔

تشریح:۔ اس آیت سے قبل اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارے انسانوں پر اپنے خصوصی انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے اور مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ جب سمندر کی موجوں میں پھنس جاتے ہو تو اللہ ہی سے مدد مانگتے ہو مگر جب خشکی پر اتر جاتے ہو تو مطمئن ہو کر دوبارہ شرک کرتے ہو حالانکہ اللہ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں خشکی پر تباہ کردے۔

تاہم الفاظ کے عموم کی وجہ سے یہ حکم عام ہے کہ اللہ اپنے مُلک اور اپنی مِلک میں جیسے بھی اور جہاں بھی اور جب بھی تصرف کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہے اور یہ عین عدل ہے لہٰذا وہ مسلمانوں کی چھوٹی موٹی نافرمانیوں پر بھی یہ عذاب نازل کرسکتا ہے لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت سے اللہ نے اس امت کو عذاب استیصال سے محفوظ رکھا ہے البتہ قیامت کے قریب جب عذاب کے اسباب ومحرکات میں غیر معمولی اضافہ ہوگا تو گاہے گاہے عذاب کی یہ صورتیں پیش آئیں گی، جیسا کہ اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت میں تصریح ہے کہ "اَمَا انھا کائنة ولم یات تاویلھا بعد "یعنی آگاہ رہو کہ یہ عذاب آنے والا ہے مگر ابھی وہ اپنے انجام کو نہیں پہنچا ہے یعنی ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔

پھر اوپر کے عذاب سے مراد سنگ باری بھی ہوسکتی ہے اور ظالم حکمران بھی۔ اسی طرح نیچے کے عذاب سے مراد زلزلہ اور قحط سالی بھی ہوسکتی ہے اور نافرمان خادم واولاد بھی۔ اور گروہوں کی شکل میں اختلاف کا مطلب وہی ہے جو آج کل نظر آتا ہے کہ مسلمانوں میں گروہ بندیاں ہوگئی ہیں اور تقریباً سب ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں اور ان پر ظالم لوگ حکمراں ہیں۔

حدیث آخر:۔"عن عبداللہ لما نزلت "الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم" شق ذالک علی المسلمین فقالوا یارسول اللہ او اینا لایظلم نفسہ قال: لیس ذالک انما ھو الشرک الم تسمعوا ماقال لقمان لابنہ "یابُنَیَّ لاتشرک باللہ ان الشرک لَظُلم عظیم".
(حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''الذین امنوا ولم یلبسوا الخ جولوگ ایمان لائے ہیں اور اپنا ایمان ظلم کے ساتھ خلط ملط نہ کرچکے ہیں ''اولئک لھم الامن وھم مھتدون '' تو مسلمانوں پر یہ بات بہت شاق گذری، چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم (گناہ) نہ کیا ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ مطلب نہیں بلکہ مراد اس ظلم سے شرک ہے۔کیا نہیں سُنا تم نے جو کہا لقمان نے اپنے بیٹے سے (بطور نصیحت) ''یابُنَیَّ لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم '' اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو کہ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔(سورۃ لقمان: آیت:۱۳)

تشریح:۔لغوی اعتبار سے تو ظلم کے معنی کسی چیز کو اپنے محل کے بجائے غیر محل میں رکھنے کے ہیں اس اعتبار سے شرک بھی ظلم ہے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ ہے کوئی غیر اللہ اس کا ذرہ بھی حق نہیں رکھتا، اور گناہ بھی ظلم ہے کیونکہ بندوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور نافرمانی سے گریز کریں، تاہم شرک چونکہ اعتقادی ظلم ہے اس لئے وہ ظلم عظیم ہوا کہ عمل کے مقابلہ میں عقیدے کا مرتبہ اولین اہمیت کا حامل ہے۔

ایک دلچسپ بحث:۔ صحابہ کرامؓ کو یہ سوال پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کے لئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ انہوں نے ''بظلمٍ '' کی تنوین کو برائے تنکیر لے کر یہ سوال محسوس کیا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ انہوں نے معنی عرفی کو دیکھا چونکہ عرف میں ظلم زیادتی کو کہتے ہیں اور تھوڑی بہت زیادتی تو ہر شخص سے صادر ہوتی ہے اس لئے ان کو اشکال پیش آیا۔

آپ علیہ السلام نے جو جواب مرحمت فرمایا اس کے لئے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے لفظ ''لبس '' کے قرینہ کو دیکھا بایں طور کہ لبس کے معنی خلط ملط کرنے اور گڈمڈ کرنے کے ہیں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب دونوں مخلوط اشیاء کا محل ایک ہو چونکہ ایمان کا محل قلب ہے تو ظلم کا محل بھی قلب ہی ہونا چاہئے ورنہ اختلاط نہیں ہوگا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بظلم کی تنوین تعظیم کے معنی میں لے کر جواب دیا ہو، ویسے آپ علیہ السلام کو قرینہ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ قرینہ تو اندھے کے لئے لاٹھی کی حیثیت رکھتا ہے، بینا کو لاٹھی کی کیا ضرورت؟

معتزلہ اس حدیث کے ماننے سے انکار کرتے ہیں جو ان کے اپنے اصول پر مبنی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہو تو پھر نفی کا کچھ مطلب نہیں بنے گا کیونکہ شرک تو ایمان کے ساتھ جمع ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ دونوں نقیضین ہیں۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بالاجماع صحیح ہے اور بخاری نے بھی کتاب الایمان میں ذکر فرمائی ہے، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ نے اس پر تفصیل سے بحث فرمائی ہے۔ (دیکھئے فضل الباری: ص:۴۳۱ ج:۱) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں ایمان بمعنی لغوی کے مراد ہے یعنی اذعان، تصدیق اور یقین کے، اب مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی طرح غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتے ہیں تو ان کے لئے جمعیت خاطر ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن مسروق قال كنتُ مُتكئا عند عائشة فقالت يا أبا عائشة ثلاث من تكلم بواحدة منهن فقد اعظم الفرية على الله:

(۱) من زعم ان محمدًا رأى ربه فقد اعظم الفرية على الله، والله يقول: "لاتدركه الابصار وهو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير" "وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحياً او من وراء حجاب" وكنتُ متكئاً فجلستُ فقلتُ: يا أمّ المؤمنين أنظريني ولا تعجليني أليس الله تعالىٰ يقول "ولقد رآه نزلة أُخرى" "ولقد رآه بالافق المبين" قالت انا اوّل من سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن هذا فقال انما ذالك جبرئيل ما رأيته في الصورة التي خلق فيها غيرَ هاتين المرّتين رأيتُه مُنهبطاً من السماء ساداً عُظمُ خلقِه ما بين السماء والارض.

(۲) ومن زعم ان محمداً كتم شيئاً مما انزل الله عليه فقد اعظم الفرية على الله، يقول الله "يا ايها الرسول بلّغ ما انزل اليك من ربّك".

(۳) ومن زعم انه يعلم ما في غدٍ فقد اعظم الفرية على الله، والله يقول: "لا يعلم من في السموات والارض الغيبَ الّا الله". (حسن صحيح)

حضرت مسروق (بن الاجدع) کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس ٹیک لگائے بیٹھا تھا، تو انہوں نے فرمایا: اے ابوعائشہ! تین باتیں ایسی ہیں جو ان میں سے ایک بھی بولے گا تو وہ اللہ پر جھوٹ باندھے گا:

(۱) جس نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو بے شک اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا، کیونکہ اللہ فرماتا ہے "نہیں پاسکتیں اس کو نگاہیں اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے، اور وہ باریک بین، بڑا باخبر ہے۔ اور کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ اس سے اللہ (روبرو) بات کرے مگر وحی (الہام یا منام) کے طور پر یا پس پردہ (یعنی بلا واسطۂ ملک)۔ (مسروق کہتے ہیں کہ) میں ٹیک لگائے ہوئے تھا تو میں سیدھا بیٹھ گیا اور عرض کیا میں نے: اے ام المؤمنین! مجھے (بولنے کا) موقع دیجئے اور جلدی مت کیجئے، کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ہے "ولقد راٰہ الخ" "بے شک اس کو دیکھا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ۔ (اور فرماتا ہے) یعنی دیکھا ہے اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے صاف کنارے پر۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بخدا! میں ہی اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پہلے سوال کرنے والی ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو جبرئیل ہی تھے، میں نے نہیں دیکھا ہے جبرئیل کو اس صورت میں جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں سوائے ان دو مرتبہ کے ایک تو دیکھا ہے میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے درآں حالیکہ ان کی خلقت کی بڑائی نے بھر لیا تھا آسمان و زمین کے درمیان کو۔

(۲) اور جس نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز چھپالی ہے اس میں سے جو اللہ نے اتاری ہے، تو اس نے بھی اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا، اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ "اے رسول! پہنچادے جو اترا ہے تیرے اوپر تیرے رب کی طرف سے"۔ (اگر آپؐ کچھ چھپاتے تو اللہ اس پر صبر نہ کرتے۔ تدبر)

(۳) اور جس نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کل کی خبریں معلوم ہوتی تھیں تو اس نے بھی اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا کیونکہ اللہ فرماتا ہے: "(کہہ دیجئے) نہیں جانتا کوئی آسمان و زمین والوں میں سے غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے"۔

تشریح:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اتفاق ہے کہ آخرت میں اہل ایمان اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کریں گے جبکہ دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ ممکن ہے لیکن وقوع میں اختلاف ہے، یہ اختلاف بھی صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شب معراج کی حد تک ہے باقی کسی کے لئے رؤیت کے عدم ثبوت پر اتفاق ہے۔ معتزلہ خوارج مطلق رؤیت کی نفی کرتے ہیں لیکن بہت ساری صحیح وصریح نصوص سے ان کے موقف کی نفی ہوتی ہے

اگر چہ وہ ان میں تاویل کرتے ہیں لیکن وہ تاویلات سب بارد ہیں مثلاً ''وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ'' میں وہ کہتے ہیں ''ای اِلیٰ نِعمَ ربہاناظرۃ'' یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، لیکن یہ تاویل خلاف ظاہر ہے، اس کی تفصیل شرح عقائد میں ہے۔

آپ علیہ السلام نے شب معراج میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ دونوں مسئلوں پر شرح عقائد میں بحث کی گئی ہے پہلے مسئلہ پر صفات میں اور دوسرے مسئلہ پر معراج کے تحت۔ علامہ تفتازانی" بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: ''ثم الصحیح انہ علیہ السلام اِنمارای ربہ بفؤادہ لا بعینہ'' (ص:۱۰۵) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے قلب اطہر میں وہ صلاحیت پیدا فرمائی جو آنکھوں میں ہوتی ہے پس اس بناء پر آپؐ نے اللہ کو دیکھا اور یہی مطلب ابن عباسؓ کے قول کا لیا جائے گا جو رؤیت کے قائل ہیں۔

اس حدیث سے اہل تشیع اور بریلوی حضرات کے موقف کی بھی نفی وتردید ہوئی ہے جو افراط وتفریط کا شکار ہیں، فریق اول آپ علیہ السلام کے حق میں تنگ نظری کا شکار ہے اور فریق ثانی آپ علیہ السلام کے لئے بعض صفات الوہیت کے قائل ہیں جبکہ حق دونوں کے درمیان ہے ''وخیر الامور اوسطھا''۔

حدیث آخر:۔ ''عن عبداللہ بن عباس قال اَتیٰ ناسٌ النبیَ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا: یارسول اللّٰہ اَناَ کلُ مانقتلُ ولا ناکل مایقتل اللہ؟ فانزل اللّٰہ: ''فکلوا مماذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایٰاتہ مؤمنین ...الیٰ قولہ... ''وان اَطَعتُموھم انکم لمشرکون''. (حسن غریب)

چندلوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم اس کو تو کھائیں جس (جانور) کو ہم مارڈالیں (یعنی ذبح کریں) اور نہ کھائیں اس کو جس کو اللہ مارے؟ (یعنی میتہ کو)۔ تو اللہ نے نازل فرمائیں (یہ آیتیں) ''فکلوا مماذکر اسم اللہ الخ'' یعنی تم کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اگر تم اس کی آیتوں پر یقین رکھتے ہو.....تا.....اور اگر تم نے ان (مشرکین) کا کہا مانا تو تم بھی یقیناً مشرکین (کی طرح) ہوں گے۔

تشریح:۔ قولہ: ''اتیٰ ناس'' یہ کون لوگ تھے؟ تو ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ یہود تھے لیکن ابن کثیرؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ایک تو یہود میتہ کی حلت کے قائل نہ تھے۔ دوم یہ آیت مکی ہے لہٰذا کہا جائے گا کہ اصل معترضین تو مشرکین مکہ تھے لیکن نبی علیہ السلام سے سوال کرنے والے کون تھے؟ تو ممکن ہے کہ یہ بھی وہی اصل اعتراض اٹھانے والے ہوں اور ان کا یارسول اللہ کہنا بطور یقین اور دل سے نہ ہو بلکہ بطور طنز کے

ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مخلصین مؤمنین نے ان کا یہ شبہ آپ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا ہو تا کہ صحیح جواب حاصل کر سکیں، چنانچہ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

مطلب اس حکم کا یہ ہے کہ محض جان نکلنا یا نکالنا کھانے کی حلت کی علت نہیں بلکہ جان نکالنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا پاک نام لینا ایسا ہی لازمی ہے جس طرح بہنے والا خون بہانا ضروری ہے، چونکہ دم مسفوح نجس العین ہے اس لئے اس کا اخراج لازمی ہے جبکہ باقی اعضاء اللہ کے نام مبارک سے پاک ہو جاتے ہیں بخلاف میتہ کے کہ اس میں دونوں شرطیں مفقود ہوتی ہیں۔ ہاں البتہ اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہو اور بسم اللہ بھول جائے تو وہ بھی حلال ہے۔

حدیث آخر:۔ عن عبد اللہ قال من سرّہ ان ینظر الیٰ الصحیفۃ التی علیہا خاتم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلیقرا ھؤلاء الآیات "قل تعالوا اتلُ ما حرّمَ ربکم علیکم.... الیٰ قولہ.... لعلکم تتقون". (حسن غریب)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس کو خوش کرے یہ بات کہ دیکھے اس صحیفہ کو جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگی ہوئی ہے تو اسے چاہئے کہ پڑھ لے یہ آیتیں "قل تعالوا الخ" یعنی آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے.... کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ سے نیکی کرو اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے الخ۔

تشریح:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورت انعام کی ان آیات کو اس صحیفے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس پر لکھنے والی کی مہر ہو۔ یہ کنایہ ہے اس کے محکم ہونے سے یعنی ان آیتوں کا حکم ہمیشہ محکم رہا ہے اور تمام ادیان میں مؤکد بھی رہا ہے۔

وہ احکام جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں دس ہیں: (۱) شرک نہ کرنا (۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا (۳) اولاد کو قتل نہ کرنا (۴) ہر قسم کی بے حیائی کے عمل سے دور رہنا (۵) کسی کو ناحق قتل نہ کرنا (۶) یتیم کا مال غلط طریقہ سے نہ کھانا (۷) ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرنا (۸) انصاف کی بات کرنا (۹) اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرنا (۱۰) صراط مستقیم پر چلنا۔

حدیث آخر:۔ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ: "او یاتی بعض ایات ربک" قال طلوع الشمس من مغربھا. (غریب)

آپ علیہ السلام نے اس آیت "اویاتی بعض ایات ربک" یا تیرے رب کی طرف سے کوئی نشانی آئے، کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا مراد ہے۔

تشریح:۔اس حدیث کو اگرچہ امام ترمذیؒ نے غریب کہا ہے مگر اولاً تو بعض نسخوں میں اس پر حسن کا اضافہ بھی ہے۔ثانیاً اگلی روایت صحیح ہے اور مسلم وغیرہ میں بھی ہے کہ اگر کوئی ان تین نشانیوں سے پہلے ایمان نہ لایا ہو تو اسے ان آثار ونشانیوں کے بعد ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔دجال کا خروج، دابۃ الارض کا خروج اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

اس میں بنیادی طور پر دارومدار طلوع آفتاب پر ہے جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ پہلے دجال کا خروج ہوگا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا جو دجال کو قتل کریں گے پھر یاجوج وماجوج نکلیں گے اور اخیراً آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا، جس سے اگر لوگ ایمان لائیں گے بھی تو وہ ایمان اضطراری ہوگا نہ کہ اختیاری، اس لئے قابل قبول نہ ہوگا اور شاید اسی دن دابہ کا خروج ہو جائے جو مسلم وکافر پر مہر لگائے گا۔تفصیل ابواب الفتن میں گزری ہے۔(باب ماجاء فی الخسف، تشریحات: ص:۵۵۳ ج:۶)

حدیث آخر:۔عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: قال اللہ تبارک وتعالیٰ وقولہ الحق: إذاھمّ عبدی بحسنۃٍ فاکتبوھالہ حسنۃ فان عَمِلھافاکتبوھالہ بعشر امثالھاواذاھمَّ بسیّئۃ فلا تکتبوھافإن علمھافاکتبوھابمثلھافان ترکھا،ورُبماقال فان لم یعمل بھافاکتبوھالہ حسنۃ ثم قرأ:"من جاء بالحسنۃ فلہ عَشرُ امثالھا".(حسن صحیح)

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اور اس کا فرمانا سچ ہی ہے کہ جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھو پھر اگر وہ اس کو کرے (یعنی عملی جامہ پہنائے) تو اس کے لئے دس گنا نیکیاں لکھو اور جب وہ قصد کرے بُرائی کا تو مت لکھو وہ گناہ (اس کے نامہ اعمال میں) پس اگر وہ کرے وہ گناہ تو لکھو اس کا گناہ ایک ہی، پھر اگر چھوڑ دے اور کبھی آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ نہ کرے اس کو تو لکھو اس کے لئے ایک نیکی، پھر پڑھی آپؐ نے "من جاء بالحسنۃ الخ" جو لائے ایک نیکی اس کے لئے دس نیکیاں ہیں۔

ومن سورة الاعراف

سورت اعراف کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن انس ان النبی صلی الله علیه وسلم قرأ هذه الاية "فَلَمَّاتجلیٰ ربُه للجبل جعله دَكّاً" قال حماد: هٰكذاوَاَمسَكَ سليمان بطرف ابهامه علیٰ انملة اصبعه اليُمنىٰ قال فساخَ الجبلُ "وخرَّ موسىٰ صَعِقاً". (حسن صحيح غريب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "فَلَمَّاتَجلّیٰ الخ "پس جب موسیٰ کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اس کو پست کر کے ہموار کردیا (اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے) حماد (راوی) نے کہا کہ اس طرح (حماد کے شاگرد) سلیمان نے اپنے انگوٹھے کا سرا (نوک) اپنی داہنی انگلی کے پورے پر رکھا، فرمایا آپؐ نے کہ پہاڑ (ریزہ ریزہ ہو کر زمین میں) دھنس گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

تشریح:۔ قوله: "دكّاً" ای مستويا بالارض، زمین کے برابر (ہموار) کردیا۔

قوله: "فَسَاخَ" ای غاص وغاب فی الارض، زمین میں دھنس کر غائب ہوگیا، کہا جاتا ہے کہ یہ پہاڑ قیامت تک زمین کے اندر چلتا رہے گا۔

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء کا جواب کیسے بنا؟ اس کا جواب ابن العربیؒ نے عارضہ میں دیا ہے کہ یہ شافی جواب ہے کہ جب پہاڑ باوجود بڑی جسامت ومتانت کے اس قدر تجلّی کے سامنے تھم نہ سکا تو رویت باری تعالیٰ کے سامنے ٹھہرنا کس قدر مشکل ہوگا۔

راوی حدیث سلیمان نے تجلّی کی تقلیل ظاہر کرنے کے لیے اپنے انگوٹھے کا سرا داہنی انگلی کے سرے پر رکھ کر اشارہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا انگوٹھا خنصر کے سرے پر رکھا تھا۔

حدیث آخر:۔ ان عمربن الخطاب سُئِل عن هذه الاية "وإذاَخذَ ربك من بنی ادم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم علیٰ انفسهم اَلستُ بربكم قالوا: بلیٰ شهدنا ان تقولوا يوم القيامة انا كنا عن هذا غافلين" فقال عمربن الخطاب سمعتُ رسول الله صلی الله عليه وسلم سُئِلَ عنها فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ان الله خلق ادم ثم مسح ظهره بيمينه فاستخرج منه ذرية فقال: خلقتُ هؤلاء للجنة وبعمل اهل الجنة يعملون ثم مسح ظهره

فاستخرج منه ذرية فقال خلقتُ هؤلاء للنار وبعمل اهل النار يعملون ، فقال الرجل ففيم العملُ يارسول الله؟ قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن الله اذا خلق العبد للجنة استعمله بعمل اهل الجنة حتىٰ يموت علىٰ عمل من اعمال اهل الجنة فيدخله الله الجنة واذا خلق العبد لِلنار استعمله بعمل اهل النار حتىٰ يموت علىٰ عمل من اعمال النار فيدخله الله النار. (حسن)

حضرت عمرؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا "وَاِذاَخَذَ ربک من بنی ادم من ظهورهم الخ" اور جب نکالی تیرے رب نے بنی ادم کی پشتوں سے ان کی اولاد، اور ان کو گواہ بنایا ان کے نفسوں (ذاتوں) پر، (اور فرمایا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا" کیوں نہیں" ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں، (یہ اقرار اس لئے لیا) تا کہ تم لوگ قیامت کے روز (یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے (محض) بے خبر تھے۔ (اعراف: آیت: ۱۷۲)

پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے جب آپؐ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پیٹھ پر اپنا دستِ قدرت (یمین) پھیرا اور اس سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا یہ میں نے جنت کے لئے پیدا کی ہے اور یہ لوگ جنت والوں کا ہی عمل کریں گے، پھر (دوبارہ) ان کی پُشت پر دستِ قدرت پھیرا، تو اس سے (دوسری) ذریت نکالی، اور فرمایا کہ یہ لوگ میں نے دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں، اور یہ لوگ دوزخ والوں کا ہی عمل کریں گے، پس ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ؟ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنت والوں کا کام لیتا ہے یہاں تک کہ وہ جنتیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر فوت ہوجاتا ہے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو جہنم کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس کو دوزخ والوں کے کام پر لگاتا ہے، تا آنکہ وہ اہلِ جہنم کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرجاتا ہے تو اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرتا ہے۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر حسن کا حکم لگایا ہے اور فرمایا ہے کہ مسلم بن یسار جو حضرت عمرؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں ان کا حضرت عمرؓ سے سماع ثابت نہیں، تاہم حدیث کا مضمون صحیح ہے کیونکہ ایک تو یہ متعدد طرق سے مروی ہے دوم ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ بخاری کی تصریح کے مطابق مسلم اور حضرت عمرؓ

کے درمیان کا واسطہ نعیم بن ربیعہ ہے، مع ھذا مسلم سے امام مالکؒ نے روایت کی تخریج کی ہے "فکفاہ ذالک تعدیلاً" نیز مسلم بڑے بزرگ تھے جن کے لئے زمین سمٹ جاتی اور دور کی مسافت قریب ہو جاتی تھی۔ امام ترمذیؒ نے اگلی حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

قولہ: "من بنی ادم من ظھورھم "من ظھورھم ،من بنی ادم سے بدل ہے۔ اخذ لغت میں تناول، لینے اور حصول کے معنی میں آتا ہے لیکن یہاں اس کے معنی وجود بخشنے کے ہیں۔ مسح ظھر سے مراد حسی مسح نہیں بلکہ بمعنی ایجاد واخراج کے ہے یعنی ذکر لازم والمراد منہ الملزوم۔

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اس آیت کے مطابق لوگوں کو ان کے آباء کی پشتوں سے نکالا، جبکہ اگلی حدیث میں ہے "لمّا خلق اللہ ادم مسح ظھرہ فسقط من ظھرہ کل نسمۃ الخ" جب اللہ نے آدمؑ کو پیدا فرمایا تو ان کی پیٹھ کو مسح کیا (کما یلیق بشانہ تعالیٰ) پس اُن کی پیٹھ سے ہر وہ جان گر پڑی جس کو اللہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے، غرض لوگ حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے پیدا کئے، اور یہ تو تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی صلبی اولاد ان کی پشت سے نکالی اور پھر باقی لوگوں کی پشتوں سے بالترتیب ان کی اولادیں نکالیں۔ (کذا فی العارضہ)

بعض روایات میں تصریح ہے کہ ان لوگوں کی ہیئت سُرخ چیونٹیوں کی مانند تھی یعنی بہت چھوٹے چھوٹے تھے، ہاں البتہ ان میں عقول اور حواس کی تخلیق فرمائی تھی لہٰذا ان کا یہ اقرار ہوش وعقلمندی سے تھا۔ بہرحال اس حدیث اور آیت میں کسی طرح ٹکراؤ اور تعارض نہیں ہے کہ آیت میں نسبت ظہور بنی آدم کی طرف کی گئی ہے مگر بنی آدم کہاں سے نکلے تو اس سے آیت ساکت ہے۔ حدیث نے اس کو بیان کیا کہ وہ حضرت آدم کی پُشت سے نکلے تھے۔

زمخشری معتزلی اس حدیث کو ماننے کے لئے تیار نہیں، ان کے زعم میں یہ آیت کسی امر واقعی اور نفس الامری واقعہ کا بیان نہیں کرتی بلکہ ایک تمثیل پیش کرتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسانوں کے اندر عقلیں پیدا کی ہیں اور اپنی توحید اور قدرت پر دلائل نصب کئے ہیں تو گویا ازل میں انسان نے بزبانِ حال اس وقت یہ اقرار کیا جب اس نے اللہ کی قدرت کے دلائل کا مشاہدہ کیا۔ غرض یہ مکالمہ حالی ہے قولی نہیں ہے۔ امام بیضاویؒ کا میلان بھی اسی جانب ہے جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں انہوں نے اپنی شرح مصابیح کے حوالہ سے لکھا ہے۔

دراصل معتزلہ کو یہ تاویل کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اگر یہ اقرار اضطراری ہو تو جب

قیامت کے دن کفار سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیوں کفر وشرک کیا؟ جیسا کہ اس آیت میں ہے: "ان تقولوا یوم القیامة انا کنا عن هذا غافلین" ای ان لاتقولوا الخ تو یہ لوگ کہہ سکیں گے کہ عہد الست کے وقت ہمارا مشاہدہ تھا اس لئے ہم نے تیری ربوبیت کا اقرار کیا جبکہ دنیا میں آنے کے بعد ہم اپنی آراء پر چھوڑ دیئے گئے تھے اس لئے غلطی کا شکار ہوئے، اور اگر ان کا یہ اقرار استدلالی ہو تو وہ کل کہیں گے کہ ہمیں عہد الست کے وقت توفیق دی گئی تھی مگر دنیا میں ہمیں وہ توفیق نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس لئے مراد اس اقرار سے بزبانِ حال گواہی دینا ہی متعین ہوا تا کہ قیامت کے دن کوئی کسی قسم کا بہانا نہ بنا سکے، لیکن توربشتی اور طیبی فرماتے ہیں کہ معتزلہ کے یہ شبہات اتنے وزنی نہیں کہ ان سے آیت میں تاویل ناگزیر ہو جائے، جہاں تک ان کے شبہے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ لوگ قیامت کے دن کہیں گے کہ دنیا میں ہم سے علم بدیہی وضروری زائل ہو گیا تھا یا وہ توفیق باقی نہیں رہی تھی، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس رسول آئے تھے جنہوں نے تمہیں یہ وعدہ یاد دلایا اور تم کو خوابِ غفلت سے جگانے کی کوشش کی، اللہ نے ہر طرح کے دلائل نصب کئے تھے، اور تمہیں عقل دے کر سوچنے کا موقع فراہم کیا تھا پھر تم لوگوں نے کیوں ساری زندگی لہو ولعب اور غفلت میں گذاری۔

قولہ: "فقال الرجل ففیم العمل؟ الخ" اس سوال سے متعلق بحث ابواب القدر میں گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات "باب ماجاء فی الشقاء والسعادة" کی دوسری حدیث کے تحت، ص:۴۷۲ج:۶)

قولہ: "اِستعمله بعمل الخ" ابواب القدر کی حدیث میں اس جملے کی تفسیر خود حدیث میں گذری ہے یعنی "یوفقه لعملٍ صالحٍ قبل الموت"۔ (ص:۴۸۶ج:۶)

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے ادمؑ کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ کو مسح فرمایا پس ان کی پشت سے وہ تمام ذی جان (لوگ) ان کی اولاد میں سے نکلے جن کو اللہ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا، اور ان میں سے ہر ایک کی دونوں آنکھوں کے درمیان نُور کی ایک چمک رکھ دی، پھر ان سب کو ادم کے سامنے پیش کیا، ادم نے کہا کہ اے پروردگار! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا (اللہ نے) یہ تمہاری اولاد ہیں، پھر دیکھا (حضرت ادم نے) ان میں سے ایک شخص کو تو ادم کو بہت پسند آئی وہ چمک جو اس کی آنکھوں کے درمیان تھی، آپ نے عرض کیا کہ اے رب! یہ کون ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد میں سے آخری امتوں کا ایک شخص ہے، اس کو داؤد کہتے ہیں۔ آپؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! تو نے اس کی عمر کتنی

ٹھہرائی ہے؟ اللہ نے فرمایا ساٹھ برس۔ حضرت ادم نے فرمایا کہ اے میرے رب اس کو میری عمر میں سے چالیس سال مزید دے دو۔ چنانچہ جب ادم کی عمر گزر گئی اور ملک الموت ان کے پاس آئے، تو حضرت ادم نے فرمایا کیا ابھی میری عمر میں چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ کہا فرشتے نے کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے (پوتے) داؤد کو نہیں دیئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس ادم نے انکار کیا تو منکر نے لگی ان کی اولاد، اور ادم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی (یعنی بھول جاتی ہے) اور حضرت ادم سے چوک ہوگئی تو ان کی نسل بھی چوک گئی۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔قولہ: "نَسَمَةٍ" یعنی ذی روح یا ذی نفس، روح اور سانس کو بھی کہتے ہیں اور آدمی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو یہاں مراد ہے۔قولہ: "بین عینی کل انسان" ای من الانبیاء یا مراد اہلِ ایمان ہیں۔ ابن العربیؒ کہتے ہیں کہ کافر بھی مصداق میں شامل ہو سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے پھر ان کا نور مٹا دیا ہے۔

قولہ: "وَبیصاً" ای بریقاً ولمعاناً یعنی چمک اور نور. قولہ: "فاعجبه" حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ حضرت ادم علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کا نور پسند آنا اس کو مستلزم نہیں کہ حضرت داؤدؑ سب سے افضل ہوں کیونکہ کبھی مفضول بھی پسند آتا ہے۔

قولہ: "مِن اخر الامم" حقیقی آخری مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو امتِ محمدیہ ہے بلکہ اضافی اُخرویت مراد ہے یعنی بہت مابعد کے لوگوں میں سے ایک شخص ہے۔قولہ: "ای ربّ زده مِن عُمری اربعین سنة" اس سے حضرت ادمؑ کی سخاوت صاف معلوم ہوتی ہے اور سارے ہی انبیاء علیہم السلام سخی ہوتے ہیں۔

یہ جملہ کسی طرح تقدیر کے منافی نہیں کیونکہ حضرت ادمؑ کا یہ کہنا بھی تقدیر میں سے ہے جیسا کہ ابواب القدر میں تفصیلاً گزرا ہے، یہ حدیث سند کے لحاظ سے اُس حدیث کے مقابلہ میں اصح وراجح ہے جو ابواب التفسیر کے آخر میں آرہی ہے جس میں اربعین کے بجائے ستین کا ذکر ہے گویا وہ راوی کے وہم پر مبنی ہے اگرچہ دونوں میں تطبیق بھی آسان ہے کہ پہلے چالیس سال دیئے ہوں اور پھر مزید بیس دیئے ہوں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوہِ طور پر بلایا تو پہلے تیس روزوں کا حکم دیا اور پھر مزید دس کا، کل چالیس ہوگئے۔

قولہ: "فَجَحَدَ ادم.... ونسی ادم" یعنی ان کا انکار نسیان کی بناء پر تھا جحود کی وجہ سے نہیں تھا۔

قولہ: "وخَطِیءَ ادم" اکل شجرہ ممنوعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور اولاد میں جحود نسیان اور خطا کا منتقل ہونا اس لئے ہے کہ اخلاق بھی موروثی ہوتے ہیں۔ آج کل امراض کا موروثی ہونا مشاہدہ ہے۔

حدیث آخر: "عمر بن ابراهيم عن قتادة عن الحسن عن سمرةؓ بن جندب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لَمّا حملت حواء طاف بها ابليس وكان لا يعيش لها ولد فقال سمّيه عبد الحارث فَسَمّته عبد الحارث، فعاش وكان ذالک من وحي الشيطان وامرِهٖ".

(هذا حديث حسن غريب لانعرفه إلّا من حديث عمر بن ابراهيم عن قتادة ورواه بعضهم عن عبد الصمد ولم يرفعه)

جب حضرت حواء حاملہ ہوئیں، تو ان کے پاس ابلیس آیا اور ان کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، تو شیطان نے کہا کہ تم اس کا نام عبد الحارث رکھو، چنانچہ حضرت حواء نے اس کا نام عبد الحارث رکھا، اور وہ زندہ رہا، یہ شیطان کے اشارے اور اس کے حکم سے تھا۔

تشریح:۔ بظاہر یہ حدیث سورت اعراف کی آیت: ۱۸۹، ۱۹۰ کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔

"هو الذي خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن اليها فلمّا تغشّاها حملت حملاً خفيفاً فَمَرَّت به فلما اثقلت دعوا الله رَبَّهما لَئِن اٰتيتنا صالحاً لنكونن من الشاكرين ۝ فلما اٰتاهما صالحاً جعلا له شُركاء فيما آتاهما فتعالى الله عما يشركون ۝".

اللہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس (آدم) سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا ہے تاکہ وہ اس کے پاس قرار پائیں، پھر جب اس نے (یا مطلق مرد نے) عورت کو ڈھانکا تو اسے ہلکا سا حمل رہ گیا پس وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے اللہ کو جو ان کا رب ہے پکارا کہ اگر تو نے ہمیں نیک (بیٹا) اولاد دی تو ہم تیرے شکر گزار رہوں گے، پس جب اللہ نے ان کو صالح بیٹا دیا تو وہ اللہ کے دیئے ہوئے میں اس کے ساتھ شرکاء ٹھہرانے لگے، سو اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے بالاتر ہے۔

لیکن اپنے ظاہر کے لحاظ سے یہ تفسیر اس آیت کی نہیں بن سکتی ہے، کیونکہ اس سے حضرت حواء علیہا السلام کی طرف شرک کی نسبت لازم آتی ہے، اس لئے یہ حدیث انتہائی مشکل احادیث میں سے ہے۔

مجموعی اعتبار سے اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ اس حدیث کو ضعیف کہا جائے کیونکہ عمر بن ابراہیم کی روایات قتادہ سے صحیح نہیں ہوتی ہیں۔ یا پھر یہ حدیث موقوف ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے کہا ہے "ورواه بعضهم

عن عبد الصمد ولم یرفعه'' اس قول کے مطابق حدیث پر سے تو غبار چھٹ جائے گا لیکن آیت میں اشکال پھر بھی باقی رہتا ہے کیونکہ ''من نفس واحدة'' سے تو مراد حضرت آدمؑ ہی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''لیسکن الیها'' پر یہ بات اثنان کی مکمل ہوگئی۔ آگے ''فلما تغشاها الخ'' سے نیا کلام ہے اور عام لوگوں کی بات شروع ہوگئی۔ یعنی اللہ کے احسان کو بھول جاتے ہیں اور شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ''جعلاله'' ای جعل اولادهما ہے۔ یہ جواب بے غبار ہے اس سے آیت کا مطلب بھی صاف رہتا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اگر حدیث کو قابل استدلال اور مرفوع مانا جائے جیسا کہ ابن العربیؒ نے عارضہ میں اور حضرت شاہ صاحبؒ نے العرف الشذی میں کہا ہے کہ یہ شرک فی العبادت نہیں بلکہ شرک فی التسمیہ ہے اس کو تشدیداً شرک سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اگرچہ اس تسمیہ میں شریک نہیں تھے لیکن تغلیباً ان کو بھی شامل واقعہ قرار دیا ہے، بہر حال حضرت حواء کو یہ پتہ نہیں تھا کہ حارث ابلیس کا نام ہے لیکن قلتِ مبالات کی وجہ سے اللہ نے اس تسمیہ کو پسند نہیں فرمایا یا پتہ تو تھا لیکن عبد الحارث نام بطور اسم علم کے رکھا تھا نہ کہ بطورِ صفت کے یا عبد بمعنی خادم کے ہے وغیرہ۔ بہر حال پہلا جواب زیادہ تسلی بخش ہے کیونکہ بجائے نبی کے یا نبی کی اہلیہ کے کسی راوی کی طرف غلطی کی نسبت ہزار ہا گنا آسان ہے۔

ومن سورة الانفال

سورتِ انفال کی بعض آیتوں کی تفسیر

''عن مُصعب بن سعد عن ابیه (سعد) قال: لَمّا كان يوم بدر جئتُ بسيف فقلتُ يا رسول اللّٰه! ان الله قد شفىٰ صدرى من المشركين او نحو هذا هب لى هذا السيف فقال هذا ليس لى ولالَكَ فقلتُ عسىٰ ان يُعطىٰ هذا من لايُبلىٰ بَلائى، فَجَاءَ نى الرسول فقال: اِنك سالتَنِى وليس لى وانه قد صار لى وهو لك قال فنزلت "يسئلونك عن الانفال" الاية. (حسن صحيح)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جب بدر کا دن ہوا (یعنی مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا) تو میں ایک تلوار لایا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک اللہ نے میرے دل کو مشرکین (پر فتح) سے شفاء بخشی ہے یا ایسی کچھ بات کی (راوی کو شک ہے) پس یہ تلوار مجھے دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا یہ نہ تو میرا حق ہے اور نہ

تیرا، پس میں نے (دل میں) کہا کہ یہ تلوار ایسے شخص کو دی جائے گی جس نے جنگ میں میری طرح کارکردگی نہ دکھائی ہوگی..... پس جلد ہی میرے پاس قاصد آیا.... (اور میں حاضر خدمت ہوا) آپؐ نے فرمایا تم نے مجھ سے یہ تلوار مانگی تھی جبکہ وہ میری نہیں تھی، اور اب وہ میرے لئے ہوگئی ہے، اب یہ تیری ہوگئی۔ حضرت سعد فرماتے ہیں پس یہ آیت نازل ہوئی "یسئلونک عن الانفال" "لوگ آپ سے غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے۔

تشریح:۔یہ تلوار دراصل حضرت سعدؓ کے بھائی، حضرت عمیر بن ابی وقاص کے قاتل سعید بن العاص کی تھی، چونکہ یہ غزوہ سترہ رمضان ۲ھ کو پیش آیا اس لئے ابھی تک غنائم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی جبکہ دشمن کی تعداد ہزار کے قریب تھی۔ انفال جمع ہے نفل کی، نفل زائد کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ اس امت کے لئے حلال ہے جبکہ سابقہ امم کے لئے ممنوع تھی اس لئے گویا یہ ایک زائد حلال ہوئی یا جہاد کے ثواب پر ایک زائد انعام ہے۔

قوله: "یسئلونک عن الانفال" یہ سوال استفتاء ہے نہ کہ طلب کا سوال۔ **قوله:** "قل الانفال لِلّٰہ والرسول" یعنی غنیمت کی تقسیم کا اختیار اللہ اور اللہ کے رسول کو ہی حاصل ہے۔ زیادہ اصح یہ ہے کہ اللہ کا ذکر تبرکاً ہے اور رسول کا ملکاً ہے۔

حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ:۔قال نُظر نبی الله صلى الله عليه وسلم الى المشركين وهم الف واصحابه ثلاث مائة وبضعة عشر رجلاً فاستقبل نبی الله صلى الله عليه وسلم القبلة ثم مَدَّ يديه وجعل يهتِفُ بِربّه: اللّٰهم اَنجِزلی ماوَعَدتنی اللّٰهم انک ان تُهلِک هٰذه العِصابة من اهل الاسلام لاتُعبدفی الارض فمازال يهتِف بِرَبِّه مادّاً يديه مستقبل القبلة حتیٰ سَقَطَ رِدآء ه من منكبيه فاتاه ابوبكر فاخذ رِدآءَ ه فالقاه علیٰ منكبيه ثم التزمه من ورائه وقال يانبی اللّٰه كفَاکَ مُناشَدَتُک رَبّکَ فانه سَيُنجِزُ لَکَ ماوعدکَ فانزل الله تبارک وتعالیٰ: "اذتستغيثون ربكم فاستجاب لكم انی مُمِدُّكم بالف من الملائكة مردفين" فَاَمَدَّهم الله بالملائكة. (حسن صحيح غريب)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین پر نگاہ ڈالی جبکہ وہ لوگ ایک ہزار تھے اور آپؐ کے صحابہ تین سو دس سے کچھ اوپر لوگ تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف توجہ فرمائی اور اپنے

دونوں ہاتھوں کو پھیلایا اور پکارنا شروع کیا اپنے رب کو: اے اللہ! پورا کر دے وہ وعدہ جو تو نے مجھ سے کیا ہے، اے اللہ! اگر تو اس جماعت کو ہلاک کرے گا تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی، آپؐ مسلسل اسی طرح اپنے رب کو پکارتے رہے، اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے اور قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے تھے تا آنکہ آپؐ کی چادر آپؐ کے کندھوں سے گر پڑی، پس ابوبکرؓ آپؐ کے پاس آئے، اور آپؐ کی چادر اُٹھائی اور اسے آپؐ کے کندھوں پر ڈال کر پھر آپؐ کے پیچھے سے لپٹ گئے اور فرمایا اے اللہ کے نبی! آپ کا اپنے رب سے اتنا عرض کرنا کافی ہے، بے شک اللہ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کرے گا۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اذ تستغیثون ربکم الخ" یعنی یاد کرو اس وقت کو جب تم فریاد کرتے تھے اپنے رب سے تو اس نے تمہاری فریاد قبول کر لی اور فرمایا میں مدد دینے والا ہوں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے جو یکے بعد دیگرے نازل ہوں گے۔ اس طرح اللہ نے فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو تقویت بخشی۔

تشریح:۔ قولہ: "یھتف" اس سے باواز بلند دعاء مانگنے کا جواز ثابت ہوا گو کہ اخفاء افضل ہے، آپ علیہ السلام کی یہ دُعاء صحابہ کرامؓ کے دلوں میں حوصلہ پیدا کرنے کا ایک اہم ذریعہ بھی تھی کہ صحابہ جانتے تھے کہ آپؐ مستجاب الدعوات ہیں اور جب ابوبکرؓ کو یقین آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید مانگنے سے روکا۔

قولہ: "ان تھلک" بفتح التاء بھی جائز ہے اور بالضم بھی، اول لازمی ہوگا پس ھذہ العصابۃ فاعل بنے گا، جبکہ بضمہ ھذہ العصابۃ مفعول بہ ہوگا، چونکہ آپؐ آخری نبی ہیں اس لئے فرمایا "لاتُعبدفی الارض" یعنی اگر یہ جماعت ہلاک ہوئی تو پھر قیامت تک کافر ہی کا فرراج کریں گے۔

قولہ: "مناشدتک" نشید بلند آواز سے پڑھنے کو کہتے ہیں۔

فرشتوں کا آنا دراصل مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے تھا کیونکہ یہ دلوں میں الہامات ڈالتے ہیں اور کفار کے دلوں میں رعب بھرتے ہیں، ہاں کبھی کبھی فرشتے جنگ میں حصہ بھی لیتے ہیں لیکن ان کی طاقت اس وقت عام انسانوں کے برابر کر دی جاتی ہے۔ اُحد میں تین ہزار فرشتے نازل ہوئے تھے جبکہ پانچ ہزار کا وعدہ تھا کہ اگر کفار واپس پلٹ کر حملہ کریں گے تو فرشتوں کی تعداد بڑھا دی جائے گی تا کہ مسلمانوں کی ہمت افزائی ہو۔

حدیث آخر:۔ عن ابن عباس قال لَمّافرَغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدر قیل لہ: علیک العیرلیس دونھاشیء، قال فناداہ العباس وھوفی وثاقہ: لایصلح وقال لانّ اللہ وَعَدک احدی الطائفتین وقداعطاک ماوَعدکَ قال صدقتَ". (حسن)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معرکہ بدر سے فارغ ہوئے تو آپؐ سے کہا گیا کہ تجارتی قافلہ کا تعاقب ضرور کیجئے کہ اس کی طرف سے کوئی لڑنے والا (مانع) نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ عباسؓ نے آپؐ کو آواز دی جبکہ وہ اپنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ''مناسب نہیں ہے'' اور کہا کہ اللہ نے آپؐ سے دو میں سے ایک جماعت کا وعدہ کیا تھا (یعنی قافلہ یا لشکر پر فتح) اور جو وعدہ کیا تھا وہ اللہ نے آپ کو دے دیا (یعنی پورا فرمایا)۔ آپؐ نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔

تشریح:۔ اس میں وہ تفصیل سمیٹی گئی ہے جو غزوۂ بدر کے موقع پر اس معجزہ کی وجہ بنی کہ جب ابوسفیان کا تجارتی قافلہ شام سے واپس مکہ جارہا تھا اور مدینہ میں اس کی خبر پہنچی تو صحابہ کرامؓ نے اسے گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ اُدھر مکہ میں خبر پہنچی تو قریش نے اسے بچانے کے لئے ایک ہزار کا لشکر جمع کیا، قافلہ تو راستہ تبدیل کر کے ساحلی علاقے کی طرف چلا گیا لیکن بدر کے مقام پر یوم الفرقان کا مشہور غزوہ پیش آیا۔

اس غزوہ میں بائیس ۲۲ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے جبکہ قریش کے ستر ۷۰ مارے گئے تھے اور ستر ۷۰ قیدی بنائے گئے تھے ان میں سے ایک حضرت عباسؓ بھی تھے۔

عباسؓ ان لوگوں میں سے تھے جو زبردستی مکہ سے نکالے گئے تھے، انہوں نے صحابہ کرامؓ کی بات چیت کے دوران یہ آیت سنی تھی: ''واذیعدکم اللہ إحدی الطائفتین انہالکم الخ''۔

حدیث ابی موسیٰؓ:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انزل اللہ علیّ أمانین لِاُمتی" وما کان اللہ لیعذّبھم وانت فیھم وما کان اللہ مُعذّبھم وھم یستغفرون "فاذامضیتُ ترکت فیھم الاستغفار الی یوم القیامۃ. (غریب. واسماعیل بن ابراھیم یضعّف فی الحدیث)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ پر میری امت کے لئے دو حفاظتیں نازل فرمائی ہیں: ''(۱) اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک آپ ان کے درمیان ہوں گے۔ (۲) اور اللہ ان کو عذاب دینے والا نہیں دراں حالیکہ وہ استغفار کرتے ہوں'' پس جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا تو ان میں قیامت تک استغفار چھوڑ جاؤں گا۔ یعنی لوگ استغفار کرتے رہیں گے تو عمومی عذاب سے محفوظ ہوں گے۔

حدیث آخر:۔ عن عقبۃ بن عامر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراھذہ الایۃ علی المنبر "وَاَعِدُّوا لھم ما استطعتم من قوۃ" قال اَلآان القوۃ الرّمیُ ثلاث مرّات اَلآان اللہ سَیَفتحُ لکم الارض وَسَتُکفَون المؤنۃَ فلایَعجِزَنّ احدُکم اَن یَلھُوَ بِاَسھُمِہ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ منبر یہ آیت پڑھی "واعدوا لھم الخ" اوران کفار کے (مقابلہ کے) لئے تیاری کرتے رہو جہاں تک تم سے قوت جمع ہوسکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو! کہ قوت سے مراد تیراندازی ہے، تین مرتبہ۔۔۔۔فرمایا: آگاہ رہو! کہ اللہ عنقریب تمہیں زمین کی فتح دے گا اور بے نیاز کرے گا تم کو محنت کرنے سے، پس تم میں سے کوئی اپنے تیروں سے کھیلنے سے قاصر نہ رہے۔

تشریح:۔ یعنی کفار کے مقابلہ کے لئے ہروقت مستعد رہو اور چونکہ طاقت کا پیمانہ کسی واحد صورت میں منحصر نہیں، اس لئے لفظ قوت کا استعمال فرمایا پس یہ ہر دور کے فوجی ساز وسامان کو شامل ہے اور رمی یعنی پھینکنا اور تیر سے کھیلنا بھی اپنی علت کی وجہ سے عام ہے لہٰذا قیامت تک تمام ضروری فوجی مشقیں اس میں داخل ہیں۔ اور اگر زمانہ امن کا بھی ہو تب بھی غفلت جائز نہیں۔ غرض قیامت تک مسلمانوں کو جنگی صلاحیت کسی صورت میں کم نہیں کرنی چاہئے اور دشمن پر بھروسہ کبھی نہیں کرنا چاہئے، دشمن رہے یا نہ رہے لیکن مسلمان کو ہروقت مستعد رہنا چاہئے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج غیر مسلم ممالک تو ہروقت مستعد رہتے ہیں لیکن مسلمان یا تو سیاست پر لڑتے رہتے ہیں یا عیش میں مگن ہیں۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا ہے لیکن اس مضمون کی صحیح احادیث صحیحین وغیرہ میں مروی ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لم تحلّ الغنائم لأحد سُود الرء وس من قبلکم ،کانت تنزل نار من السماء فتاکلھا،قال سلیمان الاعمش فمن یقول ھذا الاابو ھریرۃ الآن... فلما کان یوم بدر وقعوا فی الغنائم قبل ان تحل لھم فانزل اللہ: "لو لا کتاب من اللہ سبق لَمَسّکم فیما اخذتم عذاب عظیم".(حسن صحیح)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال نہیں ہوئیں غنیمتیں تم سے پہلے کسی کالے سروالوں (بشر) کے لئے بلکہ آسمان سے آگ اُترتی تھی اور غنیمت کو کھا جاتی تھی، سلیمان (راوی) نے کہا کہ اب سوائے ابو ہریرہ کے یہ بات (سود الرء وس) کون کہتا ہے؟ پھر جب بدر کا دن ہوا تو غنیمت حلال ہونے سے پہلے ہی لوگ غنیمت میں پڑ گئے تو اللہ نے نازل فرمائی یہ آیت: "لو لا کتاب الخ "اگر اللہ کی طرف سے پیشتر لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس میں تم کو بھاری عذاب پہنچتا۔

تشریح:۔ قولہ: "سود الرء وس" سے مراد انسان ہیں کہ ان کے سر کالے ہوتے ہیں۔

قولہ: "فمن یقول هذا الا ابو هريرة الآن" سلیمان اعمش مدح کرتے ہیں ابو ہریرہ ؓ کی کہ آج کون ہے جو باوجود کثرت کے لفظ بلفظ روایت کرے۔ قولہ: "لولا کتاب من الله سبق" سے مراد کیا ہے؟ تو اس کی ایک تفسیر اگلی حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ اُسارائی بدر کے بارے میں فدیہ کے مشورہ طے ہونے پر نازل ہوئی ہے جبکہ ابو ہریرہ ؓ کی اس حدیث کے مطابق یہ غنیمت کے بارے میں اُتری ہے، علیٰ ھذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر غنیمت تمہارے لئے پہلے سے حلال نہ کی جاتی تو تمہارا غنیمت کو لینا موجب عذاب بنتا، پہلے سے حلال سے مراد یا تو لوحِ محفوظ میں ہے یا اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کے رجب میں اپنے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ غنیمت حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے چونکہ وہ غنیمت انہوں نے استعمال فرمائی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا تھا جو کہ حِل ہونے کی دلیل ہے لہٰذا بدر کی غنیمت بھی حلال ہوئی۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب بدر کا دن ہوا اور قیدی لائے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ ان قیدیوں کے متعلق کیا کہتے ہو؟ پھر حدیث میں وہ پورا واقعہ بیان فرمایا (یعنی حضرت عمرؓ اور سعد بن معاذ ؓ کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کیا جائے جبکہ دوسری رائے فدیہ لینے کی تھی) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں چھوٹے گا ان میں سے کوئی ایک مگر فدیہ دینے سے یا پھر گردن ماری جائے گی، ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! سوائے سُہیل بن بیضاء کے (کیونکہ ابن مسعودؓ نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا) کہ میں نے اس سے اسلام کا ذکرِ خیر سنا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ نہیں دیکھا ہے میں نے خود کو کسی دن اتنا ڈرنے والا کہ میرے اوپر آسمان سے پتھر برسیں جتنا ڈرا میں اس دن، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے سُہیل بن بیضاء کے۔ فرماتے ہیں کہ قرآن عمر کی رائے کے موافق اُترا "ما کان لِنبیٍ ان یکون له اسریٰ حتیٰ یُثخن فی الارض" الیٰ آخر الایات۔ کسی نبی کو لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ بہادے خون ان کا زمین میں الخ، یعنی فدیہ لینا مناسب نہیں۔

تشریح:۔ فدیہ لینا کوئی گناہ نہ تھا بلکہ مفضول تھا کیونکہ اس سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے پاس آئے تھے اور آپ کو اختیار دیا تھا اور یہی اس سابقہ آیت کا دوسرا مطلب ہے جو سابقہ حدیث میں گذری ہے، پھر ظاہر یہ ہے کہ یہ سہل بن بیضاء ہے کیونکہ ان کے بھائی سُہیل بن بیضاء تو پہلے حبشہ کی ہجرت فرما چکے تھے

اور پھر بدر میں غازی کی حیثیت سے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔" وابو عبیدہ لم یسمع من ابیہ" اس پر جلد اول کے شروع میں بحث گزری ہے۔

ومن سورة التوبة

سورت توبہ کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباس قال قلتُ لعثمان بن عفّان ماحملکم ان عمدتم الی الانفال وهی من المثانی والیٰ براءة وهی من المئین فقرنتم بینهما ولم تکتبوا بینهما سطر بسم الله الرحمن الرحیم؟ الخ".

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ کو کس چیز نے آمادہ کیا کہ آپ نے انفال کو جو کہ مثانی میں سے ہے سورت براءت کے ساتھ شامل کیا جبکہ وہ مئین میں سے ہے، اور درمیان میں بسم اللہ کی سطر بھی نہیں لکھی؟ اس کو آپ نے سات لمبی سورتوں کے ساتھ جوڑ دیا ہے، اس پر آپ کو کس چیز نے ابھارا؟ تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زمانہ گزر جاتا اور اُترتی تھیں ان پر گنتی کی سورتیں (یعنی متعدد سورتیں)، پس آپؐ کا معمول تھا کہ جب آپؐ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپؐ بعض کاتبین کو بلاتے اور فرماتے کہ ان آیتوں کو اُس سورت میں لکھو جس میں فلاں فلاں مضمون ہے، اور جب ایک آیت (بھی) نازل ہوتی تو آپؐ فرماتے کہ اِس آیت کو اُس سورت میں لکھو جس میں فلاں فلاں مضمون ہے (یعنی نام لیتے) جبکہ انفال مدنی دور کے اوائل میں نازل ہوئی تھی اور براءت (توبہ) قرآن میں اخیراً نازل ہوئی ہے اور اس کا مضمون اُس مضمون سے ملتا جلتا ہے تو میرا گمان یہ تھا کہ سورت توبہ انفال کا جزء ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور آپؐ نے ہمیں بتایا نہیں کہ یہ اس میں سے ہے، پس اسی وجہ سے میں نے دونوں کو ملایا ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہیں لکھی ہے اور اس کو سات لمبی سورتوں کے ساتھ ملایا۔ (حسن)

تشریح:۔ یعنی دونوں کے درمیان بسم اللہ لکھنے کا حکم آپ علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے اس لئے اشتباہ رہا۔ طِوال سب سے لمبی سورتیں، یہ سورت بقرہ سے توبہ تک ہیں، مئین وہ ہیں جن کی آیتوں کی تعداد کم از کم سو یا اس سے کچھ زائد ہو، یہ سورت یونس سے فاطر تک ہیں، مثانی جن کی آیات کی تعداد سو سے کم ہو یہ یٰس

سے ق تک ہیں۔ پھر آگے مفصل ہیں جن کے تین حصے ہیں طوال مفصل، اوساط مفصل اور قصارِ مفصل۔ طوال ''سورت حجرات سے بروج'' تک، اوساط ''بروج سے لم یکن الذین'' تک ہیں اور قصار آخر قرآن تک ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تلاوت کرتے وقت سورہ انفال کے اختتام پر جب سورہ توبہ شروع ہو جائے تو بسم اللہ کی قراءت نہیں ہوگی۔ ہاں البتہ جب ابتداء سے تلاوت شروع کرنی ہو تو پھر بسم اللہ پڑھے گا۔

حدیث آخر:۔ حضرت عمرو بن الاحوص؄ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر رہے پس آپؐ نے اللہ کی حمد کی اور ثناء فرمائی اس کی، پھر لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمائی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کون سا دن سب سے زیادہ محترم ہے؟ کون سا دن سب سے زیادہ عظمت والا ہے؟ کون سا دن سب سے زیادہ قابلِ احترام ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! حج اکبر کا دن۔ آپؐ نے فرمایا بے شک تمہارا خون اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر ایسے ہی حرمت والے ہیں جیسے تمہارا یہ دن حرمت والا ہے تمہارے اس شہر (مکہ) میں اور تمہارے اس مہینہ میں (یعنی سب کا مال اور جان محترم ہیں)۔ آگاہ رہو! کہ کسی جرم کرنے والے کی سزا صرف اسی کو ملے گی، (مثلاً قاتل کی جگہ اس کا باپ وغیرہ نہیں مارا جائے گا) باپ کے جرم کی سزا بیٹے کو نہیں دی جائے گی اور بیٹے کی خیانت کی سزا اس کے باپ کو نہیں بھگتنا ہوگی (بلکہ ہر ایک اپنے کیئے ہوئے کی سزا خود کاٹے گا)....آگاہ رہو! کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا (اسلامی) بھائی ہے، پس کسی مسلمان کے لئے اس کے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں مگر صرف وہ چیز (حلال ہے) جس کو وہ اپنی طرف سے جائز کرے (یعنی مباح کرے)۔ آگاہ رہو! کہ جاہلیت کا سارا سود ختم کر دیا جاتا ہے، تمہیں صرف اصل سرمایہ (جتنا دیا تھا واپس) ملے گا۔ نہ تو تم ظلم کرو گے (کہ زیادہ طلب کرو) اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے گا (کہ رأس المال کم ملے) سوائے عباس بن عبدالمطلب کے ربا کے کہ اس کی اصل بھی معاف ہے (یعنی جو اصل رأس المال ہے وہ بھی ان کو واپس نہیں ملے گا شاید یہ تورّعاً فرمایا ہو اس لئے فرمایا ''فانہ موضوع کلہ'' یہ سارا کا سارا ختم کر دیا جاتا ہے) آگاہ رہو! کہ جاہلیت کا ہر خون (یعنی قصاص اور بدلہ) معاف ہے اور سب سے پہلا خون جاہلیت کا جسے میں معاف کرتا ہوں حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے، جو بنولیث (کے محلہ) میں شیر خوار بچہ تھا اور ھذیل والوں نے (لڑائی کے دوران) مار دیا تھا....آگاہ رہو! عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو (کہ ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کا برتاؤ کرو گے) یہ تمہارے پاس قیدی (کی مانند) ہیں تم سوائے اس (پابندی) کے ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو (یعنی عورتیں تمہاری باندیوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ ان کے

بھی تم پرحقوق ہیں) ہاں البتہ اگر وہ کھلی بے حیائی (زبان درازی وغیرہ) کریں، اگر وہ ایسا کریں تو ان کو سونے کی جگہوں سے الگ کردو اور (اگر پھر بھی وہ سدھر نہ جائیں) تو ان کو مارو ایسی مار جو زیادہ سخت نہ ہو، اگر وہ آپ کی فرمانبردار بنیں تو پھر ان کے خلاف کوئی چارہ جوئی نہ کرو... آگاہ رہو! کہ تمہارا اپنی بیویوں پر حق ہے اور تمہاری بیویوں کا تم پر حق ہے پس تمہارا حق اپنی بیویوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر ان کے لئے نہ بچھائیں جن کو تم پسند نہیں کرتے ہو (یعنی) اور ایسے لوگوں (رشتہ داروں وغیرہ) کو گھر میں اجازت نہ دیں جو تمہیں پسند نہیں ہیں۔ اور خبردار! ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کے لباس اور کھانے کا خیال رکھو۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قوله: "اَحرَمُ" بصیغہ اسم تفضیل۔ قوله: "الحج الاكبر" یعنی حج، عمرہ کے مقابلہ میں حج اکبر کہتے ہیں جبکہ عمرہ حج اصغر ہے۔ قوله: "الحارث بن عبدالمطلب" یہ ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا بیٹا تھا، ان کے نام میں مختلف اقوال ہیں، ایاس، حارثہ اور آدم تینوں اقوال ہیں، بنولیث میں دودھ پینے کی غرض سے رہتا تھا ان دنوں میں بنولیث اور بنوسعد کے درمیان لڑائی ہوئی، ایک شخص نے اس کو پتھر مارا جس سے وہ فوت ہوگئے تھے۔ آپ نے اس کا خون معاف فرمادیا۔ باقی حدیث کی تشریح ابواب الرضاع میں گزرچکی ہے۔
(دیکھئے تشریحات: جلد پنجم ص:۳۸ "باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها")

حدیث انس رضی اللہ عنہ:۔ "قال بعث النبی صلی الله علیه وسلم ببرآءة مع ابی بکرثم دعاه فقال لاینبغی لاحد ان یبلغ هذا الا رجل من اهلی فدعا علیاً فاعطاه ایاه". (حسن غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت براءۃ ابوبکرؓ کے ساتھ بھیجی (یعنی اس کے اعلان کا حج پر ان کو مامور بنایا) پھر ان کو بلا کر فرمایا کہ مناسب نہیں کسی کو کہ وہ یہ پیغام پہنچادے مگر میرے خاندان کا کوئی آدمی ہونا چاہئے (کیونکہ عربوں کی روایت کے مطابق معاہدہ میں ترمیم کا مجاز وہ شخص خود ہوتا یا اس کے خاندان کا کوئی آدمی ہونا ضروری ہوتا تھا) پھر بلایا علیؓ کو اور دی سورت براءت ان کو۔ اگلی حدیث میں تفصیل ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس قال بعث النبی صلی الله علیه وسلم ابابکر وامره ان ینادی بهؤلاء الكلمات ثم اتبعه علیاً فبینا ابوبکر فی بعض الطریق اذ سمع رغاء ناقة رسول الله صلی الله علیه وسلم القصواء فخرج ابوبکر فزعاً فظن انه رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذا هو علیٌّ فدفع الیه کتاب رسول الله صلی الله علیه وسلم وامر علیاً ان ینادی بهؤلاء

الکلمات فانطلقا فحجا فقام علیؓ ایام التشریق فنادی: ذِمَّۃُ اللہ ورسولہ بریئۃ من کل مشرک، فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر ولایحُجّنّ بعد العام مشرک ولایطوفنّ بالبیت عریان ولایدخل الجنۃ اِلّامؤمن وکان علی ینادی فاذاعَیِیَ قام ابوبکر فنادیٰ بھا". (حسن غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو بھیجا اوران کو حکم دیا کہ وہ (موسم حج میں) ان باتوں کا اعلان کریں (یعنی سورت توبہ کی ابتدائی آیات) پھران کے پیچھے علی کو روانہ کیا، اسی دوران کہ ابوبکرؓ ابھی راستہ میں تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصواء کی آواز سنی، پس ابوبکرؓ گھبرا کر (خیمہ سے) نکلے، اور خیال کیا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے مگر نا گہاں وہ علیؓ تھے پس علیؓ نے ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دیا اور حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کلمات کا اعلان کردیں چنانچہ دونوں چلے اور حج کیا، پس حضرت علیؓ ایام تشریق میں کھڑے ہوئے اور اعلان کیا، اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ پاک ہے ہر مشرک سے پس تم گھومو (یعنی آزاد پھرو) زمین میں چار ماہ اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو ہرگز نہ آئے اور نہ ہی بیت اللہ کا ننگا طواف کرے، اور یہ کہ جنت میں سوائے مؤمن کے کوئی داخل نہیں ہوگا، چنانچہ حضرت علیؓ پکارتے رہے، پھر جب وہ تھک گئے تو ابوبکرؓ کھڑے ہو کر پکارتے رہے (یعنی اعلان کرتے رہے)۔

تشریح:۔ قولہ: "القصواء" لغت کے اعتبار سے تو وہ اونٹنی کہلاتی ہے جس کے کان کٹے ہوئے ہوں تاہم آپؐ کی اونٹنی کے کان سالم تھے یہ محض اس کا لقب تھا صفت نہیں۔

۹ھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو موسم حج کا امیر مقرر کر کے ان کو سورت توبہ کی ابتدائی آیتوں کے اعلان کا بھی حکم دیا تا کہ اگلے سال تک کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے مگر عربوں کے دستور کے مطابق معاہدہ ختم کرنے کا اختیار اہل معاہدہ کے خاندان کے باہر کسی فرد کو نہیں ہوتا تھا اس لئے آپؐ نے حضرت علیؓ کو ان کے پیچھے ایک تحریر کے ساتھ بھیجا چنانچہ حج کے امیر تو بدستور حضرت ابوبکرؓ ہی رہے البتہ اعلان کرنے کا ابتدائی حق حضرت علیؓ کو دیا گیا تا کہ کسی کو کوئی اعتراض نہ رہے اور اعلان کو عام کرنے کے لئے حضرت ابوہریرہؓ کو بھی ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ مقرر فرمایا اور پھر آخر میں خود بھی اعلان فرمایا۔

اگلی روایت میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ جس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد و پیمان ہے تو وہ اپنی میعاد تک باقی رہے گا مگر جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تو اس کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔

حدیث آخر:۔عن ابی سعدقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اذارأیتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان ،قال اللہ تعالیٰ: "اِنّمایعمر مساجداللہ من اٰمن باللہ والیوم الآخر".

جب تم ایسے شخص کو دیکھو جس نے عادت بنائی ہو مسجد میں آنے کی تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ کی مسجدیں وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

تشریح:۔اگلی روایت میں یعتاد کے بجائے "یَتَعَاھَدُ" کا لفظ ہے یعنی جو دیکھ بھال کرتا ہے مسجد کی، مگر پہلی حدیث کے الفاظ زیادہ جامع اور سنداً قوی ہیں یعنی جو شخص مسجد کے ساتھ وابستہ رہتا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دینی چاہئے اور چونکہ مسجد کی اصل تعمیر اللہ کا ذکر کرنا یعنی عبادت کرنا ہے لہٰذا مسجد سے متعلق شخص مؤمن ہے۔ یہ حدیث ابواب الایمان "باب ماجاء فی حرمۃ الصلوٰۃ" میں گزری ہے۔(دیکھئے تشریحات: ص:۳۹۱ ج:۷) معلوم ہوا کہ کسی کے ظاہری حال پر ایمان کی گواہی صحیح ہے۔

حدیث آخر:۔"عن ثوبان قال لـمّانزلت: "والذین یکنزون الذھب والفضۃ" قال کُنّامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض اسفارہ فقال بعض اصحابہ:اُنزلت فی الذھب والفضۃ،لوعَلِمنااىّ المال خیرفنتخذہ فقال افضلہ لسان ذاکروقلب شاکروزوجۃ مؤمنۃ تُعِینُہ علی ایمانہ ". (حسن)

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ جب "والذین یکنزون الخ " نازل ہوئی یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ،انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دیں،فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے،پس بعض صحابہ نے فرمایا کہ سونے چاندی کے بارے میں آیت (وعید کی) نازل ہوئی ہے،(کاش) اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کون سا مال بہتر ہے تو ہم اسی کو جمع کرتے (یعنی حاصل کرتے)۔آپ نے فرمایا مفید ترین مال ذکر کرنے والی زبان ہے اور شکر گزار دل ہے اور ایماندار بیوی ہے جو دین و ایمان میں اس کی مدد کرتی ہو۔

تشریح:۔اس جواب سے سونے چاندی جمع کرنا ممنوع ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ دوسری حدیث میں زکوٰۃ کے بعد جمع کرنے کا جواز ثابت ہے بلکہ آپ علیہ السلام نے اُخروی مال کو اعلیٰ و افضل قرار دیا کہ دنیا کے مال ومتاع سے زیادہ افضل آخرت کا ذخیرہ ہے۔

حدیث آخر: "عن عدی بن حاتم قال اتیتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی عنقی صلیب من ذهب فقال یاعدی اطرح عنک هذاالوثن وسمعته یقرأ فی سورة براءة "اتخذوا احبارهم ورهبانهم ارباباً مِن دون الله "قال: اَمَا انهم لم یکونوا یعبدونهم ولکنهم کانوا اذااحلّوالهم شیئاً اِستحلّوه واذاحَرَّمواعلیهم شیئاً حَرَّموه". (حسن غریب)

حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میری گردن میں سونے کی صلیب لگی ہوئی تھی آپ نے فرمایا اے عدی! یہ بُت اپنے آپ سے پھینکو، اور میں نے آپؐ کو سورتِ براءت میں (یہ آیت) پڑھتے ہوئے سُنا یعنی "انہوں (یہود ونصاریٰ) نے اپنے علماء اور درویشوں کو با اختیار (در تحلیل وتحریم) ٹھہرالیا ہے" آپ نے فرمایا سنو! وہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے مگر جب وہ ان کے لئے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو یہ لوگ اس کو حلال سمجھتے اور جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتے تو یہ لوگ اس کو حرام گردانتے تھے۔

تشریح: قولہ: "الوثن" کوئی بھی مجسمہ جس کی شکل وصورت ہو، ہاں کبھی غیر متشکل پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے اس حدیث میں ہے۔

غیر مقلدین اس آیت اور حدیث سے نفی تقلید پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ ان کی نادانی ہے کیونکہ احبار ورُھبان تو تحریم وتحلیل اپنی طرف سے کرتے تھے جبکہ ائمہ مجتہدین تحلیل وتحریم کا اظہار کرتے ہیں یعنی وہ اپنی طرف سے حکم بناتے نہیں ہیں بلکہ بتاتے ہیں، اس ایک نقطہ کا فرق ہے جس کو یہ لوگ نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔ یہ لوگ "ن" میں لگے ہوئے ہیں جبکہ دراصل یہاں "ت" ہے یعنی بتانا نہ کہ بنانا۔

حدیث آخر: "عن انس ان ابابکر حدثه قال قلتُ للنبی صلی اللہ علیه وسلم ونحن فی الغار لوان احدهم ینظرالی قدمیه لَاَبصَرَنا تحت قدمیه فقال: یااباابکر ماظنُّک باثنین اللہ ثالثهما". (حسن صحیح غریب)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت انسؓ کو بتایا کہ جب ہم غار (ثور) میں تھے تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر ان (تعاقب کرنے والوں) میں سے کوئی اپنے پیروں کی طرف (نیچے) دیکھے تو ہمیں اپنے قدموں کے نیچے ضرور دیکھ لے گا، پس آپؐ نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہارا ان دو کی نسبت کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔

تشریح:۔ ہجرت کے موقع پر جب یہ دونوں حضرات غار ثور میں چھپ گئے تھے اور قریش تلاش کرتے کرتے یہاں پہنچ گئے اور غار کے دھانے پر کھڑے ہوگئے تو اس وقت ابوبکرؓ گھبرا کر اپنی بے چینی کا اظہار فرمارہے تھے، آپؐ نے ان کو تسلی دی قال اللہ تعالٰی: "اذیقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا" عام شارحین کی رائے یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے یہ بات قریش کے چلے جانے کے بعد فرمائی تھی شکرا للہ تعالٰی۔

حدیث آخر:۔ "حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن الخطابؓ سے سُنا ہے انہوں نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) وفات پا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جنازہ کے لئے مدعو کیا گیا تو آپؐ اس کی طرف تشریف لے گئے اور جب آپؐ اس کے پاس کھڑے ہو کر نماز کا ارادہ کرنے لگے تو میں (عمر) آڑے آگیا یہاں تک کہ آپؐ کے سینہ مبارک کے سامنے کھڑا ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ اللہ کے دشمن عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟ جس نے فلاں فلاں دن، فلاں فلاں بات کی تھی۔ حضرت عمرؓ اس کی شرارتیں یاد فرمارہے تھے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرارہے تھے یہاں تک کہ میں نے جب بہت کچھ کہا تو آپؐ نے فرمایا اے عمر! پیچھے ہٹو مجھ سے کیونکہ مجھے اختیار دیا گیا ہے، پس میں نے اختیار کیا (اس کے لئے استغفار) یعنی نماز جنازہ۔ مجھ سے کہا گیا ہے "آپ چاہے اس کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، (تو کوئی فرق نہیں پڑتا) اگر آپ ان (منافقین) کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں پھر بھی اللہ ان کی مغفرت ہرگز نہ فرمائے گا" اگر میں جانوں کہ اگر میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں اور اس سے اس کی بخشش ہوگی تو میں ضرور ستر سے زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ پھر آپؐ نے نماز پڑھی اور اس کے جنازہ کے ساتھ چلے اور اس کی قبر پر کھڑے رہے یہاں تک کہ تدفین مکمل ہوگئی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی اس جسارت پر تعجب ہوتا ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی ہے، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ بخدا! ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ یہ دو آیتیں نازل ہوئیں "ولا تصل علیٰ احد الخ" اور ان میں سے کسی کا جنازہ نہ پڑھیں جو ان میں سے مرجائے کبھی بھی، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، آخر آیت تک۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھا اور نہ آپؐ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ اللہ نے آپؐ کو اٹھالیا۔ (حسن غریب صحیح)

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمر قال جاء عبدالله بن عبدالله بن اُبی الیٰ رسول الله صلی

اللہ علیہ وسلم حین مات ابوہ فقال اَعطِنی قمیصک اُکَفِّنهُ فیه وصَلِّ علیه واستغفرله فاعطاه قمیصه وقال اذا فرغتم فاٰذِنونی فلمّا اراد ان یصلی جَذَبَهُ عُمَر، وقال اَلیسَ قد نهی اللہ ان تُصلِّیَ علی المنافقین فقال انا بین خِیَرَتَین "اِستغفِر لهم او لاتستغفرلهم" فصلّیٰ علیه، فانزل اللہ "ولاتُصلِّ علیٰ احدمنهم مات ابداً ولاتقم علیٰ قبره" فترک الصلوٰة علیهم". (حسن صحیح)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب ان کا باپ انتقال کر گیا، وہ کہنے لگے مجھے اپنی قمیص عنایت کیجئے تاکہ میں اس میں اپنے والد کو کفناؤں اور نماز پڑھئے اور اس کے لئے استغفار کیجئے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی قمیص عطا کی اور فرمایا جب تم (اس کے غسل سے) فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کر دو۔ پھر جب آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو عمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (دامن سے پکڑ کر) کھینچ لیا اور کہا: کیا اللہ نے آپ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع نہیں کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا (نہیں) مجھے دونوں باتوں کا اختیار ہے ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو (فرق نہیں پڑتا) چنانچہ آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی، پس اللہ نے اتاری یہ آیت "ولاتصل علیٰ احدمنهم الخ"۔

تشریح:۔ عبداللہ بن اُبی کے صاحبزادے کا نام بھی عبداللہ ہے جو مخلصین اور بدری صحابی تھے ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تھی کہ اپنے والد کو قتل کریں لیکن آپؐ نے منع کر کے اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تھا، ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قمیص طلب کرنے کے لئے آنا یا تو اپنے والد کے ظاہری اسلام کی وجہ سے تھا یا پھر والد کے بھیجنے پر آئے تھے، جہاں تک عبداللہ بن ابی کا سوال ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی قمیص اور جنازہ پڑھانے میں کیوں رغبت رکھتا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے اور اپنے قبیلہ سے عار کا ازالہ کرنا چاہتا تھا، اور نبی علیہ السلام کا قمیص عطا کرنا اور نماز جنازہ پڑھانا حضرت عبداللہؓ کی دلداری کے لئے اور خزرج کی دلجوئی کے لئے تھا، اور یہ کہ عبداللہ بن ابی نے اُساریٰ بدر میں سے حضرت عباسؓ کو اپنی قمیص دی تھی۔ عارضہ میں ہے کہ اس نماز کے بعد خزرج کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔ واللہ اعلم

بہرحال ان تبرکات سے اس منافق کو کوئی فائدہ نصیب نہ ہوا کیونکہ وہ فائدہ کی بنیادی نعمت ایمان سے محروم تھا جبکہ یہ تبرکات تو ثمرات ہیں اور ثمرات کے لئے درخت ضروری ہے ورنہ پھل تازہ نہیں رہے گا۔

اگلی حدیث جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے "تمارئ رجلان فی المسجد الذی أسس علی التقویٰ الخ" پوری تفصیل سے ابواب الصلوٰۃ میں گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: جلد دوم ص:۱۵۵ "باب ماجاء فی المسجد الذی أسس علی التقویٰ")

حدیث آخر:۔"عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال نزلت ھذہ الایۃ فی اھل قباء "فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین "قال کانوا یستنجون بالماء فنزلت ھذہ الآیۃ فیھم". (غریب)

یہ آیت اہلِ قباء کے بارے میں نازل ہوئی "فیہ رجال الخ" یعنی مسجد قباء میں وہ لوگ ہیں جو زیادہ صفائی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ اچھی طرح صفائی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ پانی سے استنجاء کرتے تھے تو یہ آیت ان کی شان میں نازل ہوئی۔

تشریح:۔اگر چہ اس حدیث میں صرف استنجاء بالماء کا ذکر ہے اور سند کے لحاظ سے بھی یہ حدیث اتنی قوی نہیں لیکن آیت میں "ان یتطھروا" اور "المطھرین" دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جن سے عام صفائی سے زائد اہتمام کا صاف اشارہ ملتا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ یہ لوگ پانی کے استنجاء سے پہلے ڈھیلے کا استعمال بھی کیا کرتے ہوں گے، مسئلہ کی تفصیل جلد اول میں گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات "باب الاستنجاء بالماء" ص:۱۳۰ ج:۱)

حدیث آخر:۔"عن علی قال سمعتُ رجلاً یستغفر لابویہ وھما مشرکان فقلتُ لہ أتستغفر لابویک وھما مشرکان؟ فقال: أوَلیسَ اِستغفرَ ابراھیم لِأبیہ وھو مشرک؟ فذکرتُ ذالک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فنزلت: "ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین". (حسن)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے سنا حالانکہ وہ دونوں مشرک گزرے تھے، تو میں نے اس سے کہا: کیا آپ اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کرتے ہیں حالانکہ وہ شرک میں انتقال کر چکے ہیں؟ اس نے کہا تو کیا حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد کے لئے استغفار نہیں کیا تھا؟ حالانکہ ان کا والد بھی تو مشرک تھا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو یہ آیت نازل ہوئی "ما کان للنبی الخ" کسی نبی اور اہلِ ایمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ

مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا سبب نزول حضرت علیؓ اور دوسرے صحابی کا مکالمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ ہے لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ اسباب نزول بیان ہوئے ہیں اس لئے کہا جائے گا کہ یہ آیت متعدد مرتبہ نازل ہوئی۔ راقم نے ''زاد تیسیر فی علوم التفسیر'' میں قاعدہ نمبر ۶ کے تحت اس اصول کو ذکر کیا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مشرک کی مغفرت ممکن نہیں اس لئے ایسی فضول دعائیں اہل ایمان کے لئے مناسب وزیبا نہیں۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کا تعلق ہے تو وہ ان کے والد کی وفات سے پہلے کی بات ہے جب وہ ہجرت کرنے کے لئے نکل رہے تھے تو اپنے والد سے وعدہ فرمایا تھا کہ ''سأستغفر لک ربی'' مگر وفات والد کے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ دنیا سے شرک کی حالت میں انتقال کر گیا ہے تب آپ نے دعائے مغفرت چھوڑ دی۔

خلاصہ یہ کہ زندہ کافر کے لئے دعائے مغفرت جائز ہے کہ اس کا مطلب ایمان کی توفیق کی دعا ہے مگر حالتِ کفر پر مرنے والے کے لئے کسی طرح دعائے مغفرت جائز نہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی ایسی جنگ میں جو آپؐ نے لڑی ہے پیچھے نہیں رہا، یہاں تک کہ غزوۂ تبوک پیش آیا علاوہ غزوۂ بدر کے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص کی سرزنش نہیں کی تھی جو بدر سے پیچھے رہ گیا تھا، کیونکہ آپؐ تو صرف تجارتی قافلہ گرفتار کرنے کی غرض سے نکلے تھے، پس قریش اپنے تجارتی قافلہ کی دادرسی کرتے ہوئے نکلے، تو دونوں فریقین میں مڈبھیڑ ہوگئی بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور قسم ہے مجھے زندگی دینے والے کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں لوگوں کے ہاں سب سے بہتر غزوۂ بدر ہے، جبکہ میں پسند نہیں کرتا کہ شب عقبہ کے عوض مجھے بدر کی حاضری مل جائے کیونکہ عقبہ کی رات ہم نے اسلام کی نصرت وحمایت کا پکا وعدہ کیا تھا، پھر میں (بدر کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی پیچھے نہیں رہا یہاں تک کہ غزوۂ تبوک پیش آیا اور وہ آخری جنگ تھی جو آپؐ نے لڑی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کی اطلاع بھی دے دی تھی (تاکہ لوگ تیاری کر سکیں کہ سفر بہت مشکل تھا)۔ پھر حضرت کعب نے تفصیلی حدیث ذکر فرمائی، کعب فرماتے ہیں پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ناگہاں دیکھا کہ آپؐ مسجد میں جلوہ افروز تھے اور آپ

کے گرد مسلمان بیٹھے تھے، اور آپؐ کا چہرہ دمک رہا تھا چاند کی دمکنے کی مانند، اور آپؐ کی عادت تھی کہ آپؐ جب بھی کسی بات پر خوش ہوتے تو آپؐ کا چہرہ کھل جاتا، چنانچہ میں حاضر ہوا اور آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا، پس آپؐ نے فرمایا اے کعب بن مالک! خوشخبری سن لو ایک بہترین دن کی جو گزرے ہیں تجھ پر جب سے جنا ہے تجھ کو تیری ماں نے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا یہ اللہ کی طرف سے ہے یا آپ کی جانب سے؟ پس آپؐ نے فرمایا بلکہ اللہ کی طرف سے ہے کہ پھر آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں "لقد تاب اللہ علی النبی والمهاجرین والانصار الخ" یعنی رجوع ہوا اللہ تعالیٰ نبی پر اور مہاجرین وانصار پر جنہوں نے پیروی کی نبیؐ کی کٹھن گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ پھر جائیں دل ایک فرقے کے ان میں سے، پھر رجوع ہوا ان پر اور بے شک وہ نرمی والا مہربان ہے، حضرت کعب فرماتے ہیں کہ یہ آیت بھی ہمارے معاملہ میں نازل ہوئی ہے "اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! بے شک میری توبہ میں سے ہے کہ سوائے سچ کے کوئی بات نہ کہوں اور یہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے لئے اپنا سارا مال صدقہ کر کے اس سے علیحدگی اختیار کرلوں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا کچھ مال اپنے پاس روکے رکھو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، پس میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو خیبر میں ہے (باقی سب صدقہ ہے)۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ اسلام کے بعد میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرے سچ بولنے سے جو میں نے اور میرے دو ساتھیوں نے بولا ہے، اللہ نے اس سے زیادہ انعام مجھ پر نہیں فرمایا ہے (یعنی یہ میرے اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ ہے) اور ہم نے جھوٹ نہیں بولا ورنہ ہم ایسے ہی ہلاک ہوجاتے جس طرح منافقین تباہ ہوگئے اور میں سمجھتا ہوں (یعنی میرا غالب گمان ہے کہ) اللہ نے نہیں آزمایا ہوگا کسی کو بھی سچ بولنے کی وجہ سے جیسا کہ اللہ نے مجھے آزمایا ہے، میں نے اس واقعہ کے بعد کبھی بھی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا ہے اور مجھے پکی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری باقی زندگی میں بھی میری حفاظت فرمائیں گے۔

یہ روایت صحیحین میں بھی ہے، امام بخاریؒ نے دس مواضع میں ذکر فرمائی ہے کہیں تفصیلاً اور کہیں مختصراً۔

حدیث آخر: "حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے جنگ یمامہ کی خونریز لڑائی کے بعد مجھے بلوایا (جب میں وہاں پہنچا تو) حضرت عمرؓ بھی وہاں بیٹھے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرے پاس عمرؓ آئے اور کہا کہ یمامہ کے دن حفاظ قرآن بڑی تعداد میں شہید ہوئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر حفاظ قرآن کی

مختلف مقامات پر خونریزی ہوتی رہی تو بہت سارا قرآن ناپید ہو جائے گا، اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا حضرت عمرؓ سے کہ میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ بخدا یہ اچھا کام ہے۔ پھر عمر مجھ سے اس معاملہ میں مسلسل رجوع کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا بھی اسی طرح شرح صدر فرمایا جس طرح عمر کا شرح صدر فرمایا تھا۔ اور میں نے بھی وہ بات مناسب جانی جو انہوں نے ناگزیر سمجھی تھی۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: آپ جوان، سمجھ دار آدمی ہیں ہمیں آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے، لہٰذا آپ قرآن کی (آیتوں کو) تلاش کریں (یعنی اس کی اصل تحریریں حاصل کر کے یکجا کریں) حضرت زید کہتے ہیں کہ خدا کی قسم!! اگر وہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ منتقل کرنے کا پابند بناتے تو وہ مجھ پر اس کام سے زیادہ بوجھ نہ ہوتا "قلت" میں نے کہا آپ لوگ وہ کام کیسے کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، پس ابوبکرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی ہے پس ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں اس معاملہ میں مجھ سے مسلسل مراجعت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اُس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا جس کے لئے ان دونوں حضرات کا سینہ کھول دیا تھا، پس میں قرآن (کی آیتیں) تلاش کر کر کے اس کو اکٹھا کرنے لگا (بعض آیتیں چمڑے اور کاغذ وغیرہ کے) ٹکڑوں سے، کھجور کی شاخوں سے اور (بعض) باریک سفید پتھروں کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے، پس میں نے سورت براءت کی آخری آیت خزیمہ بن ثابتؓ کے پاس پائی "لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رء وف رحیم الخ"۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قرآن پاک کی جمع وتالیف کے بارے میں راقم نے "زاد یسیر فی علوم التفسیر" میں تفصیل سے لکھا ہے، یہاں صرف انتہائی خلاصۃ الخلاصہ نقل کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ پاک میں کاتبین وحی بڑی تعداد میں موجود تھے ایک درجن سے زائد صحابہ کرامؓ نزول وحی کے متصل بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قرآن لکھتے البتہ سرکاری سطح پر اس کا کوئی باقاعدہ قلمی نسخہ مرتب شکل میں نہیں لکھا گیا تھا بلکہ مختلف اشیاء پر آیات لکھی جاتی تھیں، پھر جب جنگِ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی تھی حفاظ قرآن کی بڑی تعداد جو ایک قول کے مطابق سات سو یا اس سے زیادہ ہے شہید ہوئی تو حضرت عمرؓ اس کے لئے متفکر ہوئے، اور مذکورہ حدیث کی صورت پیش آئی، البتہ اس جمع میں رسم

الفاظ کا تعین ضروری نہیں سمجھا گیا تھا بلکہ سبعہ احرف کے مطابق یہ نسخہ تیار ہوگیا، پھر جب حضرت حذیفہ آرمینیہ اور آذربائیجان کی جنگ سے واپس آئے اور حضرت عثمانؓ کے سامنے وہ صورت حال بیان فرمائی جس کے مطابق لوگ قراءتوں میں اختلاف کی طرف بڑھنے لگے ہیں تو انہوں نے باہمی مشاورت سے ایک ہی رسم الخط کے مطابق چند نسخے تیار کروالیئے اور گذشتہ نسخوں کو جلا دیا جو صحابہ کرامؓ نے اپنے اپنے طور پر تیار کئے تھے، تا کہ اختلاف کی نوبت ہی نہ آئے۔ جس کی تفصیل اگلی روایت میں آرہی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زید اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو پابند بنایا کہ وہ مسجد کے دروازے پر بیٹھے رہیں اور جو شخص تحریری آیت لاکر ان کو دکھائے تو اس پر دو گواہ بھی طلب کریں تا کہ اچھی طرح اطمینان ہو کہ یہ آیت آپؐ کی موجودگی میں آپؐ کے حکم سے آپؐ کے سامنے لکھی گئی ہے، البتہ اس بارے میں فقط یہ ایک آیت جو سورت توبہ کے آخر میں ہے صرف ابوخزیمہ انصاری کے پاس سے ملی یعنی آپؐ کے سامنے لکھنے کی شرط کے مطابق صرف ابوخزیمہؓ کے پاس تھی گو کہ باقی صحابہ کرامؓ کے پاس بھی تھی، یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ترمذی کی روایت میں خزیمہ بن ثابت ہے جبکہ صحیح ابوخزیمۃ الانصاری ہے۔ (فلیحفظ)

حدیث آخر:۔ "عن انس ان حذیفۃ قدم علیٰ عثمان بن عفان و کان یغازی اهل الشام فی فتح آرمینیۃ و آذربیجان مع اهل العراق فرأی حذیفۃ اختلافهم فی القرآن فقال لعثمان بن عفان یاامیر المؤمنین! ادرِک هٰذہ الامۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب کما اختلفت الیهود والنصاریٰ فَاَرسَلَ الیٰ حفصَۃَ الخ".

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان سفر سے واپسی پر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور وہ شام والوں کو اور اہلِ عراق کو لے کر آرمینیہ اور آذربائیجان کو فتح کرنے کے لئے گئے تھے، پس حضرت حذیفہ نے ان کا قرآن میں اختلاف دیکھا تھا، پس انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ امت کی دستگیری کریں قبل اس کے کہ وہ قرآن میں ایسا ہی اختلاف کرنے لگیں جس طرح یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا ہے، پس حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ نوشتے بھیج دیں، ہم ان کو مصحف میں نقل کر کے پھر یہ نوشتے آپ کے پاس لوٹا دیں گے، چنانچہ حضرت حفصہؓ نے وہ نوشتے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے، پس حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ، سعید بن العاص، عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم کو بلایا کہ تم ان نوشتوں کو مصاحف میں نقل کرو اور تین قریشی حضرات سے کہا: جس میں تمہارا

اور زید بن ثابت کا اختلاف ہو جائے تو اس کو قریش کی لغت میں لکھو، کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں اترا ہے
یہاں تک کہ انہوں نے ان نوشتوں کو مصاحف میں لکھا، پھر حضرت عثمانؓ نے ہر جانب ایک ایک نسخہ ان نسخوں
میں سے بھیج دیا (جن کی تعداد ماہو المشہور کے مطابق پانچ تھی) جو ان حضرات نے تیار کئے تھے۔

قال الزھری وثنی خارجۃ بن زید، امام زہریؒ دوسری سند سے کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت
نے فرمایا کہ مجھے سورت احزاب کی ایک آیت نہیں ملی جو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا (وہ
یہ ہے)''من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من
ینتظر ''پس میں نے اس کو تلاش کیا تو اس کو خزیمہ بن ثابت یا کہا کہ ابو خزیمہ کے پاس پایا تو میں نے اس کو اس کی
سورت میں ملا دیا۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات میں اس وقت ''التابوت اور التابوۃ'' میں اختلاف ہوا (کہ یہ
لفظ کیسے لکھا اور کیسے پڑھا جائے گا؟) پس قریشیوں نے ''التابوت'' بالتاء کہا اور زید بن ثابت نے ''التابوہ''
بالھاء کہا۔ چنانچہ ان کا اختلاف حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا ''التابوت''
بالتاء لکھو کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے، امام زہریؒ ایک اور سند سے کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن
مسعودؓ کو زید بن ثابتؓ کا قرآن لکھنا ناگوار ہوا اور کہا کہ اے مسلمانو! میں تو مصاحف لکھنے سے علیحدہ کیا جاؤں
اور ایک ایسا آدمی اس کا ذمہ دار بن جائے جو خدا کی قسم کہ جب میں مسلمان ہوا تو وہ کافر باپ کی پشت میں تھا، وہ
زید بن ثابتؓ کو مراد لے رہے تھے، اور اسی وجہ سے عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ اے اہلِ عراق! تم ان مصاحف
کو چھپا کر رکھو جو تمہارے پاس ہیں اور مقفل رکھو ان کو کہ اللہ فرماتا ہے ''ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامۃ'' جو
چھپا رکھے گا کوئی چیز لائے گا اس کو قیامت کے دن ''فالقوا اللہ بالمصاحف ''پس تم اپنے مصاحف کے ساتھ
اللہ سے ملو۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے صحابہ کو ابن مسعودؓ
کی یہ بات ناگوار ہوئی۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ حضرت عثمانؓ نے اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جو بارہ رکنی تھی، تاہم اس کی
بنیادی ذمہ داری چار حضرات کی تھی ایک زید بن ثابتؓ جو انصاری تھے اور باقی تین قریشی تھے جن کے نام اس
روایت میں ہیں، ان کو حکم دیا کہ وہ سورتیں بھی مرتب کریں اور رسم الخط بھی قریش کی لغت کے مطابق رکھیں
جیسا کہ اس کی ایک مثال اس روایت میں ''تابوت'' کی بھی موجود ہے۔ چنانچہ جب یہ نقول تیار ہو گئیں تو ایک

اپنے پاس رکھی اور باقی اطرافِ مملکت میں بھیجیں، ان نقول کے علاوہ باقی تمام نسخے دھوکر جلا دیئے گئے تاکہ کوئی بعد میں ان سے استدلال کر کے دوسرے قبائل کی لغت پر پڑھنا شروع نہ کردیں، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے مصحف کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کیا اور اپنے شاگردوں سے بھی فرمایا کہ تم لوگ اپنے مصاحف چھپا کر رکھو، رہی یہ بات کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کیوں اس کمیٹی میں شامل نہیں کیا؟ تو اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ وہ ان دنوں میں کوفہ میں تھے اور حضرت عثمانؓ ان کے انتظار میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ دوسرا یہ کہ ابن مسعودؓ کو بعض قراءتوں میں اختلاف تو تھا ہی لیکن اس میں یہ اندیشہ تھا کہ وہ اگر اپنے موقف پر قائم رہیں گے تو مشورہ کا مقصد اور اجماع کا انعقاد فوت ہو جائے گا۔

ومن سورة يونس

سورت یونس کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن صُهيب عن النبى صلى الله عليه وسلم فى قوله تعالىٰ: "لِلذين احسنوا الحُسنىٰ وزيادة" قال اذا دخل اهل الجنة ، الجنةَ نادىٰ منادٍ انّ لكم عندالله موعداً ويريد ان يُنجِزَكُمُوه قالوا الم يُبيّض وجوهنا ويُنَجّينا من النار ويُدخِلنا الجنة؟ قال فيُكشفُ الحجاب قال فوالله ما اعطاهم شيئاً احبَّ اليهم من النظر اليه".

حضرت صُہیبؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت "للذين احسنوا الحُسنىٰ الخ" یعنی جو لوگ نیک ہیں ان کو اچھا بدلہ دیا جائے گا اور زیادت بھی، کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب داخل ہوں گے جنتی جنت میں تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے جس کو وہ پورا کرنا چاہتا ہے تمہارے لئے۔ جنتی کہیں گے کہ کیا اس نے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے؟ اور دوزخ سے ہمیں نجات نہیں دی؟ اور جنت میں داخل نہیں فرمایا؟ (پھر مزید کیا چیز رہتی ہے؟) آپؐ نے فرمایا پھر کھول دیا جائے گا حجاب (جو مخلوق اور خالق کے درمیان ہے) آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم! کہ ان کو کوئی چیز ایسی نہیں دی جو ان کو دیدارِ الٰہی سے زیادہ پیاری ہو۔ قوله: "فيُكشف الحجاب" یعنی نورانی پردہ ہٹا دیا جائے گا۔

تشریح:۔ رویتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ ابواب صفۃ الجنۃ کے باب "ماجاء فی رؤیۃ الرب تبارک وتعالیٰ" کے ضمن گزرا ہے۔ وہاں پر حضرت صُہیب بن سنان رومیؓ کی یہ حدیث بھی گزری ہے اس میں بجائے "یُنجِزَکُمُوہ" کے

"تنسجنا" ہے اور وہی اصولی طور پر زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ "لم" کا مدخول ہے۔ (دیکھئے تشریحات ص: ۱ ج: ۷)

حدیث آخر:۔ حضرت عطاء بن یسار ایک مصری شخص سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ میں حضرت ابو درداءؓ سے اس آیت کے متعلق پوچھا "لهم البشری فی الحیوٰة الدنیا" ان اولیاء (جن کا ذکر سابقہ آیت میں ہے) کے لئے زندگانی دنیا میں خوشخبری ہے (یعنی کسی چیز کی اور کیسی خوشخبری ہے؟) تو انہوں نے فرمایا جب سے میں نے یہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہے تیرے سوا کسی نے مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا ہے۔ (جب میں نے آپؐ سے پوچھا تو) آپؐ نے فرمایا جب سے یہ آیت نازل ہوئی آپ کے علاوہ کسی نے بھی مجھ سے اس (بُشریٰ) کے بارے میں نہیں پوچھا ہے، مراد اس سے نیک خواب ہے جسے مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے لئے دیکھا جاتا ہے۔

تشریح:۔ یہ روایت ابواب الرؤیا میں بھی گزری ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ بات نبی علیہ السلام سے پوچھی ہے تو سوائے تیرے اور ایک دوسرے شخص کے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں پوچھا ہے۔ امام ترمذیؒ نے وہاں پر اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (دیکھئے تشریحات ص: ۱۰۵ ج: ۷)

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لَمَّا اغرق اللہ فرعون قال امنتُ انه لا اِلٰهَ اِلَّا الذی امنت به بنو اسرائیل فقال جبرئیل: یا محمد! لو رأیتنی و انا اٰخذ من حالِ البحر و اَدُسُّه فِی فِیه مَخَافَةَ ان تُدرِکه الرحمةُ". (حسن)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے فرعون کو ڈبویا تو اس نے کہا کہ میں ایمان لایا کہ بے شک نہیں کوئی معبود مگر صرف وہی جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں، پس جبرئیلؑ نے فرمایا: اے محمد! کاش آپ مجھے دیکھتے اس وقت کہ جب میں نے سمندر کی تہہ کی کالی کیچڑ لے کر اس کے منہ میں دے ماری اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ کہیں اس کو رحمتِ الٰہی نہ پالے۔

تشریح:۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے حسن کہا ہے مگر یہ حدیث اگلی سند کے ساتھ بھی مروی ہے جسے امام ترمذیؒ نے حسن غریب صحیح کہا ہے لہٰذا صاحب کشاف علامہ زمخشریؒ کا اس حدیث کو ضعیف کرنا بلکہ اس کا انکار کرنا صحیح نہیں ہے کہ حدیث صحیح ہے۔ امام رازیؒ اور دوسرے بہت سے مفسرین کو بھی اس حدیث کی صحت میں

تأمل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ ایک شخص کو جو توبہ کرنا چاہتا ہے کیسے روک سکتے ہیں؟ حالانکہ ایمان و توحید سے روکنا تو انتہائی خطرناک بات ہے کہ رضا بالکفر کفر ہے۔

حضرت شاہ انور شاہ صاحبؒ نے العرف الشذی میں اس کا جواب دیا ہے کہ علامہ آلوسیؒ نے بحوالہ شیخ خواہرزادہ کی مبسوط سے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی کافر اہلِ اسلام کی ایذاء رسانی میں سرگرم ہو تو اس کی موت بالکفر کے لئے بددعاء جائز ہے تاکہ وہ دوزخ کی سزا پائے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت جبرئیلؑ کے عمل کا جواز معلوم ہوا کیونکہ وہ اہلِ ایمان کو ایذائیں دیتا تھا (لہٰذا یہ رضا بالقضاء ہے نہ کہ بالکفر)۔

المسترشد عرض کرتا ہے کہ چونکہ فرعون کا ایمان غیر اختیاری تھا اور حالت یأس اور زندگی سے ناامیدی کی صورت میں ایمان معتبر تو نہیں اس لئے فرعون کا اس وقت کا ایمان فضول تھا لیکن چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قانون میں استثناء بھی ہوتا ہے اس لئے حضرت جبرئیلؑ نے شاید اسی استثنائی صورت کے خوف سے کیچڑ لے کر فرعون کے مُنہ میں ٹھونس دی، اور اسے موسیٰ رسول اللہ کہنے کا موقع نہیں دیا۔

العرف الشذی میں ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ فرعون کفر سے پاکیزہ ہو کر مرا لیکن پھر بھی وہ جہنم میں جائے گا کیونکہ یہ ایمان غرغرہ کی حالت کا تھا تو جس طرح میدانِ محشر کا ایمان معتبر نہیں اسی طرح فرعون کا ایمان بھی ضائع ہو گیا۔

ومن سورة هُود

سورتِ ہود کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن وكيع بن حدس عن عَمِّه اَبِى رَزِين قال قلتُ يارسول الله اين كان ربنا قبل ان يخلُقَ خلقه؟ قال كان فى عَمَاءٍ ماتحته هواء ومافوقه هواء وخَلَقَ عرشَه على الماء قال احمد قال يزيد العمآءُ اى ليس معه شىءٌ". (حسن)

حضرت ابورزین عقیلیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارا رب اپنی مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ آپؐ نے فرمایا عَمآء میں تھا، نہ تو اس کے نیچے ہوا تھی اور نہ ہی اس کے اوپر کوئی ہوا تھی، اور اس نے اپنا عرش پانی کے اوپر پیدا کیا، احمد فرماتے ہیں کہ یزید نے کہا عماء کا مطلب ہے کہ اس کے

ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔

تشریح:۔ قولہ: "این کان ربنا" بعض حضرات نے یہاں عبارت میں مضاف مقدر ضروری قرار دیا ہے یعنی این کان عرش ربنا؟ ہمارے پروردگار کا عرش کہاں تھا؟ کیونکہ اگر تقدیر نہیں مانیں گے تو اللہ کی طرف ظرف کی نسبت آئے گی جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ پاک و عالی ہے۔

اس قول کے مطابق یہ حدیث پھر متشابہات میں سے نہیں ہوگی کیونکہ یہ مطلب بالکل بے غبار ہے لیکن ابن العربی" عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں کہ این ایک تو مکان کے لئے آتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کے منافی ہے لیکن این کے دوسرے معنی مکانت کے بھی آتے ہیں اور صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سیاہ رنگ کی باندی سے یہ سوال ثابت ہے "این اللّٰہ" یعنی اللہ عزوجل کی مکانت پوچھنا۔ اوپر ترجمہ میں مافوقہ اور ماتحتہ میں لفظ "ما" نفی کے لئے لیا گیا ہے، اگر اس کو موصولہ مانا جائے تو پھر ہوا سے مراد خلاء ہے یعنی عرش کے ہر طرف خلاء ہی خلاء تھا، اور ھواء عربی میں بمعنی خالی کے آتا ہے۔

اگر عبارت میں تقدیر نہ مانی جائے اور "این کان ربنا" اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو پھر اس پر سرسری مرور کیا جائے گا اور کیفیت کے بارے میں سوچا نہیں جائے گا جیسا کہ متشابہات میں عرض کیا جاچکا ہے، پھر عماء بمعنی لطیف مادہ جیسے ہلکے بادل کی مانند مخلوق بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی خلاء کے بھی، جیسا کہ پیچھے سورت مائدہ کے شروع میں "ماء" سے بھی یہی مراد ذکر کی گئی ہے مگر اس کی سب سے بہتر توجیہ حاشیہ قوت المغتذی علی الترمذی پر بیان کی گئی ہے یعنی انوار ذات باری تعالیٰ اور اس کے اسماء اور صفات جس کی بناء پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات مخلوق سے حجاب نورانی میں محجوب ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر یہ نور کا حجاب ہٹادیا جائے تو جہاں تک اللہ کی نظر جاتی ہے وہاں تک ساری مخلوق جل جائے گی، اور چونکہ اللہ کی نظر تو تمام مخلوق پر حاوی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ نورانی حجاب نہ ہوتا تو کوئی مخلوق وجود پذیر ہونے کی طاقت نہ رکھتی، قاضی محمد مبارک نے بھی شرح سلم العلوم میں اس پر ایک نفیس بحث فرمائی ہے، بہرحال اس نورانی حجاب کو عماء اس لئے کہا کہ وہاں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا اگر وہاں کوئی دیکھنے والا فرض کیا جائے تو وہ اندھا ہو جائے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق اسی نورانی کیف میں پیدا فرمائی جس کے اردگرد یہ انوار و تجلیات ذات باری تعالیٰ کے لئے حجاب کی مانند ہیں تاکہ مخلوق جلنے سے محفوظ ہو۔

قولہ: "وخلق عرشہ علی الماء" اس کی تشریح سورتِ مائدہ کے اوائل میں گزری ہے۔

فلانعیدہ۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی موسیٰ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان اللہ تبارک وتعالیٰ یُملی وربّما قال یُمهِلُ الظالِمَ حتیٰ اذا اخذہ لم یُفلته ثم قرأ" وکذالک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ" الایۃ". (حسن صحیح) وروی ابو اُسامۃ عن برید وقال یُملی، ولم یشک فیہ.

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے (راوی نے کبھی یملی اور کبھی یمھل کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) یہاں تک کہ جب اس (ظالم) کو پکڑتا ہے تو پھر ہرگز نہیں چھوڑتا، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی "وکذالک اخذ ربک الخ " اور ایسا ہی پکڑنا ہوتا ہے تیرے رب کا جب وہ پکڑتا ہے کسی بستی (والوں) کو درانحالیکہ وہ ظلم کرنے والی (قوم) ہوتی ہے "اِنّ اَخذہ الیم شدید" بے شک اس کی پکڑ سخت دردناک ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن عمر بن الخطاب قال لَمّا نزلت ھٰذہ الایۃ "فمنھم شقی وسعید" سالتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلتُ یانبی اللّٰہ اَفعَلیٰ مانعمل علیٰ شیء قد فُرِغ منہ اوعلیٰ شیء لم یفرغ منہ؟ قال: بل علی شیء قد فُرِغ منہ وجَرَت بہ الاقلام یاعمر! ولکن کلٌّ مُیَسّرٌ لِمَا خُلِقَ لہ". (حسن غریب)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "فمنھم شقی وسعید " (یعنی آدمیوں میں سے کوئی بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت) تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے نبی! پس ہم کس بناء پر عمل کرتے ہیں، کیا کسی ایسی بات پر کہ جس سے فراغت ہوچکی ہے یا پھر کسی ایسی بات پر جس سے ابھی نہیں نمٹا گیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا (نہیں) بلکہ کسی ایسی چیز کے موافق (ہم عمل کرتے ہیں) جس سے فراغت ہوچکی ہے اور قلم اس پر چل چکے ہیں اے عمر! (تقدیر تو اٹل ہے) لیکن ہر شخص کے لئے وہ کام آسان کیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

نوٹ:۔ تقدیر پر تفصیلی بحث ابواب القدر میں گزری ہے، فلانعیدہ۔ اور یہ حدیث حضرت عمرؓ کی بھی وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ (تشریحات: ص: ۱۷۴ جلد ششم "باب ماجاء فی الشقاء والسعادۃ")

حدیث آخر:۔ "عن عبداللہ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی

عالجتُ اِمراۃً فی اَقصی المدینۃ وانی اصبتُ منہامادون ان اَمَسَّہا وانا ھذافاقضِ لِیَ ماشئت فقال لہ عُمر: لقدستَرکَ اللہ لوسَتَرتَ علیٰ نفسک فلم یَرُدَّ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً فانطلق الرجل فَاَتبَعَہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلاً فَدَعاہ فتلاعلیہ "اَقِمِ الصلوٰۃ طرفی النہارورُلَفاً من اللیل ان الحسنٰت یُذھِبنَ السّیِئات ذالک ذکریٰ لِلذاکرین" الیٰ اٰخرالایۃ فقال رجل من القوم ھذالہ خاصّۃً؟ قال لا بل لِلناس کافّۃً". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے مدینہ کے پرلے کنارے پر ایک عورت کو چھیڑا ہے اور میں نے اس سے سب کچھ کیا سوائے جماع کے اور میں یہ حاضر ہوں، پس آپ میرے لئے جو چاہیں حکم فرمائیں۔ پس حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ اللہ نے تیری پردہ پوشی فرمائی تھی، کاش (یا اگر) تو بھی اپنی پردہ پوشی کرتا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، چنانچہ وہ آدمی چلا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی اس کے پیچھے بھیج کر اس کو بلایا اور اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی "اقِمِ الصلوٰۃ الخ "نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں پر اور رات کے کچھ (ابتدائی) حصے میں، بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں بُرائیوں کو، یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے۔ پس حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ بات (بشارت) اس شخص کے لئے خاص ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے ہے۔

تشریح: قولہ: "جاء رجل" ممکن ہے کہ یہ وہی ابوالیُسر ہو جن سے امام ترمذیؒ نے اس سورت کے آخر میں حدیث نقل کی ہے۔ قولہ: "عالجتُ" یعنی میں نے اس سے زنا کرنے کی کوشش کی ہے "عَالَجَ الامر" کسی کام کو انجام دینے کی کوشش کو کہتے ہیں۔ قولہ: "فانطلق" شاید وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت سے انتظار حکم کا اشارہ سمجھ کر جانے لگے ہو۔ قولہ: "بل للناس کافۃً" ہمارے پاس موجود نسخہ میں بغیر "لا" کے ہے جبکہ تحفۃ الاحوذی اور عارضۃ الاحوذی کے متون پر "لا" بھی ہے، اُوپر ترجمہ میں اسی نسخہ کو ملحوظ رکھا ہے۔ قولہ: "زُلَفاً" زُلفۃ کی جمع ہے قریبی گھڑی کو کہتے ہیں، مراد عشاء یا مغرب وعشاء دونوں ہیں، علیٰ ھذا اس آیت سے عام مفسرین کے نزدیک ظہر کے علاوہ چاروں نمازیں آگئیں۔ جبکہ مجاہد اور بعض دوسرے مفسرین نے اس آیت سے پانچوں نمازوں پر استدلال کیا ہے بایں صورت کہ طرفی النہار میں فجر، ظہر اور عصر کی تینوں نمازیں شامل ہوگئیں کہ زوال سے قبل دن کا ایک کنارہ ہے اور زوال کے بعد دوسرا کنارہ ہے۔ جس میں ظہر مع العصر دونوں

آتی ہیں اور زُلفاً من اللیل میں مغرب وعشاء۔

ابن العربیؒ نے اس حدیث سے چند مسائل مستنبط کئے ہیں مثلاً مستفتی کو نہیں ڈانٹا جائے گا کیونکہ نبی علیہ السلام نے اس شخص پر عتاب نہیں فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے قول سے معلوم ہوا کہ گناہ کو چھپانا چاہئے اور اللہ سے معافی وبخشش طلب کرنی چاہئے۔

جس صحابی نے پوچھا تھا کہ "ھذا له خاصة؟" تو یہ لفظ مفرد "أقِم الصلوٰة" کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے کہ آیا یہ خطاب واحد ہے یا خطاب جنس ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ "بل للمؤمنین عامة" یعنی یہ خطاب جنس ہے لہٰذا یہ اعتراض وارد نہ ہوا کہ اعتبار تو عموم لفظ کا ہوتا ہے پھر سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی کذا قال الکنگوہی فی الکوکب۔ لہٰذا اگر نبی علیہ السلام یہ وضاحت نہ بھی فرماتے تب بھی یہ لفظ عموم کے لئے ہوتا کہ اصل خطاب قرآنی میں جنس سے خطاب ہے نہ کہ فرد واحد سے۔

ابن مسعودؓ کی اگلی حدیث میں ہے "ان رجلاً اصاب من امراة قُبلَةً حرام" اس میں اضافت قبلہ حرام کی طرف اضافتِ موصوف الی الصفۃ ہے مزید شناعت کے اظہار کے لئے یعنی اس نے ایک عورت کا بوسہ لیا جو اس پر حرام تھا۔

امام ترمذیؒ نے حضرت معاذؓ کی حدیث کی بھی تخریج کی ہے لیکن اس کی سند کو منقطع قرار دیا ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا سماع حضرت معاذؓ سے ثابت نہیں۔ بہر حال حضرت معاذؓ کی حدیث کے مطابق ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے خبر دیجئے کہ ایک آدمی ایک عورت سے ملے اور دونوں میں جان پہچان نہ ہو یعنی نکاح نہ ہو اور پھر یہ اس سے ایسا ہی کرتا ہے جیسے آدمی اپنی بیوی سے کرتا ہے سوائے اس کے کہ وہ اس سے جماع نہیں کرتا تو اللہ نے یہ آیت بالا نازل فرمائی "اَقِمِ الصلوٰة طرفی النهار الخ" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وضوء کر کے نماز پڑھے۔ باقی حدیث اسی طرح ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی الیسر قال اَتتنی امراة تبتاع تمراً فقلتُ ان فی البیت تمراً اَطیب منه فَدَخلت معی فی البیت فَاهویتُ الیهافَقَبّلتُهافاتیت ابابکرفذکرتُ ذالک له فقال اُستُرعلیٰ نفسک وتُب ولاتُخبراحداً فلم اَصبرفاتیتُ عمرَفذکرتُ ذالک له فقال اُستُرعلی نفسک وتُب ولاتُخبراحداً،فلم اصبرفاتیتُ النبی صلی الله علیه وسلم فذکرتُ ذالک له فقال له:اَخلفتَ غازیاً فی سبیل الله فی اهله بمثل هذاحتیٰ تَمَنّیٰ انه لم یکن اَسلَمَ

وَاَطرَقَ رسول الله صلى الله عليه وسلم طويلاً الابلك الساعة حتىٰ ظن انه من اهل النار قال: حتىٰ اُوحِيَ اليه "اَقِمِ الصلوٰة"....الاية، قال ابو اليسر فاتيته فقراَها عَلَيَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اصحابه يارسول الله اَلِهذا خاصة ام للناس عامةً؟ قال بل للناس عامة"

(حسن صحیح غریب)

حضرت ابوالیسر (کعب بن عمرو) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی جو کھجور خریدنا چاہتی تھی، میں نے کہا اندر گھر میں اس سے بھی اچھی کھجور ہے، تو وہ میرے ساتھ گھر میں (یا اسٹور میں) داخل ہوئی پس میں اس کی طرف لپکا اور اس کا بوسہ لیا، پس (نادم ہوکر) میں ابوبکر کے پاس آیا اور ان سے اس کا ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا اپنے اوپر پردہ ڈالو اور توبہ کرو اور کسی کو مت بتانا۔ لیکن مجھ سے صبر نہ ہوسکا چنانچہ میں عمر کے پاس آیا اور ان سے بھی اس کا تذکرہ کیا، انہوں نے فرمایا کہ اپنے اوپر پردہ ڈالو اور توبہ کرو اور کسی کو مت بتاؤ۔ لیکن مجھ سے صبر نہ ہوسکا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا، آپؐ نے اس سے فرمایا تم نے اللہ کے راستہ میں جانے والے غازی کے پیچھے اس کے گھر والوں کے ساتھ ایسا کام کیا؟ (یعنی تیری ذمہ داری تو دیکھ بھال کی تھی جبکہ تو نے خیانت کی) یہاں تک کہ اس (ابوالیسر) نے آرزو کی کہ کاش میں ایمان نہ لایا ہوتا مگر اس وقت اور حتیٰ کہ وہ گمان کرنے لگے کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی دیر تک سر جھکالیا تا آنکہ آپؐ کو وحی کی گئی "اقم الصلوٰة الخ" کی۔ ابوالیسر فرماتے ہیں کہ آیا میں آپؐ کے پاس، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھ کر مجھے سنائی۔ باقی روایت سابقہ روایت کی طرح ہے۔

تنبیہ:۔ ان روایات سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ تو مزے ہوگئے بس آدمی اپنی مرضی سے جیسے چاہے گناہ کرے اور پھر وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھے تو گناہ کے مزے بھی لوٹ لے گا اور دامن بھی صاف ہوجائے گا۔ کیونکہ اول تو اس قسم کی نصوص ان لوگوں کے لئے ہیں جو جہالت و نادانی سے گناہ کرتے ہیں وہ گناہوں کے لئے باقاعدہ کوئی منصوبہ بندی نہیں کرتے ہیں بلکہ سوء اتفاق سے ایسا کبھی کبھار ہوجاتا ہے جیسے ان صحابی کا گناہ ایک غیر ارادی عمل تھا، دوم اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس نیت سے عمداً گناہ کرنے سے وہ پھر توبہ کرے گا کتنے ایسے لوگ ہیں جو گناہ کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے، اور جب تصور یہی ہوگا کہ وہ پھر بھی گناہ کبیرہ کرکے توبہ کرے گا تو ایسی توبہ قبول کب ہوتی ہے؟ توبہ تو نام ہی ندامت و استغفار اور آئندہ گناہ نہ کرنے کے عزم کا ہے؟ سوم ایسی توبہ قبول بھی ہوجائے لیکن جب تک گناہ ترک کرنے کا مکمل عزم نہیں ہوگا تو وہ تو کمزور ہوتی ہے تو جس

طرح شوگر کا مریض چینی اور دوسری میٹھی چیزیں استعمال کرتا رہتا ہے اور انسولین بھی لیتا ہے اور بالآخر شوگر غالب ہی رہتی ہے اسی طرح ایسا کرنے والے کی بالآخر توبہ مغلوب ہو جاتی ہے، اسے توبہ کی توفیق ہی نہیں ملتی اور اگر بظاہر وہ توبہ کر بھی لے لیکن اس میں جان نہیں ہوتی کیا عبداللہ بن اُبی نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو آپؐ کے پاس نہیں بھیجا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلائیں تا کہ وہ نماز جنازہ پڑھائیں اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائیں تو کیا ابن ابی کی توبہ قبول ہوئی ؟؟؟؟؟ کیا وہ منافقین کی صف سے وامامت سے نکلنے میں کامیاب ہوا؟ بہر حال نیکیوں سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں یہ پہلے گزرا ہے۔

ومن سورة يوسف

سورت یوسف کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إنّ الكريم بن الكريم بن الكريم يوسف بن يعقوب بن اسحاق بن ابراهيم، قال: لو لَبِثتُ فى السجن مالَبِثَ يوسف ثم جاء نى الرسول أجبتُ، ثم قَرَاَ "فَلَمّا جاءه الرسول قال ارجع الى ربک فسأله ما بال النسوة اللاتى قطّعن ايديهن" قال وَرَحمةُ اللّٰهِ على لوط ان كان لَيَاوِى الى رُكنٍ شديد اذ قال لو ان لى بكم قوة او آوى الى ركن شديد فما بعث الله من بعده نبياً الافى ذِروَةٍ مِن قومه". (حسن)

بے شک پاکیزہ اور شرافت والا، بیٹا بزرگ کا اور وہ بیٹے بزرگ کے اور وہ بیٹے بزرگ کے، یوسف بیٹے یعقوب کے اور وہ بیٹے اسحاق کے، اور وہ بیٹے ابراہیم کے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں جیل میں اتنا عرصہ گزارتا جتنا یوسف نے گزارا ہے اور پھر میرے پاس قاصد آتا (رہائی کے لئے) تو میں قبول کر لیتا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی "فلما جاءه الرسول الخ" یعنی جب یوسفؑ کے پاس قاصد آیا تو یوسفؑ نے فرمایا کہ لوٹ جا اپنے بادشاہ کے پاس اور اس سے پوچھ کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے، آپؐ نے فرمایا اللہ کی رحمت ہو لوطؑ پر کہ وہ پناہ پکڑنا چاہتے تھے مضبوط کنبہ (قلعہ) کی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کے اعلیٰ (اور مضبوط) خاندان میں۔

تشریح:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ "سيد الناس" ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت جامع ترین اور اخلاق کریمانہ میں کامل ترین ہیں لیکن شرفاء کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیچھے شمار کرتے

ہیں چنانچہ آپ کو بھی صبرِ جمیل اور ثباتِ جزیل عطا ہوا تھا مگر آپؐ نے حضرت یوسف کے کمالِ صبر کی تعریف فرمائی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد اس تعریف سے اَباً عن جَدٍّ لگاتار شرافت کی خصوصیت کا بیان ہو کہ حضرت یوسفؑ کو یہ خصوصیت وفضیلت حاصل ہے کہ ان کے پرداداتک سارا سلسلہ نسب انبیاء پر مشتمل ہے علیٰ ھذا یہ فضیلت جزوی ہو جائے گی، بہر حال یہ بات مسلّم ہے کہ انبیاء علیہم السلام سارے کے سارے کریمانہ اخلاق کے مالک تھے لیکن مع ھذا کسی پر ایک رنگ غالب ونمایاں رہا ہے اور کسی پر دوسرا۔ جبکہ آپؐ تمام کمالات کے جامع تھے آپؐ کا اندازِ خطاب حضرت نوحؑ کے جوشِ خطاب سے کم نہیں، آپؐ کی توحید حضرت ابراہیمؑ کے ولولہ توحید سے کم نہیں، آپؐ کا ایثار حضرت اسماعیلؑ کے ایثار سے ادنیٰ نہیں، آپؐ کی جدوجہد حضرت موسیٰؑ کی سعی وکوشش سے کمتر نہیں، آپؐ کی رفاقت حضرت ہارونؑ کی رفاقتِ حق سے کسی طرح کم نہیں، آپؐ کی تسلیم حضرت یعقوبؑ کی تسلیم سے کم نہیں، آپؐ کا حق کو سربلند کرنے کا جذبہ حضرت داؤدؑ کے غربتِ حق پر ماتم کرنے سے کسی طرح کم نہیں، آپؐ کا سرودِ حکمت حضرت سلیمانؑ کے سرودِ حکمت سے کم نہیں، آپؐ کی عبادت حضرت زکریاؑ کی عبادت سے کسی طرح کم نہیں، آپؐ کی عِفت حضرت یحییٰؑ کی عفت سے کم نہیں، آپؐ کا زہد حضرت عیسیٰؑ کے زہد سے کم نہیں، آپؐ کا صبر حضرت ایوبؑ کے صبر سے کم نہیں اور آپ علیہ السلام کی جانفشانی حضرت لوطؑ کی جانفشانی سے ہرگز کم نہیں بلکہ یہ ہمہ صفات آپؐ کی ذات بابرکات میں بوجہ اتم اور بطور اکمل موجود ہیں مگر مع ھذا آپؐ کا یہ فرمانا "ان الکریم الخ" اور "لاتفضلونی علی یونس بن متی" وغیرہ آپؐ کی شرافت کی عکاسی کرتا ہے بلکہ شہادت دیتا ہے، کیونکہ نالائق لوگ اپنے آپ کو بڑے بڑے دعووں سے اور عمدہ لباس سے اونچا کرتے ہیں لیکن لائق لوگ ٹھاٹ باٹ کے مصنوعی دعاوی پر یقین نہیں رکھتے ہیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جیل سے جلدی نکلنے کی خواہش کا اظہار قطعاً بے صبری نہیں بلکہ یہ یقیناً کسی حکمت پر مبنی ہے اگرچہ حضرت یوسفؑ کا نہ نکلنا بھی ایک حکمت پر مبنی تھا تاکہ معاملہ صاف ہو جائے اور عزیزِ مصر کے دل میں حضرت یوسفؑ سے جو نفرت پائی جاتی ہے اس کا ازالہ غائبانہ طور پر ہو جائے۔

چونکہ حضرت لوطؑ اپنے دار الہجرۃ (سدوم) میں اپنے خاندان اور قبیلہ سے بہت دور تھے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کر کے یہاں آئے تھے اس لئے مہمانوں کی رسوائی کا یقین ہونے کی صورت میں اسبابِ عادیہ کی موجودگی کی آرزو کر بیٹھے، جو اگرچہ شرعاً کسی طرح ممنوع نہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے شایانِ شان نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے ان کے لئے رحم کی دعا فرمائی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی حضرت لوطؑ کی دُعاء قبول

فرمائی جس کا اثر مابعد کے سلسلہ نبوت کے لئے بہت مفید ثابت ہوا چنانچہ مابعد کے سب انبیاء علیہم السلام اعلیٰ خاندانوں میں سے مبعوث ہوئے، جہاں تک آپؐ کی ہجرت کا تعلق ہے تو یہ اس لئے نہیں ہوئی کہ بنو ہاشم آپ کا دفاع نہیں کر سکتے تھے بلکہ اس لئے کہ مکہ کے صنادید دعوت کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنے تھے اور مکہ والوں کے علاوہ باہر سے آنے والوں کو بھی نبی علیہ السلام سے ملنے نہیں دیتے اس لئے آپؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی تاکہ دعوت کا عمل تیز تر ہو جائے، نیز آپؐ کے دار الہجرت میں بھی اللہ نے آپؐ پر قربان ہونے والوں کا ایسا انتظام فرمایا جو اگرچہ بنو ہاشم سے شجاعت میں آگے نہ تھے لیکن قربانی اور ایثار میں سب سے آگے تھے جس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

ومن سورة رعد

سورتِ رعد کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباس قال اَقبَلت یهودُ الی النبی صلی الله علیه وسلم فقالوا: یااَبَاالقاسم اَخبِرناعن الرعدماهو؟قال مَلَکٌ مِّن الملائکة مُوَکَّلٌ بالسحاب معه مَخَارِیق من نارٍ یَسُوق بها السحاب حیث شاء الله فقالوا فماهذاالصوت الذی نسمع؟قال: زجرُهُ بالسحاب اِذا زَجرَه حتیٰ ینتهی اِلیٰ حیثُ اُمِرَ قالوا صدقتَ فاخبِرناعَمَّاحَرَّم اسرائیل علیٰ نفسه؟ قال: اِشتکیٰ عِرقَ النَّسا فلم یجدشیئاً یلائمه اِلاّلُحُومَ الابل والبانَهافلِذالک حرَّمها قالوا صدقت".(حسن صحیح غریب)

یہود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے پوچھا اے ابوالقاسم! ہمیں رعد (گرج) کے بارے میں بتاؤ وہ کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادل (کے ہانکنے) پر مقرر ہے اس کے ساتھ آگ کے کوڑے ہیں، جن سے وہ بادلوں کو ہانک کر وہاں لے جاتا ہے جہاں اللہ چاہتا ہے۔ ان لوگوں نے پھر پوچھا کہ یہ آواز کیا ہے جو ہم سنتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا یہ اس کا جھڑکنا ہے بادل کو وہ بدلی کو جھڑکتا ہے تا آنکہ وہ پہنچ جائے اس جگہ تک جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ یہود نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا (فسئالوا) انہوں نے کہا پس ہمیں بتلایئے کہ اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر کیا چیز حرام کی تھی؟ آپؐ نے فرمایا یعقوبؑ کو عرق النَّسا کی تکلیف ہوئی پس آپؐ نے اُونٹوں کے گوشت اور دودھ کے سوا کوئی

ایسی چیز نہیں پائی جو انہیں زیادہ پسند (اور موافق) ہو، اسی لئے انہوں نے ان کو اپنے لئے حرام کر دیا۔ یہود نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔

تشریح:۔ نَسَا بروزن عصاران کی رگ (ورید) ہے جس میں درد کی وجہ سے مشہور بیماری پیدا ہوتی ہے، حضرت یعقوبؑ کی یہ تحریم ان کی شریعت کے مطابق جائز تھی ہمارے لئے طیبات کو حرام قرار دینا ممنوع ہے، پھر رعد کو اس حدیث کے مطابق اپنے ظاہری معنی پر حمل کرنے سے کوئی مانع نہیں پایا جاتا۔

یہاں ترمذی کی روایت میں اختصار ہے مسند احمد میں تفصیل ہے کہ حضرت یعقوبؑ بیمار ہوئے تے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں اس بیماری سے ٹھیک ہوا تو اپنا پسندیدہ کھانا پینا اپنے اوپر حرام کروں گا جب صحت یاب ہوئے تو یہی دو چیزیں حرام فرمادیں کیونکہ یہی آپؑ کو سب سے زیادہ پسند تھیں۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم فی قوله "وَنُفَضِّلُ بعضها علیٰ بعض فی الاُكل" قال الدَّقَلُ والفارسیُ والحُلوُ والحَامِضُ". (حسن غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت "وَنُفَضِّلُ بعضها الخ" یعنی ہم بعض پھلوں کو بعض دیگر پر فضیلت (فوقیت) دیتے ہیں آپؐ نے فرمایا ردی کھجوروں اور عمدہ میں اور میٹھی و کڑوی میں۔

تشریح:۔ دَقَل بروزن شجر و قمر ردّی کھجور، فارسی سے مراد عمدہ ہے، حُلو میٹھی اور الحامض کھٹی، اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت کی ایک جھلک ظاہر فرمائی ہے جو اس کی توحید اور حکمت اور دوسری صفات کمال پر دال ہے کہ ایک ہی نوع اور اصل میں فروع کا فرق پایا جاتا ہے آپؐ نے اس کی مثالیں دیں کہ کوئی کھجور ردی ہوتی ہے اور کوئی اعلیٰ کوئی پھل میٹھا ہوتا ہے اور کوئی کھٹا ہوتا ہے، اگر یہ سب امر طبعی کے طور پر ہوتا تو ان میں تفاوت نہ ہوتا، معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کا آئینہ دار ہے۔ کیونکہ ایک ہی اصل اور ایک ہی بیج سے مختلف ذائقہ کے پھل پیدا کرنا یقیناً کسی غیر مرئی قدرت کاملہ کا ہی فعل ہوسکتا ہے۔

ومن سورةِ ابراهيم

سورت ابراہیم کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن انس بن مالک قال اُتِیَ رَسولُ الله صلی الله عليه وسلم بِقِنَاعٍ عليه رُطَبٌ فقال: "مثل كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء تُؤتِی اُكُلَها كُلَّ حين

باذن ربها" قال هی النخلة "وَمَثَلُ کلمة خبیثة کشجرة خبیثة اُجتُثّت من فوق الارض مالها من قرار" قال هی الحنظلة ، قال فَاَخبرتُ بذالک اَبَا العالیة فقال صَدَقَ وَاَحسَنَ".

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تھال لایا گیا جس میں تازہ کھجوریں تھیں، پس آپؐ نے فرمایا "مثل کلمة طیبة الخ" (یعنی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے) اچھی بات (کلمہ طیبہ) کی مثال عمدہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہو اور اس کی شاخیں آسمان میں ہوں، وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت (موسم میں) پھل دیتا ہو، آپ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ اور بُری (گندی) بات کی مثال بے کار درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین کی اوپری سطح پر ہو جس میں بالکل استحکام نہیں ہوتا ہے، آپ نے فرمایا وہ اندرائن ہے۔

راوی حدیث شعیب بن حجاب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کی یہ حدیث ابوالعالیہ سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ انس نے سچ اور صحیح فرمایا ہے۔ (یعنی اچھی مثال دی ہے)

تشریح:۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے حضرت انسؓ کی، جیسا کہ حدیث کے آخر میں جملہ سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ حماد بن سلمہ کے علاوہ سب اسے موقوف نقل کرتے ہیں۔

یہ مثال بہت واضح ہے کہ کلمہ شہادت مؤمن کے دل میں انتہائی مضبوط ہوتا ہے اس کی جڑیں مؤمن کی رگ رگ میں پھیلی ہوتی ہیں اور اس کی شاخیں یعنی اعمال و آثار آسمان میں ہوتے ہیں ("الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفع")۔ (فاطر)

اور یہ سلسلہ تا موت جاری رہتا ہے جبکہ کلمہ کفر کی مثال اندرائن کی بیل کی مانند ہے کہ اول تو وہ زمین کی اوپر والی سطح پر ہوتی ہے، دوم اس کا پھل گو دیکھنے میں خوشنما لگتا ہے لیکن کھانے میں انتہائی کڑوا ہوتا ہے اس میں ضرر ہی ضرر ہے اور مع ھذا اس میں بقا بھی نہیں ہوتی ہے۔ کھجور اور اندرائن کی مثالیں ابواب العلم میں بھی گزری ہیں باب مَثَلِ المؤمن القاری للقرآن وغیر القاری۔ (تشریحات: ص:۵۹۷، ۵۹۸ ج:۷)

حدیث آخر:۔ "عن البراء عن النبی صلی الله علیه وسلم فی قوله: "یُثَبِّتُ اللهُ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰة الدنیا وفی الآخرة" قال فی القبر اذا قیل له مَن ربک؟ وما دینک؟ ومن نبیک؟". (حسن صحیح)

"اللہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھتا ہے پکی بات کے ذریعہ زندگانی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی"

کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ثابت قدم رکھنا قبر میں ہے جب اس سے پوچھا جاتا ہے تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟

تشریح:۔ قول ثابت سے مراد کلمہ توحید ہے اور اس کے ثبات کی مثال سابقہ حدیث میں بیان ہوئی پس جس کو کلمہ توحید پر شرح صدر ہو جائے تو پھر یہ مٹتا نہیں ہے دنیا میں بھی مؤمن اس پر مضبوطی سے قائم رہتا ہے اور آخرت میں بھی وہ کسی جھجک کا شکار نہیں ہوتا خصوصاً قبر میں جہاں اس کی ہولناکی کی وجہ سے زبانیں ڈگمگانے لگتی ہیں مؤمن اپنے عقیدہ پر برقرار اور مطمئن رہتے ہوئے صحیح جوابات دیتا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن مسروق قال تلت عائشة هذه الاية "يوم تُبدَّلُ الارض غيرَ الارض "قالت يارسول الله! فاين يكونُ الناس؟ قال: علىٰ الصراط". (حسن صحيح)

حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے یہ آیت پڑھی: یوم تُبدّلُ الارض الخ جس دن یہ زمین دوسری زمین میں تبدیل کردی جائے گی، حضرت عائشہؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! اس وقت لوگ کہاں ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا پل صراط پر۔

تشریح:۔ زمین کی تبدیلی سے کیا مراد ہے؟ تو اس بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس کی کیفیت تبدیل ہو جائے گی یعنی پہاڑ مسمار کردیئے جائیں گے اور ساری زمین ہموار کردی جائے گی، اسی طرح سماوات ٹوٹ جائیں گے اور ستارے بے نور کردیئے جائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی ذات تبدیل ہو جائے گی۔ لیکن ان دونوں قولوں میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ پہلی تبدیلی جو صفات کی ہے پل صراط رکھنے سے پہلے نفحہ اولیٰ کے ساتھ ہوگی جبکہ دوسری تبدیلی پل صراط رکھنے کے بعد ہوگی جس میں زمین دوسری دھات جیسے چاندی سے بدلی جائے گی، پہلی صورت میں لوگ سارے مرے ہوئے قبروں میں ہوں گے جبکہ دوسری میں پل صراط کے پاس ہوں گے، اس سے تمام روایات میں تطبیق ہوگئی۔

ومن سورة الحجر

سورت حجر کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباس قال كانت امراة تُصَلّي خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم حسناء من احسن الناس وكان بعض القوم يَتقَدّمُ حتىٰ يكون في الصف الاول لِئَلّا

لا يراها، ويستاخر بعضهم حتىٰ يكون في الصف المؤخر، فاذا ركع نظر من تحت ابطيه فانزل الله تعالىٰ "ولقد علمنا المستقدمين منكم ولقد علمنا المستاخرين".

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت جو لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتی تھی، تو بعض لوگ تو آگے چلے جاتے تا کہ وہ پہلی صف ہونے کی وجہ سے اس کو نہ دیکھ سکیں جبکہ بعض لوگ پیچھے رہتے تھے (یعنی مردوں کی آخری صف میں کھڑے ہو جانے کی کوشش کرتے) یہاں تک کہ وہ آخری صف میں کھڑے ہوتے تھے، پس جب وہ رکوع کرتے تو اپنی بغلوں کے نیچے سے اس کو دیکھتے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولقد علمنا الخ" یعنی ہم خوب جانتے ہیں تم میں سے ان لوگوں کو جو آگے بڑھتے ہیں اور ان کو بھی ہم جانتے ہیں جو پیچھے رہنے والے ہیں۔

تشریح:۔ حالت رکوع میں پچھلی صف والوں کے چہروں کو دیکھنا بظاہر ممکن نہیں ہے اس لئے ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد ترجیح اس کو دی ہے کہ مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو گزرے ہیں یعنی مر دے، اور مستاخرین وہ ہیں جو ابھی تک نہیں مرے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ہوں۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو کہا جائے گا کہ یا تو یہ ضعیف ہے جیسا کہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے "فيه نكارة شديدة" اور یحییٰ بن معین نے بھی راوی نوح بن قیس کی تضعیف فرمائی ہے یا پھر یہ ابی الجوزاء کا کلام ہے ابن عباسؓ کا نہیں جیسا کہ امام ترمذیؒ نے تصریح کی ہے اور چونکہ ابن عباسؓ سے مستقدمین کے متعلق گزرے ہوئے لوگوں سے تفسیر ثابت ہے۔ اس لئے ترمذی کی حدیث ابن عباسؓ کی تفسیر معلوم نہیں ہوتی، اگر بالفرض اسے ابن عباسؓ کی تفسیر مانی جائے تو پھر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آیت کا شانِ نزول یہی قصہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی اس آیت کا مصداق بن جاتے ہیں جیسا کہ "نزلت في كذا" کا اصول ہے اور راقم نے اپنی دوسری کتاب "زاد لیسیر فی علوم التفسیر" میں بحوالہ اتقان نقل کیا ہے، فلیراجع۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لجهنم سبعة ابواب باب منها لمن سلّ السيف علىٰ أمتي او قال علىٰ امة محمد". (غريب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ ان لوگوں کے لئے ہے جو میری امت یا فرمایا کہ امتِ محمدیہ پر تلوار اُٹھائیں گے۔

حدیث آخر:۔"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :الحمدلله أمّ القرآن وامُّ الکتاب والسبعُ المثانی". (حسن صحیح)

الحمدللہ (یعنی سورت فاتحہ) اُمّ القرآن ہے واُمّ الکتاب اور سبع مثانی ہے۔

تشریح:۔ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابو عبیدہ کا کلام ہے "مجاز القرآن" میں اُم بمعنی اصل کے ہے کیونکہ فاتحہ میں قرآن کے تمام اہم مضامین اجمالاً موجود ہیں جبکہ مثانی بمعنی مکرر کے ہے اور سورت فاتحہ بھی نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہے یا مکرر نازل ہوئی ہے اور اس کی سات آیتیں ہیں جیسا کہ ابواب فضائل القرآن کے پہلے باب میں گزرا ہے۔

اگلی حدیث جو حضرت اُبی بن کعبؓ سے مروی ہے "ابواب فضائل القرآن" کے پہلے باب میں تفصیلاً گزری ہے، جبکہ اس کا آخری جزو سورت فاتحہ کی تفسیر میں گزرا ہے۔

حدیث آخر:۔"عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اِتّقوا فِراسَةَ المؤمن فانه ینظرِبنُورِاللّٰهِ ثم قرأ :"ان فی ذالک لآیات للمُتَوسِّمِین". (غریب)

مؤمن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کی (طرف سے دی ہوئی) تجلی سے دیکھتا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: "ان فی ذالک الخ" بے شک اس (واقعہ قوم لوط) میں نشانیاں ہیں عبرت (اور بصیرت) والوں کے لئے، آگے راوی نے متوسّمین کی تفسیر متفرّسین سے کی ہے یعنی ناظرین اور معتبرین جو قرائن واخبار میں سوچتے سوچتے نتائج اُخذ کرتے ہیں۔

تشریح:۔اس حدیث کی سند میں اگرچہ کافی اختلاف ہے لیکن اس کا مضمون اپنی جگہ صحیح ہے۔ فراست بروزن تجارت بمعنی اطلاع کے ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے (کامل) مؤمن کے دل میں ایک نور القاء کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی بصیرت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے، یہ بطورِ کرامت کے ہوتا ہے جو یہاں مراد ہے۔ دوسری قسم تجربی ہوتی ہے جو اذکیاء اور ذہین لوگ دوسروں میں علامات کے دیکھنے سے اندر کے احساسات کو بھانپ لیتے ہیں جیسے قیافہ شناسی، یہ ظنی علم ہے۔

تَوَسُّم، دراصل وسم سے بمعنی نشاندہی کے ہے لیکن یہاں بمعنی تفکر کے ہے، یعنی جو لوگ عقل رکھنے اور سوچنے والے ہیں وہ ایام اللہ سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ: "لنسالنهم اجمعین عمّا کانوا یعملون "قال عن قول "لااِلٰہ اِلّا اللّٰہ". (غریب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت "لنسالنهم الخ "ہم ان سے ضرور پوچھیں گے ان کے اعمال کے بارے میں جو وہ کرتے ہیں۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ "لاالہ الااللّٰہ" کے متعلق سوال ہوگا یعنی کلمہ توحید کا۔

تشریح:۔ یہ حدیث ضعیف ہے، آیت کا اصل مطلب جو خود قرآن سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ ان سے قرآن کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کیوں اس کے حصے مقرر کئے تھے، کچھ مانتے اور کچھ جھٹلاتے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "الذین جعلوا القرآن عِضین ۔ فوَرَبِّکَ لنسالنّهم اجمعین عمّا کانوا یعملون" تفسیر خازن میں ہے "عمّا کانوا یقولون فی القرآن وقیل عما کانوا یعملون من الکفر والمعاصی" تاہم مذکورہ حدیث اگر صحیح مانیں تو اس کا باقی تفاسیر سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ یہاں حصر مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بنیادی سوال کلمہ توحید کے بارے میں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ جو توحید کا قائل ہو وہ قرآن کو حصوں میں منقسم نہیں کرتا بلکہ اسے مِن وعَن مانتا ہے۔

یاد رہے کہ اگر "مقتسمین" جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے سے مراد اہل کتاب ہوں تو پھر اس آیت میں قرآن سے مراد معنی لغوی یعنی نفس کتاب ہے جو تمام کتب سماویہ خصوصاً تورات وانجیل کو بھی شامل ہے، اور اگر قرآن بمعنی معروف ہو تو پھر مراد اہل مکہ ہوں گے کہ وہ استہزاءً کہتے تھے فلاں سورت میری ہے۔ اس کی دوسری تفسیر بھی ہے۔

ومن سورة النحل

سورتِ نحل کی بعض آیتوں کی تفسیر

حدیث عمر بن الخطابؓ:۔ "یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اربع قبل الظهر بعدالزوال تحسب بمثلهن من صلوٰة السَحَرِ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ولیس شیئٌ اِلّا وهو یُسَبِّحُ اللّٰهَ تلک الساعة ثم قرأ "یَتَفَیَّؤُ ظِلالُه عن الیمین والشمائل سُجّداً لِلّٰه وهم داخرون" الآیة کلها". (غریب)

چار رکعت زوال کے بعد قبل از (نماز) ظہر تہجد کی چار رکعتوں کے ثواب کے برابر شمار کی جاتی ہیں۔ اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ بھی) فرمایا کہ اس وقت (زوال) کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ کی تنزیہ کرتی ہے۔ پھر
آپؐ نے یہ آیت پڑھی "یتفیؤ الخ" پھرتے (لوٹتے) ہیں ان کے سائے دائیں اور بائیں اللہ کے لئے سجدہ
کرتے ہوئے اور وہ نہایت عاجزی کرتے ہیں۔

یہ حدیث یحییٰ بکاء کی وجہ سے ضعیف ہے زوال کی چار رکعتوں کا مسئلہ ابواب الصلوٰۃ میں گزرا ہے۔

حدیث ابی بن کعبؓ:۔ "قال لمّا کان یوم اُحد اُصیب من الانصار اربعة وستون رَجلاً ومن المهاجرين ستة ،منهم حمزة فَمَثَّلُوابهم فقالت الانصار: لئن اصبنامنهم يوماً مثل هذا لَنُربِيَنّ عليهم قال فلماكان يوم فتح مكة فانزل الله تعالى "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به ولئن صبرتم لَهُوَ خيرٌ للصابرين "فقال رجل: لاقريش بعداليوم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم كُفُّوا عن القوم اِلّا اربعة". (حسن غريب)

جب اُحد کا دن (غزوہ) ہوا تو انصار میں سے چونسٹھ صحابہ شہید ہوئے اور مہاجرین میں سے چھ۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی تھے پس کفار نے ان شہداء کا مُثلہ کیا تھا (یعنی لاشوں پر تشدد کر کے انہیں مسخ کرنے کی نامبارک کوشش کی تھی) پس انصار نے کہا کہ اگر ہمیں بھی کسی دن ان تک رسائی ہوئی (یعنی اگر ہم ان پر غالب آگئے) تو ہم دونے (ڈبل) لوگوں کا مثلہ کریں گے حضرت اُبیؓ فرماتے ہیں کہ جب فتح مکہ کا دن آیا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وَاِن عاقبتُم فعاقبوا الخ "اگر تم بدلہ لو تو صرف اُتنا ہی بدلہ لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے، وگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ بات صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے، پس ایک شخص (انصاری) نے کہا کہ آج کے بعد قریش نہیں رہیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم (مکہ والوں) سے ہاتھ روکے رہو (یعنی قتل نہ کرو) سوائے چار آدمیوں کے۔

تشریح:۔ "مُثلہ" اعضاء کاٹنے کو کہتے ہیں جیسے کان، ناک اور مذاکیر وغیرہ مَثَلَثُ بالحیوان بھی کہا جاتا ہے یعنی مجرد کے باب سے، لیکن اگر مبالغہ مقصود ہو تو پھر تشدید کے ساتھ یعنی باب تفعیل کا فعل ذکر کرتے ہیں، اس حدیث میں بھی "ث" کی تشدید کے ساتھ ہے۔ قولہ: "لَنُربِيَنّ عليهم" اِرباء سے ہے اصل معنی اس کا زیادتی ہے جیسے سود کو ربا بمعنی نفع و زیادت کہتے ہیں۔ یہاں مراد دوگنا مُثلہ ہے یعنی انہوں نے ہمارے جتنے آدمیوں کا مثلہ کیا ہے ہم ان کے ڈبل کا سخت مثلہ کریں گے لہٰذا زیادہ کم و کیف دونوں میں مراد ہے۔

یہ آیت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی تھی لیکن کبھی راوی مابعد کے واقعہ کے بارے میں بھی کہتا ہے "نزلت فی کذا" جیسا کہ اپنے محل میں بیان ہوا ہے۔ قولہ: "فقال رجل" اس قول کا اس آیت سے زیادہ تعلق نہیں جیسا کہ تفصیلی روایت سے معلوم ہوتا ہے لیکن ترمذی کی روایت جب مختصر ہوئی تو بظاہر یہ قول آیت پر مرتب و متفرع معلوم ہوا۔

پھر جو چار آدمی امان سے مستثنیٰ کیے گئے تھے ان میں سے ایک حضرت عکرمہ بن ابی جہل بھی تھے لیکن وہ مسلمان ہوجانے کی وجہ سے بچ گئے تھے، دوسرے آدمی یہ تھے عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح اور دو عورتیں تھیں۔

ومن سورة بنی اسرائیل

سورت اسراء کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی هريرة قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم :حين أُسرِیَ بی لقيتُ موسیٰ قال فَنَعَتَه فاذا رجل....قال حَسِبتُه قال مُضطرب رَجِلُ الرأسِ كانه من رجال شنُوءَةَ قال ولقيتُ عيسیٰ قال فَنَعَتَه قال رَبعَةٌ احمرُ كانه خَرَجَ من ديماسٍ يعنی الحمامَ ورأيتُ ابراهيم قال: وَانَا اَشبَهُ وَلَدِه به قال واُوتيتُ بِاِنائين احدهما لبن والأخرفيه خمرفقيل لی: خُذايَّهماشِئتَ فاَخذتُ اللبنَ فشرِبتُه فقيل هُديتَ لِلفِطرة....أو....اَصبتَ الفطرة اَمااَنك لواَخذتَ الخمرغَوَت اُمَّتُکَ". (حسن صحيح)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے رات کو لے جایا گیا تو میری ملاقات ہوئی موسیٰ سے، راوی نے کہا پھر آپؐ نے ان کا حلیہ بیان کیا۔ راوی نے کہا میرا گمان ہے کہ آپؐ نے فرمایا (موسیٰ) دراز قد، متناسب جسم، نرم بالوں والے تھے گویا وہ شنوءہ قبیلہ کے لوگوں کی طرح تھے، آپؐ نے فرمایا اور میری ملاقات ہوئی عیسیٰ سے۔ راوی نے کہا کہ آپؐ نے ان کا حلیہ بیان کیا تو فرمایا کہ وہ میانہ قد، گوری رنگت کے تھے، گویا وہ دیماس یعنی حمام سے نکلے ہیں، اور دیکھا میں نے ابراہیمؑ کو، آپؐ نے فرمایا کہ میں ان کی اولاد میں ان کے زیادہ مشابہ ہوں، آپؐ نے فرمایا میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی، پس مجھے کہا گیا کہ ان دونوں میں سے جو آپ چاہیں لے لیں اتو میں نے دودھ

لیے اور اسے پیا، مجھ سے کہا گیا کہ فطرت کی طرف آپ کی رہنمائی کی گئی، یا فرمایا کہ آپ فطرت کو پا گئے۔ یاد رہے کہ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی۔

تشریح:۔ اِسراء کا اطلاق مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کے سفر پر ہوتا ہے جبکہ معراج مسجدِ اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ پھر وہاں سے مزید عُلیٰ کی طرف جانے اور چڑھنے کو کہتے ہیں، چونکہ معراج کی تفصیل کے بارے میں روایات میں لفظی اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ اِسراء کا منکر کافر ہے جبکہ معراج کی تفصیلات کا منکر مبتدع ہے یعنی اہل السنۃ والجماعت سے خارج ہے البتہ نفسِ معراج کا منکر کافر ہی ہے، پھر معراج کے متعلق اس پر اتفاق ہے کہ وہ مکہ میں ہوئی لیکن کس سن میں؟ تو پانچ نبوی سے ایک سال قبل الہجرت تک متعدد اقوال ہیں، ان روایات کی تفصیل تفسیر ابن کثیر میں اسی سورت کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

قولہ: "قال خبیثہ" بخاری میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ یہ راوی عبدالرزاق کا قول ہے۔

قولہ: "مضطرب" وہ شخص جس کا قد لمبا ہو لیکن زیادہ دراز نہ ہو اور جسم کا گوشت بھی زیادہ نہ ہو۔

قولہ: "رَجِل الرأس" بفتح الراء وکسر الجیم، جس کے بال نہ بالکل سیدھے ہوں اور نہ گھونگریالے ہوں۔ **قولہ:** "رَبعَۃ" بفتح الراء وسکون الباء، اس میں فتحہ بھی جائز ہے، میانہ قد۔ **قولہ:** "بِإنائین" یہاں دو برتنوں کا ذکر ہے، بعض روایات میں تین اور بعض میں چار کا ذکر ہے، پس کہا جائے گا کہ یا تو یہ الگ الگ مقامات پر مختلف عدد میں مشروبات پیش کئے گئے یا پھر اس اصول کے تناظر میں جواب دیا جائے گا کہ "ذَکَرَ کلٌّ مالم یذکرہ الآخر" غرض اصل تعداد چار تھی کیونکہ جنت کی اَنہار کی تعداد بھی چار ہے پانی، دودھ، شہد اور شراب۔ آپؐ نے دودھ پیا کیونکہ آپؐ فطرت پر قائم تھے اور دودھ ابتدائی فطری غذا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پیشوا اور مُقتدیٰ کے عمل کا پیروکاروں کے اعمال واخلاق پر اثر ہوتا ہے کیونکہ وہ بمنزلہ قلب کے ہوتا ہے "اذا صلح صلح کلہ واذا فسد فسد کلہ"۔

حدیث آخر:۔ "عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اُتِیَ بالبُراق لیلۃ اُسرِیَ بہ مُلجَماً مُسرَجاً فاستَصعَبَ علیہ فقال لہ جبرئیل: اَبِمحمد تفعل ھذا؟ فَمَا رکبک احدٌ اکرمُ علی اللہ منہ قال فارفَضَّ عَرَقاً". (حسن غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بُراق لایا گیا جس رات کو معراج کے لئے آپؐ کو لے جایا گیا، اس وقت وہ بُراق لگام لگایا ہوا اور زین باندھا ہوا تھا، اس نے شوخی کی (جس کی وجہ سے آپ کو سوار ہونے میں دشواری

ہوئی) پس حضرت جبرئیلؑ نے اس سے کہا: کیا تو محمد کے ساتھ ایسی شوخی کرتا ہے جبکہ تجھ پر کوئی ایسا شخص کبھی سوار نہیں ہوا ہے جو اللہ کے نزدیک آپؐ سے زیادہ عزیز ہو، راوی نے کہا کہ پس وہ پسینہ میں شرابور ہو گیا (اور شوخی چھوڑ کر تھم گیا)۔

تشریح: ۔بُراق گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا جانور ہوتا ہے۔ یہ لفظ یا تو مشتق ہے بریق سے جو چمکنے کے معنی میں آتا ہے یا برق سے ہے بجلی کے معنی میں، اول معنی کے لحاظ سے وہ سفید تھا اس لئے چمکتا تھا۔ دوم کے اعتبار سے وہ انتہائی تیز تھا، عارضہ میں ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سواری ہے (علی ھذا نبیؐ کا افضل الرسل ہونا قول جبرئیلؑ سے بھی ثابت ہوا) اگر چہ آپؐ کو بغیر بُراق کے بھی لے جایا جا سکتا تھا لیکن اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے اسباب کا ایک قانون بنایا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ بُراق جنت سے لایا گیا تھا۔ مُلجم: لجام بمعنی لگام سے ہے یعنی اس کو لگام دی ہوئی تھی۔ مُسرَجاً: یہ بھی اسم مفعول کا صیغہ ہے سرج سے ہے یعنی زین کسی ہوئی تھی۔ قولہ: "فاستصعب علیہ" یعنی مستی کی وجہ سے وہ بُراق صعب یعنی مشکل بن گیا کیونکہ سواری کے جانوروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ شہسوار کے سوار ہوتے وقت اترانے لگتے ہیں لیکن جب حضرت جبرئیلؑ نے اس کو بتایا کہ تجھ پر سوار ہونے والے کون ہیں تو اس کا پسینہ چھوٹ گیا۔ قولہ: "فارفضّ عرقاً" ای جری عرقہ، اس کا پسینہ نکلنے لگا یعنی شرم کی وجہ سے، پھر نرم ہوا اور اپنے کیئے ہوئے پر نادم ہوا۔

اگلی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہم بیت المقدس پہنچے تو جبرئیل نے اپنی انگلی سے اشارہ کر کے اس سے پتھر چیر دیا اور اس نے بُراق کو باندھ دیا۔ بُراق کو باندھنا لازمی نہ تھا لیکن ایسا عالم اسباب کے نظام کی تعلیم کے لئے کیا۔

ابن العربیؒ عارضہ میں فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سوراخ دیکھا ہے، جبکہ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے لقال: "فربطتہ بالحلقة التی یربط بھا الانبیاء" یعنی اس بُراق کو اسی سوراخ سے باندھا جہاں انبیاء علیہم السلام باندھا کرتے تھے، بظاہر یہ تعارض ہے۔ المسترشد عرض کرتا ہے کہ زیادہ عرصہ گزرنے کی وجہ سے وہ سوراخ بند ہو گیا تھا یعنی مٹی وغیرہ سے، تو حضرت جبرئیلؑ نے اسے کھول کر بحال فرمایا للا تعارض۔ قولہ: "قال جبرئیل باصبعہ" قال کے کئی معانی آتے ہیں، یہاں بمعنی اشار یعنی اشارہ کرنے کے ہے۔

حدیث آخر: ۔"حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب قریش

نے مجھے (معراج کے بارے میں) جھٹلایا تو میں حجر (حطیم) میں کھڑا ہوا اور اللہ نے مجھ پر بیت المقدس کو ظاہر (منکشف) فرمایا پس میں ان کو خبر دینے لگا اس کی نشانیوں کی جبکہ میں اسے (بیت المقدس کو) دیکھتا رہا۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس فی قولہ تعالی: "وماجعلنا الرؤیا التی أرینٰک الا فتنۃ للناس" قال ھی رؤیا عین أریھا النبیُ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ أسری بہ الی البیت المقدس.... (قال)..... "والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن" قال ھی شجرۃ الزقوم". (حسن صحیح)

حضرت ابن عباسؓ اس آیت "وماجعلنا الرؤیا الخ" اور ہم نے آپ کو جو مشاہدہ کرایا تھا (یعنی معراج) وہ لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے تھا، کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ آنکھ کا دیکھنا تھا (یعنی بحالتِ بیداری) جو دکھایا گیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات میں جب آپؐ کو بیت المقدس لے جایا گیا تھا، اور "الشجرۃ الملعونۃ الخ" کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے زقوم کا درخت ہے۔

تشریح:۔ رؤیا کا اطلاق اگرچہ عموماً خواب دیکھنے پر ہوتا ہے لیکن رئیس المفسرین کا اسے بطور مشترک رؤیا العین یعنی بحالتِ بیداری آنکھ سے دیکھنا، قرار دینا مزید کسی دلیل کا محتاج نہیں، ہاں البتہ حضرت معاویہؓ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "رؤیا صالحۃ" یعنی نیک خواب تھا۔ لیکن تفسیر میں ابن عباسؓ کا مقام مقدم ہے۔ نیز معراج متعدد بار ہوئی ہے لہٰذا روایات میں تطبیق بآسانی ہوسکتی ہے کہ کم از کم ایک دفعہ جسمانی ہوئی جبکہ باقی مرّات میں روحانی اور منامی، چونکہ خواب پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا اس لئے ماننا پڑے گا کہ معراج کم از کم ایک دفعہ جسمانی ہوئی ہے، ابن العربی عارضہ میں لکھتے ہیں کہ آپؐ کو مانوس کرنے کے لئے پہلے خواب میں معراج کرائی گئی پھر بیداری میں، تاکہ آپؐ بتقاضائے بشریت گھبرا نہ جائیں۔ اس آیت کے متعلق دوسری تفسیر عمرہ کی خوشخبری کا خواب ہے۔

قاضی عیاضؒ الشفاء ج:۱ کے صفحہ نمبر ۳۴ فصل "واما وفور عقلہ الخ" میں لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں پیچھے دیکھنا، اندھیرے میں دیکھنا، نجاشی کی نعش اور فرشتوں وشیاطین کو دیکھنا، اسی طرح بیت المقدس دیکھنا عند اضات کے جوابات کے موقع پر اور مسجد نبوی کا قبلہ درست کرتے وقت کعبہ کو دیکھنا، سب امام احمد وغیرہ کے نزدیک رؤیۃ عین ہیں۔ اور یہ کہ جب موسیٰؑ کی اللہ سے ہم کلامی کے بعد نظر غیر معمولی

طرح تیز ہوگئی تھی کہ وہ دس فرسخ (تیس میل) تک دیکھتے تھے، تو ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بینائی معراج سے بعد تیز ہوگئی ہو۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی ہریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ: وقران الفجر ان قران الفجر کان مشہوداً" تشہدہ ملائکة اللیل وملائکة النہار". (حسن صحیح)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا "یعنی پڑھنا قرآن کا فجر میں حاضر ہونے کا سبب ہے، حاضر ہوتے ہیں قرآن سننے کے لئے (فجر کی نماز میں) رات کے فرشتے اور دن کے ملائکہ۔

تشریح:۔ قرآن سے مراد فجر کی نماز ہے یعنی ذکر الجزء والمراد منہ الکل، کیونکہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے "اَقِمِ الصلوٰة لِدلوک الشمس الی غسق اللیل وقران الفجر الخ" لہٰذا قرآن، الصلوٰة پر عطف ہوا لہٰذا اس کا عامل "اَقِم" ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ فجر کی نماز پڑھو۔ تاہم اس تعبیر میں زیادتِ تلاوت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوسکتا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی ہریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ: "یوم ندعوا کُلّ اناس بامامہم" قال یُدعیٰ احدہم فیُعطیٰ کتابہ بیمینہ ویُمَدُّ لہ فی جسمہ ستون ذراعاً ویَبْیَضُّ وجہہ ویُجعل علیٰ رأسہ تاج من لؤلؤ یتلألأ فینطلق الی اصحابہ فیرونہ من بُعدٍ فیقولون اللّٰہم اِئتنا بہذا وبارِک لنا فی ہذا حتیٰ یاتیہم فیقول اَبشروا، لکل رجل منکم مثل ہذا.... (قال).... واما الکافر فیَسوَدُّ وجہہ ویُمَدُّ لہ فی جسمہ ستون ذراعاً علیٰ صورة آدم ویُلبَس تاجاً فیراہ اَصحابہ فیقولون نعوذ باللہ من شر ہذا اللّٰہم لا تاتنا بہذا قال فیاتیہم فیقولون اللّٰہم اَخِرہ فیقول اَبعَدَکم اللہ فان لکل رجل منکم مثل ہذا". (حسن غریب)

حضرت ابوہریرہؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہیں "یوم ندعوا کُلّ اُناس بامامہم الخ" "جس دن بلائیں گے ہم سب لوگوں کو اپنے اپنے پیشواؤں کے ساتھ، آپؐ نے فرمایا بلایا جائے گا ایک شخص ان (اہلِ محشر) میں سے اور اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اس کا بدن ساٹھ گز تک بڑھا دیا جائے گا اور اس کا چہرہ روشن کیا جائے گا اور اس کے سر پر چمکتے ہوئے موتی کا تاج رکھا جائے گا۔ پس وہ اپنے ساتھیوں کی طرف جائے گا، وہ اس کو دور سے دیکھیں گے اور کہیں گے کہ اے

[illegible] اس میں برکت عطا فرما (یعنی ہمیں بھی ایسا بنا)۔ یہاں تک کہ وہ ان [illegible] خوش رہو تم میں سے ہر ایک شخص کے لئے ایسا ہی انعام ہے..... فرمایا.... اور جہاں تک کافر کی بات ہے تو اس کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے گا اور اس کے جسم میں ساٹھ ہاتھ کا اضافہ کیا جائے گا آدم کے قد کے برابر۔ اسے پہنایا جائے گا ایک تاج (کانٹوں کا)۔ چنانچہ اس کے ساتھی (اتباع) اس کو دیکھ کر کہیں گے ہم اس آدمی کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اے اللہ! تو اسے ہمارے پاس نہ لا۔ آپؐ نے فرمایا وہ ان کے پاس آئے گا اور لوگ کہیں گے کہ اے اللہ! اس کو پیچھے ہٹا اور وہ کہے گا کہ اللہ تمہیں دور کردے (مجھ سے یا اپنی رحمت سے) اب سنو تم میں سے ہر ایک آدمی کے لئے بھی اس طرح کا عذاب ہے۔

حدیث آخر:۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: في قوله "عسى ان يبعثك ربك مقاماً محموداً" وسُئِلَ عنها قال: هي الشفاعة". (حسن)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت "عسى ان يبعثك الخ" (امید رکھو) ہوسکتا ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں اٹھادے، کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا وہ شفاعت (کبریٰ) ہے (یعنی مراد ہے)۔

تشریح:۔ اس بارے میں پیچھے ایک تفصیلی روایت گزری ہے کہ جب سب لوگ میدان محشر میں تنگ آکر سفارش کے لئے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور وہ معذرت فرمائیں گے اور بالآخر سب لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کریں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے، اس وقت سب خلائق آپ کی تعریف کریں گی وہ مقام محمود ہے۔ اس بارے میں جن لوگوں نے کہا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جب آپ عرش پر بیٹھیں گے تو یہ سخت غلط ہے۔ ابن العربی عارضہ میں لکھتے ہیں: واشد ما فيه رواية الطبرى وغيره انه يجلسه معه على العرش۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن مسعودؓ قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة عام الفتح وحول الكعبة ثلاث مائة وستون نُصُباً فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يطعنها بمخصرة في يده ورُبما قال بعُودٍ ويقول "جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً" جاء الحق وما يُبدئ الباطل وما يعيد". (حسن صحيح)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال (موقع پر) مکہ میں

کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ (بت) گڑے تھے (یعنی پرستش کے لئے)۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم
باطل ہوئے ... ان بتوں کو مارنے لگے ایک چھڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی....اور کبھی ابن مسعودؓ نے کہا....ایک لکڑی
اور آپ فرماتے تھے "جاء الحق الخ" آیا حق اور بھاگ گیا باطل، بے شک باطل بڑا بھگوڑا ہے، حق
ہے... آچکا اور نہیں شروع ہوگا اب باطل اور نہ لوٹ کر آئے گا۔

تشریح:۔ قولہ: "نُصُباً" بروزنِ کُتُب، جبکہ صاد ساکن پڑھنا بھی صحیح ہے اس کی جمع انصاب آتی ہے،
پتھر، مجسمہ جو شرکی عبادت کے لئے نصب کیا جائے، مشرکین عموماً اسے پتھر تراش کر بناتے تھے۔

قولہ: "مِخصَرة" چھڑی وغیرہ جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے، یہاں باطل کے عدم اعادہ سے مراد اس کی
تباہی ہے یعنی شیطان رسوا ہو گیا اور شرک مٹ گیا اب وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ چنانچہ ایسا ہی
ہوا اور مکہ کیا بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں ابلیس اپنی پارٹی بنانے میں ہمیشہ کے لئے ناکام رہا ہے اور ناکام
رہے گا۔

تحفۃ الاحوذی میں ہے کہ اصل حق درحقیقت اللہ کی ذات ہے باقی جتنی اشیاء حق کہلاتی ہیں یہ اس
لئے کہ وہ اللہ کی طرف لوٹتی ہیں، جبکہ غیر اللہ سب باطل ہے "وکل شیء خلا اللّٰہ باطل" یعنی غیر اللہ
کا وجود قائم و دائم نہیں ہوتا۔ الکوکب الدری میں ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تصویر خواہ کسی کی بھی ہو قابل
تعظیم نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباسؓ قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بمکۃ ثم
امر بالھجرۃ فنزلت علیہ "وقل رب اَدخِلنی مُدخل صدق واخرجنی مُخرج صدق واجعل
لی من لدنک سُلطاناً نصیراً". (حسن صحیح)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے پھر آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوا پس آپؐ پر یہ
آیت نازل ہوئی "وقل رب ادخلنی الخ" یعنی آپ کہہ دیجئے (دُعا کیجئے) اے میرے رب! داخل کر
مجھے اچھے طریقہ سے، اور (مکہ سے) نکال مجھے اچھے (باعزت) طریقہ سے، اور میرے لئے قوی مددگار عطا
فرما۔

تشریح:۔ اگرچہ یہ آیت اس خاص موقع پر یعنی ہجرت کے وقت نازل ہوئی ہے لیکن اس میں مکہ
مدینہ کے ناموں کے بجائے مدخل اور مخرج کے الفاظ ہیں لہٰذا یہ دُعا کسی بھی حالت میں پڑھی جاسکتی ہے خواہ

موت وحیات کی نیت سے ہو یا دیگر افعال واحوال کے لئے۔

حدیث آخر:۔"عن ابن عباسؓ قال: قالت قریش لیهود: اعطونا شیئاً نسأل عنه هذا الرجل فقال سلوه عن الروح فسألوه عن الروح فانزل الله تعالى "ويسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتيتم من العلم الا قليلاً" قالوا: واوتينا علماً كثيراً (كثيراً)....اُوتينا التوراة ومن اُوتى التوراة فقد اوتى خيراً كبيراً ......(كثيراً) ......فانزلت "قل لو كان البحر مداداً لكلمات ربی.....الیٰ آخر الاية". (حسن صحيح غريب)

قریش نے یہود سے فرمائش کی کہ ہم کو ایسی چیز بتاؤ جو ہم اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھیں۔ پس یہود نے کہا کہ اس سے روح کے بارے میں پوچھو چنانچہ انہوں نے آپؐ سے روح کے متعلق پوچھا (کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟) پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "ويسئلونک عن الروح الخ" سوال کرتے ہیں تجھ سے روح کا آپ کہہ دیجئے کہ روح اللہ کے حکم سے ہے اور تمہیں بس تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے۔ یہود نے کہا کہ ہم کو تو بڑا علم دیا گیا ہے، ہم کو تورات دی گئی ہے (صُغریٰ) اور جس کو تورات دی گئی ہو تو اس کو بڑی خیر ملی ہے (کبریٰ) پس یہ آیت نازل کی گئی "قل لو كان البحر مداداً الخ یعنی آپ کہہ دیجئے اگر سمندر روشنائی بن جائے میرے رب کی باتیں (معلومات) لکھنے کے لئے تو وہ میرے رب کی باتیں ختم ہونے (لکھنے) سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا اگر چہ ہم اس جیسے سمندر مزید بھی شامل کر دیں (تب بھی وہ عجائبات وکلمات اور رب کی حکمتیں نہیں لکھ سکیں گے، پس اللہ کا سارا علم تورات میں نہیں ہے)۔

حدیث آخر:۔"عن ابن مسعودؓ قال كنتُ اَمشِى مع النبى صلى الله عليه وسلم فى حرثٍ بالمدينة وهو يتو كا على عسيب فمر بنفر من اليهود فقال بعضهم لو سألتموه فقال بعضهم: لاتسالوه فانه يُسمِعكم ماتكرهون فقالوا: ياابالقاسم احدِّثنا عن الروح، فقام صلى الله عليه وسلم ساعة ورفع رأسه الى السماء فعرفتُ انه يُوحىٰ اليه حتىٰ صعد الوحى ثم قال: "الروح من امر ربی وما اوتيتم من العلم الا قليلاً". (حسن صحيح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک کھیت میں چل رہا تھا اور آپؐ کھجور کی لکڑی (شاخ) پر ٹیک لگائے ہوئے چل رہے تھے، پس آپؐ یہود کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ اگر تم ان سے کچھ سوال پوچھو (تو امتحان ہو جائے گا) پس بعض نے

کہا کہ ان سے کچھ بھی مت پوچھو کیونکہ وہ تمہیں ایسا جواب سنائیں گے جو تمہیں ناگوار گزرے گا۔ (بالآخر) انہوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم! ہمیں روح کے بارے میں بتائیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کھڑے رہے، اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، میں سمجھ گیا کہ آپؐ کی طرف وحی کی جارہی ہے، یہاں تک کہ وحی (کی کیفیت) چڑھ گئی (یعنی وحی مکمل ہوئی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام واپس تشریف لے گئے)....پھر آپؐ نے فرمایا...الروح من امر ربی الخ۔

تشریح:۔ بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے کہ آیا یہ آیت مکی ہے یا مدنی؟ اس کا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت دو دفعہ نازل ہوئی ہو۔ لیکن اصول کی رُو سے ابن مسعودؓ کی روایت راجح ہے کہ وہ اپنا مشاہدہ بتاتے ہیں، اگرچہ سنداً دونوں حدیث صحیح ہیں۔ یہ اصول اتقان میں بیان ہوا ہے۔ راقم نے مقدمہ ''زادِ یسیر فی علوم التفسیر'' میں نقل کیا ہے۔

روح کے متعلق بحث کتاب کے شروع میں دوسرے باب ''ماجاء فی فضل الطھور'' میں گزری ہے فلیطلب۔

حدیث ابی ھریرۃؓ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو تین طرح سے جمع کیا جائے گا، ایک قسم پیدل کی ہوگی، دوسری سوار کی ہوگی اور تیسری اپنے مونہوں کے بل (چل رہی ہوگی) عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ لوگ اپنے مونہوں کے بل کیسے چلیں گے؟ آپؐ نے فرمایا جس نے ان کو پیروں پر چلایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ان کو مونہوں پر چلائے۔ آگاہ رہو کہ وہ لوگ اپنے منہ ہی سے ہر بلندی اور کانٹے سے بچ کر چلیں گے۔ (حسن)

تشریح:۔ پہلی دونوں قسمیں اہل ایمان کی ہیں پھر ان میں پیدل چلنے والوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر مقدم کیا جبکہ تیسرا فریق کفار کا ہوگا اور ان کو اُلٹا چلایا جائے گا، قال اللہ تعالیٰ: ''ونحشرھم یوم القیامۃ علیٰ وجوھھم عُمیاً وبکماً وصُماً''۔ (اسراء: آیت: ۹۷) اور یہ لوگ اپنے سر کو ہاتھوں کی طرح استعمال کریں گے، جب کسی آیت میں بیان کردہ صورت سمجھ میں نہ آئے اور اس کے متعلق سوال ہوجائے تو اس کے جواب کو تفسیر کی اصطلاح میں توجیہ کہتے ہیں۔

''مشاۃ'' ماشی کی جمع ہے، جبکہ ''حَدَبٌ'' بروزن قمر دشجراونچی جگہ اور ٹیلے کو کہتے ہیں۔ اگلی حدیث میں ہے ''وتُحشَرُون علیٰ وجوھکم'' بصیغہ مجہول، یعنی تم گھسیٹے جاؤ گے اپنے مونہوں پر۔ تحفۃ الاحوذی۔

اور رضۃ الاحوذی دونوں کے متن پر بصیغہ غائب ہے یعنی "یُجَرُّون" اس کا مطلب تو بالکل ظاہر ہے جیسا کہ سابقہ روایت میں تیسری صنف کے متعلق فرمایا۔ تاہم اس نسخہ کے مطابق بھی جس میں صیغہ مخاطب کا ہے کہ معذب ہے۔ اس حدیث میں اختصاراً مخاطبین کی صرف ایک صنف ذکر فرمادی جو کہ کافروں کا گروہ ہے۔ آج کل چین وغیرہ ممالک میں سر کے بل چلنے کی مشقیں کی جاتی ہیں۔

اگلی حدیث جو حضرت صفوان بن عسالؓ سے مروی ہے، ابواب الاستیذان میں انہی الفاظ کے ساتھ گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: ص: ۴۹۶ جلد ہفتم "باب ماجاء فی قُبلة الید والرجل")

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباسؓ "ولا تجهر بصلاتک ولا تخافِت بها" قال نزلت بمكة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رفع صوته بالقرآن سبّه المشركون ومن انزله ومن جاء به، فانزل الله: "ولا تجهر بصلاتک" فَيُسَبُّ القرآن ومن انزله ومن جاء به "ولا تخافت بها" عن اصحابک بِان تسمعهم حتىٰ ياخذوا عنک القرآن". (حسن صحيح)

حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر مروی ہے "ولا تجهر بصلاتک الخ" آپ نہ تو اپنی نماز زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ چپکے سے، (بلکہ دونوں کے مابین کی راہ اختیار کریں) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز میں) جب باواز بلند قرآن پڑھتے تو مشرکین قرآن کو بُرا بھلا کہتے اور جو اُتارنے والا ہے (یعنی اللہ) اور جو قرآن لایا ہے (یعنی جبرئیلؑ) کو بھی۔ پس اللہ نے یہ آیت اُتاری "ولا تجهر الخ" یعنی نماز میں قرآن باواز بلند بھی نہ پڑھیں کہ قرآن کو بُرا کہا جائے اور نازل کرنے والے اور لانے والے کو، اور نہ ہی آواز (زیادہ) پست کریں کہ اپنے ساتھیوں (نمازیوں) کو نہ سنا سکیں (بلکہ درمیانی قرأت کریں) تاکہ وہ آپ سے قرأت سیکھ سکیں۔

تشریح:۔ اس کے بعد جو روایت آرہی ہے وہ نسبتاً زیادہ مفصل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں چھپے ہوئے تھے یعنی علانیہ دعوت اور نماز میں احتیاط فرماتے، کیونکہ مشرکین جب نماز میں قرآن سنتے تو گالیاں دیتے، چنانچہ جب ذیل آیت نازل ہوئی پس مطلب یہ ہوا کہ نہ تو قرأت اتنی زیادہ بلند آواز سے کریں کہ باہر تک آواز جائے اور مخالفین بھی سن لیں اور نہ اتنی پست آواز سے پڑھیں کہ نمازی بھی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی قرأت [illegible] کی حد تک ہو۔

قولہ "بصلاتک" "ذکر الکل والمراد منہ الجزء" ہے یعنی قرأت مراد ہے، اس میں دوسرا قول یہ ہے

کرتا۔ نمازوں میں جہر نہ کریں اور تمام میں سرًا بھی نہ پڑھیں بلکہ بعض میں جہر اور بعض میں اخفاء۔ بعض کہتے ہیں کہ دن کو جہر نہ کریں اور رات کی نمازوں میں اخفاء نہ کریں کیونکہ رات کو مشرکین سوتے رہتے ہیں اس لئے اخفاء کی ضرورت نہیں۔ اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ "بصلاتک" سے مراد "بدعائک" ہو یعنی دعا بلند آواز سے نہ مانگیں۔ ابن العربیؒ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ جہاں کفار کا غلبہ ہو وہاں جہر نہ کیا جائے۔

حدیث آخر:۔ "عن زِرّ بن حُبیش قال قلتُ لِحُذیفة بن الیمان اَصلّٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی بیت المقدس ؟قال "لا" قلت بلیٰ قال انت تقول ذالک یااصلع!بِمَ تقول ذالک؟قلتُ بالقرآن ،بینی وبینک القرآنُ،فقال حُذیفة مَن احتج بالقرآن فقدافلح قال سفیان: یقول: قداحتج ورُبّماقال: قدافلح فقال" سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجدالاقصیٰ"قال اَفَتَراہ صلیٰ فیہ؟قلتُ "لا"قال: لوصلّٰی فیہ لَکُتبت علیکم الصلوٰة فیہ کماکُتِبت الصلاةُ فی المسجدالحرام قال حذیفة قداُوتِیَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بِدابّةٍ طویلة الظھرممدودة ھٰکذاخطوُہ مَدُّ بَصَرہ فَمَازایلاظھرالبراق حتیٰ رأیاالجنةَ والنارَوَوعدَالآخرةِ جَمَعَ ثم رَجَعاعَودَھُماعلیٰ بدئھما،قال ویتحدثون انہ رَبَطَہ ....لِمَا؟.....لِیَفِرَّ منہ؟....والماسَخّرہ لہ عالم الغیب والشھادة.....(حسن صحیح)

زر بن حبیشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حذیفہ بن یمانؓ سے پوچھا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی (یعنی شبِ معراج میں)؟ انہوں نے کہا "نہیں" میں نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا اے گنجے! تو ایسا کہتا ہے تو کس بناء پر یہ بات کہتا ہے؟ میں نے کہا کہ قرآن کی بناء پر، میرے اور آپ کے درمیان قرآن (فیصل) ہے۔ پس حضرت حذیفہؓ نے فرمایا جس نے قرآن سے استدلال کیا یقیناً وہ مراد کو پہنچا۔ سفیان (راوی) کہتے ہیں کہ کبھی مسعر قداحتج کہتے اور کبھی قدافلح روایت کرتے (احتج کے معنی بحث میں غالب رہنے کے ہیں، لہٰذا دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) چنانچہ زر بن حبیش نے یہ آیت پڑھی "سبحان الذی اسریٰ الخ (یعنی آپ علیہ السلام مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے اور بظاہر وہاں نماز سے نماز پڑھے بغیر نہیں لوٹے ہوں گے) حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کیا تم اس آیت میں دیکھتے ہو کہ آپؐ نے وہاں نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا "نہیں" (یعنی اس میں نماز کی تصریح نہیں ہے) حضرت حذیفہؓ نے فرمایا اگر آپؐ

وہاں نماز پڑھتے تو تم پر مسجد اقصیٰ میں نماز فرض ہو جاتی جس طرح مسجد حرام میں نماز فرض کی گئی ہے، پھر حذ
حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لمبی پیٹھ والا دراز قد جانور (براق) لایا گیا اس طر
تاحدِ نگاہ اس کا قدم پڑتا تھا، چنانچہ آپؐ اور جبرئیلؑ براق کی پیٹھ سے نہیں اُترے یہاں تک کہ دونوں نے ج
اور جہنم دیکھی ہیں اور آخرت میں ملنے والی سب چیزیں بھی دیکھ لیں، پھر واپس لوٹے اُلٹے پاؤں اور لوگ ک
ہیں کہ آپ نے براق باندھ دیا تھا (یعنی بیت المقدس میں) کیوں؟ (یعنی کیا ضرورت تھی؟) کیا وہ بھا
جاتا (اگر نہ باندھتے؟)، اس کو تو عالم الغیب والشہادہ نے آنحضور علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا۔

تشریح:- چونکہ حضرت حذیفہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیت المقدس م
نماز پڑھنے اور براق باندھنے کی حدیث نہیں سُنی تھی اور اس آیت میں کسی ایک کی تصریح بھی نہیں اس لئے انہو
نے دونوں کی نفی فرما دی حالانکہ یہ دونوں باتیں احادیث سے ثابت ہیں اور چونکہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا
جیسے کہ محشی نے امام بیہقیؒ سے نقل کیا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ حضرت حذیفہؓ کی نفی اپنے علم کے مطا
ہے۔

العرف الشذی میں ہے کہ آپ نے جاتے ہوئے نفل نماز (تحیۃ المسجد) پڑھی ہوگی اور واپسی پر صبح کی
کیونکہ صحیح روایات سے آتے اور جاتے ہوئے دونوں وقت نماز پڑھنا ثابت ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ کا یہ استدلال کہ "وَلَو صلیٰ فیہ لکتبت الخ"
گر فرض نماز پر ہے تو اس میں ملازمہ نہیں ہے اور اگر نفس نماز پر ہے تو اس کی نفی صحیح نہیں کیونکہ مسجد بیت المقدس
میں نماز کی فضیلت ثابت ہے یعنی پانچ سو گنا۔ قولہ: "ھٰکذا خطوہٗ" یعنی حضرت حذیفہؓ نے اپنے ہاتھ سے
اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاں تک نظر جاتی ہے اس براق کا قدم وہاں پڑتا تھا۔

قولہ: "ثم رجعا عودھما علیٰ بَدئھما" یہ ایک محاورہ ہے جیسا کہ "رجع عوداً علیٰ بدء" کہا
جاتا ہے یعنی جانے اور واپسی کا سفر جب مسلسل ہو تو مذکورہ محاورہ استعمال ہوتا ہے، علیٰ ہذا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آپؐ
راستہ میں یعنی بیت المقدس میں نہیں رُکے تھے۔ قولہ: "لِمَا" ایک نسخہ میں لِمَ ہے استفہام ہے اس کے
بعد "لسفر منہ" یہ بھی استفہام انکاری ہے۔ یعنی وہ دابہ تو مسخر تھا تو اس کو باندھنے کی کیا ضرورت تھی، لیکن اس
کا جواب اوپر گزر گیا کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

حدیث آخر:- "عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انا

" انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر و بیدی لِوَاءُ الحمد ولا فخر الخ ".

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور اس میں کچھ فخر نہیں اور میرے ہاتھ میں حمدِ باری کا جھنڈا ہوگا اور اس پر بھی کچھ فخر نہیں (بلکہ یہ بطور اظہارِ نعمت کے کہتا ہوں جبکہ فخر اپنی طرف منسوب یعنی ذاتی کمال شمار کیا جاتا ہے) اور اس دن کوئی نبی ایسا نہ ہوگا نہ آدم اور نہ باقی تمام انبیاء مگر وہ سب میرے ہی جھنڈے تلے ہوں گے، اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس سے زمین کھلے گی اور اس پر کچھ فخر نہیں، آپؐ نے فرمایا لوگ تین مرتبہ سخت گھبرائیں گے (یعنی جب جہنم کو میدانِ محشر کے قریب لایا جائے گا اور لوگ اس کے چلانے اور شور کی آوازیں سنیں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ممات کی گھبراہٹ بھی اس میں شامل ہو) پس لوگ آدم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں الخ۔

تشریح:۔ شفاعتِ کبریٰ کے متعلق تفصیلی حدیث "باب ماجاء فی الشفاعۃ" میں گزری ہے۔ (دیکھئے حلقہ باب من ابواب صفۃ القیامۃ، تشریحات: ص:۲۲۳ ج:۷) اس کی تشریح بھی وہاں ملاحظہ ہو البتہ یہاں پر اس حدیث کے چند جملے وہاں کی حدیث میں نہیں ہیں مثلاً مذکورہ تین باتیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہیں یعنی حمدِ باری تعالیٰ کا جھنڈا جو اپنے ظاہر پر محمول ہے، تمام انبیاء کا آپؐ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور بعثت کے وقت سب سے پہلے آپ کی قبر مبارک کا شق ہونا۔

آگے حدیث میں تین کذبات کے ساتھ یہاں پر یہ اضافہ ہے "اِلّا ماحَلَّ بہا عن دین اللہ" "محل" کے معنی تدبیر کرنے کے ہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ نے ان تین توریات و معاریض سے صرف دین کے بچاؤ و دفاع کی تدبیر کی تھی۔ قولہ: "فَاَنطَلِقُ معہم..... فاٰخذ بحلقۃ باب الجنۃ فَاُقَعْقِعُہا" قعقعہ کے معنی کھٹکھٹانے کے ہیں یعنی میں ان لوگوں کی خاطر جاؤں گا (دربارِ الٰہی میں)۔ راوی ابن جدعان کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں آپؐ فرماتے تھے کہ میں جنت کے دروازے کا حلقہ (کڑا) پکڑوں گا اور اسے کھٹکھٹاؤں گا، تو (اندر سے) پوچھا جائے گا کہ کون ہیں؟ جواب دیا جائے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس وہ (فرشتے) میرے لئے دروازہ کھولیں گے اور خوش آمدید (یعنی خیر مقدمی الفاظ) کہیں گے پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا۔ یہ وہی مقام محمود ہے۔ یہاں حضرت عیسیٰؑ کے کلام میں یہ اضافہ ہے "اِنّی عُبِدتُ مِن دون اللہ"۔

وَمِن سورة الكهف

سورۂ کہف کی بعض آیات کی تفسیر

حضرت سعید بن جبیر ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس ؓ سے کہا کہ نوف بکالی تو کہتے ہیں کہ خضر سے ملنے والے موسیٰ وہ نہیں ہیں جو بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ تھے، ابن عباس ؓ نے کہا کہ وہ اللہ کا دشمن جھوٹ کہتا ہے، میں نے اُبی بن کعب ؓ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ موسیٰ بنی اسرائیل میں وعظ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ ؑ نے جواب دیا "میں سب سے بڑا عالم ہوں" تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب نازل کیا کہ انہوں نے علم کا حوالہ اللہ پر نہیں چھوڑا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ دو دریاؤں (یا دو سمندروں) کے ملنے کے مقام پر ہے وہ آپ سے بڑا عالم ہے، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں ان تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ اللہ نے فرمایا آپ ایک مچھلی کھجور سے بنی ہوئی ٹوکری میں لے لیں، پس جہاں وہ مچھلی کھو جائے وہ اسی جگہ ملے گا، پس موسیٰ چلے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون ؑ بھی تھے، تو موسیٰ ؑ نے مچھلی زنبیل میں رکھ لی اور اپنے خادم کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ دونوں پتھر کی ایک چٹان پر آئے تو حضرت موسیٰ اور آپ کا خادم دونوں سو گئے، اور مچھلی اس ٹوکری میں حرکت کرنے لگی یہاں تک کہ وہ زنبیل سے نکل کر سمندر میں چلی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مچھلی سے پانی کا بہاؤ روک دیا یہاں تک کہ پانی طاق کی طرح ہو گیا (یعنی سوراخ) اور وہ طاق مچھلی کا راستہ تھا، چنانچہ وہ موسیٰ اور ان کے رفیق کے لئے حیران کن تھا، پس وہ دونوں (وہاں سے اٹھ کر) باقی دن و رات چلتے رہے اور موسیٰ کے رفیق یہ بات آپ کو بتلانا بھول گئے، پس جب صبح ہوئی تو موسیٰ ؑ نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ، بلاشبہ اس (آج کے) سفر میں ہمیں بہت تھکن ہوئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور نہیں تھکے موسیٰ ؑ یہاں تک کہ اس جگہ سے آگے بڑھ گئے جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا، خادم نے کہا ارے ہم جس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کو بھول گیا اور شیطان نے مجھے اس کا تذکرہ کرنا بھلا دیا، اور اس مچھلی نے عجیب طور سے سمندر میں اپنی راہ لی تھی۔ حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا اسی جگہ کو تو ہم ڈھونڈ رہے تھے پس دونوں اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے لوٹے، آپ علیہ السلام نے فرمایا وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے چل رہے تھے، سفیان

(راوی) کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسی چٹان کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا جس کا پانی جس مُردے کو پہنچتا ہے وہ زندہ ہو جاتا ہے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ اس مچھلی میں سے کچھ حصہ کھا لیا گیا تھا پس جب اس پر پانی ٹپکا تو وہ زندہ ہو گئی (امام سفیان کی بات بطور جملہ معترضہ یہاں ختم ہو گئی)۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ دونوں اُلٹے پاؤں چلے یہاں تک کہ دونوں اس چٹان پر پہنچے تو انہوں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو اپنے منہ کو چادر سے ڈھانپے ہوئے تھا، موسیٰ نے اس کو سلام کیا تو اس نے کہا کہ تمہارے اس ملک میں سلام کہاں ہے؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں موسیٰ ہوں۔ اس نے کہا کہ بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ نے جواب دیا "ہاں"۔ اس شخص نے کہا کہ اے موسیٰ! آپ کو اللہ کے علوم میں سے ایک ایسا علم دیا گیا ہے جس کو میں نہیں جانتا اور مجھے اللہ کے علوم میں سے ایک ایسا علم دیا گیا ہے کہ جو آپ نہیں جانتے ہیں (یعنی آپ کو اللہ نے علم شریعت سے نوازا ہے اور مجھے علم تکوینی کا کچھ حصہ دیا گیا ہے)۔

پس موسیٰ نے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ چلوں تا کہ آپ مجھے اس رُشد و ہدایت کی تعلیم دیں جس کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے؟ اس بندے نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے اور آپ کیونکر صبر کریں گے ایسی باتوں پر جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر اللہ چاہے گا تو آپ مجھے برداشت کرنے والا پائیں گے، اور یہ کہ میں آپ کی کسی بات کی خلاف ورزی نہیں کروں گا، ان سے خضر نے کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو آپ مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں یہاں تک کہ میں خود ہی آپ کے سامنے بیان کروں، موسیٰ نے کہا کہ ٹھیک ہے، پس موسیٰ اور خضر نے ساحل سمندر پر چلنا شروع کیا تو ان کے پاس سے ایک کشتی گزری انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ وہ ان کو کشتی پر چڑھا دیں۔ انہوں نے خضر کو پہچان لیا اور دونوں کو بغیر کرایہ کے سوار کر لیا، پس خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کا قصد کیا اور اس کو اُکھاڑ دیا، پس موسیٰ نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے ہم کو بغیر کرایہ کے چڑھایا اور آپ نے ان کی کشتی کا قصد کرتے ہوئے اسے توڑ ڈالا تا کہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپ نے بہت بھاری حرکت کر دی، حضرت خضر نے کہا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے؟ حضرت موسیٰ نے کہا کہ بھول چوک پر آپ میری گرفت نہ کریں اور میرا کام مشکل نہ بنائیں۔

پھر دونوں کشتی سے نکلے۔ جبکہ وہ ساحل پر چل رہے تھے کہ اچانک ایک بچہ جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، خضر نے اس کا سر پکڑ کر اس کو اپنے ہاتھ سے اُکھاڑ دیا، اس طرح اس کو مار ڈالا، پس موسیٰ نے ان

سے کہا کہ کیا تم نے ایک بے قصور کی جان لے لی بغیر قصاص کے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی بُرا کام کیا، خضر نے کہا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ عمل (قتل) پہلی بات (کشتی توڑنے) سے زیادہ سخت ہے، حضرت موسیٰ نے کہا: اگر میں اس کے بعد آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، میرا عذر اب پورا ہو چکا (یعنی اب کی بار کے بعد میں مزید عذر نہیں کروں گا)۔ چنانچہ پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے بستی والوں سے ضیافت طلب کی تو گاؤں والوں نے ضیافت سے انکار کر دیا (یعنی کھانا نہیں کھلایا) پس دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یعنی) وہ دیوار جھکی ہوئی تھی پس خضر نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یوں (یعنی سیدھا کرنے کا)، تو اس کو سیدھا کر دیا تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے پاس ہم آئے اور انہوں نے ہماری مہمانی نہیں کی اور نہ ہمیں کچھ کھلایا تو اگر آپ چاہتے تو آپ اس کام پر اُجرت لے لیتے، خضر نے کہا اب میری اور آپ کی جُدائی ہے، میں اب آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر مہربانی فرمائے ہمیں خوشی ہوتی کہ وہ صبر کرتے تاکہ ہمیں ان کی مزید خبریں بتائی جاتیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی بات (اعتراض) موسیٰؑ نے بھول کر کہی تھی، آپؐ نے فرمایا کہ ایک چڑیا آئی یہاں تک کہ کشتی کے کنارے پر بیٹھی پھر اس نے سمندر میں چونچ ماری تو خضر نے موسیٰ سے کہا کہ نہیں گھٹایا میرے اور آپ کے علم نے اللہ کے علم میں سے مگر صرف اتنا، جتنا گھٹایا اس چڑیا نے سمندر میں سے۔ سعید بن جُبیرؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ پڑھا کرتے تھے "وکان امامھم ملک یأخذ کل سفینۃ صالحۃ غصبا. وکان یقرأ واما الغلام فکان کافراً"۔ (حسن صحیح)

تشریح:- قولہ: "کذب عدو اللّٰہ" حضرت نوف بکالی حضرت کعب الاحبار کے ربیب یا بھتیجے تھے اور مسلمان تھے۔ مگر جب ابن عباسؓ نے یہ بات سُنی تو ان کو اس پر غصہ آیا کہ صحیح روایات کے باوجود وہ اسرائیلیات سے کیوں استدلال کرتے ہیں، لہٰذا یہ کلام اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ اس سے زجر اور جھڑک مراد ہے جو علماء غصہ کے وقت کرتے ہیں۔

رہا یہ کہ بنی اسرائیل کیوں کہتے ہیں کہ یہ کوئی اور موسیٰ تھے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود کو اس میں عار محسوس ہوتی تھی کہ ہمارے نبی کسی کے پاس تحصیل علم کے لئے گئے تھے۔ قولہ: "قال انا اعلم" جب حضرت

موسیٰؑ سے ان کے مؤثر خطبہ ارشاد کرنے کے دوران یا اس کے بعد اعلم الناس کا سوال ہوا تو آپؑ نے مندرجہ بالا جواب دیا جو ان کے علم کے مطابق بالکل صحیح تھا مگر اس میں ایک نوع افتخار کا ظاہری شائبہ ہوسکتا تھا جو آپ کی منزلت کے شایانِ شان نہ تھا، اس لئے بطورِ عتاب کہا گیا کہ آپ سے بھی زیادہ عالم موجود ہے، اور چونکہ اللہ کے دیدار سے قبل کبھی بھی کوئی عالم یا طالب علم اپنی علمی تشنگی بجھا نہیں سکتا اس لئے آپؑ نے اس بندۂ خدا سے ملنے کا شوق ظاہر فرمایا۔ کذا فی عارضۃ الاحوذی۔

قولہ: "بمجمع البحرین" اس مقام کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں، بظاہر یہ بحرِ قُلزوم (بحرِ احمر) اور خلیج عَقَبہ کے سنگم پر واقع ہے۔ یہاں چٹان کے پاس ایک چشمہ تھا، امام سفیان بن عُیینہ کہتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں آبِ حیات کا چشمہ تھا جس کا پانی مری ہوئی مچھلی کی حیات کا سبب بنا۔

المسترشد عرض کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت خضرؑ نے بھی اسی چشمے سے پانی پیا ہو اس لئے جمہور کے نزدیک وہ ابھی تک بقیدِ حیات ہیں۔ اور پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ دجال جس شخص کے دو ٹکڑے کرے گا بظاہر وہ شخص بھی حضرت خضر ہی ہوں گے۔ البتہ یہ بات کہنا بہت مشکل ہے کہ دجال نے بھی اس چشمے کا پانی پیا ہو گا اس لئے حضرت خضر اور لعین دجال دونوں زندہ ہیں تا آنکہ مدینہ منورہ کے باہر ان کا آمنا سامنا ہو جائے، پھر حضرت عیسیٰؑ آکر دجال کو قتل کریں، جس کے ساتھ باطل کی یہ مخفی طاقت ختم ہو جائے اور حق کو فتح ہو جائے۔ تاہم اس عالم میں اس قسم کے عجائبات کا ہونا بعید نہیں جیسا کہ اصحابِ کہف کے واقعہ میں اس کی طرف صاف اشارہ موجود ہے، قال اللہ تعالیٰ: "ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من اٰیاتنا عجبا" یعنی اس سے زیادہ عجائبات بھی موجود ہیں۔ واللہ اعلم

بہر حال مچھلی کا فُقدان حضرت خضر کی موجودگی پر دلیل بنایا گیا، عارضہ میں ہے کہ دلیل ضد پر دلالت کرسکتی ہے، جبکہ علت ضد کو مقتضی نہیں ہوسکتی۔ نیز مچھلی کا زندہ ہونا اور اس کا پانی میں سرنگ بنانا حضرت موسیٰ کا معجزہ ہے۔ پھر جب حضرت یوشعؑ نیند سے اُٹھے تو یہ ماجرا دیکھ لیا مگر وہ حضرت موسیٰ کے آرام میں خلل ڈالنا مناسب نہیں سمجھ رہے تھے لیکن آپؑ کے بیدار ہو جانے کے بعد یوشعؑ بھول گئے اس لئے دونوں ساحل پر آگے کی طرف بقیہ دن اور پوری رات چلتے رہے، لیکن آج ان کو بہت تھکن محسوس ہوئی کیونکہ کل کے قیلولہ سے پہلے ان کا سفر سیر الی اللہ تھا جبکہ باقی ماندہ سفر بطورِ معاتبہ کے تھا، بہر حال وہ اپنے آثارِ قدم کو تلاش کرتے کرتے واپس اسی چٹان پر پہنچے اور وہیں ان کی ملاقات حضرت خضر سے ہوئی، اس سے استدلال بالعلامات کا ثبوت

ہوا بشرطیکہ وہ علامات معارضہ سے محفوظ ہوں۔

حضرت خضر کو علم لدنی تو دیا گیا تھا لیکن اس سے مراد کون سا علم ہے؟ آیا یہ بطور وحی دیا گیا تھا یا بطور کشف؟ تو محقق بات یہ ہے کہ حضرت خضر نبی تھے۔ پھر جو علم باطن اور تکوینی رموز ان کو حاصل تھے خواہ بذریعہ وحی ہوں یا بذریعہ کشف اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ نبی کا الہام بھی وحی ہوتا ہے اگر ان کو ولی قرار دیا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے ایک بچے کو محض الہام کی وجہ سے قتل کیا جیسا کہ بعض صوفیہ کا زعم ہے حالانکہ یہ جائز نہیں جیسا کہ شرح عقائد میں تصریح ہے کہ غیر نبی کا الہام مفید للعلم نہیں ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو بھی اگرچہ بذریعہ وحی علم باطنی کا بڑا حصہ ملا تھا لیکن حضرت خضرؑ کے پاس اس سے زیادہ تھا، اس کے برعکس خضر کے پاس علمِ شریعت بقدرِ ضرورت موجود تھا لیکن حضرت موسیٰؑ کے علم سے کہیں کم تھا اس لئے انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ چلنے پر صبر نہیں کر سکیں گے کیونکہ دونوں میں ظاہری تعارض کی صورت میں بھی آپ کے لئے خاموشی کسی طرح گوارا نہ ہوگی۔

قولہ: "وجاء عصفور.... الیٰ .... مانقص علمی وعلمک من علم اللہ الخ" چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں نہ تو کمی ونقصان کا کوئی امکان ہے اور نہ ہی علم بتانے سے کم ہوتا ہے اس لئے یا تو نَقَصَ بمعنی اَخَذَ کے ہے یا پھر کہا جائے گا کہ یہ مثال نہیں ہے بلکہ نظیر ہے یعنی محض وضاحت مراد ہے تمثیل مراد نہیں کیونکہ اللہ کا علم لامتناہی ہے جبکہ سمندر متناہی ہوتا ہے۔ مثال فردِ موضحہ کو کہتے ہیں جبکہ نظیر کے لئے مالہ النظیر کا فرد ہونا ضروری نہیں ہے۔ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مراد "علمُ اللہ" سے وہ علم ہو جو اللہ نے بطورِ فیض اپنی مخلوق کو دیا ہے یعنی اے موسیٰ! میرے اور آپ کے علم کی حیثیت باقی مخلوق کے اس علم کی نسبت جو اللہ نے دیا ہے ایسی ہے جیسے اس چڑیا کی چونچ پر لگنے والی نمی ورطوبت کی ہے باقی سمندر کی بنسبت۔ علیٰ ہذا پھر اس کو نظیر کے بجائے تمثیل بنانا ظاہر اور صحیح ہے۔

قولہ: "اَمَامَهم" اگر وہ بادشاہ آگے تھا تو پھر لفظ معنی حقیقی پر محمول ہے اور اگر وہ ان کے پیچھے تھا تو پھر معنیٰ مجازی بمعنی وَرَائهم مراد ہے۔ **قولہ: "ولیس لی همّةٌ الخ"** چونکہ سفیان تدلیس کرتے تھے اس لئے مدینی کہتے ہیں کہ میں نے حج اس لئے کیا تا کہ سفیان سے لفظ خبر یعنی اخبرنا و حدثنا سنوں کیونکہ سفیان اسے عن کے ساتھ روایت کرتے تھے چنانچہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوا اور ان سے حدثنا عمرو بن الخ سُنا۔

حدیث آخر:۔"عن أبی بن کعب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الغلام الذی قتله الخضر طبع یوم طبع کافراً". (حسن صحیح غریب)

جس لڑکے کو خضر نے مار ڈالا تھا وہ پیدائش کے دن سے ہی کافر پیدا ہوا تھا۔

تشریح:۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بعض افرادِ ماہیت ،مقتضائے ماہیت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اسی اصول کے مطابق یہ بچہ بھی "کل مولود یولد علی الفطرة" کے قانون سے مستثنیٰ تھا۔

حدیث آخر:۔ "إنما سُمِّیَ الخضر لانه جَلَسَ علیٰ فروة بیضاء فاهتزت تحته خضراً". (حسن صحیح غریب)

خضر نام سے اس لئے مُسمّیٰ کئے گئے کہ وہ خشک زمین (یا خشک گھاس) پر بیٹھے تو وہ یکا یک ہری ہوگئی۔

تشریح:۔ فروہ خشک زمین کو بھی کہتے ہیں اور کٹی ہوئی گھاس کو بھی کہتے ہیں، جو خشک اور سفید ہو حضرت خضرؑ اس پر بیٹھ گئے اس لئے وہ نیچے سے لہلہانے لگی ،اس اعتبار سے ان کو خضر کہتے ہیں کیونکہ خضر کے معنی سرسبز کے ہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیوار (سد یاجوج ماجوج) کے بارے میں فرمایا کہ وہ اس کو روزانہ کھودتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس میں سُراخ کرنے کے قریب ہوجاتے ہیں،تو ان پر مقرر شخص (چیف) کہتا ہے واپس جاؤ (یعنی چھٹی کرو)،کل اس میں سُرنگ کرلوگے۔آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرح لوٹا دیتا ہے (یعنی اس سُراخ کو بند کر دیتا ہے) تا آنکہ جب ان کی طے شدہ مدت آجائے گی اور اللہ کا ارادہ ہوگا کہ ان (یاجوج وماجوج) کو لوگوں پر بھیج دے تو ان کا کمانڈر (یا انجینئر) کہے گا کہ اب واپس چلو،کل ان شاء اللہ تم اس کو (مزید) کھود ڈالوگے۔(اس وقت) وہ استثناء کرے گا (یعنی ان شاء اللہ کہے گا)۔آپؐ نے فرمایا پس وہ دوسرے دن لوٹیں گے تو اس کو اسی طرح پائیں گے جس طرح انہوں نے اس کو چھوڑا تھا،چنانچہ وہ اس میں سُرنگ کرکے لوگوں پر نکل پڑیں گے اور سب پانی (جو ان کے راستہ میں ہوگا) پی جائیں گے اور لوگ ان سے بھاگیں گے، پھر یہ لوگ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے تو وہ خون آلود لوٹیں گے،پس وہ کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو دبا لیا اور آسمان والوں پر بھی غالب ہوگئے، یہ بات وہ سنگ دلی اور غرور کی وجہ سے کہیں گے، پھر اللہ ان کی گردنوں میں (نَغَف) کیڑے پیدا کردے گا،جن سے وہ سب ہلاک

ہوجائیں گے، آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس کی کہ جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ زمین کے جانوران کا گوشت کھا کھا کر خوب موٹے اور مست (خوشی میں مگن) ہوجائیں گے اور اس گوشت پر خوب شکر کریں گے۔ (حسن غریب)

ملحوظ:۔ یاجوج وماجوج پر تفصیلی بحث ابواب الفتن میں گزری ہے، فلیراجع۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی سعید بن ابی فضالة الانصاری وکان من الصحابة قال سمعتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: اذاجمع الله الناسَ لِیوم القیامة لِیوم لاریب فیه نادیٰ منادٍ: من کان اَشرکَ فی عملٍ عَمِله لِله اَحَداً فلیطلب ثوابَه من عندغیرالله فان الله اَغنی الشُرکاء عن الشرک". (غریب)

حضرت ابوسعید بن ابی فضالہؓ سے روایت ہے، آپؓ صحابہ میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جب اللہ جمع کرے گا لوگوں کو قیامت کے دن، جس دن کی آمد میں کوئی شک نہیں، تو پکارے گا ایک پکارنے والا کہ جس نے کسی ایسے عمل میں جو اس نے اللہ کے واسطے کیا ہو، کسی کو شریک کیا ہو، تو وہ اپنا ثواب اسی غیر اللہ (شریک) سے مانگ لے کیونکہ اللہ بنسبت دوسرے شُرکاء کے شرک سے بڑا بیزار ہے۔ (یعنی شراکت ہرگز برداشت نہیں کرتا ہے)

تشریح:۔ قوله: "عن الشرک" یعنی وہ عمل جو کسی نے اللہ تعالیٰ اور کسی مخلوق دونوں کی خوشنودی کی غرض سے کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کو اس عمل کی پرواہ نہیں، وہ اس کا ثواب وہاں سے حاصل کرے جہاں خوشنودی ملحوظ تھی۔ اور "اغنی الشرکاء" کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض شریک ہوتے جیسا کہ اس مشرک یا ریاکار کا زعم ہے تو ان میں سب سے زیادہ مستغنی اللہ ہے، یہ حدیث دراصل تفسیر ہے اس آیت کی "فمن کان یرجولقاء ربه فلیعمل عَمَلاً صالحاً ولایشرک بعبادة ربه اَحَداً"۔ (کہف: آیت:۱۱۰) اس حدیث کی تخریج امام احمد وابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بھی کی ہے۔

ومن سورة مريم

سورت مریم کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن المغیرة بن شعبة قال بَعَثَنی رسول الله صلی الله علیه وسلم اِلیٰ نجران فقالوا

لي: ألستم تقرء ون "يا أخت هارون" وقد كان بين موسىٰ وعيسىٰ ما كان، فلم ادرِ ما أُجيبُهم، فرجعتُ إلى النبي صلى الله عليه وسلم فاخبرتُه فقال: ألا أخبرتهم انهم كانوا يُسمُّونَ بانبيائهم والصالحين قبلَهم". (حسن صحيح غريب)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نجران بھیجا تو انہوں (عیسائیوں) نے مجھ سے سوال کیا کہ تم لوگ "یا اُخت ھارون" پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ وعیسیٰ کے درمیان تو زمانہ دراز تھا، تو میں ان کو جواب دینا نہ سمجھ سکا، چنانچہ (جب) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا تو میں نے آپ کو بتلایا، آپؐ نے فرمایا کہ تم نے ان کو کیوں نہیں بتایا کہ اُن لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنے انبیاء وصلحاء کے نام رکھا کرتے تھے جو ان سے پہلے گزرے تھے۔

تشریح:۔ نجران کے نصاریٰ کا اعتراض ظاہر بینی پر مبنی تھا کہ حضرت مریمؑ حضرت ھارونؑ کی بہن کیسے ہوسکتی ہیں؟ جبکہ ان کے زمانوں میں عرصہ دراز حائل ہے، پھر اس آیت "یا اخت ھارون" کا مطلب کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اور جواب تشبیہ ومحاورہ پر مبنی ہے کہ یہاں اصل حقیقت حضرت مریمؑ کی عفت کا بیان ہے کہ تم تو ایسی عفیف خاتون ہوکر۔ پھر تمہارے یہاں یہ بچہ بغیر شوہر کے کیسے اور کہاں سے آیا؟ اس عفت کے معنی کے طور پر انہوں نے حضرت مریمؑ کو ہارون کی بہن کہا اور یہ ہمارے محاورہ میں بھی کہا جاتا ہے مثلاً فلاں آدمی حاتم طائی کا بھائی ہے، یعنی سخی ہے۔

حدیث آخر:۔ عن ابي سعيد قال قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم "وانذرهم يوم الحسرة" قال يؤتىٰ بالموت كانّه كبشٌ اَملَح حتىٰ يوقف على السُّور بين الجنة والنار فيقال: يا اهل الجنة! فَيَشرَئِبُّونَ ويُقال يا اهل النار فَيَشرَئِبُّونَ فيقال هل تعرفون هذا؟ فيقولون نعم هذا الموت فَيُضجَعُ فَيُذبَحُ فلولا ان الله قضىٰ لاهل الجنة الحياة والبقاء لَمَاتوا فَرَحاً ولولا ان الله قضىٰ لاهل النار الحياة فيها والبقاء لَمَاتوا ترَحاً". (حسن صحيح)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) پڑھی: "وانذرھم یوم الحسرۃ" یعنی آپ ان کو ڈرائیں افسوس کے دن سے، آپؐ نے فرمایا کہ موت کو لایا جائے گا جو گویا چتکبرا مینڈھا (دُنبہ) ہوگی، یہاں تک کہ اسے جنت و دوزخ کے درمیان دیوار پر کھڑا کردیا جائے گا، پھر کہا جائے گا کہ اے جنت والو! تو وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگیں گے، اور کہا جائے گا کہ او دوزخیوں! تو وہ بھی سر اٹھا کر دیکھیں گے

پس پوچھا جائے گا کہ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ تو وہ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ پس وہ ذنبہ لٹا کر ذبح کیا جائے گا پس اگر اللہ جنت والوں کے لئے حیات (ابدی) اور باقی رہنے کا فیصلہ نہ کر چکا ہوتا تو وہ خوشی سے ضرور مر جاتے، اور اگر اللہ نے جہنم والوں کے لئے اس میں زندگی اور بقاء کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو وہ غم سے ضرور مر جاتے۔

تشریح:۔قولہ: "فیشرئبون" اس میں ہمزہ مکسور اور باء مشدد ہے مُشرئِب وہ شخص کہلاتا ہے جو سر اٹھا کر دیکھتا ہے۔قولہ: "فَرَحاً.... وتَرَحاً" دونوں میں رائین مفتوح ہیں، فرح بمعنی خوشی کے اور ترح بمعنی رنج و غم کے ہے۔ یہ روایت ابواب صفة الجنة کے "باب ماجاء فی خلود اھل الجنة واھل النار" میں بھی گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ص: ۳۲۵ ج: ۷، وقیل: ذابحه یحییٰ علیه السلام، واللہ اعلم)

حدیث آخر:۔"عن قتادة فی قوله: "ورفعناه مكاناً عَلَيّاً" قال حدثنا انس بن مالک ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: لَمّا عُرِجَ بِی رأیتُ ادریس فی السماء الرابعة". (حسن صحیح)

اور ہم نے ان (حضرت ادریسؑ) کو اونچے مقام پر فائز کیا، الآیة۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے اوپر لے جایا گیا تو میں نے ادریسؑ کو چوتھے آسمان میں دیکھا۔

یہ حدیث اس آیت کی تفسیر بھی ہوسکتی ہے کہ رفع سے مراد چوتھے آسمان پر لے جانا ہو، جن سے شب معراج میں نبی علیہ السلام کی ملاقات ہوگئی جیسا کہ ایک طویل حدیث میں ہے جو مالک بن صعصعہ سے مروی ہے، امام ترمذیؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔

تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ادریسؑ کو بھی حضرت عیسیٰ کی طرح زندہ اٹھالیا گیا ہو، کیونکہ اس حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے، نیز اس بارے میں بہت ساری اسرائیلی روایات بھی ہیں، ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دینی چاہئے۔ جبکہ اس آیت کی دوسری تفاسیر بھی ہیں مثلاً امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ شرف نبوت، قرب الٰہی یا جنت مراد ہے۔

حدیث آخر:۔"عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لِجبرئیل: ما یمنعک ان تزورنا اکثر مِمّا تزورنا؟ قال فنزلت هذه الآیة "وما نتنزل إلّا بامر ربک له ما بین ایدینا وما خلفنا" الیٰ آخر الآیة". (حسن غریب)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا کہ آپ کو کیا چیز ہمارے پاس آنے سے روکتی ہے کہ آپ جتنا آتے ہیں اس سے زیادہ آیا کریں؟ ابن عباسؓ فرماتے ہیں چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی "ومانتنزل الخ" یعنی نہیں اترتے ہیں ہم مگر تیرے رب کے حکم سے، اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے، (ومابین ذالک) اور جو ان کے درمیان ہے۔

تشریح:۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ حال دریافت کرنے کے لئے آمد اگر مریض کے پاس ہو تو اسے عیادت کہتے ہیں ورنہ زیارت کہلاتی ہے، آپؐ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ کو زیارت کی ہر وقت اجازت ہوگی کبھی وحی لے کر آنے کی اور کبھی محض ملاقات کے لئے، اس لئے حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ ہم بغیر حکم باری تعالیٰ کے حرکت بھی نہیں کر سکتے ہیں۔

قولہ: "له مابین ایدینا الخ" اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: (۱) مابین ایدینا سے مراد دنیا ہے اور ماخلفنا سے مراد آخرت اور مابین ذالک سے مراد دو نفخوں کے درمیان کا زمانہ۔ (۲) اول سے مراد مستقبل ہے دوم سے مراد ماضی ہے جبکہ مابین ذالک سے مراد زمانہ حال ہے۔ (۳) مراد آسمان و زمین اور ان کے درمیان خلاء ہے کیونکہ آتے جاتے ایک آگے ہوتا ہے اور دوسرا پیچھے، کبھی آسمان پیچھے رہ جاتے ہیں اور کبھی زمینیں، درمیان میں فضا ہوتی ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت سُدّی کہتے ہیں کہ میں نے مُرّۃ الھمدانی سے اس ارشاد ربانی کے بارے میں پوچھا "وان منکم اِلّا واردھا" یعنی تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو دوزخ پر وارد نہ ہو، تو مُرّہ نے مجھ سے کہا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ہم سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ دوزخ میں وارد ہوں گے، پھر اس سے اپنے اپنے اعمال کے مطابق نکلیں گے، پس ان کا پہلا گروہ بجلی کی چمک کی طرح (تیز) ہوگا، پھر (دوسرا) ہوا (آندھی) کی طرح، پھر (تیسرا) گھوڑے کی دوڑ کی مانند، پھر (چوتھا) اونٹ سوار کی طرح جو اپنے کجاوے میں ہوتا ہے، پھر جیسے آدمی دوڑتا ہے، پھر جیسے آدمی کے چلنے کی طرح ہوگا۔ (حسن)

ان سے دوسری سند کے ساتھ مروی ہے "وان منکم الّا واردھا" قال یَرِدُونھا ثم یصدرون باعمالھم"۔

تشریح:۔ قولہ: "یرد الناس" ورود سے ہے۔ قولہ: "ثم یصدُرُون" صَدَر رجوع کو کہتے ہیں ای ینصرفون عنھا۔ قولہ: "کلمح البرق" لمحہ بمعنی سرعت کے ہے جبکہ برق بجلی کے معنی میں ہے جیسے آسانی

بجلی کا چمکنا انتہائی تیز رفتار حرکت ہے اسی طرح اس گروہ کی رفتار ہوگی۔ قولہ: "کحُضر الفرس" حُضر بضم الحاء تیز دوڑنے کو کہتے ہیں۔ قولہ: "کشد الرجل" شد بھی دوڑنے کو کہتے ہیں۔

محققین اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس وُرود سے مراد پُل صراط کا عبور کرنا ہے، جہنم کے اندر سرے سے دخول مراد نہیں اور جہنم سے صَدَر یعنی واپسی بھی عبور اور گزرنے کے معنی میں ہے۔ یعنی سب لوگ جہنم کے پاس جائیں گے پھر کوئی داخل بھی ہوگا جیسے کافر اور وہ عُصات المؤمنین جن کی بخشش کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا ہوگا جبکہ باقی اہل ایمان پل صراط کے اوپر چڑھ کر اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت کی طرف رواں دواں ہوں گے۔ تاہم کچھ لوگ پل پر تو چڑھیں گے لیکن وہ پل پر سے گزرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ پھسل کر جہنم میں گریں گے۔ أعاذنا اللہ منہا۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول دوزخ کے اندر جانے کا بھی ہے لیکن اس قول کے مطابق اہل نجات کے لئے دوزخ کی آگ ٹھنڈی بنادی جائے گی۔ قولہ: "ولکنی ادعه عمداً"، حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ سُدی کی یہ روایت مجھے مرفوعاً بھی ملی ہے لیکن میں جان بوجھ کر اسے موقوفاً بیان کرتا ہوں۔ اس کی وجہ شاید سُدی کبیر پر عدم اعتماد ہے۔

حدیث آخر: "عن ابی ہریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: اذا أحبَّ اللہ عبداً نادیٰ جبرئیلَ انی قد أحببتُ فلاناً فأحِبَّه قال: فیُنادِی فی السماء ثم تنزل له المحبة فی اهل الارض، فذالک قول اللہ: "إن الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لهم الرحمن وُدّاً" واذا أبغض اللہ عبداً نادیٰ جبرئیل انی قد ابغضتُ فلاناً فینادی فی السماء ثم تنزلُ له البغضاء فی الارض". (حسن صحیح)

جب اللہ کسی بندے کو پسند کرتا ہے تو جبرئیلؑ سے کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں پس تم بھی اسے دوست بناؤ۔ آپؐ نے فرمایا پھر جبرئیلؑ آسمانوں میں پکار دیتے ہیں، پھر اس کی محبوبیت زمین والوں میں اُتاری جاتی ہے، یہی مطلب ہے اس ارشاد ربانی کا: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں بہت جلد رحمٰن ان کی محبت پیدا کردے گا۔ اور جب اللہ کسی بندے کو ناپسند کرتا ہے تو جبرئیلؑ سے فرماتا ہے کہ میں نے فلانے کو ناپسند کیا ہے (تم بھی اسے ناپسند کرو) تو جبرئیلؑ آسمانوں میں پکار دیتے ہیں (کہ فلاں ناپسندیدہ قرار پایا ہے) پھر اس کی عداوت ونفرت زمین میں اُتاری جاتی ہے۔

تشریح:۔اس حدیث کو ظاہری مطلب پر محمول کیا جاسکتا ہے لیکن اس صورت میں اس کی تخصیص لازمی ہے یعنی صلحاء کے دلوں میں اس کی محبت اور نفرت ڈالی جاتی ہے۔ جہاں تک اہل اللہ کے آپس کے اختلافات کا تعلق ہے تو اول تو وہ نفرت کی دلیل نہیں، لیکن اگر کوئی اختلاف عداوت کی حد تک پہنچ جاتی ہے تو وہ امر عارض شمار ہوگی، رہے کفار وفساق تو ان کی محبت ونفرت کی عنداللہ کوئی حیثیت نہیں، لہذا ہمیں بھی اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے قال اللہ تعالی: "ودّوا ماعنتم قد بدت البغضاء من افواههم وماتخفی صدورهم اکبر"۔

جبکہ اس حدیث کا دوسرا مطلب امام نوویؒ وغیرہ نے یہ بیان کیا ہے کہ مراد ارادۂ خیر ہے کہ اللہ بندے کو خیر کی ہدایت دیتا ہے پھر اس پر انعام دیتا ہے یہ اللہ کی اس سے محبت ہے اس کے برعکس بُغض سے مراد عذاب کا ارادہ وغیرہ ہے۔فرشتوں کی اس سے محبت سے مراد اس کے لئے استغفار ہے اور نفرت سے مراد عدم استغفار، عدم دعاء ہے یا بددعا دینا ہے۔علیٰ ھذا القیاس

حدیث خبّاب بن الارت:۔ "یقول جئتُ العاصَ بن وائل السّهمی اتقاضاه حقاً لی عنده فقال: لاأعطیک حتی تکفر بمحمد فقلتُ: "لا، حتی تموت ثم تُبعثُ" قال وانی لمیّت ثم مبعوث؟ فقلتُ "نعم" فقال ان لی هناک مالاً وّولداً فاقضیکَ فنزلت: "أفرأیت الذی کفر بآیاتنا وقال لأوتینّ مالاً وولداً" الایة .(حسن صحیح)

حضرت خباب بن ارتؓ فرماتے ہیں کہ میں عاص بن وائل کے پاس آیا اپنے کچھ حق کے مطالبہ کے لئے جو اس کے پاس تھا، تو اس نے کہا میں تجھے اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منکر نہیں ہوگا۔میں نے کہا کہ ہرگز نہیں حتیٰ کہ تو مرکر پھر زندہ ہو (تب بھی میں ایسا نہیں کروں گا) اس نے کہا اچھا تو میں مرکر پھر اٹھوں گا؟ میں نے کہاہاں! اس نے کہا تو پھر وہاں میرا مال ہوگا اور اولاد بھی تو وہاں تجھے دے دوں گا!!! اس پر یہ آیت اتری: "افرایت الذی کفر الخ" کیا آپ نے اس آدمی کو دیکھ لیا جو ہماری آیتوں کا منکر ہوا اور کہا کہ ضرور دیا جاؤں گا مال اور اولاد (یعنی قیامت کے روز)۔

تشریح:۔قولہ: "لاحتی تموت الخ" اس سے بظاہر یہ مطلب نکلتا ہے کہ میں تیرے مرنے اور دوبارہ زندہ ہونے تک کفر نہیں کروں گا اور جب غایہ آجائے گا تو پھر العیاذ باللہ کفر کروں گا، حالانکہ یہ مطلب تو صراحتاً غلط ہے کیونکہ مستقبل میں کفر کا ارادہ کرنا یا اس پر راضی ہونا فی الفور کفر کو مستلزم ہے۔اس لئے ابن العربیؒ

نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ غایہ عدم کفر کا نہیں بلکہ عدم ادائیگی کا ہے یعنی کوئی پرواہ نہیں اگر تم میرا حق آج نہیں دیتا تو کل قیامت میں دے دو گے۔ لیکن اس کا مطلب اس طرح بھی صحیح بنتا ہے کہ یہ تعلیق برائے تابید ہو یعنی لا اکفر ابداً اور محاورہ میں ایسا ہی استعمال ہوتا ہے کہ جب کسی کام کی دائمی نفی مراد ہو تو کہا جاتا ہے کہ قیامت تک بھی نہیں ہوگا۔ پھر عاص بن وائل کا یہ کہنا کہ میں وہاں دے دوں گا بنابر اعتقاد نہیں بلکہ یہ طنز کے طور پر ہے کہ تم لوگ اُخروی زندگی کے قائل ہو تو چلو میں وہاں دے دوں گا، اس میں انکار بھی ہوا اور طنز بھی۔ قوله: "افرایت الذی" جب خبر مشہور ہو تو اس کے لئے رؤیت کا صیغہ استعمال کرنا عربی میں عام ہے یعنی یہ بات بھی ان کو بتاؤ کہ یہ بھی قابلِ ذکر خبر ہے، اس لئے اَرَایتَ کا ترجمہ اَخبِرنی اور اخبرھم سے کیا جاتا ہے۔

ومن سورة طٰه

سورت طٰہ کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی هريرة قال لماقفل الخ"۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے لوٹے تو رات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ آپ کو اُونگھ آئی چنانچہ آپؐ نے اونٹ بٹھائے اور رات کے آخری حصہ میں آرام کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا اے بلال! رات کو ہمارے لئے ہوشیار رہو! راوی نے کہا کہ پس بلال نے نماز پڑھی اور پھر ٹیک لگائی اپنے کجاوے سے اور منہ کیا مشرق کی طرف، پس ان کی آنکھیں جھپک گئیں اور وہ سو گئے، پس ان میں سے کوئی نہ جاگا (یعنی نماز کے وقت) اور سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاگے، اور فرمایا اے بلال! (یہ کیا کیا؟) تو بلالؓ نے کہا کہ میرا باپ آپ پر قربان ہو اے اللہ کے رسول! میری روح کو بھی اسی (نیند) نے پکڑ رکھا تھا جس نے آپ کی روح کو پکڑ رکھا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو اونٹوں کو کھینچو۔ (آگے چل کر) پھر آپؐ نے اونٹ بٹھایا اور وضوء کیا اور تکبیر کرائی پھر آپؐ نے اسی طرح نماز پڑھی جیسے وقت میں پڑھا کرتے تھے اطمینان سے، پھر آپؐ نے فرمایا: "اَقِمِ الصلوٰة لِذِکری"۔ (آیت: ۱۴)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو امام زہری کے شاگرد صالح بن ابی الاخضر کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن صالح کی متابعت یونس نے کی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اور معمر نے بھی کی ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے۔ (کذا فی تحفة الاحوذی)

حدیث سے متعلقہ بحث ابواب الصلوٰۃ میں گزری ہے۔ قولہ: "اقم الصلوٰۃ لذکری" ای لذکری فیھا، یالام تخصیص کے لئے ہے یعنی نماز میں سوائے ذکر رب کے، کوئی دیگر غرض نہیں ہونی چاہئے یا مطلب یہ ہے کہ جب بھولی ہوئی نماز یاد آجائے تو پڑھ لیا کرو۔

ومن سورة الانبياء

سورت انبیاء کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عائشة ان رجلاً قعد بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یارسول الله! ان لی مَملوکِینَ یَکذِبُونَنی ویخُونونَنی ویعصُوننی واَشتِمُهم واضربُهم فکیف انا منهم؟ قال یُحسَبُ ماخانُوکَ وَعَصَوکَ وکذبوکَ وعِقابُکَ ایّاهم فان کان عقابک ایاهم بقدرِ ذنوبهم کان کفافاً، لَالکَ، ولاعلیکَ وان کان عِقابک اِیّاهم دون ذنوبهم کان فضلاً لکَ وان کان عِقابُکَ اِیّاهم فوق ذنوبهم اُقتصّ لهم مِنکَ الفضل، قال فَتَنَحّی الرجل فجعل یبکی ویهتِفُ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اَمَاتقرا کتاب الله"ونضع الموازین القسط لیوم القیامة فلاتظلم نفس شیئاً" (آیت: ۴۷) فقال الرجل والله یارسول الله! ماأجدُلی ولهم شیئاً خیراً من مفارقتهم اُشهِدکَ انهم احرار کلهم". (غریب)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، اور میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں (جس کی وجہ سے) میں ان کو گالیاں دیتا ہوں اور انہیں مارتا ہوں تو (قیامت میں) میرا اور ان کا کیا حال ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو خیانت وہ تجھ سے کرتے ہیں اور تیری نافرمانی کرتے ہیں اور تجھ سے جو جھوٹ بولتے ہیں ان کو حساب میں لایا جائے گا اور تیرا سزا دینا ان کو بھی شمار کیا جائے گا (کہ تم نے ان کی کتنی غلطیوں اور نافرمانیوں پر کتنی سزا دی ہے؟) پس اگر تیرا سزا دینا ان کی تقصیرات کے بقدر ہوگا تو حساب بے باق ہوگا، نہ تیرا کچھ حق ان پر رہے گا اور نہ ان کا تجھ پر رہے گا۔ اور اگر تیرا سزا دینا ان کو ان کی کوتاہیوں سے کم ہوگا تو تیرا حق ان پر باقی رہے گا، اور اگر تیرا سزا دینا ان کو ان کے گناہوں سے زیادہ ہوگا تو ان کے لئے زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا، راوی کہتا ہے کہ وہ شخص ایک جانب ہو کر رونے لگا اور چلاّتا رہا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کیا تو نے اللہ کی کتاب نہیں پڑھی ہے؟ "ونضع الموازین القسط الخ" اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے پس کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، تو اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول قسم ہے اللہ کی کہ میں اپنے لئے اور ان کے لئے کوئی چیز ان کی علیحدگی سے بہتر نہیں پاتا ہوں، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب آزاد ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال "الویل واد فی جہنم یہوی فیہ الکافر اربعین خریفاً قبل ان یبلغ قعرہ". (غریب)

ویل دوزخ میں ایک وادی (نالہ) ہے گرتا رہے گا کافر اس میں چالیس سال تک قبل اس کے کہ وہ اس کی تہ میں پہنچے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہنم کی ساری مسافت یکساں نہیں بلکہ اس میں مختلف النوع درکات اور طبقات ہیں اس لئے کہیں مسافت زیادہ بیان ہوئی ہے اور کہیں کم۔ فلا تعارض بین الروایات۔

حدیث آخر:۔ "لم یکذب ابراهیم فی شئی قط اِلّافی ثلاث قوله: انی سقیم ولم یکن سقیماً وقوله لِسَارَةَ اُختی، وقوله: بل فعله کبیرهم ". (حسن صحیح)

حضرت ابراہیمؑ نے کبھی بھی کسی معاملہ میں جھوٹ نہیں بولا مگر تین (موقعوں پر توریات کی صورت) میں۔ ایک ان کا یہ فرمانا کہ میں بیمار ہوں جبکہ آپؑ بیمار نہیں تھے۔ دوم آپ کا سارہ کو بہن کہنا، اور سوم آپ کا یہ فرمانا کہ بلکہ یہ کام تو ان کے بڑے نے کیا ہے۔

تشریح:۔ جھوٹ کے متعلق تفصیلی بحث "باب ما جاء فی اصلاح ذات البین" میں گزری ہے کہ کذب مذموم کون سا ہے؟ آیا جھوٹ کا قبح ذاتی ہے یا عقلی یعنی لغیرہ۔ دیکھئے تشریحات: ص: ۱۹۸ جلد ششم

جہاں تک حضرت ابراہیمؑ کی ان تین باتوں کا تعلق ہے تو یہاں جھوٹ سے صورتِ کذب مراد ہے درحقیقت آپؑ نے ان الفاظ کو توریہ کے طور پر استعمال کیا تھا جو کذب اور جھوٹ سے بالکل مختلف چیز ہے کہ بیماری سے مراد اپنی قوم کی جاہلانہ حرکات پر رنج وغم ہے، اور حضرت سارہ کو بہن کہنا اسلامی اخوت مراد ہے اور بل فعله کبیرهم، میں اگر کبیر سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ ہے تو اس کلام کا ظاہری مطلب بڑا بت ہے جس سے قوم شرمندہ ہوئی مگر پھر بدبختی ان پر غالب آ گئی، یا اگر مراد بڑا بت ہی ہے تو پھر یہ طنز کے طور پر ہے یعنی اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھو کہ جب کلہاڑا اس کی گردن میں ہے تو پھر یہ اسی نے کیا ہوگا۔ مفسرین نے اس کے

علاوہ بھی بہت عمدہ توجیہات فرمائی ہیں۔

حدیث آخر:۔"عن ابن عباس قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالموعظۃ فقال یاایھاالناس انکم محشورون الی اللہ عُراۃً غُرلاً ثم قرأ: "کمابدأنااول خلق نعیدہ، الی آخر الآیۃ" قال: اول من یُکسیٰ یو م القیامۃ ابراھیم وانہ سیُؤتیٰ برجال من امتی فیوخذبھم ذات الشمال فاقول ربِّ اصحابی فیقال انک لاتدری مااحدثوابعدک فاقول کماقال العبد الصالح "وکنتُ علیھم شھیداً مادُمتُ فیھم فلماتوفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شئی شھیدان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم" الآیہ. فیقال ھؤلاء لم یزالوا مرتدین علیٰ اعقابھم منذفارقتَھم". (حسن صحیح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا اے لوگو! بے شک تم اللہ کے سامنے جمع کئے جاؤ گے ننگے جسم، بغیر ختنہ کے، پھر آپؐ نے پڑھی یہ آیت "کما بدانا الخ" "جس طرح پہلی تخلیق میں ہم نے پیدا کیا تھا پھر دوبارہ ایسا ہی لوٹا دیں گے اس کو۔ آپؐ نے فرمایا سب سے پہلے قیامت کے دن ابراہیم کو کپڑے پہنائے جائیں گے، اور یہ کہ میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے تو ان کو بائیں جانب لے جایا جائے گا، تو میں کہوں گا کہ اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھ (یا امتی) ہیں، پس کہا جائے گا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی چیزیں نکالیں؟ پس میں ایسا ہی کہوں گا جیسے اس نیک بندے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا: کہ میں ان کے حال سے واقف تھا جب تک میں ان میں تھا اور جب تو نے مجھے اُٹھالیا پس تو نگہبان تھا ان کے حال پر اور تو ہر چیز سے باخبر ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ لوگ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخشے تو بے شک تو زبردست، حکمت والا ہے، پس جواب دیا جائے گا کہ یہ لوگ مسلسل پلٹتے رہے اپنی ایڑیوں کے بل، جب سے آپ نے ان کو چھوڑا تھا۔

تشریح:۔اس حدیث کی تشریح "باب ماجاء فی شان الحشر" میں گزری ہے۔ دیکھئے تشریحات (ص ۲۱۴ جلد ہفتم) علاوہ ازیں بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور شہداء وصلحاء اپنی قبروں سے اس لباس کے ساتھ اُٹھیں گے جس میں ان کو دفنایا گیا ہو مثلاً شہید خون آلود کپڑوں میں اور مُحرِم احرام کی چادروں میں اور باقی اموات اپنے کفنوں میں، علیٰ ہذا پھر حضرت ابراہیمؑ کو یہ لباس پہنانا جسم چھپانے کے لئے نہیں ہوگا بلکہ یہ جنتی یا اعزازی لباس ہوگا جو ابوالانبیاء علیہم السلام کی بناء پر آپؑ کو پہلے پہنایا جائے گا۔ مزید

تشریح کے لئے حوالہ بالا سے رجوع فرمائیں۔اس حدیث سے تمام انبیاء علیہم السلام سے علم غیب کی واضح نفی معلوم ہوئی۔

ومن سورة الحج

سورت حج کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عمران بن حصين ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لمّانزلت: يا ايها الناس اتّقوا ربكم ان زلزلة الساعة شئى عظيم.... الى قوله..... ولكن عذاب الله شديد" قال انزلت عليه هذه الاية وهو فى سفر قال: اَتدرون اىّ يوم ذالك؟ قالوا الله ورسوله اعلم، قال ذالك يوم يقول الله لِآدم ابعث بعث النار قال: يارَبِّ ومابعثُ النار؟ قال تسعمائة وتسعة وتسعون فى النار وواحد الى الجنة فانشأ المسلمون يبكون فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قارِبُوا وَسَدِّدُوا فانها لم تكن نبوة قط اِلّا كان بين يديها جاهلية، قال فَيُوخَذُ العدد من الجاهليّة فان تَمّت، واِلّا كَمُلَت من المنافقين ومَامَثَلُكم والامم اِلّا كَمَثَلِ الرَّقمَة فى ذراع الدابة او كالشامة فى جنب البعير ثم قال انى لَاَرجو ان تكونوا رُبع اهل الجنة فكبّروا ثم قال انى لَاَرجو ان تكونوا ثُلث اهل الجنة فكبّروا ثم قال انى لَاَرجو ان تكونوا نصف اهل الجنة فكبّروا .... قال لاادرى قال الثُلثين ام لا؟ (حسن صحيح)

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اُتری یہ آیت "یا ایها الناس اتقوا الخ "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی ڈراؤنی شے ہے.....اس قول تک.... ولكن عذاب الله شديد... (یعنی اس میں لوگ تمہیں مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے) لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا (جس کی لوگ تاب نہ لاتے ہوئے گر پڑیں گے اور تڑپتے رہیں گے) حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ پر یہ آیت نازل ہوئی جبکہ آپؐ سفر میں تھے آپؐ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ وہ کون سا (کیسا) دن ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا الله ورسوله اعلم، آپؐ نے فرمایا یہ وہ دن ہے کہ اللہ آدم (علیہ السلام) سے فرمائیں گے کہ چھانٹو (بھیجو) جہنم کا لشکر وہ عرض کریں گے کہ اے میرے رب! جہنم کا لشکر کتنا ہے؟ اللہ فرمائے گا کہ نوسو ننانوے دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں (یعنی فی ہزار صرف ایک جنتی

پس سارے صحابہ کرامؓ (یہ سُن کر) رونے لگے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نزدیکی ڈھونڈتے رہو اور سچ کی چال چلو، بے شک کوئی نبوت نہیں گزری کبھی بھی مگر اس سے پہلے جاہلیت (کی حکمرانی) گزری ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جاہلیت (والوں) سے گنتی پوری کی جائے گی اگر پوری ہوگئی (تو فبہا) ورنہ پوری کی جائے گی منافقین سے اور تمہاری مثال (اور نسبت) اور دوسری امتوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے چوپائے کے دست میں ایک تل یا اونٹ کے پہلو میں ایک خال ہوتا ہے، پھر آپؐ نے فرمایا میں اُمید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں کا چوتھائی ہوں گے، اس پر صحابہؓ نے اللہ اکبر کہا (یعنی خوشی سے) پھر آپؐ نے فرمایا میں اُمید رکھتا ہوں کہ تم جنتیوں کے تہائی ہوں گے انہوں نے پھر اللہ اکبر کہا، آپؐ نے پھر فرمایا کہ بے شک میں اُمید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں کا آدھا ہوں گے پس صحابہؓ نے پھر اللہ اکبر کہا۔ حضرت عمران راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ آیا آپ علیہ السلام نے دو تہائی کا ذکر فرمایا یا نہیں۔

تشریح:۔ قولہ: "اِبعث" یعنی الگ کرو۔ قولہ: "اِلّا کان بین یدیھا جاھلیۃ" چونکہ جاہلیت نام ہے اس معیار کے خاتمہ اور بگاڑ کا جو خدا کی طرف سے لوگوں کے لئے مقرر کیا جاتا ہے جس کا تعلق اولاً ذہن سے اور پھر کردار سے ہے۔ اور ہر مذہب کے آخر میں نئے تفکرات جنم لیتے ہیں اور نئے کردار اُبھرتے ہیں۔ اس لئے جاہلیت بار بار دنیا والوں کے پاس وقفے وقفے سے چکر لگاتی رہتی ہے، اس میں دنیا والوں کا سیلاب اس نئی جاہلیت کے بنائے ہوئے گندے سمندر کی طرف جا گرتا ہے اور دنیا والوں کو اس سمندر میں غرق کرتا ہے اس لئے انسانوں کی بہت بڑی تعداد نذر جہالت ہو کر واصل جہنم ہو جاتی ہے، جس کے مقابلہ میں ہدایت یافتہ لوگوں کی تعداد بہت کم ہے یعنی ہزار میں سے صرف ایک۔ قولہ: "الرقمۃ" اس میں قاف کا فتحہ اور سکون دونوں پڑھنا جائز ہیں۔ عارضہ میں ہے کہ رقیمہ اور شامہ دونوں ایک ہیں یعنی تل، خال اور نشان۔ قولہ: "لاادری قال الثلثین ام لا؟" لیکن ابواب صفۃ الجنۃ میں ثلثین کی تصریح ہے۔ دیکھئے "باب ماجاء فی کم صف اھل الجنۃ" تحریکات ص:۳۱۲ ج:ہفتم)

اگلی حدیث بھی حضرت عمرانؓ کی ہے جس میں چند الفاظ کا فرق ہے جبکہ مضمون دونوں حدیثوں کا ایک ہی ہے۔ وفیہ "فتفاوت بین اصحابہ فی السیر" یعنی دورانِ سفر صحابہ کرامؓ آگے پیچھے ہو گئے جیسا کہ قافلہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ قولہ: "حثّو المَطِیّ" یعنی جب آپؐ نے یہ آیتیں بلند آواز سے تلاوت فرمائیں تو صحابہؓ نے اپنی سواریوں کو دوڑایا آپ کی طرف کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ آپؐ اس کے ساتھ کچھ

مزید (تفسیر اور) وضاحت کرنے والے ہیں۔ قولہ: "فبئس القوم حتیٰ مَاأَبدَو بضاحکۃ" یعنی صحابہ کرامؓ نے جب یہ حدیث سنی کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگ جہنم واصل ہوں گے تو وہ غم کی وجہ سے خاموش ہوگئے (اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بارے میں جنتی ہونے سے کچھ مایوس سے ہوگئے کہ نہ معلوم ہم لوگ ان اقل قلیل میں بھی ہیں یا نہیں؟) انہوں نے ہنسنے والی ڈاڑھیں ظاہر نہیں کیں (یعنی نہیں ہنسے)۔ تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی کہ تم ایسی دو مخلوق کے ساتھ ہوں گے کہ وہ جن کے ساتھ ہوں گی تو وہ (تعداد میں) غالب ہوں گی، یعنی (۱) یاجوج وماجوج اور (۲) اور جو کفر پر مرجائیں یعنی انسان وجنات (ابلیس کی ذریت)۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ سے وہ حزن جاتا رہا۔

حدیث آخر:۔ "اِنَّماسُمِّیَ البیت العتیق لانه لم یظهر علیه جبَّارٌ". (حسن غریب)

بیت اللہ کا نام عتیق اس لئے رکھ دیا گیا کہ اس پر کبھی کوئی ظالم غلبہ نہ پاسکا۔

گویا بیت اللہ ہر سرکش کے تسلّط سے آزاد ہے۔ ہاں البتہ جب قیامت قریب ہوگی تو ایک کمزور ٹانگوں والا اس کا ایک ایک پتھر گرائے گا لیکن وہ زمانہ قَلْبُ الحقائق کا دور ہوگا جب ہر چیز اُلٹ جائے گی تو کیا بعید ہے کہ وہ کعبہ جس کو اَبرہہ کے ہاتھیوں کے موٹے موٹے پیر بھی نہ روند سکے وہ آج ایک لنگڑے کمزور ولاغر شخص کے ہاتھوں پامال ہو رہا ہو۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباسؓ قال لَمَّا اُخرج النبی صلی اللہ علیه وسلم من مکة قال ابوبکر اَخرجوا نَبِیَّهم لَیَهلِکُنّ فانزل اللہ تعالیٰ: "اُذن للذین یقاتلون بانهم ظُلِموا وان اللہ علیٰ نصرهم لقدیر" الایة، فقال ابوبکر لقد علمتُ انه سیکون قِتالٌ". (حسن)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالا گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے (بھانپ کر) کہا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکالا لہٰذا یہ ضرور تباہ ہوں گے (یعنی ہجرت پر مجبور کرنے والے)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری: "اُذِنَ لِلَّذین الخ" اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑا جاتا ہے (جہاد کی)، اس سبب سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ پس ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں (اسی وقت) سمجھ گیا تھا کہ اب لڑائی ہوگی (یعنی جہاد کی اجازت مل جائے گی)۔

تشریح:۔ قولہ: "لیهلکن" اهلاک سے صیغہ مجہول ہے اور اگر معروف کا صیغہ ہو تو پھر ہلاک (مجرد) سے ہے۔ قولہ: "یقاتلون" مجہول کا صیغہ ہے کیونکہ لڑائی اگرچہ طرفین سے تھی لیکن اس جنگ پر باعث

مشرکین تھے۔ صحابہ کرامؓ پر یہ لڑائی مسلط کردی گئی تھی۔ دوسری قرأت معروف صیغہ کی ہے، تفصیل ابواب الجہاد میں گزری ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ علیہ السلام کو ہجرت پر مجبور کرنے سے قتال کے حکم پر استدلال سابقہ امم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت سے کیا۔ قال اللّٰہ "وان کادوا لَیَستَفِزّونکَ من الارض لیخرجوک منها واذاً لایلبثون خلافک الاقلیلاً سنة من قد ارسلنا قبلک من رُسلنا ولاتجد لِسُنّتنا تحویلا"۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ اس سے جوازِ استدلال بالعادۃ معلوم ہوا "والاستدلال بالعادة اصل من اصول الدین والاحکام"۔

ومن سورة المؤمنون

سورتِ مؤمنون کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عبدالرحمن بن عبدالقاریّ قال سمعتُ عمربن الخطاب یقول: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذااُنزل علیه الوحی سُمِع عندوجهه کَدَوِیِّ النّحلِ فَاُنزل علیه یوماً فَمَکثناساعة فَسُرِّیَ عنه فاستقبل القبلة ورفع یدیه وقال: اللهم زِدنا ولاتنقصُنا واکرِمنا ولاتُهِنّاواعطِناولاتحرِمناواٰثِرنَاولاتُؤثِرعلیناوارضِناوارضَ عَنَّاثم قال اُنزل عَلَیَّ عشراٰیاتٍ من اقامهُنّ دخل الجنة ثم قرأ: "قدافلح المؤمنون حتیٰ ختم عشر آیاتٍ".

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ کے منہ کے پاس ایک گنگناہٹ سُنی جاتی تھی شہد کی مکھی کی (بھنبھناہٹ کی) طرح، چنانچہ ایک دن آپؐ پر وحی اُتری تو ہم (حسبِ عادت) تھوڑی دیر خاموش ٹھہرے رہے پھر آپؐ سے وہ کیفیت ختم کردی گئی پس آپؐ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے، اور فرمایا (یعنی دعا مانگی) اے اللہ! ہمیں ترقی دے، اور گھٹا نہیں۔ ہمیں عزت دے اور ذلیل مت کر اور ہم کو نعمتیں عنایت کر اور محروم مت کر اور ہمیں ترجیح دے، ہم پر دوسروں کو مقدم نہ کر اور ہمیں خوش فرما اور ہم سے بھی راضی ہو۔ پھر آپؐ نے فرمایا مجھ پر (ابھی) دس آیتیں اُتاری گئی ہیں جو ان پر عمل کرتا ہے وہ جنت میں جائے گا، پھر آپؐ نے "قدافلح المؤمنون" تا آخر دس آیتوں کی تلاوت فرمائی۔

تشریح:۔ نزول وحی کی مختلف کیفیات ہوتی تھیں، یہاں صرف ایک کیفیت کا بیان ہے۔

قولہ: "كدوی النحل" یہ آواز کس چیز کی ہوتی تھی؟ تو اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ وحی کی آواز تھی گویا کہ صحابہ کرامؓ کی سمجھ اور فہم سے بالاتر تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ کرنے کی آواز ہوتی تھی جیسے آج کل ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے اور بات بعد میں ہوتی ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ فرشتوں کے پروں کی آواز ہوتی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپؐ کے سینہ مبارک سے سانس کے تیز چلنے کی آواز آتی تھی وغیرذالک من الاقوال۔ اس حدیث کی سند میں عبدالقاریؒ بتشدید الیاء قارۃ کی طرف نسبت ہے جو ایک قبیلہ کا نام ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن انس بن مالک ان الرُّبَيِّع بن النضر اَتَتِ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وكان ابنها حارثة بن سُراقة كان اُصِيبَ يومَ بدر اصابه سهم غرب فاتت رسول الله صلی الله عليه وسلم فقالت اَخبِرلی عن حارثة لئِن كان اصاب خيراً احتَسَبتُ وصبرتُ وان لم يصب الخير اجتهدتُ فی الدعاء فقال نبی الله(صلی الله عليه وسلم)ياأُمَّ حارثة اِنهاجِنان فی جنة وان ابنک اصاب الفردوس الاعلیٰ والفردوسُ ربوَةُ الجنة واوسَطُها وافضلُها". (حسن صحیح غریب)

حضرت رُبَیّع بن نضر رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان کا بیٹا حارثہ بن سُراقہ بدر میں شہید ہوا تھا ان کو اندھا تیر لگا تھا (یعنی نا معلوم سمت سے آنے والا)۔ چنانچہ وہ آئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہنے لگیں مجھے بتائیں حارثہ کے بارے میں، اگر وہ خیر (جنت) کو پہنچا ہے تو میں امیدوارِ ثواب رہوں اور صبر کروں اور اگر نہیں پہنچا ہے وہ خیر کو تو میں دعاء میں کوشش کروں (تا کہ وہ کامیاب ہوجائے)۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حارثہ کی اماں! جنت میں بہت سارے درجے ہیں اور تیرا بیٹا بلند فردوس میں داخل ہوا ہے، اور فردوس جنت کا بلند مقام اور اس کے درمیان کا حصہ وعمدہ ترین ہے۔

تشریح:۔ بعض روایات میں دعا کی جگہ بُکا ہے یعنی اگر میرا بیٹا شہادت سے سرفراز نہیں ہوا ہے تو پھر میں اس صدمہ سے خوب روؤنگی، آپؐ نے اسے تسلی دی کہ وہ نہ صرف کامیاب ہوا ہے بلکہ وہ تو جنتوں میں سے بلند وبالا جنت، جو باقی جنتوں کے بیچوں بیچ ہے اور سب سے افضل ہے کے حصول پر فائز ہوا ہے (اس جنت کی بلندی عرش مُعلّی کو چھونے والی ہے) عارضہ میں ہے: "قال الفرّاء هو البستان الذی فيه العِنب الخ" یعنی فردوس اس باغ کو کہتے ہیں کہ جس میں انگور ہو، اس حدیث میں اس کی مزید تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔

حدیث آخر:۔ "ان عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سألتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ھذہ الایة "والذین یُؤتُونَ ماآتَوا وقلوبھم وَجِلَة" قالت عائشة: اَھُم الذین یشربون الخمر ویسرقون؟ قال "لا" یابنت الصدیق ولٰکنھم الذین یصومون ویصلّون ویتصدقون وھم یخافون ان لاتقبل منھم اُولٰئک الذین یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون".

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا "والذین یؤتون ماآتوا الخ "اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں، حضرت عائشہ نے پوچھا کیا یہ (ڈرنے والے) وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں" اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں (یعنی وہ مراد ہیں) جو روزے رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں درانحالیکہ وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال قبول نہ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیوں کی طرف دوڑتے اور ریس لگاتے ہیں۔

تشریح:۔ قولہ: "والذین یؤتون ماآتوا" چونکہ اس میں ایک قرأت غیر مشہورہ "اَتَوا" ہے بغیر مد کے، جو بظاہر اِتیان سے ہے۔ علیٰ ہذا ممکن ہے کہ عائشہؓ اس آیت کو بمعنیٰ "یفعلون مایفعلون" سمجھ رہی ہوں۔ جبکہ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس سے مراد اِعطاء وغیرہ ہے "ای یعطون مایعطون" لہٰذا "آتوا" اتیان سے نہیں بلکہ اِیتاء سے ہے اور یہی قرأت مشہورہ ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ آیت کا اگلا حصہ اس قرأت ومعنیٰ کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ ان لوگوں کو سارعین اور سابقین فی الخیرات کہا ہے۔ (تدبر) یعنی یہ لوگ نیکی کرنے کے باوجود خوف زدہ ہوتے ہیں کہ کہیں نیکی میں کوئی ایسی خامی تو نہیں رہ گئی ہے کہ جس سے ہمارے اعمال قبول نہ ہوں۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "وھم فیھا کالحون" قال تشویه النار فتقلص شفته العُلیا حتیٰ تبلغ وسط رأسه وتسترخی شفته السُّفلیٰ حتیٰ تضرب سُرّته". (حسن غریب صحیح)

حضرت ابوسعید خدریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت کی تفسیر روایت کرتے ہیں "وھم فیھا کالحون" وہ لوگ (جہنمی) اس میں بدصورت (بگڑے ہوئے منہ والے) ہوں گے، آپؐ نے فرمایا آگ ان

کو بھونے گی (جھلس دے گی)، پس ان کا اوپر والا ہونٹ سکڑ جائے گا یہاں تک کہ سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا اور ان کا نیچے کا ہونٹ لٹک جائے گا، یہاں تک کہ ان کی ناف کو چھولے گا۔ یہ حدیث ابواب صفۃ جہنم میں "باب ماجاء فی صفۃ طعام اھل النار" کے تحت بھی گزری ہے۔

ومن سورة النور

سورتِ نور کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال کان رجل یقال له مرثد وکان رجلاً یحمل الاَسریٰ من مکة حتیٰ یأتی بهم المدینة قال وکانت امرأة بغیّ بمکة یقال لها عناق وکانت صدیقة له وانه کان وَعَدَ رجلاً من اُساریٰ مکة یحمله، قال فجئتُ حتیٰ انتهیتُ الی ظِلّ حائط من حوائط مکة فی لیلة مقمرة قال فجاء ت عناق فَاَبصَرَت سواد ظِلّیَ بجنب الحائط فلما اِنتهیت اِلیّ عَرفت فقالت مرثد؟ قلتُ مرثدٌ فقالت مرحبا واهلاً هَلُمَّ فَبِت عندنا اللیلة قال قلت یاعناق! حرّم الله الزنا قالت یااهل الخیام هذاالرجل یحمل اَسراکم قال فتبعنی ثمانیةٌ وسلکتُ الخندَمَة فانتهیتُ الیٰ غار او کهف فدخلتُ فجاء وا حتیٰ قاموا علیٰ راسی فبالوا فظَلّ بولهم علیٰ راسی وعَمّاهم الله عنی قال ثم رجعوا ورجعتُ الی صاحبی فحملتُه وکان رجلاً ثقیلاً حتیٰ اِنتهیتُ الی الاذخر فَفَکَکتُ عنه اَکبُله فجعلتُ احملُه ویعیینی حتی قدمت المدینة فاتیتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلتُ یارسول الله انکحُ عناقاً! فامسَکَ رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم یَرُدَّ علیَّ شیئاً حتی نزلت "الزانی لاینکح اِلّا زانیة اومشرکة والزانیة لاینکحها اِلّا زانٍ اومشرک" فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یا مرثد الزانی لاینکح اِلّازانیة اومشرکة والزانیة لاینکحها اِلّا زانٍ اومشرک، فلاتنکِحها". (حسن غریب)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں ایک شخص تھا جسے مرثد کہا جاتا تھا وہ شخص مکہ سے قیدیوں کو اٹھا کر مدینہ لاتا تھا (یعنی مستضعفین کو) حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ مکہ میں ایک رنڈی عورت تھی جسے عناق کہا جاتا تھا اور وہ ان کی دوست رہ چکی تھی، اور مرثد نے مکہ کے قیدیوں میں ایک شخص کے ساتھ

اٹھالانے کا وعدہ کیا تھا، حضرت مرثد کہتے ہیں کہ میں مکہ آیا، یہاں تک کہ مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سایہ تک جا پہنچا چاندنی رات میں، فرماتے ہیں کہ عناق آئی تو اس نے دیوار کے پہلو میں میرے سایے کی سیاہی دیکھی، پس جب وہ میرے قریب پہنچی تو اس نے مجھے پہچانا، اور کہا کہ تو مرثد ہے؟ میں نے کہا کہ ''مرثد'' ہوں۔ اس نے کہا مرحبا اھلاً شاباش آ؛ یہ رات ہمارے پاس گزار؛ میں نے کہا عناق! اللہ نے زنا حرام کیا ہے۔ اس نے (چلا کر) کہا کہ اے خیمہ والو! یہ شخص تمہارے قیدیوں کو اٹھالے جاتا ہے۔ چنانچہ آٹھ آدمی میرے تعاقب کرنے آئے، تو میں نے خندمہ (نامی پہاڑی) کی راہ لی پس میں ایک غار یا ایک کھوہ میں جا پہنچا (راوی کو شک ہے کہ غار کہا یا کھوہ) اور اس میں گھس گیا، پس وہ لوگ آئے یہاں تک کہ (غار کے دھانے) میرے سر پر کھڑے ہو گئے، پھر انہوں نے پیشاب کیا ان کا پیشاب میرے سر پر گرتا رہا تاہم اللہ نے ان کو مجھ سے اندھا کر دیا۔ مرثد کہتے ہیں کہ پھر وہ لوٹ گئے اور میں بھی اپنے ساتھی کی طرف لوٹا، چنانچہ میں نے اسے اُٹھایا جو ایک بھاری شخص تھا، تا آنکہ میں إذخر (مقام) تک آیا، پس میں نے اس کی بیڑیاں کھول دیں (یعنی توڑ دیں) پھر میں اس کو اٹھا کر چل آیا اور وہ مجھے تھکائے دیتا تھا (کیونکہ وہ بھاری تھا، یہ ترجمہ إعیاء سے بمعنی کا کیا گیا ہے اور اگر اعانت سے ہو تو پھر ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ میری مدد کرتا تھا یعنی کبھی وہ خود بھی چلتا تھا) یہاں تک کہ میں مدینہ پہنچا۔ پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں عناق سے شادی کر لوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ''الزانی لاینکح الازانیۃ الخ '' زنا کار آدمی نکاح نہیں کرتا مگر زنا کار عورت سے یا مشرکہ عورت سے اور زانیہ سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی مرد یا مشرک آدمی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مرثد! زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ سے یا مشرکہ سے اور زانیہ سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک، پس تم اس سے نکاح مت کرو۔

تشریح:۔ مشرکہ عورت یا زانیہ کے ساتھ نکاح کے متعلق اگرچہ ایک قول عدم جواز کا ہے لیکن جمہور کے نزدیک کسی بھی مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ یا زانیہ مسلمہ کے ساتھ جائز ہے۔ جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اگر ''وحُرِّمَ ذالک علی المؤمنین '' کا اشارہ نکاح کی طرف ہو تو پھر یہ منسوخ ہے اور ناسخ یہ آیت ہے ''وَانکحوا الایامیٰ منکم ''، لیکن بظاہر یہ اشارہ زنا کی طرف ہے، لہٰذا پھر نسخ کی ضرورت نہیں رہی۔ آیت کا وہ حصہ جو اس حدیث میں مذکور ہے تو اس کا مطلب باعتبارِ اَغلب میلان کے ہے یعنی پاکدامن اور عفیف شخص

گندی عورت کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کی طبیعت اور غیرت اس کو برداشت نہیں کر سکتی ہے کہ اس کی بیوی کسی دوسرے کے ساتھ آنکھ لڑائے یا کار دیگرے کرے کیونکہ شیر دوسروں کا کیا ہوا شکار پسند نہیں کرتا۔

وتجتنب الاسود ورود ماء
اذا کان الکلاب ولغن فیہ

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر، باز با باز

جبکہ گندہ اور زانی آدمی اس کی پرواہ نہیں کرتا۔

حدیث آخر:۔ حضرت سعید بن جُبیر فرماتے ہیں کہ کسی نے معصب بن زبیر کی خلافت میں مجھ سے متلاعنین کے بارے میں پوچھا کہ کیا ان دونوں میں جدائی کردی جائے گی؟ تو میں نہ سمجھ سکا کہ کیا جواب دوں، تو میں اپنے گھر سے عبداللہ بن عمرؓ کے گھر کی طرف چلا اور اندر جانے کی اجازت مانگی تو مجھ سے کہا گیا کہ وہ قیلولہ کررہے ہیں، تاہم انہوں نے میری بات سُن لی تو مجھے پُکارا کہ ابن جُبیر اندر آؤ! تم نہیں آئے ہو مگر کسی کام سے ابن جبیر کہتے ہیں کہ میں داخل ہوا اور وہ کجاوے کا ٹاٹ بچھائے ہوئے تھے تو میں نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! کیا ان دونوں میں تفریق کی جائے گی؟ تو انہوں نے فرمایا سبحان اللہ! ''ہاں'' کیونکہ سب سے پہلے جس شخص نے اس کے بارے میں پوچھا تھا وہ فلاں بن فُلاں تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں اگر ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کو بے حیائی (یعنی زنا) پر دیکھے تو وہ کیا کرے؟ اگر وہ کچھ بولے تو بھی بڑی بات بولے اور اگر چپ رہے تو بھی بڑی بات پر چپ رہے گا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم چُپ رہے اور اسے کچھ جواب نہیں دیا، پھر جب اس کے بعد وہ نبیء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو کہنے لگا کہ میں نے جو بات آپ سے پوچھی تھی میں اسی میں مبتلا ہوا ہوں۔ پس اللہ نے یہ آیتیں اُتاریں جو سورت نور میں ہیں ''والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھدآء اِلّا انفسھم الخ '' اور وہ لوگ جو عیب لگائیں اپنی بیویوں پر اور ان کے پاس گواہ نہ ہوں سوائے ان کے نفسوں کے، تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر'' یہاں تک کہ ان آیتوں کو آخر تک پڑھا۔ فرمایا کہ پھر آپؐ نے اس شخص کو بلایا اور اس پر یہ آیتیں پڑھیں اور سمجھایا بجھایا اس کو اور اس کو بتایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت آسان ہے، تو اس نے کہا کہ اس کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ میں نے اس عورت پر جھوٹ نہیں

بار رہا ہے۔ پھر آپؐ دوبارہ عورت کی طرف متوجہ ہوئے اس کو بھی سمجھایا بجھایا اور اُسے بتایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے، تو اس نے کہا کہ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس نے سچ نہیں کہا ہے، پھر آپؐ نے اس شخص سے آغاز کیا، تو اس نے چار مرتبہ گواہی دی کہ اللہ گواہ ہے کہ وہ (شخص) سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ پھر آپؐ دوسری بار متوجہ ہوئے عورت کی طرف، تو اس نے گواہی دی چار مرتبہ کہ اللہ گواہ ہے کہ وہ (اس کا شوہر) جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہا کہ اللہ کا غضب ہو اس پر اگر وہ (شوہر) سچوں میں سے ہو۔ پھر آپؐ نے ان دونوں میں جُدائی کر دی۔ (حسن صحیح)

تشریح: اس حدیث کی ضروری تشریح ابواب الطلاق واللعان میں گزری ہے۔ دیکھئے "باب ما جاء فی اللعان" تشریحات: ص: ۱۱۲، ج: ۵)

اس بارے میں دوسری حدیث حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہلال بن اُمیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ پیش کرو ورنہ حد پڑے گی تیری پیٹھ پر! پس ہلالؓ نے کہا: کیا جب ہم میں سے کوئی اپنی بیوی پر کسی کو دیکھے گا تو وہ گواہ ڈھونڈھے گا؟ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی کہتے رہے کہ گواہ لاؤ ورنہ تیری پیٹھ پر حد پڑے گی، راوی نے کہا کہ ہلال نے عرض کیا کہ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق (دینِ حق) کے ساتھ بھیجا ہے یہ شخص (یعنی ہلال) سچا ہے اور میرے متعلق ضرور ایسی آیت اُترے گی جو میری پُشت کو حد سے بچائے گی، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: "والذین یرمون ازواجھم الخ" راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے (ان کے پڑھنے سے)، تو ان دونوں (میاں بیوی) کے پاس کہلا بھیجا، پس وہ دونوں آئے، پس ہلال کھڑے ہوئے اور گواہیاں دیں (یعنی سابقہ آیات کے مطابق) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے، تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟؟؟ پھر عورت کھڑی ہوئی... اس نے بھی گواہیاں دیں.... پھر جب وہ پانچویں گواہی کے وقت کہنے لگی کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ (اس کا شوہر) سچوں میں سے ہو..... تو لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ (پانچویں بات و گواہی) لازم کر دینے والی ہے (یعنی اللہ کے غصے کا نزول)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "فتلکأت ونکصت حتی ظنّنا ان سترجع" یعنی وہ ٹھہر گئی (ڈھیلی ہوگئی) اور پیچھے ہٹنے لگی حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ اپنی گواہی سے رجوع کر لے گی.... مگر وہ

(آگے بڑھی اور) کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو عمر بھر کے لئے رسوا نہیں کروں گی (یعنی اس نے جھوٹی گواہی کو ترجیح دی)۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عورت (کے بچے) کو دیکھو "فان جاءت بہ اکحل العینین سابغ الالیتین خدلج الساقین فھو لشریک بن سمحاء" اگر وہ ایسا بچہ جنتی ہے جو سُرمگین آنکھوں والا ہو، موٹے چوتڑ والا ہو اور پُر گوشت پنڈلیوں والا ہو تو وہ شریک بن سحماء (کے نطفہ) سے ہوگا، چنانچہ اس نے ایسا ہی بچہ جنا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لولا ما مضیٰ من کتاب لکان لنا ولھا شان" اگر اللہ کا حکم پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا (کہ متلاعنین کو حد نہیں ہوگی) تو میرا اور اس (عورت) کا حال عجیب ہوتا، یعنی اس کو سنگسار کرتا۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ عورت کی جانب لعنت کے بجائے غضب کا تعین اس لئے کیا گیا کہ عورتیں عموماً لعنت زیادہ کرتی ہیں اس لئے ان کے دلوں میں اس کا اتنا خوف نہیں ہوتا ہے۔ **قولہ:** "نکصت" اس کے معنی رجوع اور پیچھے ہٹنے کے ہے، اس میں ایک قرأت "نکست" سین کے ساتھ ہے، اس کے معنی سر جھکانے کے ہے یعنی وہ عورت کچھ ہچکچائی اور سر جھکا کر خاموش سی ہوگئی۔ **قولہ:** "خدلج" لام مشدد اور سب حروف مفتوح ہیں، بمعنی بڑے اور عظیم کے۔ بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ لعان کا حکم حضرت ہلال بن امیہؓ کے بارے میں نازل ہوا ہے یا حضرت عویمر بن اشقر العجلانی کے بارے میں؟ تو اس کا حل ابواب الطلاق میں حوالہ بالا ص: ۱۱۴ ج: ۵ پر گزرا ہے، فلیراجع۔

حدیث آخر:۔ "عن عائشة قالت: لما ذُکر من شانی الذی ذُکر وما علمتُ بہ قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فِیَّ خطیبا فتشھد الخ"۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میرے حال کا وہ تذکرہ عام ہونے لگا جو زیر بحث تھا (یعنی الزام تراشی کا)، جبکہ مجھے اس کا کچھ پتہ نہیں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بارے میں خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے پس آپؐ نے شہادتین پڑھیں اور اللہ کی حمد وثناء کی جو اس کی ذات کے لائق ہے، پھر آپؐ نے فرمایا: "اما بعد: اَشِیرُوا عَلَیَّ فی اناس اَبَنُوا اھلی" مجھے مشورہ دو ان لوگوں کے بارے میں کہ جنہوں نے میری اہلیہ پر تہمت لگائی ہے، خدا کی قسم! میں نے کبھی اپنی اہلیہ میں کوئی برائی نہیں دیکھی ہے "وَاَبَنُوا بمن واللہ ما علمتُ علیہ من سُوء قط" اور انہوں نے متہم کیا ایسے شخص کو (صفوان بن المُعَطّل کو) جس میں خدا کی قسم! میں کوئی برائی نہیں جانتا، اور نہ کبھی وہ میرے گھر میں داخل ہوا ہے سوائے میری موجودگی کے، اور نہ

میں بھی اپنے گھر سے غائب رہا ہوں مگر وہ بھی میرے ساتھ غائب (سفر پر) رہا ہے، پس حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہو کر کہنے لگے اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کی گردنیں مارتا (کاٹتا) ہوں اور (اس کے ساتھ) ایک اور شخص (حضرت سعد بن عبادہؓ) خزرج میں سے کھڑا ہوا، اور ام حسان بن ثابت بھی اس کے قبیلہ (خزرج) میں سے تھیں (جو اس پروپیگنڈے میں شریک تھیں) اس نے کہا کہ جھوٹ کہا تو نے، بخدا اگر وہ (تہمت لگانے والے) اوس میں سے ہوتے تو "ما احببتَ ان تضرب اعناقهم" آپ ان کی گردنیں مارنا پسند نہ کرتے (یعنی آپ اپنی قوم کا خیال رکھتے)۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ مسجد میں اوس وخزرج کے درمیان بڑا فساد برپا ہو جاتا، اور مجھے اس صورت حال کا کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر جب شام ہوئی اس دن کی، تو میں اپنے کسی کام سے (یعنی رفع حاجت کی غرض سے) نکلی اور میرے ساتھ مسطح کی ماں بھی تھی "فَعَثَرَت" تو وہ پھسل گئی تو کہنے لگی "تَعِسَ مِسطح" "مسطح ہلاک ہو جائے، تو میں نے اس سے کہا کہ تم اپنے بیٹے کو بُرا بھلا کہتی ہو؟ تو وہ خاموش ہوگئی "ثم عَثَرَتِ الثانية" پھر وہ دوبارہ گر گئیں اور کہنے لگی کہ مسطح مر جائے، میں نے کہا کہ اے اماں! تو کوستی ہے اپنے بیٹے کو؟ تو وہ خاموش ہوگئیں، پھر وہ تیسری بار ٹھوکر کھائی اور کہا "تَعِسَ مِسطح" مسطح مرے، پس میں نے اس کو جھڑکا، اور اس سے کہا میں نے، اے اماں! تو کوستی ہے اپنے بیٹے کو؟ تو وہ کہنے لگی کہ بخدا! میں اسے صرف تیری ہی وجہ سے کوستی ہوں، میں نے کہا میری کس بات کی بناء پر؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں چنانچہ اس نے بات کی پوری حقیقت کھول، میں نے کہا اس کی چہ میگوئیاں ہو چکی ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں، خدا کی قسم!۔ میں اپنے گھر کو لوٹی اور گویا جس مقصد (قضائے حاجت) کے لئے میں نکلی تھی، اس کے لئے نکلی ہی نہ تھی، میں اس کا تھوڑا بہت کوئی اثر محسوس نہیں کر رہی تھی، اور مجھے بُخار ہو گیا، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے میرے باپ کے گھر (میکے) بھیج دیجئے، چنانچہ آپؐ نے میرے ساتھ ایک لڑکا بھیج دیا۔ چنانچہ میں گھر میں داخل ہوئی تو ام الرّمان (والدہ) کو نیچے کے گھر میں پایا اور ابو بکرؓ گھر کے اوپر (یعنی بالاخانہ میں) قرآن پڑھ رہے تھے، تو میری والدہ نے پوچھا میری بیٹی کس غرض سے آئی ہو؟ فرماتی ہیں کہ میں نے ان کو بتا دیا اور پوری بات سے آگاہ کر دیا، پس میں نے دیکھا ان کو اتنا رنج نہیں ہوا تھا جتنا دُکھ مجھے پہنچا تھا (یعنی میں نے والدہ کو غیر معمولی پریشان نہیں پایا) پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے بیٹی! یہ بات اپنے لئے معمولی سمجھو کیونکہ بخدا کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ ایک حسین عورت کسی ایسے شخص کے پاس (نکاح میں) ہو کہ وہ اس کو چاہتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور وہ اس سے حسد نہ کریں اور چہ میگوئیاں نہ کریں (یہ ترجمہ "وقيل فيها" کا

بصورت عطف بر" حسدنها" کے ہے اور اگر" وقیل فیھا" میں واؤ مستانفہ ہو تو مطلب و ترجمہ یہ ہوا کہ حالانکہ اس عورت کے بارے میں باتیں بھی ہوتی ہوں) پس ان کو (میری والدہ کو) اتنی اذیت نہ ہوئی جتنی کو ہوئی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا کہ میرے والد کو اس کا علم ہوا ہے؟ وہ کہنے لگیں" ہاں" میں نے پوچھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو؟ انہوں نے کہا" ہاں" پھر میں (مزید) غمگین ہوئی اور رونے لگی، پس ابوبکرؓ نے میری آواز سنی اور وہ گھر کے اوپر (بالا خانہ میں) تھے پڑھ رہے تھے وہ نیچے آئے اور میری والدہ سے کہا کہ اس کو کیا ہوا؟ (یعنی کیوں روتی ہیں؟) والدہ نے کہا اس کو وہ خبر پہنچی ہے جو اس کے حوالے سے زیر بحث ہے۔ چنانچہ ان کی آنکھیں بھی بھر آئیں اور کہنے لگے کہ اے بیٹی! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو اپنے گھر کو ضرور واپس چلی جاؤ پس میں واپس لوٹی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور میری خادمہ (بریرۃؓ) سے میرے بارے میں پوچھا (کہ ان کے معمولات کیا ہیں؟) خادمہ نے کہا خدا کی قسم! مجھے تو ان میں کوئی عیب نظر نہیں آتا البتہ یہ سو جاتی ہے اور بکری آ کر خمیر یا راوی نے کہا کہ گوندھا ہوا آٹا کھا جاتی ہے ("عجین" گوندھے ہوئے آٹے کو کہتے ہیں)" وانتھرھا بعض اصحابہ" چنانچہ اس (خادمہ) کو بعض صحابہ (حضرت علیؓ) نے ڈانٹا کہ سچ بولو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، یہاں تک کہ انہوں نے اس بہتان کی وجہ سے خادمہ کو سخت دست کہا، وہ خادمہ کہنے لگی سبحان اللہ! بخدا میں اس کے بارے میں صرف وہی جانتی ہوں جو سنار خالص سونے کے بارے میں جانتا ہے (یعنی بے عیب ہونا)۔ پس یہ خبر اس شخص تک بھی پہنچی جس پر تہمت لگائی گئی تھی (یعنی حضرت صفوان بن معطلؓ) اس نے کہا" سبحان اللہ! ما کشفتُ کنف اُنثیٰ قط" یعنی میں نے کسی عورت کا پہلو (کپڑا) کبھی نہیں کھولا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پھر وہ اللہ کے راستہ میں شہید کئے گئے (آرمینیا میں)۔ ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ صبح کو میرے ماں باپ میرے پاس آئے اور وہ ابھی تک میرے ہی پاس تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عصر پڑھ کر میرے پاس تشریف لائے جبکہ میرے ماں باپ میرے دائیں بائیں بیٹھے تھے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد پڑھا اور اللہ کی حمد وثناء کی جیسی اس کو لائق ہے، پھر فرمایا" اما بعد یا عائشۃ ان کنتِ قارفتِ سوءً ا او ظلمتِ فتوبی الی اللہ" اے عائشہ! اگر تو نے برائی کا ارتکاب کیا ہو یا ظلم کیا ہو (یعنی گناہ)، تو اللہ کی طرف توبہ کرو کہ بیشک اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں" وقد جاءت امرأۃ من الانصار وھی جالسۃ بالباب فقلت الا تستحیی من ھذہ المرأۃ" کہ اس دوران انصار کی ایک عورت آئی تھی اور وہ دروازہ پر بیٹھی تھی میں نے

کیا آپ اس عورت سے نہیں شرماتے کہ آپ اس کے سامنے یہ باتیں کہتے ہیں۔
غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ ونصیحت کی، تو میں اپنے والد کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا میں نے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں تو انہوں نے کہا کہ میں کیا جواب دوں؟ پھر میں اپنی والدہ کی جانب متوجہ ہوئی اور میں نے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں، انہوں نے کہا کہ میں کیا جواب دوں؟ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ جب ان دونوں نے جواب نہیں دیا تو میں نے تشہد پڑھا اور اللہ کے شایان شان حمد وثناء کی، پھر میں نے کہا دیکھیے خدا کی قسم! اگر میں کہوں کہ میں نے نہیں کیا ہے اور اللہ گواہ ہے کہ میں سچی ہوں تو بھی یہ بات آپ کے آگے میرے لئے مفید نہیں، کیونکہ آپ سے بہت کچھ کہا گیا ہے اور آپ کے دلوں میں یہ بات چپت کی گئی ہے (یعنی آپ کے دل اس سے رنگ گئے ہیں) اور اگر میں کہوں کہ میں نے کیا ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں نے نہیں کیا ہے تو آپ لوگ ضرور کہیں گے کہ اس نے اپنے قصور کا اقرار کر لیا، بخدا میں اپنے لئے اور آپ کے لئے نہیں جانتی کوئی کہاوت۔ فرماتی ہیں کہ میں نے یعقوب کا نام سوچا لیکن میں اس کے استحضار پر قادر نہ ہوئی (اس لئے میں نے کہا) سوائے یوسف کے والد کے کہ "فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون" یعنی بے فریاد صبر ہی بہتر ہے اور اللہ مددگار ہے اس پر جیسے آپ بیان کرتے ہیں (یعنی یہی کہاوت مناسب ہے)۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور ہم سب چپ ہو گئے پس آپ سے وحی کے آثار جاتے رہے اور میں آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھ رہی تھی، آپ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے اے عائشہ! خوشخبری سنو! بے شک اللہ نے تیری پاکیزگی نازل (بیان) فرما دی۔ فرماتی ہیں کہ میں بڑے غصے میں تھی چنانچہ میرے والدین نے مجھ سے کہا آپ کی خدمت میں کھڑی (پیش) ہو جا (یعنی آپ کا شکریہ ادا کرو)، میں نے کہا نہیں بخدا میں (اس وقت) نہ آپ کے شکریہ کے لئے کھڑی ہوں گی اور نہ اس پر آپ کی تعریف کروں گی اور نہ ہی آپ لوگوں (والدین) کی تعریف کروں گی۔ بلکہ میں تو اس اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی جس نے میری پاکیزگی بیان فرمائی۔ تم لوگوں نے تو میری تہمت اور غیبت سنی تو نہ اس کا انکار کیا اور نہ اس کو تبدیل کیا (رد کیا)۔

ام المؤمنین فرماتی تھیں کہ زینب بنت جحش جو تھیں، اللہ نے ان کو دینداری کی وجہ سے بچا لیا پس انہوں نے سوائے بھلی بات کے کچھ نہیں کہا۔ اور جہاں تک ان کی بہن حمنہ کا تعلق ہے "فهلكت فيمن هلك" تو وہ

ہلاک ہوئی ہلاک ہونے والوں میں (یعنی ان کو حد پڑی یا مطلب یہ ہے کہ گنہگار ہوئی) اور وہ لوگ جو اس موضوع پر بات کرتے تھے وہ مسطح اور حسّان بن ثابت تھے، اور منافق عبداللہ بن ابی بھی تھا اور وہ تو اس خبر کا چرچا کرتا تھا اور اس کی کڑیوں کو ملانے کی کوشش کرتا تھا (یعنی جب وہ مجمع و محفل میں بیٹھتا تو اس موضوع کو چھیڑتا پھر خاموش ہو جاتا) اور یہ وہی تھا جس نے سب سے بڑا بوجھ (گناہ) اٹھایا اور حمنہ نے بھی، ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ ابوبکر نے حلف اٹھایا کہ اب وہ مسطح کو کسی طرح کا فائدہ نہیں دے گا (یعنی اس پر خرچ نہیں کریں گے)، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة" یعنی تم میں سے بزرگی اور کشائش والے قسم نہ کھائیں یعنی ابوبکر۔ "ان یؤتوا اولی القربیٰ والمساکین والمهاجرین فی سبیل اللّٰہ" کہ وہ نہیں دیں گے قرابت والوں کو اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو..... یعنی مسطح کو ..... الی قولہ "الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم" کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تم کو بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے.... ابوبکر نے فرمایا "بلیٰ" کیوں نہیں "واللہِ رَبَّنا انّا لَنُحِبُّ ان تغفرلنا وَعَادَلہ بما کان یصنع" قسم ہے اے ہمارے رب! ہم تو چاہتے ہیں کہ تو ہمیں بخش دے۔ چنانچہ ابوبکر پھر دینے لگے مسطح کو جو پہلے دیا کرتے تھے۔ (حسن صحیح غریب)

تشریح:۔ اس حدیث میں جس عظیم تہمت سازی کا بیان ہے یہ غزوۂ مریسیع سے واپسی کی بات ہے۔ صحیح قول کے مطابق واقعہ اِفک سنہ ۵ھ پانچ ہجری میں غزوۂ خندق سے پہلے پیش آیا اور بخاری میں جو سنہ ۴ھ چار کا قول ہے تو وہ سہو پر محمول ہے۔

اس واقعہ سے حضرت عائشہؓ کا عنداللہ علو شان کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کیونکہ اولیاء اللہ میں سے جو جتنا زیادہ مقرب بارگاہِ الٰہی ہوتا ہے وہ اسی تناسب سے آزمائشوں میں مبتلا کیا جاتا ہے چنانچہ آپؐ کے قلب مبارک میں ام المؤمنین کی محبت اللہ نے ڈالی اور پھر ایسی آزمائش آئی کہ آپؐ کوئی فیصلہ خود نہ کر سکیں بلکہ لوگوں سے فرمایا "اَشِیرُوا عَلَیّ" مجھے مشورہ دو۔ ادھر حضرت جبرئیلؑ بھی جو چند لمحوں میں عرش سے فرش تک پہنچتے تھے تشریف نہیں لا رہے تھے اس سے بھی اُلجھن مزید بڑھ گئی بالآخر ام المؤمنین کے تزکیہ میں قرآن نازل ہوا، جو قیامت تک ام المؤمنین کی طہارت کا شاہد بے بدل ہے۔

اس کا مختصر بیان یہ ہے غزوۂ مریسیع سے واپسی کے سفر میں مدینہ کے قریب ایک پڑاؤ کے بعد آپؐ نے چلنے کا حکم فرمایا، حضرت عائشہؓ باہر قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئیں اور جب واپس آئیں اور اپنے سینے

کو لوٹا تو وہ ہار جو انہوں نے اپنی بہن سے عاریۃً لیا تھا گلے میں نہیں پایا، اس بناء پر وہ واپس اس جگہ پر چلی گئیں۔ ادھر لوگ ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ کر چل پڑے اور انہیں حضرت عائشہؓ کی غیر موجودگی کا علم نہ ہو سکا کیونکہ وہ ہلکے پھلکے جسم کی مالک تھیں، جب اُم المؤمنین لشکر والی جگہ پر آئیں تو دیکھا کہ میدان خالی ہے، انہوں نے سوچا کہ یہیں انتظار کرنا بہتر ہے کیونکہ جب آپؐ ہودج کو خالی پائیں گے تو ان کو تلاش کرنے کا انتظام فرمائیں گے۔ اتنے میں ان کی آنکھ لگ گئی، اُدھر حضرت صفوان بن معطّل سلمی جو لشکر کے پیچھے چلنے پر مامور تھے تاکہ گری پڑی چیزوں کو اٹھا تا آئیں۔ وہ صبح کے غلس میں وہاں پہنچے اور حضرت عائشہؓ کو پہچانا، کیونکہ پردہ کے حکم سے قبل انہوں نے ان کو دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے باآواز بلند "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور اسی آواز سے ام المؤمنین کی آنکھ کھل گئی، حضرت صفوان نے اونٹ بٹھایا اور خود وہاں سے ہٹ گئے، ام المؤمنین سوار ہو گئیں اور کسی طرح کی بات چیت کے بغیر حضرت صفوانؓ اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہوئے اور دوپہر کے وقت لشکر سے آملے۔

رئیس المنافقین کو ایک اچھا موقع بدنام کرنے کا مل گیا، اس لئے اس نے اس کو غلط رنگ دینے کی بھرپور کوشش کی، وہ مجلس جماتا تھا اور اس تاثر کا ذکر کرتا تھا تاکہ لوگ اس کا چرچا کریں، اس لئے تین مخلص صحابہ بھی اس تہمت میں شریک بنے ایک حضرت حسان بن ثابتؓ جو شاعر رسول تھے، دوم حضرت مسطح جو ابوبکرؓ کی خالہ زاد بہن کے لڑکے تھے اور نادار ہونے کی وجہ سے ابوبکرؓ کے عطایا کا محور تھے، اور سوم حضرت حمنہ بنت جحش جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں۔

اگلی روایت کے مطابق جب آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں اور منبر سے اُترے تو ان تینوں کو حدِ قذف لگائی، جہاں تک رئیس المنافقین کی حد کا تعلق ہے تو بظاہر اس کو حد نہیں لگی جس کی وجہ مصلحت تھی کیونکہ وہ خزرج کا سردار تھا، جس کی وجہ سے منافقین کو پروپیگنڈہ مہم تیز کرنے کا ایک اور اچھا موقع مل جاتا اور قومیت وعصبیت کو ہوا دینے میں وہ کامیاب ہو جاتے اور ایک عظیم فساد برپا ہو جاتا۔ چونکہ حد قذف بغیر مطالبہ کے نہیں لگ سکتی اس لئے آپؐ کا اسے حد نہ لگانے سے کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہاں نہ آپؐ نے کوئی دعویٰ اٹھایا اور نہ ہی ام المؤمنینؓ یا ابوبکرؓ نے کوئی مطالبہ حد کا کیا، تاکہ وہ اپنی ساری سزا آخرت میں بھگتا رہے۔

ملحوظ:۔ اگر غزوۂ مریسیع غزوۂ خندق کے بعد مانا جائے جیسا کہ بہت ساری روایات اس پر ناطق ہیں، تو پھر اس حدیث میں "فقام سعد بن معاذ الخ" راوی کے وہم پر مبنی ہوگا، کیونکہ حضرت سعد غزوۂ خندق

میں زخمی ہوگئے تھے اوراسی زخم سے شہید ہوئے تھے جس کا قصہ مشہور ہے۔

اسی طرح حضرت بریرہؓ اگر چہ ابھی آزادنہیں ہوئی تھیں اور حضرت عائشہؓ کی مولاۃ نہیں بنی تھیں لیکن کہاجائے گا کہ وہ عموماً حضرت عائشہؓ کی خدمت کے لئے آیا کرتی تھیں۔حدیث میں مشارالیہما فوائد کے لئے دیکھئے عارضۃ الاحوذی۔

ومن سورة الفرقان

سورتِ فرقان کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عبدالله قال قلت يارسول اللّٰه اَیُّ ذنب اعظم؟قال ان تجعل لِله نِدّاً وهو خَلَقَک قال قلت ثم ماذا؟قال ان تقتل وَلَدَک خشية ان يطعم مَعَک قال قلت ثم ماذا؟قال ان تزني بحليلة جارک". (حسن)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا(سب سے بڑا گناہ) یہ ہے کہ آپ اللہ کے لئے ہمسری (وبرابر) گردانیں حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا پھرکون سا گناہ (بڑا ہے؟) آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو مارڈالے اس لئے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی،فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ پھرکون سا گناہ (بڑا) ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

اگلی روایت میں ہے کہ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی "والذين لايدعون مع الله اِلٰهاً اٰخر ولايقتلون النفس التي حرّم الله الابالحق ولايزنون ومن يفعل ذالک يلق اَثاماً يُضاعف له العذاب يوم القيامة ويخلدفيه مهانا"۔(یعنی رحمٰن کے بندے) وہ ہیں کہ اللہ کے سوا دوسرے کو معبود جان کر نہیں پکارتے اور قتل نہیں کرتے اس جان کو جوحرام کیا ہے اللہ نے مگر جائز طریقہ سے (یعنی قصاص یا حدورجم سے) اور زنا نہیں کرتے اور جس نے یہ کام کیا،پہنچے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا کو اور بڑھایا جائے گا اس پر عذاب قیامت کے دن اور وہ داخل ہوگا دوزخ میں ذلیل ہوکر۔

تشریح:۔قوله:"خشية ان يطعم معک" یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ عرف وعادت کے مطابق ہے،جس کا ضابطہ بیان کیا جاچکا ہے۔قوله:"حليلة جارک"قاعدہ یہ ہے کہ جہاں بہرحال نیکی مطلوب

ہو وہاں برائی سخت شنیع ہے لہٰذا زنا تو ہر جگہ اور ہر ایک سے حرام ہے لیکن پڑوس میں جہاں بہر حال تحفظ مطلوب ہے زنا کی حرمت وشناعت مزید بڑھ جاتی ہے۔

ومن سورة الشعراء

سورتِ شعراء کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عائشة قالت لَمّانزلت هٰذه الاية "وانذر عشيرتک الاقربين "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ياصفيةُ بنتَ عبدالمطلب ايافاطمة بنتَ محمدايابنى عبدالمطلب انى لااملِکُ لکم من الله شيئاً سلونى مِن مالى ماشئتم". (حسن صحيح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "وانذر عشيرتک الخ" یعنی ڈرادیں آپ اپنے قرابت والوں کو (قریبی کنبہ)، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اور اے فاطمہ بنت محمد اور اے عبدالمطلب کی (باقی) اولاد! بے شک میں اختیار نہیں رکھتا اللہ کی درگاہ میں تمہارے لئے کسی چیز کا (یعنی میں تم سے عذاب نہیں ٹال سکتا)، تم مانگ لو میرے مال میں سے جو چاہو (یعنی تم صرف میری قرابت پر تکیہ کرکے بے خوف مت ہو کیونکہ میں اللہ کے عذاب اور امورِ آخرت میں اللہ کی مرضی کے خلاف کسی طرح کا اختیار نہیں رکھتا لہٰذا تمہیں نسب کی وجہ کوئی خوش فہمی اور غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے)۔

تشریح:۔ اگلی روایت میں زیادہ تفصیل ہے کہ آپؐ نے قریش کو جمع فرما کر ہر خاص وعام کو مخاطب کرکے پکارا یعنی قریش میں سے اپنے قریبی قبیلے والوں کو بلایا۔ چنانچہ جب وہ آئے تو آپ نے مذکورہ ارشاد فرمایا۔

عارضہ میں ہے کہ آپؐ نے صبح کے وقت صفا پر چڑھ کر یہ اعلان فرمایا تھا اور مطلب یہ ہے کہ آخرت میں کارآمد چیز دنیا سے اعراض اور آخرت کا استقبال ہے، نسب اور رنگ ونسل کارآمد چیزیں نہیں۔ قوله: "وَسَابُلُّهَا بِبِلَالِهَا" بَـلال بفتح الباء اصل میں پانی کو کہتے ہیں، یہاں مراد صلہ اور احسان ہے یعنی جہاں تک صلہ رحمی وقرابت کا تعلق ہے تو اے فاطمہ! میں اس کا حق ادا کروں گا صلہ رحمی اور حسن سلوک کے ذریعہ، لیکن نجات کے لئے ایمان لازمی ہے۔

یہ عربوں کا محاورہ ہے جو صلہ رحمی کو بَـلَل سے تعبیر کرتے ہیں اور قطع تعلق کو یُبس اور خشکی سے۔ کیونکہ

چڑہ جب تازہ و مرطوب ہوتا ہے تو مضبوط رہتا ہے جبکہ خشک ہونے کی صورت میں ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام کا، کانوں میں انگلیاں ٹھونسنا رفع صوت کے لئے تھا اور "یا صباحاہ" کہنا انذار کے عرف کے مطابق تھا۔

ومن سورة النمل

سورتِ نمل کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال تخرج الدابّةُ معها خاتم سلیمان وعصاموسیٰ فتجلُووجهَ المؤمن وتَختِمُ اَنفَ الکافر بالخاتم حتی ان اهل الخوان لیجتمعون فیقول هذا: یامؤمنُ اویقول هذایاکافرُ". (حسن)

دابۃ (الارض) نکلے گا، پس اس کے پاس سلیمان کی انگوٹھی (مہر) ہوگی اور موسیٰ کا عصا، وہ مؤمن کے چہرے کو چمکائے گا (یعنی لکیر کھینچے سے) اور کافر کی ناک پر مہر لگائے گا (اس) انگوٹھی سے، یہاں تک کہ لوگ ایک دسترخوان پر جمع ہوں گے تو یہ کہے گا اے مؤمن! اور وہ پکارے گا اے کافر!۔

یعنی مؤمن وکافر کے درمیان فرق واضح ہو جائے گا۔ جیسا کہ پیچھے عرض کیا جاچکا ہے کہ قیامت کے قریب خوارق کثرت سے رونما ہوں گے لہٰذا دابۃ الارض بھی ان میں سے ایک ماننا چاہئے۔ دابۃ الارض کے بارے میں تفصیل ابواب الفتن میں گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ص:۵۵۲ ج:۶ "باب ماجاء فی الخسف")

ومن سورة القصص

سورتِ قصص کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لِعمّه: قل لاالٰه الاالله، اشهد لک بهایوم القیامة، قال لولاان تُعَیِّرَنی قریش اِنّمایحمِلُه علیه الجَزَعُ لَاَقررتُ بهاعَینک فانزل الله "انک لاتهدی من احببتَ ولکن الله یهدی من یشاء". (حسن غریب)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا (ابی طالب) سے کہا کہ تم "لاالٰہ الااللہ" کہو، تو میں اس کی وجہ سے قیامت کے دن تیرے ایمان کی گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا کہ

اگر قریش کے عار دلانے کا اندیشہ نہ ہوتا کہ اس کو (موت کی) گھبراہٹ نے اس پر آمادہ کیا، تو میں اس کلمہ کو کی آپ کی آنکھ ٹھنڈی کرتا (یعنی کلمہ شہادت پڑھ کر آپ کو خوش کرتا)۔ پس اللہ نے نازل فرمائی یہ آیت "انک لا تھدی من احببت الخ" الآیۃ یعنی آپ ہدایت نہیں کر سکتے جس کو آپ چاہیں بلکہ اللہ جس کو چاہے راہ راست پر لاتا ہے، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

تشریح:۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابوطالب آخر وقت تک کلمہ شہادت پڑھنے سے قاصر رہے اور یہی صحیح و راجح قول ہے۔ ابوطالب کے ایمان نہ لانے میں ضرور اللہ تبارک وتعالیٰ کی کوئی حکمت ہوگی جو اگرچہ ہمیں معلوم نہیں لیکن اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔

ومن سورة العنكبوت

سورت عنکبوت کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابيه سعدٌ قال انزلت فِيَّ اربع آيات فذكر قصّة وقالت أُمُّ سعدالیس قدامَرَاللهُ بالبِرِّ؟ واللّٰهِ لاَاطعمُ طعاماً ولااشرب شراباً حتى اموت اوتكفرقال فكانوااِذااَرَادوان يطعموها شَجَروافَاهَافنزلت هذه الاٰية: "وَوَصَّيناالانسان بوالديه حُسناً وان جاهَدَاك لِتُشرِكَ بی"الاٰية. (حسن صحيح)

حضرت مصعب بن سعد اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ پھر انہوں نے پورا قصہ بیان کیا (یعنی کہ ان کی والدہ نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تم کفر نہیں کرو گے میں کچھ بھی نہ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں۔ یعنی بھوک ہڑتال کر دی تھی اور تین دن اس حالت پر رہی تا آنکہ بے ہوش ہوئی) وہ کہتی تھی کہ کیا اللہ نے (ماں کے ساتھ) حُسنِ سلوک کا حکم نہیں دیا ہے، بخدا میں نہ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں یا تو کفر اختیار کرے۔

حضرت سعد فرماتے ہیں کہ پس گھر والے جب اس کو کھانا کھلانا چاہتے تو اس کا منہ کھولتے (یعنی زبردستی)، پس یہ آیت نازل ہوئی "وَوَصَّیناالخ" اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کا تاکیدی حکم کیا ہے، تاہم اگر وہ (والدین) تجھ پر زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں ہو سکتی تو ان کا کہنا مت مانو۔

حدیث آخر:۔ "عن أمّ هانئ عن النبي صلى الله عليه وسلم في قوله: "وتأتون في ناديكم المنكر" قال كانوا يخذفون اهل الارض ويسخرون منهم". (حسن)

حضرت ام ہانیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت "وتـأتـون الـخ" اور تم اپنی محفلوں میں گناہ اور نامعقول کام کرتے ہو، کی تفسیر میں روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ زمین والوں (مسافروں) پر کنکریاں پھینکتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

تشریح:۔ خذف خاء معجمہ کے ساتھ پھینکنے اور مارنے کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ رمی جمار کے باب میں گزرا ہے، امام قرطبیؒ نے قوم لوط کے دس اعمال ذکر کئے ہیں جو نا شائستہ تھے، راقم نے نقشِ اخلاق (نقش قدم کامل) میں نقل کئے ہیں۔ غرض قوم لوط کی عادات، مذکورہ حرکت کے علاوہ بھی تھی۔ سفلی اعمال سے بدباطنی کا اندازہ لگانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

ومن سورة الروم

سورتِ روم کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابي سعيد قال لمّا كان يوم بدر ظهرت الروم على فارس فاعجب ذالك المؤمنين فنزلت "الم غُلِبَتِ الروم..... الى قوله..... يفرح المؤمنون بنصر الله "ففرح المؤمنون بظهور الروم على فارس". (غريب من هذا الوجه)

جب بدر کا دن ہوا تو روم فارس پر غالب ہوا، یہ بات بہت اچھی لگی صحابہ کو، پس یہ آیت اُتری "الـم غُـلِبَـتِ الـروم الـخ" رومی مغلوب ہوئے.... (لیکن وہ مغلوبیت کے بعد پھر غالب ہوں گے چند سالوں میں) اس دن مؤمن اللہ کی نصرت سے خوش ہوں گے۔ چنانچہ اہلِ ایمان روم کے فارس پر غالب ہونے سے خوش ہوئے۔

تشریح:۔ قوله: "غلبت" یہ لفظ دو طریقوں سے پڑھا گیا ہے مجہول بھی، جو مشہور و متواتر قرأت ہے اور معروف بھی۔ چونکہ رومیوں کو فتح بھی ہوئی اور شکست بھی، اس لئے دونوں قرأتوں کا مطلب صحیح ہے کہ وہ فارسیوں سے شکست کھانے کے بعد فاتح ہوئے تھے جیسا کہ اس حدیث میں ہے، لیکن فتح پانے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں پھر شکست سے دوچار ہو گئے اور آج تک بحمد اللہ شام کے آس پاس کے علاقے سے

بے دخل ہیں۔ گو کہ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں کچھ عارضی قبضہ ان کا رہا لیکن اس کو غلبہ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس وقت وہ پورا خطہ میدانِ جنگ تھا جو کسی کے کنٹرول میں شمار نہیں ہوتا تھا، اس طرح یہ دونوں پیشین گوئیاں صادق ہوئیں۔

امام ترمذیؒ نے یہاں چند احادیث کی تخریج کی ہیں جن میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، ان میں تطبیق کے مختلف طریقے ہیں، ایک عام مفسرین کا ہے جو محشی نے قاضی بیضاویؒ اور امام بغویؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، لیکن اس سے نسبتاً زیادہ بہتر تطبیق یہ ہے کہ اولاً حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور اُبی بن خلف یا اُمیہ بن خلف کے درمیان سات سال کی مدت پر یہ شرط طے ہوئی کہ اگر رومی غالب آئے تو وہ ابوبکر کو پانچ یا چھ اونٹ دے گا ورنہ ابوبکر اس کو دیں گے۔ چنانچہ سات سال گزرنے پر ابوبکر نے اونٹ دے دیئے مگر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ بضع تو نو (۹) تک بھی ہوتا ہے "الا احتطتَ" تم نے احتیاط کیوں نہیں کی کہ نو سال مقرر کرتے۔ چنانچہ ابوبکرؓ نے اس سے کہا کہ دوبارہ شرط لگاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں.... چنانچہ دو سال کی مزید مدت بڑھادی گئی اور اونٹوں کی تعداد سو کردی گئی، چنانچہ ابی بن خلف تو اُحد میں مارا گیا لیکن صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رومی غالب ہوئے تو ابوبکرؓ نے وہ اونٹ وصول کر کے نبیؐ کو اطلاع فرمادی، آپؐ نے فرمایا کہ یہ سُحت یعنی حرام ہیں صدقہ کردو۔

قولہ: "فارتهن ابوبكر والمشركون وتواضعوا الرهان" اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے شرط باندھی اور مشرکوں نے بھی شرط باندھی اور فریقین نے اپنی شرط کا مال کہیں رکھوا دیا، لیکن عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ ابوبکرؓ نے عبدالرحمٰن کو اور امیہ نے اپنے بیٹے صفوان کو ضامن بنایا تھا، یہ اس وقت کی بات ہے جب شرط بازی جائز تھی، پھر اسلام نے اس کو حرام قرار دیا۔

رہی یہ بات کہ مسلمانوں کو روم کی فتح پر کیوں خوشی ہوئی؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مشرکین مکہ فارسیوں کی فتح سے اس لئے خوش تھے کہ وہ اس کو اپنے لئے نیک شگون سمجھتے تھے کہ جس طرح فارسی جو کہ مشرک ہیں رومیوں پر جو کہ دینِ سماوی کے مدعی ہیں غالب رہے، اسی طرح ہم بھی تم (مسلمانوں) پر غالب رہیں گے، جبکہ مسلمانوں کے لئے اس کے برعکس رومیوں کی فتح میں نیک شگون تھا، اور اس لئے بھی کہ رومیوں اور مسلمانوں میں ایک قدر مشترک دینِ سماوی پر عمل پیرا ہونے کی عقیدت تھی اس لئے رومی نسبتاً قریب ہوئے مسلمانوں کے۔

ومن سورة لقمان

سورت لقمان کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی امامة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم: قال لاتبیعوا القینات و لاتشتروهن ولاتعلّموهن ولاخیر فی تجارة فیهن وثمنهن حرام وفی مثل ذالک اُنزلت هذه الایة "ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لِیُضِلَّ عن سبیل الله .... الیٰ آخر الایة". (غریب)

گانے والی باندیاں مت بیچو اور نہ ان کو خریدو اور نہ ان کو گانا سکھاؤ اور ان کی تجارت میں کوئی فائدہ نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے اور اس جیسے معاملات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: "ومن الناس الخ" اور بعض لوگوں میں وہ ہیں جو باتوں کا کھیل خریدتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں۔

تشریح:۔ اس آیت کے شانِ نزول میں ایک روایت نضر بن حارث کے متعلق ہے جو تجارت کے لئے فارس جاتا اور وہاں سے ناول وغیرہ کتب خرید کر لاتا اور لوگوں سے کہتا کہ محمد تمہیں عاد وثمود کے قصے سناتا ہے، آؤ میں تمہیں فارس وروم کے قصے سناؤں چنانچہ وہ چاندنی رات کو مجلس لگاتا اور لوگوں کو قصے سناتا اور ایک باندی بھی خرید کر لایا تھا جو گا کر لوگوں کے دل لبھاتی تھی۔

یہ حدیث ابواب البیوع میں گزری ہے۔ "باب ماجاء فی کراھیة بیع المُغنّیات" تشریحات ص:۱۱۰ ج:۵)

ومن سورة السجدة

سورت سجدہ کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن انس بن مالک ان هذه الایة "تتجافیٰ جنوبهم عن المضاجع "نزلت فی انتظار الصلوٰة التی تُدعی العَتَمَة". (حسن صحیح غریب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت یعنی "تتجافیٰ جنوبهم الخ " جُدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں خواب گاہوں سے، اس نماز کے انتظار کے بارے میں اُتری ہے جسے عتمہ کہا جاتا ہے (یعنی عشاء کی نماز کے انتظار کی فضیلت میں اُتری ہے)۔

تشریح:۔اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں مزید اقوال بھی ہیں مثلاً تہجد کی نماز، اور مغرب کی نماز کے بعد نوافل اور مطلق ذکراللہ۔تاہم باب کی حدیث مُرَجّح ہے۔(کذافی العارضۃ)

حدیث آخر:۔"عن ابی هريرة يبلغ به النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال اللہ أعددتُ لعبادی الصالحين مالا عينٌ رأت و لااُذُنٌ سمعت ولاخطرَ علی قلب بشر وتصديق ذالک فی كتاب اللہ "فلاتعلم نفسٌ مَّاأُخفِیَ لهم من قُرَّةِ أعيُن جزاء" بماكانوا يعملون". (حسن صحيح)

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ اللہ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ سب کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سُنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے اور اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے"فلا تعلم نفس الخ "یعنی کوئی نہیں جانتا وہ ٹھنڈک آنکھوں کی جو ان کے لئے چھپائی گئی ہے بطورِ بدلہ ان کے اعمال کا۔

تشریح:۔چونکہ انسان تو اپنے ماحول اور اپنے علم کے مطابق سوچتا ہے اس سے زیادہ سوچنا مشکل اور بعض چیزوں کا تصور محال و ناممکن ہوتا ہے، علیٰ ہذا انسان جنت کی ان نعمتوں کا تصور کیسے کرسکتا ہے جو ابھی اس ماحول میں داخل نہیں ہوئی ہیں، کسی زمانہ میں انسان نے ٹی،وی (T.V) کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہوگا مگر آج کا انسان اس سے آگے چلا گیا ہے علیٰ ھذا القیاس، علمی لطائف اس کے علاوہ ہیں جبکہ دیدارِ باری تعالیٰ ناقابلِ تصور تو ہے ہی۔اس حدیث سے ان بعض صوفیہ کے قول کی نفی ہوئی جو کہتے ہیں کہ اس موجودہ عالم سے زیادہ عمدہ وجود نہیں ہوسکتا ہے۔(کمافی العارضۃ)

حدیث آخر:۔"ان موسیٰ سال ربه فقال ای رب ایُّ اهل الجنة ادنیٰ منزلة؟قال رجل ياتی بعدمايدخل اهل الجنة الجنة الخ"

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے برسرِ منبر یہ حدیث مرفوع بیان کرتے ہوئے سُنا ہے کہ موسیٰؑ نے اپنے رب سے پوچھا۔آپ نے فرمایا اے میرے رب! جنت والوں میں سب سے کمتر درجے والا کون ہوگا؟ اللہ نے فرمایا وہ شخص ہوگا جو آئے گا بعد اس کے کہ جب سب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے، چنانچہ اس سے کہا جائے گا کہ داخل ہو جا! وہ کہے گا کہ کیسے داخل ہو جاؤں جبکہ سب لوگ اپنے لئے گھر لے چکے ہیں اور انہوں نے اپنے لئے اچھی اچھی چیزیں لے لی ہیں، پس اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس

پر راضی ہوگا کہ تیرے لئے اتنا حصہ ہو جو دنیوی بادشاہوں میں سے ایک کا ہوتا ہے؟ وہ کہے گا ''ہاں'' اے میرے رب! میں بالکل راضی ہوں۔ پس اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے یہ ہے اور اس کی مثل اور اس کی مثل اور اس کی مثل، پس وہ بولے گا کہ میں خوش ہو گیا اے میرے رب! تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے یہ ہے اور اس کا دس گنا (مزید بھی ہے)۔ پس وہ کہے گا کہ میں راضی ہو گیا اے میرے رب! تو اس سے کہا جائے گا بے شک تیرے لئے اس (ملکِ عظیم) کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جو تیرا دل چاہے (وہ بھی ملے گا) اور جس سے تیری آنکھیں لطف اندوز ہوں گی (وہ بھی ملے گا)۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ چونکہ اس حدیث کے رفع اور وقف میں اختلاف تھا اس لئے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج نہیں فرمائی، ہاں مسلم میں یہ حدیث ہے۔ (عارضہ)

قولہ: ''اَخَذَاتِھِم'' اس کا مفرد اِخذۃ بروزنِ سِدرۃ آتا ہے بمعنی ماخوذ کے، یا وہ چیز جو بطورِ عزت وکرامت حاصل کی جاتی ہے۔ **قولہ:** ''ومثلہ الخ'' مسلم کی روایت میں پانچ مرتبہ ومثلہ کا ذکر ہے۔

ومن سورة الاحزاب

سورتِ احزاب کی بعض آیتوں کی تفسیر

"ابو ظبیان قال قلنا لابن عباس اَرَاَیتَ قول الله عز وجلّ "ماجعل الله لرجل من قلبین فی جوفه" ماعنیٰ بذالک؟ قال قام نبی الله صلی الله علیه وسلم یوماً یصلی فَخَطَرَ خطرَةً فقال المنافقون الذین یصلون معه آلاتریٰ ان له قلبین قلباً معکم وقلباً معهم، فانزل الله "ماجعل الله لِرَجل من قلبین فی جوفه". (حسن)

ابوظبیان کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد ''ماجعل الله الخ'' کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا ایک دن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے تو آپؐ سے کچھ سہو ہو گیا (نماز میں)، پس وہ منافق جو آپؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہنے لگے (ایک دوسرے سے) دیکھو ان کے دو دل ہیں، ایک تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا دل ان لوگوں (صحابہ) کے ساتھ ہے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ''ماجعل الله لرجل من قلبین فی جوفه'' اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے ہیں۔

تشریح:۔ چونکہ قلب کی وحدت اور تعدد کا مسئلہ محض طبی نوعیت کا ہے اس لئے یہ سوال پیدا ہوا کہ قرآن میں یہ مسئلہ کیسے بیان ہوا؟ چنانچہ ابوظبیان نے یہ سوال ابن عباسؓ کے سامنے رکھ دیا تو انہوں نے اس کا شان نزول بیان کیا۔ یعنی یہ مسئلہ اصالۃً بیان نہیں ہوا ہے بلکہ ایک غلط تاثر کی نفی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے، چنانچہ عربوں میں یہ بات مشہور ہے کہ ذہین اور ہوشیار آدمی کے دو دل ہوتے ہیں۔

اس آیت کا ایک دوسرا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابو معمر جمیل بن معمر الفہری نامی شخص اپنی ذہانت و عقلمندی کے حوالہ سے کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں اور ہر ایک (العیاذ باللہ) محمد کے دل سے زیادہ بہتر ہے اور مشرکین بھی بڑی حد تک اس کو تسلیم کرتے تھے چنانچہ غزوۂ احد کے موقع پر جب مشرکین کو رسوا کن شکست ہوئی تو ابو معمر ایک جوتا ہاتھ میں اور دوسرا پاؤں میں پہنا ہوا بھاگ رہا تھا، ابوسفیان نے دیکھا تو قریشی لشکر کے بارے میں پوچھا، ابو معمر نے کہا ان کو شکست ہوئی۔ پوچھا تمہارا کیا حال ہے کہ ایک جوتا ہاتھ میں لئے ہوئے ہو؟ ابو معمر نے کہا کہ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ میرے پیروں میں ہیں۔

امام زہریؒ اور مقاتلؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت دراصل ایک مثل ہے جس سے دو غلط نظریوں کی نفی مراد ہے جو عربوں میں رائج تھے ایک متبنّیٰ کا اور دوسرا ظہار کا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بطور مثال ان کو سمجھایا کہ جس طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہوتے اسی طرح ایک شخص کی دو مائیں اور دو باپ بھی نہیں ہوسکتے ہیں۔

قلب سے مراد دراصل لطیفہ ربانی ہے جس کو ذہانت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے پھر اس کے اندر مختلف صلاحیتیں اور استعدادات وملکات ہوتے ہیں، کسی کی ایک استعداد تیز ہوتی ہے اور کسی کی دوسری، تا کہ نظام عالم میں انسانی ضروریات کو ان مختلف استعدادوں سے پورا کیا جاسکے۔

حدیث آخر:۔ "حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضرؓ جن کے نام پر میرا نام رکھا گیا ہے، نے فرمایا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اور یہ بات ان پر بہت شاق گزری تھی، اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ پہلا معرکہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے اور میں اس سے غائب رہا۔ آگاہ رہو! قسم ہے اللہ کی اگر اللہ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی معرکہ کا موقعہ دکھایا، تو اللہ ضرور دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ وہ ڈر گئے کہ اس کے سوا کچھ کہے "فشهد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أُحُدٍ من العام القابل" چنانچہ وہ اگلے سال جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے چنانچہ راستہ میں ان کو سعد بن معاذ ملے

حضرت انس بن نضرؓ نے کہا، واہ واہ! جنہوں نے سعدؓ سے پوچھا کہ اے ابوعمرو! کہاں جارہے ہو؟ حضرت انس بن نضرؓ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ (یعنی حضرت انس بن نضرؓ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے پوچھا کر خوشبو احد کے پہاڑ کی جانب سے پارہا ہوں مگر پھر ان کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور فوراً بول اٹھے "واھاً لِرِیح الجنة الخ") پھر لڑے یہاں تک کہ قتل ہوئے پس ان کے جسم میں تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اَسّی سے زیادہ زخم پائے گئے۔

میری پھوپھی رُبَیّع بنت نضر کہتی تھیں کہ میں نے اپنے بھائی کی نعش کو سوائے اُن کے پوروں کے کسی طرح نہیں پہچانا اور ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی "رِجال صدقوا ماعاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبه ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلاً" سو ان میں بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کر دکھایا، اور بعض ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی نذر (کی ایفاء) کا انتظار کر رہے ہیں، اور انہوں نے اپنی نذر ذرا تبدیل نہیں کی۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قولہ: "لَیَرَیَنَّ" یہ لفظ بفتح الیاء والراء بھی پڑھا گیا ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھ لے گا جیسا کہ اوپر ترجمہ میں ہے، دوم "لَیُرِیَنَّ" یعنی بضم الیاء وکسر الراء یہ متعدی ہے، یعنی اللہ لوگوں کو میرا کارنامہ دکھائے گا۔ قولہ: "فھاب ان یقول غیرھا" اس کا ایک مطلب اوپر ترجمہ میں بیان ہوا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ وہ ادب کے پیشِ نظر مزید کچھ کہنے سے گھبرا گئے کہ کہیں میرا وعدہ امرِ عارض کی بناء پر ادھورا نہ رہ جائے۔ اس لئے مزید قسمیں نہیں کھائیں۔

حضرت انس بن نضرؓ نے اپنے ہاتھوں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرکین کی طرف سے برسائے جانے والے تیروں کا دفاع کیا جس سے وہ جنت میں پہنچ گئے پس جو شخص اپنی زبان، کمان اور قلم سے دین کا دفاع کرے گا وہ بھی یہ مقام پائے گا۔

اگلی روایت کا مضمون بھی اسی طرح ہے تاہم اس میں بعض الفاظ کا اضافہ ہے "فلما کان یوم احد انکشف المسلمون فقال اللھم انی ابرأ الیک مِمّا جاؤا به ھؤلاء یعنی المشرکین وأعتذر الیک ممّا صَنَعَ ھؤلاء یعنی اصحابه" پس جب جنگِ احد ہوئی تو مسلمانوں نے شکست کھائی پس حضرت انس بن نضرؓ نے کہا کہ اے میرے خدا! میں لاتعلق اور بری ہوں اس بلا سے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے سے) جو یہ لوگ یعنی مشرکین لائے ہیں، اور تجھ سے معذرت کرتا ہوں اس سے جو ان لوگوں یعنی صحابہ نے

کیا ہے (یعنی فرار سے) "ثم تقدم فلقیه سعد الخ" پھر آگے بڑھے پس حضرت سعدؓ سے ملاقات ہوئی۔
باقی روایت وہی ہے۔

حدیث آخر:۔ "ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم قالوا لاعرابی جاهل: سله عن من قضیٰ نحبه من هو؟ وکانوا لا یجترء ون علیٰ مسئلته یوقرونه ویهابونه.... فسأله الاعرابی فاعرض عنه ثم سأله فاعرض عنه ثم سأله فاعرض عنه ثم انی اطلعت عن باب المسجد وعلیّ ثیاب خضر فلما رآنی النبی صلی الله علیه وسلم قال: این السائل عمن قضیٰ نحبه؟ قال الاعرابی انا یارسول الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: هذا ممن قضیٰ نحبه". (حسن غریب)

حضرت طلحہؓ کے دونوں صاحبزادے موسیٰ وعیسیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ایک ناواقف اعرابی سے کہا ہے (جو آداب مجلس نبوی سے واقف نہ تھا) کہ آپؐ سے پوچھو "من قضیٰ نحبه" الآیۃ کے بارے میں کہ وہ کون ہے جس نے اپنی نذر پوری کی ہے؟ اور خود صحابہ جو تھے وہ اس بارے میں آپؐ سے پوچھنے کی جسارت نہیں کرسکتے تھے۔ وہ آپؐ کی عزت کرتے اور آپؐ سے ڈرتے تھے (یعنی بولنے سے)۔ چنانچہ اس اعرابی نے پوچھ لیا مگر آپؐ نے التفات نہیں کیا، اس نے پھر پوچھا، آپؐ نے پھر جواب دینے سے گریز کیا، اس نے پھر (تیسری بار) پوچھا تو آپؐ نے پھر اعراض فرمایا۔ پھر میں مسجد کے دروازہ سے داخل ہوا اور میرے بدن پر ہرے رنگ کے کپڑے تھے تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا وہ سائل "عمن قضیٰ نحبه" کہاں ہے؟ اس اعرابی نے کہا کہ میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "هذا ممن قضیٰ نحبه" یہ شخص (طلحہ) ان میں سے ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کرلی ہے۔

تشریح:۔ حضرت طلحہ، حضرت عثمان، حضرت مصعب اور حضرت سعید رضی اللہ عنہم اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ نے پکا عہد وپیمان کیا تھا کہ جب وہ دشمن سے لڑیں گے تو شہید ہونے تک لڑتے رہیں گے، پھر احد میں حضرت طلحہؓ برابر لڑتے رہے اور اپنے ہاتھوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آنے والے تیروں کو ٹھنڈا کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ شل ہوگیا.... گوکہ غزوہ جمل سے پہلے شہادت نہیں ملی مگر اس ثابت قدمی پر آپؐ نے "من قضیٰ نحبه" میں ان کا نام شمار کیا کیونکہ موت کی نذر ماننے سے مراد یہی ثابت قدمی ہوتی ہے

موت آئے یا نہ آئے۔

حدیث آخر:۔ ''عن عائشة قالت لَمّا اُمِرَ رسول الله صلى الله عليه وسلم بتخيير ازواجه بَدَأبى فقال: ياعائشة انى ذاكرٌلكِ أمراً فلاعليكِ ان لاتستعجلى حتى تستامرى ابويك. قالت وقدعلم ان ابوایَ لم يكونالياُمرانى بفراقه قالت ثم قال ان الله يقول: يا ايها النبى قل لِازواجِكَ ان كنتن تُرِدن الحيوٰة الدنياوزينتهافتعالين.... حتى بلغ "لِلمحسنات منكن اجراً عظيماً" قلت فى اىّ هذا اَستامر اَبَوَیَّ؟ فانى اريد الله ورسوله والدارالآخرة وفَعَلَ ازواج النبى صلى الله عليه وسلم مثل مافعلتُ ''. (حسن صحیح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا اپنی بیبیوں کو اختیار دینے کا (کہ اگر وہ چاہیں تو رفاقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر دنیا لے لیں یا عُقبیٰ پسند کریں) تو آپؐ نے مجھ سے ابتداء فرمائی۔ پس آپؐ نے فرمایا اے عائشہ! میں تم سے ایک بات ذکر کرتا ہوں تو تم پر اس کے جواب میں جلدی نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔

ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ میرے ماں باپ مجھے آپؐ سے جدائی کا کبھی بھی نہیں کہیں گے (یعنی آپؐ نکاح کو برقرار رکھنے کا اشارہ فرمارہے ہیں)۔ فرماتی ہیں کہ پھر آپؐ نے فرمایا: بے شک اللہ فرماتا ہے: ''یاایھاالنبی قل لازواجک الخ '' اے نبی! آپ اپنی بیبیوں سے کہہ دیا اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دے دوں (یعنی طلاق کا جوڑا) اور رخصت کروں تم کو اچھی طرح اور اگر تم ارادہ کرتی ہو اللہ (کی خوشنودی ورضا) کا اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو یقیناً اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے بہت بڑا اجر تیار رکھا ہے۔ (الآیہ) میں نے کہا میں اس کے کس پہلو میں والدین سے مشورہ کروں؟ (یعنی اس کا تو یہی پہلو اختیار کرنا ضروری ہے کہ) میں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر ہی چاہتی ہوں اور پھر دوسری بیبیوں نے بھی ویسا ہی کیا جیسا کہ میں نے کیا تھا۔ آپؐ کی ناراضگی کی وجہ سورت تحریم میں آئے گی۔

حدیث آخر:۔ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب ہیں، فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر: ''اِنمايريدالله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيراً'' اللہ چاہتا ہے اے نبی کے گھر والوں! کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو مکمل پاک کردے۔ ام سلمہ

کے گھر میں (یہ آیت نازل ہوئی) تو آپؐ نے حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ وحسینؓ کو بلایا اور ان پر ایک چادر پھیلادی اور حضرت علیؓ آپؐ کی پیٹھ کے پیچھے تھے تو ان کو بھی چادر اوڑھائی پھر آپؐ نے دعاء فرمائی: ''اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس الخ '' اے مولی! یہ میرے گھر والے (خاندان) ہیں ان سے گناہ کی نجاست دور فرما اور ان کو پاک کردے۔ ام سلمہ نے کہا میں بھی ان کے ساتھ ہوں اے اللہ کے نبی! آپؐ نے فرمایا تم اپنی جگہ پر رہو اور تم نیکی وبھلائی پر ہو (یعنی چادر میں مت آنا کہ حضرت علیؓ نامحرم ہیں)

تشریح:۔ بعض حضرات نے اس حدیث کو ضعیف بلکہ موضوع قرار دیا ہے امام ترمذیؒ نے اس کو غریب کہا ہے۔ بصورت صحت چونکہ اس پر اجماع ہے کہ صورت سبب نزول بہر حال حکم میں داخل ہوتی ہے اور اس پر اجماع ہے جیسا کہ سیوطیؒ نے الاتقان میں نقل کیا ہے ''فان دخول صورة السبب قطعی واخراجھا بالاجتھاد ممنوع کما حکی الاجماع علیه القاضی ابوبکر فی التقریب '' لہٰذا کہا جائے گا کہ چونکہ امہات المؤمنین تو ان آیات کا سبب نزول ہیں لہٰذا ان کے اہلِ بیت ہونے میں تو کوئی شک نہیں البتہ نبی علیہ السلام نے ان حضرات کو بھی اہلِ بیت میں داخل فرمایا۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ام سلمہ تم تو اہلِ بیت میں ہو ہی لہٰذا تمہیں باقاعدہ چادر میں شامل کرنے کی ضرورت ہے ہی نہیں۔ البتہ ازواج مطہرات زکوٰۃ کے استحقاق کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ ابواب الزکوٰۃ میں گزرا ہے۔ لہٰذا چارتن پاک یا پانچ تن پاک کا قضیہ صحیح نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ (اس آیت کے نزول کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھ مہینوں تک جب حضرت فاطمہؓ کے دروازے سے فجر کی نماز کے لئے جاتے ہوئے گزرتے تو فرماتے اے اہلِ بیت! نماز کے لئے اٹھو'' انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ '' یہ آیت پڑھتے۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو یہی آیت چھپاتے '' واذ تقول للذی انعم اللہ علیه.... یعنی بالاسلام.... وانعمت علیه..... یعنی بالعتق فاعتقته .... امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مُبدیه وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاه .... الی قوله .... وکان امر اللہ مفعولاً ''۔ اور جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے کہ جس پر اللہ نے انعام کیا ہے..... یعنی اسلام کی توفیق دے کر۔ اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے..... یعنی آزادی کا کہ آپ نے اس کو آزاد کیا ہے.... کہ روک رکھ تم اپنی بیوی کو اور اللہ

سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اور آپ لوگوں سے ڈر رہے ہیں حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں!... آیت کے آخر تک.... "وکان امراللہ مفعولا" اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا ہے۔

"وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لماتزوّجھا قالوا تزوّج حلیلة ابنه" اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ (بنت جحش) سے نکاح کرلیا تو لوگ کہنے لگے کہ آپؐ نے اپنے بیٹے (زیدؓ) کی بیوی (بہو) سے نکاح کرلیا پس اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا: "ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ تو اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے آخری پیغمبر ہیں، اور (قبل ازیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (زید) کو اپنا منہ بولا بیٹا کہا تھا جب وہ چھوٹے تھے چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے یہاں تک کہ جوان ہوگئے، ان کو زید بن محمد کہا جاتا تھا، پس اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا: "اُدعوھم لاٰباءھم ھو اقسط عنداللہ فان لم تعلموا اٰباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم" یعنی ان منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو (یعنی حقیقی آباء کی طرف)، یہی اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے، اگر تم کو ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے رفیق ہیں.... یعنی فلانٌ مولیٰ فلان یعنی یوں پکارو فلاں، فلاں کا رفیق ہے اور فلان، فلاں کا بھائی ہے (یعنی اسلامی بھائی ہے) "ھو اقسط عنداللہ یعنی اعدلُ عنداللّٰہ" مطلب یہ ہے کہ اقسط بمعنی اعدل کے ہے یعنی راستی اور انصاف کی بات یہ ہے کہ ان کو اپنے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کرکے پکارا کرو۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے اگرچہ اس سند پر اعتراض کیا ہے لیکن اگلی سند سے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو وہ یہی آیت ہوسکتی تھی "وتخفی مافی نفسک مااللہ مُبدیه وتخشی الناس الخ" کیونکہ اس کے ظاہر سے آپؐ کی اس حکم کے اظہار میں ایک طرح کی جھجک معلوم ہوتی ہے "واذلیس فلیس" لیکن جب آپؐ نے یہ آیت بھی سب کو بتلادی ہے تو وہ کون سا حکم ہوسکتا ہے جو آپؐ نے چھپایا ہوگا؟۔

رہی یہ بات کہ آپؐ اپنے دل میں کیا بات چھپانا چاہتے تھے تو اس کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ

نے نبی علیہ السلام کو پہلے سے آگاہ کیا تھا کہ زیدؓ اپنی بیوی زینبؓ کو طلاق دیں گے اور عدت کے بعد آپ کا نکاح زینب سے ہوگا۔ مگر اس کے باوجود جب حضرت زیدؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ارادہ طلاق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا تو آپؐ نے فرمایا: "امسک علیک زوجک واتق اللہ" امام ترمذیؒ نے بھی اس کو آگے نقل کیا ہے۔

"عن انس.... وفیه..... لما نزلت هذه الاية "وتخفى فى نفسك ماالله مبديه" ..... فى شان زينب بنت جحش جاء زيد يشكو فهمّ بطلاقها فاستامر النبى صلى الله عليه وسلم ،فقال النبى صلى الله عليه وسلم: امسك عليك زوجك واتق الله".

یہ ایک طرف امر بالمعروف تھا اور دوسری لوگوں کے پروپیگنڈے کے اندیشہ سے بچنے کی کوشش تھی بایں طور کہ آپؐ کو وحی جلی کا انتظار تھا۔

اس کا مختصر پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ جب حضرت زیدؓ کے والد اور چچا نے مکہ آکر نبی علیہ السلام کو بتایا کہ زید درحقیقت غلام نہیں ہے بلکہ غارت گروں نے اس کو غلام ظاہر کرکے فروخت کیا ہے۔ چونکہ حضرت حکیم بن حزام نے زید کو چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی کو دیا تھا اور پھر حضرت خدیجہؓ نے نبی علیہ السلام سے نکاح کے بعد زید آپؐ کو بطورِ ہبہ دیا تھا، اس لئے نبی علیہ السلام نے زید کو والد کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی لیکن انہوں نے نبی علیہ السلام کی رفاقت سے علیحدگی سے صاف انکار کیا، اس لئے نبی علیہ السلام نے ان کو اس والہانہ محبت وجذبے کی وجہ سے اپنا متبنیٰ بنایا تھا، پھر آپؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح ان سے کیا مگر حضرت زیدؓ پر غلامی کا ظاہری دھبہ ہی سہی، زینبؓ جو اعلیٰ حسب ونسب کی حامل تھیں، کے لئے ایک ننگ کا سبب بنا ہوا تھا اس لئے وہ نکاح پائیدار ثابت نہ ہوا کیونکہ بغیر موافقتِ زوجین وبغیر کفائت کے کوئی نکاح دیرپا ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔

دوسری طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو جاہلیت کی یہ رسم پسند نہ تھی کہ کوئی شخص دوسروں کی اولاد غیر باپ کی طرف منسوب کرے اور اس کے لئے حقیقی اولاد کا حکم ثابت کرے حتیٰ کہ اس کی بیوی حقیقی بیٹے کی طرح حرام قرار پائے، اس لئے بالآخر طلاق ہوگئی اور اللہ نے خصوصی طور پر حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح نبی علیہ السلام کے ساتھ کردیا۔

چونکہ یہ ایک پکی رسم تھی اس لئے لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کردیں، جس کے ازالہ کے لئے اللہ نے فرمایا: ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم'' الآیۃ۔ چونکہ نفی عام مستلزم ہوتی ہے نفی خاص کو، تو جب آپؐ بالغ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو پھر حضرت زیدؓ کے بھی باپ نہیں ہیں۔

آگے عامر شعبی کی روایت میں ہے ''لیعیش لہ فیکم ولد ذکر'' یہ دراصل دفع اعتراض ہے کہ آپؐ کے چار بیٹے تو تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی بلوغت کو نہ پہنچ سکا تھا، قرآن نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، پس اگر وہ کسی بالغ کے باپ ہوتے تو پھر نبوت کا سلسلہ جاری رہتا حالانکہ اللہ عزوجل نے اس سلسلہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمادیا ہے۔

حدیث آخر:۔ ''عن ام عُمارَۃ الانصاریۃ انہا اَتَتِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: ما اَرَی کل شئی اِلّا للرجال وما اَرَی النساء یذکرن بشیء؟ فنزلت ھذہ الایۃ: ''ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات'' الایۃ. (حسن غریب)

حضرت ام عُمارہؓ سے مروی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگیں: میں نہیں دیکھتی ہر چیز مگر مردوں کے لئے (نازل ہوتی ہے) اور نہیں دیکھتی میں کہ ذکر کی جاتی ہوں عورتیں کسی طرح، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''ان المسلمین والمسلمات الخ''۔ یعنی جس طرح عورتیں اور مرد سب ان دس صفات میں برابر کے شریک ہیں اسی طرح باقی احکام میں بھی عورتیں مخاطب بالتبع ہیں سوائے ان احکام کے جو مردوں کے لئے خاص ہوں۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت زینبؓ بنت جحش کے بارے میں اُتری: ''فلما قضیٰ زید منہا وَطَراً زوّجنٰکہا'' پھر جب زیدؓ نے ان (زینب) سے اپنی مراد (حاجت) پوری کرلی تو ہم نے آپ سے ان کا نکاح کردیا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت زینبؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (دوسری) بیبیوں پر فخر کیا کرتی تھیں وہ کہتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے اولیاء نے کئے ہیں اور میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں سے بھی اوپر اوپر کیا ہے۔

تشریح:۔ قولہ: ''وَطَراً'' یقال قضیٰ وطراً منہ اذا بلغ ما ارادمن حاجتہ فیہ یعنی وَطَر حاجت کو کہتے ہیں اور قضائے وطر سے مراد یا تو طلاق ہے یا نکاح کے بعد حاجت ودلچسپی باقی نہ رہنا ہے۔ مآل دونوں کا ایک ہے۔ یہ نکاح بغیر گواہوں اور بغیر دیگر شرائط کے آپؐ کی خصوصیت ہے، نیز حضرت زینبؓ کا یہ

انکار بطور تحدیث بالنعمۃ تھا، بطور اعجاب ہرگز نہیں تھا۔

حدیث آخر:۔"عن ام هانئ بنت ابي طالب قالت خطبني رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعتذرتُ اليه فعذرني ثم انزل الله :"اِنّا احللنالکَ ازواجک اللاتي اٰتيتَ اُجُورهن وماملکت يمينُکَ مِمّا اَفَاء الله عليک وبنات عمّک وبنات عماتک وبناتِ خالک وبنات خالاتک اللاتي هاجرن معک" الاية.... قالت فلم اکن اُحِلُّ له لِانّي لم اُهاجر کنتُ من الطُلَقاءِ". (حسن)

حضرت اُمّ ہانی ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، تاہم میں نے آپؐ سے معذرت کی تو آپؐ نے میرا عذر قبول فرمالیا تھا، پھر اللہ نے"انا احللنا لک الخ "آیت نازل فرمائی، یعنی ہم نے آپ کے لئے حلال کی ہیں آپ کی بیویاں جن کا مہر آپ نے دے دیا ہے اور وہ جن کے مالک ہوئے آپ کے ہاتھ جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں عنایت فرمائی ہیں (یعنی باندیاں) اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کے خالاؤں کی بیٹیاں ان میں سے وہ جو ہجرت کر کے آئیں آپ کے ساتھ، ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں آپؐ کے لئے حلال نہیں ہوئی کیونکہ میں نے ہجرت نہیں کی تھی، میں ان لوگوں میں سے تھی جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔

تشریح:۔قوله"خَطَبَنِي رسول الله صلى الله عليه وسلم " پیغامِ رشتہ ایک دفعہ آپؐ نے قبل از نبوت دیا تھا لیکن اس وقت ابوطالب نے ھُبیرہ بن ابی وہب سے ان کا نکاح کر دیا، شاید اس نے پہلے پیغام بھیجا ہوگا، یہاں جس خِطبہ کا ذکر ہے یہ مابعد کا واقعہ ہے اس کے جواب میں ام ہانی ؓ نے یہ عذر پیش کیا کہ بخدا میں تو جاہلیت میں بھی آپؐ کو چاہتی تھی تو اسلام میں کیسے ناپسند کر سکتی ہوں لیکن میں صاحب اولاد ہوں، یہ بچے آپ کے گھر میں شور کریں گے، اس پر آپؐ خاموش ہو گئے یعنی آپ نے عذر قبول فرمالیا۔

قوله:"من الطُلَقاء" بضم الطاء وفتح اللام وبالمد، وہ لوگ جنہوں نے فتحِ مکہ کے دن اسلام قبول کیا اور آپؐ نے ان سے کسی طرح تعرض نہیں کیا۔

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں اس وقت آپ کے نکاح میں ہیں یا وہ باندیاں جن کے آپ بطور غنیمت یا فئی کے مالک ہو جائیں یا کوئی عورت خود کو بغیر مہر کے آپؐ کو ہدیہ وہبہ کرے یا جو آپ کی ددھیالی اور ننھیالی مہاجر عورتیں ہیں وہ آپ کے لئے حلال ہیں علاوہ ازیں آپ کے لئے ممنوع ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ یہ

ممانعت باقی بھی رہی تھی یا پھر بعد میں ختم ہوگئی تھی؟ تو ابن عباسؓ اس حکم کے بدستور محکم ہونے کے قائل ہیں جبکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ اس کے ختم ہونے کی قائل ہیں، تاہم نبی علیہ السلام نے تحلیل کے بعد کوئی نکاح نہیں کیا ہے۔

امام ترمذیؒ نے یہ دونوں آراء آگے ذکر کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورت احزاب کی آیت ۵۲ ''لایحل لک النساء من بعدُ ولاان تبدل بهن من ازواج الخ ''منسوخ ہے اور ناسخ، تلاوت میں اس پر مقدم آیت ۵۰ ''یاایها النبی انااحللنالک ازواجک التی اٰتیت اجورهن الخ'' ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز الکبیر میں بھی یہ بات فرمائی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جب امہات المومنین نے تخییر کے مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو اختیار کیا تو اللہ نے ان کو خوش کرنے کے خاطر نبی علیہ السلام کے لئے ان ازواج میں سے کسی کو تبدیل کر دینا اور ان پر دوسرے نکاح کرنا ممنوع فرمایا، لیکن بالآخر پھر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سے حرج کو اٹھاتے ہوئے ان کے لئے وہ پابندی بھی ہٹادی لیکن آپؐ نے پھر کوئی شادی نہیں کی۔ بعض حضرات نے ناسخ آیت ۵۱ '' تُرجی من تشاء منهن وتؤی الیک من تشاء الخ '' کو ٹھہرایا ہے۔

واللہ اعلم وفیه اقوال آخر راجع للتفصیل تفسیر ابن کثیر ان شئت بظاہر آیت ۵۱ کو ناسخ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حدیث آخر:۔''عن انس بن مالک قال بنیٰ رسولُ الله صلی الله علیه وسلم بامرأة من نسائه فارسلَنی فدعوتُ قوماً الی الطعام فلَمّا اکلُوا وخرجوا قام رسول الله صلی الله علیه وسلم منطلقاً قِبَلَ بیت عائشة فَرَای رجلین جالسین فانصرف راجعاً فقام الرجلان فَخَرَجا فانزل الله : ''یاایها الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوت النبیِ اِلّاأن یؤ ذن لکم الیٰ طعام غیر ناظرین اِناه'' وفی الحدیث قصة''. (حسن غریب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں میں سے ایک بیوی سے زفاف کیا، پس آپؐ نے مجھے پیغام بھیجا (تاکہ میں لوگوں کو دعوت دوں) چنانچہ میں نے لوگوں کو کھانے کے لئے بلایا تو جب وہ کھا کر باہر نکل گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر حضرت عائشہؓ کے گھر کی طرف چلے، آپؐ نے دیکھا کہ دو شخص بیٹھے ہوئے ہیں (یعنی آپؐ جب واپس تشریف لائے تو وہ دونوں ابھی تک حضرت زینب کے حجرہ میں

و گفتگو تھے) پس آپ واپس چلے (یعنی حضرت زینب کے حجرہ میں اندر نہیں آئے) اتنے میں وہ دونوں شخص (جلدی جلدی) نکل گئے۔ پس اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا: "یاایھاالذین امنواالخ" "اے ایمان والو نبی کے گھروں میں داخل مت ہو مگر یہ کہ تمہیں کھانے کے لئے اجازت دی جائے منتظر نہ رہو کھانے کے پکنے کے۔

تشریح:۔ یہ حضرت زینبؓ کی رخصتی کا واقعہ ہے اور یہ دعوت ولیمہ کی تھی۔ چنانچہ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو بات چیت میں لگ گئے۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ناگواری گزری، پہلے تو آپؐ نے اٹھنے کا تاثر دینے کی کوشش فرمائی لیکن جب لوگ نہیں سمجھیں تو آپؐ اٹھ کر حجرات امہاتؓ کی طرف چلے اور جب آپؐ نکلے تو باقی لوگ تو چلے گئے لیکن تین شخص بیٹھے رہے پھر ان میں سے بھی ایک چلا گیا جبکہ دو آپ علیہ السلام کی واپسی تک بیٹھے رہے۔ آپؐ نے واپس آکر جب ان کو دیکھا تو پھر واپس لوٹے اتنے میں وہ بھی سمجھ گئے اور فوراً نکلے پس اسی وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں آپؐ اندر تشریف لائے پھر آپؐ نے اپنے اور حضرت انسؓ کے درمیان پردہ کر دیا۔

اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے تاہم اس میں "بنی" کے بجائے "عرس بھا" کا لفظ ہے مطلب دونوں کا ایک ہی ہے یعنی "زفاف"۔ قولہ: "فقضی حاجتہ" یعنی کچھ کام کر لیا، فرماتے ہیں کہ میں نے اس پردہ پوشی کا تذکرہ ابو طلحہؓ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر ایسا ہی ہوا ہے جیسا کہ تم نے کہا تو اس بارے میں کوئی حکم آئے گا چنانچہ حجاب کی آیت نازل ہوئی یعنی مندرجہ بالا آیت۔

اس کے بعد والی حدیث بھی حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تو آپؐ نے اپنی بیوی کے ساتھ زفاف فرمایا (یعنی حضرت زینب بنت جحشؓ سے)۔ تو میری والدہ ام سلیمؓ نے حیس (ملیدہ جو کھجور گھی اور پنیر سے اور کبھی بجائے پنیر کے آٹے سے تیار کیا جاتا ہے) بنایا اور اس کو پیتل (یا پتھر) کے ایک برتن میں رکھ کے مجھے کہا انس! اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ اور آپؐ سے کہو کہ یہ میری والدہ نے آپؐ کے لئے بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہتی ہے اور عرض کرتی ہے کہ یہ ہماری طرف سے آپ کے لئے تھوڑا سا (کھانا) ہے، چنانچہ میں وہ کھانا لے گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور میں نے عرض کیا کہ میری والدہ آپ کو سلام کہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ آپ کے لئے ہماری طرف سے معمولی چیز ہے۔

آپؐ نے فرمایا! اسے رکھ دو! پھر آپؐ نے فرمایا جاؤ اور فلاں، فلاں اور فلاں کو ہمارے ہاں بلاؤ اور جن سے تیری ملاقات ہو (ان کو بھی) اور آپؐ نے چند آدمیوں کے نام لئے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے

ان کو بُلایا جن کے نام آپؐ نے لئے تھے اور ان کو بھی بلایا جن سے میں مِلا (یعنی راستہ میں)۔ راوی جعد کہتا ہے کہ میں نے انسؓ سے پوچھا ان لوگوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ انہوں نے فرمایا تقریبا! تین سو، انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا انس! وہ برتن لاؤ۔ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ داخل ہوئے یہاں تک کہ کوٹھڑی اور دالان سب بھر گئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہئے کہ دس، دس آدمی مل کر حلقہ بندی کریں اور ہر شخص اپنے سامنے سے ہی کھائے، چنانچہ انہوں نے کھایا یہاں تک کہ سیر ہوگئے، انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نکل جاتی اور دوسری داخل ہوتی یہاں تک کہ سب کھا چکے، انسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے مجھ سے فرمایا انس! اٹھاؤ! (یعنی وہ برتن)۔ فرمایا کہ میں نے اٹھایا پس میں نہیں جانتا کہ جب میں نے رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب میں نے اُٹھایا اس وقت۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں "وجلس طوائف منهم يتحدثون" ان میں سے کچھ لوگ بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں باہمی بات چیت کرتے رہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ کی اہلیہ دیوار کی طرف منہ پھیرے ہوئے تھیں۔ چنانچہ ان کا بیٹھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرا الخ باقی روایت سابقہ روایت کی طرح ہے "وفيه قال انس اَنَا اَحدَثُ الناسِ عهداً بهذه الايات" یعنی میں سب لوگوں سے پہلے اِن آیتوں کا سننے والا ہوں۔ "وحُجبن نساء النبي صلى الله عليه وسلم" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں پردے کی پابند بنادی گئیں۔ (حسن صحیح)

قوله: "فَصَنَعت اُمُّ سليم حِيساً الخ" اس سے ولیمہ میں باہمی تعاون کا ثبوت ملتا ہے تاہم آج کل لوگوں نے اس تعاون کو ایک رسم کی شکل دی ہے بلکہ اب یہ عمل تعاون کے بجائے قرض کی مانند بن گیا ہے، جس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ تاہم بلانیتِ تبادلہ والتزام کے اگر ایسا کیا جائے تو اس میں حرج نہیں ہونا چاہئے۔

امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: "وفي هذا الحديث انه يستحب لِاَصدقاء المتزوّج ان يبعثوا اليه بطعام يساعدونه به على وليمة"۔ (کذا فی تحفۃ الاحوذی)

قوله: "وزوجته مُوَلِّيَة وجهها الى الحائط" یہ پردہ کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔ علیٰ ھذا حضرت زینب بنت جحشؓ کا اپنا منہ دیوار کی طرف پھیرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا مردوں سے پردہ کرنا ایک فطری ردِّعمل ہے، کیونکہ یہاں شرعی حکم نہیں تھا مگر پھر بھی ام المؤمنینؓ مردوں کو دیکھنا گوارا نہیں کر رہی

حدیث آخر:۔"عن نعیم بن عبداللہ المُجمِرِ ان محمدبن عبداللہ بن زیدالانصاری
وعبداللہ بن زیدالذی کان اُرِیَ النداء بالصلوٰۃ اخبرہ عن ابی مسعود الخ".
مُجمِر مجمر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی دھونی دینے والا، یہ دراصل عبداللہ کا وصف ہے جو مسجد کی تجمیر کرتے تھے لیکن اس کا اطلاق ان کے بیٹے نُعیم پر بھی ہوتا ہے۔ اس روایت میں عبداللہ بن زید وہ صحابی مراد نہیں ہیں جن سے طہارت میں روایات ہیں بلکہ وہ ہیں کہ جن سے اذان کا خواب مروی ہے یعنی ابن عبدربہ، جبکہ پہلے ابن زید بن عاصم ہیں۔
ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم سعد بن عبادہؓ کی مجلس میں بیٹھے تھے تو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو بشیرؓ بن سعد نے آپؐ سے پوچھا کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ پر درود بھیجیں تو ہم کس طرح آپ پر درود بھیجیں؟ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک (خاموش رہے) کہ ہماری خواہش ہوئی کہ کاش وہ آپؐ سے نہ پوچھتے "ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولوا اللّٰھم صل علیٰ محمد الخ" باقی روایت اور تفصیل ابواب الصلوٰۃ میں گزری ہے۔
حدیث آخر:۔"عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان موسیٰ علیہ السلام کان رجلاً حَیِیّاً سِتِّیراً مایری من جلدہ شئی استحیاءً منہ فاٰذاہ مَن اٰذاہ من بنی اسرائیل فقالوا: مایَستَتِرھذاالتَّسَتُّرَاِلّامن عیبٍ بِجلدہ اِمّابَرَص واِمّااُدرَۃٌ واِمّااٰفۃٌ، وان اللہ ارادان یُبَرِّئَہ بمّاقالوا، وان موسیٰ خلایوماً وحدہ فوضع ثیابہ علیٰ حجرثم اغتسل فلمافرغ اقبل الی ثیابہ لیاخذھاوان الحجر عَدَابثوبہ فاخذموسیٰ عصاہ فطلب الحجرفَجَعَلَ یقول: ثوبی حجر! ثوبی حجراحتیٰ اِنتھیٰ الی مَلاٍمِن بنی اسرائیل فراٰوہ عریاناً احسن الناس خَلقاً واَبراہ مِمّا کانوا یقولون، قال وقام الحجر فَاَخذَثوبہ فَلَبِسَہ وطفِقَ بالحجرضرباً بعصاہ، فواللہ اِن بالحجر لَنَدَباً من اثرعصاہ ثلاثاً او اربعاً اوخمساً فذالک قولہ:"یاایھاالذین اٰمنوا لاتکونوا کالذین اٰذوموسیٰ فَبَرَّاہُ اللہ مِمّاقالوا وکان عنداللہ وجیھاً". (حسن صحیح)
حضرت ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ باحیا پردہ پوش شخص تھے ان کی کھال (بدن) کا کوئی حصہ ان کے شرم کرنے کی بناء پر نہیں دیکھا جاسکتا تھا، توان کو ایذاء دی بنی اسرائیل میں

سے ایذاء دینے والوں نے، چنانچہ ان لوگوں نے کہا یہ جو اتنا سخت پردہ کرتے ہیں یہ صرف کسی عیب ہی کی وجہ سے ہے جو ان کے جسم میں ہے خواہ وہ برص ہو یا خصیے بڑے ہوں یا کوئی اور بیماری ہوگی، تو اللہ نے چاہا کہ ان کو بری کردے ان کی تہمت سے، چنانچہ ایک دن موسیٰؑ اکیلے علیحدہ ہوئے اور اپنے کپڑے پتھر پر رکھے اور پھر نہائے پس جب فارغ ہوئے تو اپنے کپڑوں کی طرف متوجہ ہوئے تا کہ ان کو لیں۔ جبکہ وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگا، پس موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی لی اور پتھر کے پیچھے دوڑے اور کہتے جاتے تھے: پتھر میرے کپڑے (دو)! پتھر میرے کپڑے (دو)! یہاں تک کہ وہ پتھر بنی اسرائیل کے ایک مجمع میں جا پہنچا چنانچہ لوگوں نے آپؑ کو ننگا دیکھا جو سب لوگوں سے شکل وصورت (اور بناوٹ) میں اچھے تھے اور لوگوں کی باتوں سے پاک تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ پتھر رک گیا اور موسیٰؑ نے اپنے کپڑے لے کر پہن لئے اور اپنے عصا سے پتھر کو مارنے لگے تو خدا کی قسم! کہ اس پتھر پر عصا مارنے کے تین یا چار یا پانچ نشانات پڑ گئے اور یہی مطلب ہے ارشاد خداوندی کا "یا ایھا الذین امنوا لاتکونوا کالذین الخ" اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے ایذا دی موسیٰ کو پس اللہ نے ان کو بری ثابت کردیا ان کی تہمتوں سے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے آبرو والے تھے۔

تشریح:۔ قولہ: "فو اللہ ان بالحجر لندباً الخ" ندب بروزن سبب وشجر، زخم کے نشان کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ پتھر متحرک تھا اس لئے اس میں اس وقت حیوانی خصلت ڈالی گئی تھی اور اللہ کے حکم سے وہ اُڑنے پر مامور تھا اس لئے اس کے جسم پر لاٹھی کے نشانات بن گئے۔

اس حدیث سے عند الضرورت برہنہ ہونے کا جواز معلوم ہوا، تنہائی میں بھی اور دوسروں کی موجودگی میں بھی، تاہم یہ امر ضرورت کے تحت مباح ہوا ہے اور "الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ" تفصیل پہلے گزری ہے۔ یہ جملہ "فو اللہ الخ" یا تو آپؐ کا ارشاد ہے یا پھر حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے۔ آپؐ کو حضرت عائشہؓ کے بارے میں بھی منافقین اور بعض صحابہ کرامؓ کی طرف سے ایذاء ہوئی اور ایک مرتبہ آپؐ نے مال تقسیم کیا اس پر ایک آدمی نے اعتراض کیا کہ یہ تقسیم لوجہ اللہ نہیں ہے اس پر آپؐ غصہ ہوئے اور فرمایا "یرحم اللہ موسیٰ، لقد اُوذی باکثر من ھذا، فصبر"۔

ومن سورةِ سبا

سورۂ سبا کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن فروة بن مسيك المرادى قال اتيت النبى صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله الا اُقاتِلُ مَن اَدبَرَ من قومى بِمن اَقبَلَ منهم فَاَذِنَ لِى فى قِتالهم وَاَمَّرَنى، فلما خرجتُ من عنده سَالَ عَنِّىَ مافَعَلَ الغُطَيفِى؟ فَاُخبِر انى قد سِرتُ قال فارسلَ فِى اَثَرِى فرَدَّنى فاتيتُه وهو فى نَفَرٍ من اصحابه فقال: اُدع القوم فمن اسلم منهم فاقبل منه ومن لم يُسلِم فلا تعجل حتى اُحدِث اِليك قال واُنزل فى سَبَاما اُنزِل، فقال رجل يارسول الله اماسَبَا؟ ارضٌ او امراةٌ؟ قال ليس بارض ولا امراة ولكنه رجل ولد عشرةً من العرب فَتَيَامَن منهم سِتّةٌ وتشاءَمَ منهم اربعةٌ فاما الذين تَشَاءَمُوا فلخمٌ وجُذام وغسّان وعامِلة، واما الذين تيامنوا فالاَزد والاشعرون وحِمير، ومَذحِجٌ وانمارٌ وكِندَةُ فقال رجل: يارسول الله وما انمار؟ قال الذين منهم خثعم وبَجِيلَةُ". (غريب حسن)

حضرت فروہ بن مُسیک فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنی قوم کے اس شخص سے نہ لڑوں جو اسلام سے پیٹھ پھیرے، بذریعہ ان لوگوں کے جو (اسلام کو) قبول کر چکے ہیں؟ چنانچہ آپؐ نے مجھے ان سے لڑائی لڑنے کی اجازت دے دی، اور مجھے امیر مقرر کر دیا، پس جب میں آپؐ کے پاس سے نکلا تو آپؐ نے میرے بارے میں پوچھا کہ غطیفی کہاں گیا؟ چنانچہ آپ کو بتلایا گیا کہ میں چلا گیا ہوں، حضرت فروہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے میرے پیچھے آدمی بھیجا اور مجھے واپس بلایا، میں آپؐ کے پاس (واپس) آیا درآنحالیکہ آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، پس آپؐ نے فرمایا کہ قوم کو اسلام کی دعوت دو تو جو ان میں سے اسلام لائے تو اس سے قبول کرو اور جو اسلام نہ لائے تو جلدی نہ کرو (یعنی ابھی سے لڑائی نہ چھیڑو) یہاں تک کہ میں آپ کو کوئی حکم دوں۔

حضرت فروہ کہتے ہیں کہ سبا کے بارے میں اُتارا گیا وہ جو (اس سورت میں) اُتارا گیا ہے۔ پس ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول! سبا کیا ہے؟ کوئی زمین ہے؟ یا کوئی عورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ نہ زمین ہے اور نہ ہی عورت (کا نام) ہے بلکہ ایک آدمی تھا جس نے عرب کے دس لڑکے جنے ہیں جن میں سے چھ یمن

میں بسنے لگے اور چار ان میں سے شام کی طرف چلے گئے، پس ان میں جو شام میں بسے تھے وہ لخم، جذام، غسان اور عاملہ ہیں اور جو یمن میں رہائش پذیر ہوئے تھے وہ ازد، اشعرین، حمیر، کندہ، مذحج اور انمار ہیں (جو سب قبیلے بن گئے ہیں)۔ پس ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول! انمار کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا وہ ہیں جن سے خثعم اور بجیلہ ہیں۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبا دراصل دس قبیلوں کے جدامجد کا نام ہے البتہ مجازاً اس کا اطلاق اس سرزمین پر بھی ہوتا ہے اور اس کی اولاد پر بھی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپؐ اجتہاد فرماتے تھے چنانچہ آپؐ نے پہلے قول سے رجوع فرمایا جو لوگ آپؐ کے اجتہاد کے قائل نہیں ہیں وہ استدلال میں سورتِ نجم کی آیت ''وما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحی'' پیش کرتے ہیں لیکن ابن العربیؒ عارضہ میں جواب دیتے ہیں کہ جب دلیل سے اجتہاد ہوتا ہے تو وہ خواہش کے زمرے میں نہیں آتا، مانعین یہ بھی کہتے ہیں کہ اجتہاد دلیل ظنی ہے جبکہ نبی کے پاس یقین کے حصول کا بھی ذریعہ ہوتا ہے پس آپؐ کے لئے ظنی کیسے جائز ہوگا؟ اس کا جواب عارضہ میں یہ دیا گیا ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں جیسے آپؐ جنگوں میں اپنی رائے سے احکام دیتے حالانکہ جنگ میں جانوں کا خطرہ ہوتا ہے تاہم نبیؐ کا اتباع چونکہ فرض ہے لہٰذا ہمارے لئے آپؐ کا اجتہادی حکم اور وحی کا حکم دونوں یکساں ہیں جبکہ دوسرے مجتہدین کا حکم ظنی ہی ہوتا ہے۔ اس حدیث سے نسخ قبل العمل کے جواز کے قائلین اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذاقضی الله فی السماء امراً ضربت الملائکة باجنحتها خضعاناً لقوله کانها سلسلة علیٰ صفوان "فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذاقال ربکم ؟قالوا الحق وهو العلی الکبیر" ....قال والشیاطین بعضهم فوق بعض". (حسن صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان میں کوئی حکم فرماتا ہے تو فرشتے اپنے پر مارتے ہیں بوجہ عاجزی کے اللہ کے ارشاد کے لئے (اور ان کے پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز ایسی ہی ہوتی ہے) جیسے چکنے پتھر پر لوہے کی زنجیر کھڑکانے کی، پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسرے (یعنی اُوپر والے) فرشتے کہتے ہیں کہ سچ فرمایا

ترجمہ: ... وہ بلند اور برتر ہے آپ نے فرمایا کہ شیاطین ایک دوسرے کے اوپر مجتمع ہو جاتے ہیں۔

تشریح:- یہ حدیث مختصر ہے، امام ابوداؤد و بیہقی سے اس کی مزید تفصیل مروی ہے۔ فزع گھبراہٹ کو کہتے ہیں لیکن باب تفعیل کے سانچہ میں ڈالنے کی وجہ سے سلب مأخذ کی بناء پر یہاں مراد ہوش میں آنا ہے۔
انسان وغیرہ کثیف اشیاء کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ وہ اگر زمین کے مدار سے باہر نکلنا چاہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ فی سیکنڈ کم از کم گیارہ کلومیٹر کی رفتار سے حرکت کریں، ورنہ وہ زمین کی کشش ثقل سے آزاد نہیں ہو سکتی ہیں مگر جنات لطیف ہونے کی وجہ سے کسی قیودات کے بغیر خلاء کا سفر کر سکتے ہیں۔ بعینہ اس طرح جیسے خلانورد خلاء میں چہل قدمی کرتا ہے، اس لئے جنات کے لئے ایک سیارے سے دوسرے سیارے کا سفر کوئی مشکل نہیں کیونکہ وہ کشش ثقل کے دباؤ سے مکمل آزاد ہیں تاہم مریخ اور مشتری کے درمیان مدار میں بے شمار چھوٹے بڑے ٹکڑے موجود ہیں جن میں بعض لوہے کے اور بعض پتھروں کے ہیں ممکن ہے کہ وہاں تک جنات کی رسائی تو آسانی سے ہوتی ہو مگر جب وہ مذکورہ مدار میں پہنچ جاتے ہیں تو فرشتے ان کو ان اجرام سے مار بھگاتے ہیں۔ یہ اجرام جب زمین کے مدار میں داخل ہوتے ہیں تو ہوا کی رگڑ سے آگ پکڑ لیتے ہیں۔ یہی شہاب ثاقب کہلاتے ہیں، مگر جنات اپنی شرپسند جبلت کی وجہ سے مار کھانے کے باوجود فرشتوں کا کلام سننے کی کوشش کرتے ہیں اگر وہ کسی بات کے سننے میں کامیاب ہو جائیں تو ان کے ساتھ سو باتیں اپنی طرف سے ملا کر کاہن کے کانوں میں ڈالتے ہیں وہ پھر لوگوں میں پیشین گوئی کے نام سے پھیلاتا ہے۔

ومن سورة الملائكة

سورت ملائکہ (یعنی سورت فاطر) کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی سعيد الخدری عن النبی صلی الله عليه وسلم قال فی هذه الآية: "ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله" قال هؤلاء كلهم بمنزلة واحدة وكلهم فی الجنة". (غريب حسن)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: "ثم اورثنا الكتاب الخ" "پھر ہم نے کتاب (قرآن) کا وارث بنایا ان لوگوں کو جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا ہے، پس ان میں سے کچھ اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور ان میں سے کچھ میانہ روی اختیار کرنے والے ہیں اور ان میں سے کچھ بتوفیق

خداوندی نیکیوں میں ترقی کرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ سب (اُمتی ہونے میں) برابر ہیں اور سب جنت میں جائیں گے۔

تشریح:۔ یعنی سابقہ امتوں کی بعض کوتاہیوں کی پاداش میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتاب اللہ کی نعمت ان سے لے کر امتِ محمدیہ کو عطا فرمائی، مجموعی اعتبار سے یہ امت سابقہ تمام امتوں سے افضل ہے اور سب بالآخر جنت میں جائیں گے تاہم ان کے آپس میں تین درجات ہیں: ایک ادنیٰ: جنہوں نے نیکیوں میں کوتاہی کی ہے اور گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ دوم متوسط: جنہوں نے فرائض اور واجبات کی پابندی تو کی ہے اور گناہوں سے بھی اجتناب کیا ہے لیکن زیادہ نیکیاں یعنی نفلی عبادات سے قاصر رہے ہیں جبکہ اعلیٰ درجہ والے وہ ہیں جو گناہوں سے گریزاں اور نیکیوں میں پیش پیش رہتے ہیں یہ لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، جبکہ درجہ متوسط کے لوگ ہلکے سے حساب کی پریشانی کے بعد جنت میں داخل ہوں گے جبکہ ظالمین کچھ سزا پانے کے بعد جنتی بن جائیں گے، ان کے حساب اور سزاؤں کے مراتب ان کے اعمال کے مطابق مختلف ہوں گے یہ تین قسم کے لوگ وہ نہیں ہیں جن کا تذکرہ سورت واقعہ میں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کے نام سے ہوا ہے۔ بظاہر اُمم سابقہ کے مرتکب کبائر جنت میں نہیں جائیں گے۔ (مشکوٰۃ: ص: ۱۳۱ا حاشیہ: ۳)

ومن سورة يٰس

سورت یٰس کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی سعید الخدری قال كانت بنو سَلِمة فی ناحیة المدينة فارادوا النقلة الی قُربِ المسجد فنزلت هذه الاية: "اِنانحن نحی الموتیٰ و نكتب ماقدموا واٰثارَهم "فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ان اٰثاركم تكتب فلا تنتقلوا". (حسن غريب)

بنو سلمہ کے لوگ مدینہ کے مضافات میں رہ رہے تھے تو انہوں نے مسجد کے قریب آنے کے لئے نقل مکانی کا ارادہ کیا (تاکہ قریب سے ہر وقت آسانی سے مسجد میں آسکیں) تو یہ آیت نازل ہوئی "انا نحن نحی الموتیٰ الخ "تحقیق ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم (یعنی ہمارے فرشتے) لکھتے ہیں ان کاموں جو انہوں نے آگے بھیجے اور وہ آثار بھی جو انہوں نے پیچھے چھوڑے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں لہٰذا تم منتقل مت ہو۔

تشریح:۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ "نزلت" کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اس آیت کا مصداق ہے لہٰذا اس کو ہمیشہ شانِ نزول ہی سمجھنا صحیح نہیں۔

پھر جو آثار ہیں یہ عام ہیں خواہ پیروں کے نشان مراد ہوں یا دیگر اعمال، دونوں کو آیت شامل ہے نشانات بھی ثابت رہتے ہیں جیسا کہ آج کل کی جدید تحقیقات سے اس کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اعمال بھی مراد ہوسکتے ہیں جیسے "من سنّ سنة الخ" میں بیان ہوا ہے۔ بنا بر ہر تقدیر دور سے آنا زیادہ باعثِ اجر ہے اس لئے آپ نے ان کو منع فرمایا۔

حدیث آخر:۔ عن ابی ذرؓ قال دخلتُ المسجدحین غابت الشمس والنبی صلی اللہ علیہ وسلم جالس الخ" یہ روایت مع تشریح ابواب الفتن میں گزری ہے۔ (دیکھئے "باب ماجاء فی طلوع الشمس من مغربہا" تشریحات: ص: ۵۵۸ ج: ششم)

ومن سورة الصّافّات

سورتِ صافات کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن داعٍ دعاالیٰ شیءٍ الاکان موقوفاً یوم القیامة لازماً لہ لایفارقہ وان دعارجلٌ رجلاً ثم قرأ قول اللہ عزوجل: "وقفوہم انہم مسئولون ○ مالکم لا تناصرون" ؟(غریب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بُلانے والا کسی چیز (برائی) کی طرف ایسا نہیں ہے جو نہ روکا جائے قیامت کے دن اور وہ چپکا ہوا نہ ہو اس مدعو سے، وہ اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گا، اگرچہ بُلایا ہو ایک آدمی نے ایک ہی آدمی کو (گمراہی کی طرف)، پھر آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں: "وقفوہم انہم الخ" یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: روکو ان کو، بے شک ان سے پوچھا جائے گا (اور کہا جائے گا) کیا ہوا تم کو جو تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ہو؟۔

تشریح:۔ یعنی جس نے بھی کسی معصیت کی بنیاد ڈالی ہو وہ قیامت کے دن اس کا ذمہ دار ہوگا۔

قولہ: "لازماً لہ" اس میں دو احتمال ہیں: ایک وہ جو اوپر ترجمہ میں بیان ہوا، یعنی یہ داعی اس مدعو کے ساتھ لازم اور چپکا ہوا ہوگا۔ دوم یہ کہ مراد وہ شے مدعو الیہ ہو، پھر مطلب یہ ہوگا کہ وہ داعی اس شے کے ساتھ جڑا ہوا ہوگا۔

قولہ:"وان دعا رجل رجلا" ان وصلیہ ہے یعنی اگر چہ اس نے صرف ایک آدمی کو گمراہ کیا ہو گر پھر بھی وہ ذمہ دار ہوگا چنانچہ فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ان مجرموں کو روکو، ان سے ایک بات پوچھی جائے گی، یہ پہلے اس کا جواب دیں پھر ان کو جہنم میں پھینکو۔ چنانچہ یہ سب بے بسی کے عالم میں سر نیچے کیے ہوئے کھڑے ہوں گے، تو ان سے پوچھا جائے گا کہ آج کیا ہوا کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ہو؟ حالانکہ دنیا میں تو یہ حال ہے کہ اگر زمین کے ایک خطے میں کسی کافر کا مسلمان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو یا ان کے بتوں اور مذہب کو کوئی چیلنج کرے تو یہ سارے اس طرف امڈ آتے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سرنگوں کھڑے ہوں گے اور کوئی کسی کا مسئلہ حل کرنا نہیں چاہے گا۔

حدیث آخر:۔"عن ابی بن کعب قال سَئلتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قول الله تعالى: "وارسلناه الىٰ مائة الفٍ اويزيدون "قال عشرون الف". (غريب)

حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد باری تعالیٰ کے متعلق پوچھا یعنی "وارسلناه الى مائة الف اويزيدون" ہم نے ان (یونسؑ) کو ایک لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا بلکہ اس سے بھی زیادہ کی جانب۔ آپؐ نے فرمایا بیس ہزار (زائد) تھے یعنی ایک لاکھ پر۔

تشریح:۔ یعنی حضرت یونسؑ کو سمندر سے نجات دینے کے بعد ایک لاکھ لوگوں کی طرف بھیجا گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد میں تھے۔ زائد تعداد کتنی تھی؟ تو اس حدیث میں ہے کہ ابی بن کعبؓ نے آپؐ سے زیادہ کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا بیس ہزار۔ بعض مفسرین نے زائد کی مقدار تیس ہزار اور کسی نے ستر ہزار بھی بتلائی ہے مگر باب میں مذکور تعداد مرفوع ہے اس لئے راجح ہے اگر چہ اس کی سند ضعیف ہے۔ پھر ظاہر یہی ہے کہ یہ اپنی سابقہ قوم کی طرف دوبارہ بھیجے گئے تھے جو توبہ کر چکی تھی۔

یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو شک سے پاک اور مبراء ہے تو پھر "اویزیدون" کیوں فرمایا؟ حالانکہ "او" کا کلمہ تو شک کے لئے آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ او یہاں بمعنی "بل" ہے یعنی جب حضرت یونسؑ ان کی طرف مبعوث ہوئے تو ان کی تعداد ایک لاکھ تھی، مگر ان کی حیات ہی میں وہ لوگ نئی نسل کی وجہ سے تعداد میں بڑھ گئے اور حضرت یونسؑ نے ان کو یعنی زائد نوجوانوں کو بھی دعوت دی۔ یا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا باعتبار مرأی الناس کے ہے یعنی جب دیکھنے والا ان کو سرسری نظر سے دیکھتا تو وہ یہی کہتا کہ تعداد ایک لاکھ یا اس سے زیادہ ہی ہے پس یہ کنایہ ہوا کثرت سے۔ لہٰذا یہاں شک کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

حدیث سمرۃؓ:۔"عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ:"وجعلنا ذُرِیّته هم الباقین" قال حام وسام ویافث".(حسن غریب)

یعنی ہم نے نوحؑ کی اولاد کو باقی رکھا، آپؐ نے فرمایا کہ (وہ تین بیٹے تھے) حام، سام اور یافث۔ اگلی روایت میں تصریح ہے کہ سام عرب کے جدامجد ہیں اور حام حبش کے جبکہ یافث رومیوں کے دادا تھے۔

مفسرین کے مطابق سفینۂ نوح میں کل ستتر (۷۷) لوگ تھے، ستر (۷۰) اتباع، تین حضرت نوحؑ کے مندرجہ بالا بیٹے اور تین ان کی بیویاں جبکہ ایک حضرت نوحؑ بنفس نفیس۔ موجودہ سب لوگ آپؐ کے تین بیٹوں کی نسلیں ہیں، تاہم اس حدیث سے کوئی حصر مراد نہیں، لہٰذا ان نسلوں کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شامل ہیں جو یا تو باہمی رشتوں سے معرض وجود میں آئے ہیں یا پھر ان تین قوموں کا ذکر تغلیباً ہے باقی لوگ تبعاً مراد ہیں۔ مثلاً حام سارے افریقہ کے اصل باشندوں کے جدامجد ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف حبشیوں کا ذکر بوجہ شہرت ہوا ہے، علیٰ ھذا القیاس۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ وسط ایشیائی ممالک کی اور آگے کی پٹی، منگولیا، چین اور جاپان حتیٰ کہ ملائشیا اور انڈونیشیا وغیرہ جتنے بھی لوگ ہیں یعنی جن کے چہرے گول اور ناکیں چپٹی اور ہونٹ بڑے ہیں یہ سب ترکی النسل ہیں۔

ومن سورۃِ ص

سورتِ ص کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباس قال مرض ابو طالب فجاء ته قریش وجاء ه النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعند ابی طالب مجلسُ رجلٍ فقام ابو جهل (وجلس فیه) کئی یمنعه قال وشکوه الی ابی طالب فقال یا ابن اخی ماترید من قومک؟ قال أُرید منهم کلمةً تدین لهم بها العرب و تؤدی الیهم العجم الجزیة.....قال کلمة واحدةً؟ قال: کلمة واحدة فقال یاعمّ اقولوا لا اله الا اللہ فقالوا: اِلٰهاً وّاحداً؟"ماسمعنا بهذا فی الملة الآخرة ان هذا الا اختلاق ...قال فنزل فیهم القرآن "ص والقرآن ذی الذکر بل الذین کفروا فی عِزَّةٍ وشقاق....الی قوله.... ما سمعنا بهذا فی الملة الآخرة ان هذا الا اختلاق".(حسن)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابوطالب بیمار ہوئے تو ان کے پاس قریش (عیادت کے لئے) آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس آئے، ابوطالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، پس ابوجہل اُٹھ کر (اس جگہ میں بیٹھ گیا) تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں بیٹھنے سے روک دے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش نے ابوطالب سے آپؐ کی شکایت کی، ابوطالب نے کہا اے میرے بھتیجے! آپ اپنی قوم سے کیا چاہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں ان سے ایسی بات چاہتا ہوں (کہ اگر یہ اسے قبول کریں تو) اس کی وجہ سے تمام عرب ان کے تابعدار بن جائیں گے اور عجم ان کو جزیہ دیں گے (یہ تو نقد فائدہ ہوا جبکہ اخروی فلاح ابدی نعمتیں ہیں)۔ ابوطالب نے کہا کہ ایک ہی بات؟ آپؐ نے فرمایا "ایک ہی بات" اس کے ساتھ آپؐ نے فرمایا اے چچا جان! کہو تم "لاالہ الا اللہ" تو قریش (کے سرداروں) نے کہا اچھا تو ہم صرف ایک ہی اللہ کو پوجیں؟ ہم نے تو یہ بات آخری مذہب میں نہیں سُنی ہے۔ یہ تو من گھڑت بات ہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہی کے بارے میں نازل ہوا قرآن (کا یہ حصہ) "ص والقرآن الخ" یعنی قسم ہے نصیحت کرنے والے قرآن کی، بلکہ وہ لوگ جو کفر کرنے والے ہیں سرکشی میں ہیں اور مخالفت میں،.... یہاں تک.... (وہ کہتے ہیں) نہیں سنی یہ بات ہم نے پچھلے دین میں، نہیں ہے یہ بات مگر دل کی بنائی ہوئی بات ہے۔

تشریح:۔ آخری ملت سے مراد یا تو نصرانیت ہے یا پھر ابراہیمیت جس پر قریش تھے۔ یہ روایت ترمذی میں اختصار کے ساتھ مروی ہے جبکہ بعض طرق میں اس کی تفصیل آئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ابوطالب بیمار ہوئے تو قریش کے سرداروں نے مشورہ کیا کہ ابوطالب سے فیصلہ کن بات کرنے کے لئے چلتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ابوطالب مرجائیں اور بعد میں عرب ہمارا مذاق اڑائیں کہ آپؐ کے چچا کے ہوتے ہوئے یہ لوگ کچھ نہ کہتے تھے مگر بعد از وفات یہ دلیر ہوگئے۔ چنانچہ سب وہاں جمع ہوگئے اور ان سے شکایت کی اور مشورہ دیا کہ وہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہے اور ہم ان کے معبود کو بُرا بھلا نہیں کہیں گے۔ چنانچہ خواجہ ابوطالب نے آپؐ کو بلایا۔ باقی روایت ترمذی میں ہے۔ البتہ باقی اسانید میں یہ بھی ہے کہ جب ابوطالب نے آپؐ سے پوچھا کہ آپ ان سے کیا چاہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں ان سے ایک ایسی بات نہ کہوں جو ان کے لئے بہتر ہو؟ ابوجہل نے کہا ایک نہیں دس باتیں کہو اور پھر وہی ہوا جیسا کہ ترمذی میں ہے.... قولہ: "اِلٰھاً واحداً" ای اجعل الآلھۃ اِلٰہً وَّاحداً؟۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی اللیلۃ

ربی تبارک وتعالیٰ فی احسن صورۃ قال أحسبُہ قال فی المنام فقال یامحمد اھل تدری فیمَ یختصم الملأ الاعلیٰ قال قلت "لا" قال فوضع یدہ بین کتفی حتیٰ وجدت بردھابین ثدیی.

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایارات کو میرا پروردگار میرے پاس اچھی حالت میں آیا (یعنی جلوہ افروز ہوا)۔ ابوقلابہ کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے (ابن عباس نے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: خواب میں۔ اور فرمایا اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ ملأ اعلیٰ کس چیز میں بحث کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا میں نے عرض کیا "نہیں" آپؐ نے فرمایا: اللہ نے اپنا دستِ نعمت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس کی" او قال فی نحری" یا فرمایا: اپنی ہنسلی میں، پس میں نے جان لیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ ملأ اعلیٰ کس بات میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے کہا "ہاں" کفارات میں (یعنی کہ کس عمل سے گناہ مٹ جاتے ہیں)" والکفارات المکث فی المسجد بعد الصلوات والمشی علی الاقدام الی الجماعات واسباغ الوضوء فی المکارہ الخ " اور کفارات یہ ہیں کہ مسجد میں نمازوں کے بعد ٹھہرنا ہے اور جماعات کی طرف پیدل چلنا ہے (یعنی نماز باجماعت میں شرکت کے لئے) اور ناگواریوں کے باوجود وضوء کو پورا کرنا ہے۔

جس نے یہ کام کئے وہ خیریت سے زندہ رہا اور خیریت سے مرا، اور اپنے گناہوں سے اس طرح پاک رہا جیسے اس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اے محمد! جب آپ نماز پڑھ چکیں تو یہ کہیں "اللّٰھم انی اسئلُکَ فعل الخیرات الخ"۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے اس کے بعد ابن عباسؓ سے یہی حدیث نقل کر کے اس پر حسن غریب کا حکم لگایا جبکہ پہلی سند میں ابن عباسؓ اور ابوقلابہ کے درمیان خالد بن لجلاج کا واسطہ رہ گیا ہے۔ پھر ایک اور سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ سے یہی مضمون نقل کیا ہے اور اس پر حسن صحیح کا حکم لگایا ہے۔ پہلی اور تیسری حدیث میں تصریح ہے کہ یہ خواب ہے۔

اس حدیث سے وہ لوگ استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ثابت کرنے پر زور لگاتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ایسے لوگوں کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ علم غیب کے متعلق ضروری بحث ابواب الطب میں "باب ماجاء فی اجر الکاھن" ص:۳۷۸ جلد ششم میں گزری ہے، فلیراجع۔

ملا علی قاریؒ نے شرح الفقہ الاکبر میں تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام صرف اتنا علم غیب جانتے ہیں جو من جانب اللہ ان کو عطا کیا گیا ہو یعنی جزوی علم غیب، لہٰذا اگر کسی کا عقیدہ یہ ہو کہ آپ ؐ مطلق علم غیب یعنی تمام امورِ غیب کا علم رکھتے تھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ صریح نص کے خلاف ہے، اس لئے اس حدیث کی مناسب توجیہ لازمی ہے تاکہ دیگر نصوص سے تعارض نہ ہو، امام ترمذیؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث کی تصحیح فرمائی ہے اور اس کے لئے امام بخاریؒ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ میں نے ان سے پوچھا ''فقال ھذا صحیح من حدیث الولید بن مسلم الخ ''تاہم تفسیر خازن میں سورتِ ''ص'' کی اس آیت نمبر ۷۰ کے تحت متعدد اقوال نقل کر کے مفسر خازن لکھتے ہیں:

''قال البیھقی ھذا حدیث مختلف فی اسنادہ.....قال البخاری عبد الرحمن بن عائش الحضرمی له حدیث واحدٌ إلا انھم یضطربون فیه و ھو حدیث الرؤیة ....قال البیھقی وقد روی من طرق کلھا ضعاف وفی ثبوته نظر .....واحسن طریق فیه روایة جھضم بن عبداللہ ثم روایة موسیٰ بن خلف وفیھما مایدل علیٰ ان ذالک کان فی المنام فاما تاویله الخ''.

یعنی اول تو یہ حدیث سند کے اعتبار سے کمزور ہے اور جو اسانید صحیح ہیں تو ان میں تصریح ہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے لہٰذا اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے کسی طرح صورت کا ثبوت نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ کے لئے اِتیان (چلنا اور آنا) ثابت ہوتا ہے، پس صورت سے مراد یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت ہے، اس کی تصریح ابن العربیؒ نے بھی کی ہے یا پھر اس سے مراد صفتِ باری تعالیٰ ہے، جبکہ ''ید'' سے مراد نعمت ہے۔

اور جہاں تک آپ ؐ کے علم کا تعلق ہے کہ ''فعلمتُ مابین السموٰات والارض ''تو یا تو مراد وہ علوم ہیں جو آپ ؐ کے ساتھ مناسب ہوں یعنی جو مخلوق کے لئے جائز اور ممکن ہوں یا پھر اگر سماوات والارض کا کل علم مراد ہو تو سماوات والارضین کے علاوہ بھی بے شمار مخلوق کا علم ہے، یہ الفاظ اس علم کو شامل نہیں یا پھر حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس علم کا باقی ہونا ثابت ولازم نہیں ہے ورنہ نصوص میں تعارض آئے گا۔

ملأ اعلیٰ کون ہیں اور ان کی بحث کیا ہے؟ ملأ دراصل بھرنے کے معنی میں آتا ہے، سرداروں کو بھی ملأ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جہاں بیٹھتے ہیں اس جگہ کو اور لوگوں کے سینوں کو عظمت اور جلال سے بھرتے ہیں۔ یہاں مراد مقرب فرشتے ہیں، ان کو عظمت اور مکانتِ عُلیا کی وجہ سے ملأ اعلیٰ کہا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس

کو پارلیمنٹ بالا سے تعبیر کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی بڑی منقبت اور حکمت بیان فرمائی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

جہاں تک ان کی بحث کا تعلق ہے تو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اعمال کے فضائل کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ چنانچہ اس روایت میں تصریح ہے "قلت فی الدرجات والکفارات الخ" چونکہ اس بارے میں سوال جواب ہوتا ہے اس لئے اس کو مخاصمہ کہا گیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ مخاصمہ تبادر صعود اعمال میں ہوتا ہے، یعنی ہر فرشتے کی کوشش ہوتی ہے کہ اچھے اعمال وہی اٹھا کر لے جائے۔ صاحب تحفۃ الاحوذی نے یہاں امام ترمذیؒ پر اعتراض نقل کیا ہے "قال ابن کثیر ولیس هذا الاختصام ...... هو الاختصام المذکور فی القرآن الخ" یعنی اس حدیث کو "ص" کی آیت ۶۹ "ما کان لیَ من علم بالملأ الاعلیٰ اذ یختصمون" کی تفسیر بنانا صحیح نہیں، کیونکہ فرشتوں کی بحث تو حضرت آدمؑ کی تخلیق سے متعلق تھی۔ لیکن ابن العربیؒ نے عارضہ میں اس کی تردید کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آدمؑ کی تخلیق کے متعلق بحث فرشتوں کے درمیان نہیں تھی بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان تھی۔ (تدبر)

قولہ "انها حق فادرسوها ثم تعلّموها" یعنی یہ دعا برحق ہے پس اس کے الفاظ بھی یاد کرو اور اس کے معانی بھی سمجھو۔

ومن سورة الزمر

سورتِ زمر کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عبدالله بن زبير عن ابيه قال لمّا نزلت: "ثم انكم يوم القيامة عند ربكم تختصمون" قال الزبير يارسول الله أتُكَرَّرُ علينا الخصومة بعد الذى كان بيننا فى الدنيا؟ قال نعم فقال ان الامر اذاً لَشديدٌ". (حسن صحيح)

حضرت زبیر بن عوامؓ نے اس آیت "ثم انکم یوم القیامة الخ" پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے، کے نزول کے موقع پر پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے درمیان دوبارہ خصومت ہوگی جبکہ دنیا میں ہمارے درمیان خصومت ہو چکی ہے؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" پس حضرت زبیرؓ نے فرمایا پھر تو معاملہ بہت ہی سخت ہوگا۔

تشریح:۔ اگرچہ اصل مخاصمہ تو اہلِ ایمان واہلِ کفر کے درمیان ہوگا لیکن الفاظ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد تمام تنازعات ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا ہر مظلوم وظالم اور محق وباطل کے تخاصم کو یہ حکم شامل ہے اور قیامت کے دن اس تخاصم کی شدت اس بناء پر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور بولنا بہت مشکل کام ہے خصوصاً ان تنازعات میں جن میں مقابل کو ہرانا مشکل ہو۔

حدیث آخر:۔ "عن اسماء بنت یزید قالت سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ: "یاعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً" ولایبالی". (حسن غریب)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "یاعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم الخ" اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے (یعنی گناہ کئے ہیں) تم اللہ کی رحمت (مغفرت) سے ناامید مت ہو، بے شک اللہ سب گناہ (علاوہ شرک کے) بخش دیتا ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔

تشریح:۔ اگر گناہ سے توبہ کرلی جائے تو پھر ہر قسم کا گناہ معاف ہوجاتا ہے حتیٰ کہ شرک بھی معاف ہوجاتا ہے جیسا کہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کا شانِ نزول ایسا ہی بتایا ہے کہ کچھ اہلِ شرک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر توبہ کرنا چاہتے تھے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ علیٰ ہذا پھر اس آیت میں مطلق ذنوب مراد ہیں، لیکن عدمِ توبہ کی صورت میں پھر ذنوب کی بخشش شرک سے کم درجہ کے گناہوں پر محمول ہوگی جیسا کہ اوپر ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا اس کا سورت نساء کی آیت سے کسی طرح تعارض نہ سمجھا جائے جس میں ہے "ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفِرُ مادُون ذالک لمن یشاء" (آیت:۱۱۶)

قولہ: "ولایبالی" یہ آپؐ کا فرمان بھی ہوسکتا ہے اور قرآن کا حصہ بھی جو منسوخ التلاوۃ ہے۔ واللہ اعلم

حدیث آخر:۔ "عن عبداللہ قال جاء یھودی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمد! ان اللہ یمسک السمٰوات علیٰ اصبع والجبال علیٰ اصبع والارضین علیٰ اصبع والخلائق علیٰ اصبع ثم یقول: اَنَاالملک قال فضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ قال" وماقدروا اللہ حق قدرہ". (حسن صحیح) وفی اُخریٰ لہ فقال فضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم تعجباً وتصدیقاً". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر

کہنے لگا اے محمد! بے شک اللہ سارے آسمانوں کو ایک اُنگلی پر اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن) اور پہاڑ ایک اُنگلی پر، اور زمینوں کو ایک اُنگلی پر، اور سب مخلوق کو ایک ہی اُنگلی پر اور پھر کہے گا کہ میں ہی شہنشاہ ہوں، ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنسے کہ آپؐ کی ڈاڑھیں کھل گئیں اور آپؐ نے پڑھا "وما قدروا اللہ حق قدرہ" "ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسے اس کی قدر ہونی چاہئے۔ اگلی روایت میں ہے کہ آپؐ اس کی بات پر تعجب کرتے ہوئے اور تصدیق کرتے ہوئے ہنسے۔

تشریح: صحیحین کی روایت میں ہے کہ یہ یہودی عالم تھا۔ آسمانوں اور زمین کو تھامنا قیامت کے دن مراد ہے جیسا کہ سورت زمر میں اس سے اگلی آیت میں تصریح ہے "وماقدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیامۃ والسمٰوٰت مطویّات بیمینہ الخ" پھر یہ حدیث متشابہات کے زمرہ میں شامل ہے۔ یہودی کا انگلی سے اشارہ کرنا جیسا کہ اگلی روایت میں ہے "علیٰ ذِہ" محض ایک تصویر ہے جو کنایہ ہے سہولت اور بلا تکلف سرانجام دینے سے اور اگر بالفرض یہودی مُجَسِّمہ میں سے ہو تو آپؐ کا ہنسنا اس کی تشبیہ کی تصدیق کے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ یہ لوگ اللہ کی اس حد تک عظمت کے قائل ہونے کے باوجود بھی شرک کرتے ہیں جو باعثِ تعجب ہے۔ قولہ: "علیٰ ذِہ" یعنی اس اُنگلی پر اس طرح اس نے پانچ انگلیاں گن لیں جو محض تصویر بھی ہو سکتی ہے اور تجسم بھی، کیونکہ بہت سے یہود جسامت کے قائل ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انعم وقد التقم صاحب القرنِ القرنَ وَحنیٰ جبہتہ واصغیٰ سمعہ ینتظران یُؤمَرَ ان ینفخ فینفخ قال المسلمون فکیف نقول یارسول اللہ؟ قال قولوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل توکلنا علی اللہ، وربما قال سفیان علی اللہ توکلنا". (حسن)

میں کیسے آرام کروں حالانکہ نرسنگے والا نرسنگا مُنہ میں لئے ہوئے ہے (یعنی صور) اور اپنی پیشانی جھکائے ہوئے ہے اور کان لگائے ہوئے منتظر ہے کہ اسے پھونکنے کا حکم ہوگا تو وہ فوراً پھونک دے الخ۔

یہ روایت اور اس کے بعد آنے والی روایت دونوں ابواب صفۃ القیامۃ میں گزری ہے۔ (دیکھئے "باب ماجاء فی الصور" تشریحات ص: ۲۲۰ جلد ہفتم)

حدیث آخر:۔ "عن ابی ہریرۃ قال قال یہودی فی سُوق المدینۃ "لا" والذی اصطفیٰ موسیٰ علی البشر قال فرفع رجل من الانصار یدہ فصَکّ بہا وجہہ قال: تقول ہذا وفینا نبی

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ونُفِخَ فی الصور فصعق من فی السمٰوات ومن فی الارض الامن شاء اللہ ثم نُفِخ فیہ اُخریٰ فاذاھم قیام ینظرون" فاکون اول من رَفَعَ راسہ فاذاموسیٰ اخِذٌ بقائمۃ من قوائم العرش فلاادری اَرَفع راسہ قبلی اَم کان مِمّن استثنیٰ اللہ،ومن قال اناخیرمن یونس بن متّٰی فقد کَذبَ". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے مدینہ کے بازار میں کہا "نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں میں برگزیدہ کیا ہے۔ راوی نے کہا پس ایک انصاری شخص نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کے منہ پرزور سے طمانچہ مارااور کہا: تو ایسا کہتا ہے حالانکہ ہمارے درمیان اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ (یہ بات آپؐ تک پہنچی) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ونُفخ فی الصور الخ" اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر (سوائے اس کے) جسے اللہ چاہے۔ پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا تو یکا یک وہ سب کھڑے دیکھتے ہوں گے،

تو میں سب سے پہلے وہ شخص ہوں گا جو اپنا سر اٹھاؤں گا، پس اچانک موسیٰ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے ہوئے ہوں گے، تو میں نہیں جانتا کہ آیا انہوں نے مجھ سے پہلے سر اٹھایا یا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے۔ اور جس نے کہا کہ میں یونسؑ بن متّیٰ سے بہتر ہوں تو یقیناً اس نے جھوٹ کہا۔

تشریح:۔ ترمذی میں یہ حدیث مختصر ہے جبکہ بخاری ومسلم میں نسبتاً اس کی تفصیل مروی ہے کہ یہ بات دراصل بازار میں ایک یہودی اور صحابی کے درمیان بحث ومکالمہ کے درمیان سامنے آئی تھی، پھر وہ یہودی شکایت لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں تو ذمّی ہوں پھر اس نے مجھے کیوں مارا؟ اس پر آپؐ نے ان صحابی کو بُلا کر وجہ پوچھی تو انہوں نے یہی وجہ بتائی، پھر آپؐ نے مذکورہ آیت پڑھی اور یہ ارشاد فرمایا۔

یہاں ایک وزنی اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ تو وفات پا چکے ہیں تو پھر وہ بے ہوشی سے کیسے مستثنیٰ ہوئے؟ کیونکہ بے ہوشی تو ان لوگوں پر طاری ہوتی ہے جو زندہ ہوں، اس بناء پر امام نوویؒ نے کہا: "قال القاضی ھذامِن اَشکل الاحادیث لان موسیٰ قدمات فکیف تدرکہ الصعقۃ؟ وانماتصعق الاحیاء" وجہ اشکال یہ ہے کہ "اَرَفعَ راسَہ قبلی ام کان مِمّن استثنیٰ اللہ" اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ بے ہوش ہو سکتے ہیں، پھر بے ہوشی کے بعد چاہے پہلے ہوش میں آئے یا مستثنیٰ ہوئے ہوں جبکہ وہ تو وفات ہو چکے ہیں؟۔

حل:۔اس کے حل کے لئے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں، کسی نے کہا کہ نفخات تین ہیں: ایک وہ جس سے تمام زندہ لوگ مرجائیں گے۔دوم وہ ہے جس سے سب دوبارہ زندہ ہوجائیں گے جبکہ مزید تیسرا صور بھی پھونکا جائے گا جس سے سب لوگ بے ہوش ہوں گے، حدیث باب میں اسی نفخہ سوم کا ذکر ہے، یہ جواب قاضی عیاض" کا ہے، امام نووی" نقل کرتے ہیں: "قال القاضی :یحتمل ان هذه الصعقة صعقةُ فزع بعدالبعث حین تنشق السموٰات والارض فتنتظم حینئذٍ الآیات والاحادیث الخ "یعنی تین نفخے ماننے سے آیات اوراحادیث میں تطبیق بھی ہوجائے گی اور مذکورہ بالا اشکال بھی حل ہوجائے گا۔

حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب الدری میں چار نفخات کا قول اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ نفخہ ثالثہ ہے، جو اس وقت ہوگا جب اللہ تبارک وتعالیٰ تجلی فرمائے گا، اس کی حکمت یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تجلی کی تاب نہیں لاسکتے اس لئے ان کو بے ہوش کردیا جائے گا البتہ بعض ہستیاں اس صعقہ سے مُستثنیٰ ہوں گی۔

"وهذه الصعقة لیخفی علیهم تجلّیة سبحانه فانهم لم یطیقوه ثم الثانیة فاذا هم قیام ینظرون، فهذه بعدالتجلّی وهاتان هماالمذکوران فی سورة الزمر".

یعنی دو نفختین تو وہی ہیں جن میں ایک سے قیامت برپا ہوگی اور دوم سے سب سے زندہ ہوں گے اور اس کے بعد میدانِ محشر مزید دو ہوں گے اور سورتِ زمر میں انہی دو کا ذکر ہے، محشی کوکب نے لکھا ہے کہ یہ ابن حزم" کا قول ہے اور اس پر انہوں نے جزم کیا ہے۔

"وبذالک جزم ابن حزم اذقال اِنّ النفخات یوم القیامة اربع الاولیٰ نفخة اِمَاتة الخ.....وفیه.....والثالثة نفخة فزعٍ وصعقٍ یفیقون منها کالمغشی علیه لایموت منهااحدالرابعة الخ".

المسترشد: عرض کرتا ہے کہ ممکن ہے نفختین دو ہی ہوں لیکن دونوں ممتد ہوں، پس پہلے نفخہ سے اس وقت دنیا پر رہنے والے سب مرجائیں گے جبکہ دوسرے پر ان کے جسموں میں ارواح لوٹا دی جائیں گی البتہ روح واپس آتے ہی صور کی شدت آواز سے سب لوگ دوبارہ بے ہوش ہوجائیں گے سوائے ان کے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ اس گھبراہٹ سے مستثنیٰ کرچکا ہے، اس سے ان شاءاللہ سب عقدے کھل جائیں گے۔واللہ اعلم

پھر جو لوگ مستثنیٰ ہیں بعض حضرات نے چار بڑے فرشتوں اور بعض نے ان کے ساتھ حاملین عرش

کا تعین بھی کیا ہے لیکن عارضۃ الاحوذی میں ہے اس حدیث اور آیت سے استثنیٰ تو معلوم ہوتا ہے مگر ان کی تعیین نہیں ہوئی ہے کہ کون کون ہیں: "بیان ان الصعق لا یَعُمُّ الخلق ولکنہ لا تعلم اعیان المستثنین"۔

قولہ: "ولا ادری انہ رفع ر ... الخ" آپؐ کا یہ ارشاد اور اسی طرح یہ فرمانا "ومن قال انا خیر من یونس بن متّیٰ" اس وقت پر محمول ہے جب آپؐ کو اپنی عظیم فضیلت وافضلیت علی الرسل کا علم نہ ہوا تھا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ کا یہ کہنا تواضعاً ہو، اگر چہ آپؐ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی نبی کی ایسی فضیلت یا افضلیت نہیں بیان کرنی چاہئے کہ اس سے دوسرے نبی کی شان میں کمی کا تاثر پیدا ہو، بعض حضرات نے اس کو حضرت موسیٰ کی فضیلتِ جزوی پر حمل کیا ہے۔

"انا خیر من یونس بن متّی" میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ انا سے مراد قائل ہو، یعنی کسی کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ خود کو یونس بن متّیٰ سے افضل کہے کیونکہ یہ تو کفر ہے کہ کوئی آدمی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے چہ جائے کہ وہ کسی نبی سے افضل بن جائے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی نبی کی ظاہری لغزش بھی اس کے درجہ کو کم کر کے اس کو عوام کی سطح تک نہیں لا سکتی بلکہ وہ اپنے عالی مقام پر بدستور فائز وقائم رہتے ہیں، اس سے زیادہ سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفاوت اگر چہ آتا ہو لیکن عوام کے لئے سوچنا بھی نہیں چاہئے کہ یونسؑ بغیر امر رب کے ہجرت کر کے چلے گئے تھے تو یہ گویا ان کا قصور ہے والعیاذ باللہ یہ قصور نہ تھا بلکہ اپنے رب کے لئے غصہ کا اظہار تھا گو یہ غصہ قبل از وقت ظاہر کرنے پر اللہ کو پسند نہ آیا ہو، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شدت محبت میں محبوب کے مخالفین سے بائیکاٹ کرنا عین محبت کا ثبوت ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی سعید وابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یُنادِی مُنادٍ اِن لکم اِن تحیوا فلا تموتوا ابداً وان لکم ان تَصِحُّوا فلا تسقَمُوا ابداً، وان لکم ان تَشِبُّوا فلا تهرَمُوا ابداً وان لکم ان تنعَمُوا فلا تباْسُوا ابداً فذالک قولہ تعالیٰ: "وتلک الجنۃ التی اُورِثتُمُوها بما کنتم تعملون"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جنت میں) ایک پکارنے والا پکارے گا کہ تمہارے لئے یہ (خوشخبری) ہے کہ تم (ہمیشہ) زندہ رہو گے اور کبھی نہیں مرو گے اور یہ کہ تم (سدا) تندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہ ہوں گے اور یہ کہ تم (دائما) جوان رہو گے اور کبھی ادھیڑ عمر کے نہ ہو گے اور یہ کہ تم (مدام) عیش میں رہو گے اور کبھی حاجت مند نہیں ہو گے، اور یہی مراد ہے اس ارشاد باری تعالیٰ سے "وتلک الجنۃ الخ" وہ جنت ہے جس

کے تم وارث (مالک) بنادیئے گئے اپنے اعمال کے بدلے۔ (زخرف: آیت:۷۲)

حدیث آخر:۔"عن مجاهد قال ابن عباس أتدري ماسعة جهنم؟ قلت "لا" قال "أجل" والله ماتدري حدثتني عائشة انها سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قوله "والارض جميعاً قبضته يوم القيامة والسموات مطويات بيمينه" قالت قلتُ فاين الناس يومئذ يارسول الله؟ قال علیٰ جسر جهنم". (حسن صحيح غريب)

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت مجاہد سے پوچھا جانتے ہو دوزخ کی وسعت کتنی ہے؟ میں نے کہا "نہیں" ابن عباسؓ نے فرمایا "ہاں" اللہ کی قسم تو نہیں جانتا (کیونکہ یہ مدرک بالعقل نہیں اور تم کو نقل بھی نہیں پہنچی ہے)۔ مجھ سے حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ارشاد ربانی کے بارے میں پوچھا "والارض جميعاً قبضته الخ" یعنی ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے اس کے سیدھے ید میں (كما يليق بشانه تعالىٰ)۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! تو اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا جہنم کے پُل پر۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے آخر میں جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے یہ وہ قصہ ہے جو ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کی روایت میں اسی سورت زمر میں گزرا ہے کہ ایک یہودی نے آپؐ سے کہا "ان الله يمسك السموات علیٰ اصبع الخ"۔

یہ حدیث یہاں پر مختصر ہے۔ دراصل یہ سوال حضرت عائشہؓ نے اس آیت "يوم تبدل الارض غير الارض الخ" کی تلاوت کے وقت پوچھا تھا جو حضرت مسروق کی روایت تفسیر سورت ابراہیم میں گزرا ہے۔ پھر قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ زمینوں کو مٹھی اور آسمانوں کو ہاتھ میں لینا کمال قدرت سے کنایہ ہے کہ جو لوگ ان اجرام واجسام کی عظمت کے قائل ہیں اور ان کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ اللہ کی سلطنت اس کائنات پر کیسے قائم ہے تو ان کو بتایا جارہا ہے کہ جس کو تم اتنا مشکل کام سمجھتے ہو اللہ کے لئے اس کائنات کی کوئی حیثیت نہیں اور اس پر بادشاہت کوئی مشکل نہیں ہے۔

ومن سورة المؤمن

سورتِ مومن کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن النعمان بن بشیرقال سمعتُ النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول: الدُعا ھوالعبادۃ ثم قال:"وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین".(حسن صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا ہی عبادت ہے، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی"وقال ربکم ادعونی الخ" اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر (سرتابی) کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل بن کر داخل ہوں گے۔

تشریح:۔"الدعاء ھو العبادۃ" بظاہر کلام مفید للحصر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کے معنی تذلل وعاجزی کے ہیں اور یہ معنی دُعا میں بوجہ اتم پایا جاتا ہے کیونکہ دعا مانگنے والا ہمہ تن سراپا عاجزی بن کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس سے عبادت کا مقصود پوری طرح حاصل ہوتا ہے، یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے"المال الابل" "والناس العلماء""والحجُ عرفة""والندم توبة وغیرھا"،مزید تفصیل ادعیہ میں آئے گی۔

ومن سورة السجدة

سورتِ سجدہ کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن مسعودقال اختصم عندالبیت ثلاثۃُ نفرٍ،قرشیان وثَقَفِیّ ،اوثقیفان وقرشیٌ قلیلُ فقه قلوبھم کثیرشحم بُطونھم ،فقال احدھم اَترون اللہَ یسمع مانقول؟فقال الآخر یسمع ان جھرناولایسمع ان اخفینا،وقال الآخرُإن کان یسمع اذاجھرنافھویسمع اذا اخفینا فانزل اللہ عزوجل:"وماکنتم تستترون ان یشھدعلیکم سمعکم ولاابصارکم".(حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ بیت اللہ کے پاس تین آدمیوں میں بحث ہوئی، دو قریشی تھے اور ایک ثقفی، یا دو ثقفی تھے اور ایک (تیسرا) قریشی تھا، ان کی سمجھ معمولی سی تھی اور ان کے پیٹوں کی چربی

بہت زیادہ تھی، پس ان میں سے ایک نے کہا کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ ہماری باتیں سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا اگر ہم بلند آواز سے بولیں تو وہ سنتا ہے اور اگر ہم آہستہ بولیں تو نہیں سنتا، تیسرے نے کہا اگر وہ ہمارے زور سے بولنے کو سنتا ہے تو پھر وہ سنتا ہے جب ہم چپکے سے بولیں (یعنی جہر و سر دونوں اس کے لئے برابر ہیں)۔ پس اللہ عزوجل نے اُتارا "وما کنتم تستترون الخ" یعنی تم (گناہ کرتے وقت) اس وجہ سے نہیں چھپتے تھے کہ تمہارے خلاف گواہی دیں گے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں (بلکہ تم صرف لوگوں سے شرماتے)۔

تشریح:۔ اگلی حدیث کا مضمون بھی اسی طرح ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ کہنا کہ وہ لوگ زیادہ چربیوں والے تھے، یہ دراصل ان کی حماقت کا اظہار ہے کیونکہ عموماً موٹا شخص احمق ہوتا ہے ہاں البتہ اگر وہ زیادہ کھانے کی وجہ سے موٹا نہ ہوا ہو بلکہ فطری موٹا ہو یا بیماری کی وجہ سے موٹا ہوا ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اسی طرح اقل قلیل بھی مستثنیٰ ہیں، گویا یہ قاعدہ اکثریہ ہے، اس کی تفصیل گزری ہے (ص:۳۸ ج:۷) قال الشافعیؒ: "ما رایت سمینا عاقلا الا محمد بن الحسن" (تحفۃ الاحوذی)۔ ان تین آدمیوں میں اگرچہ تیسرے کی بات صحیح ہے مگر پھر بھی اس کو قلیل العقل قرار دیا کیونکہ اس نے یہ بات جزم کے بجائے شک کے ساتھ کہی تھی جیسا کہ "ان کان یسمع الخ" اس پر دال ہے۔ ان تین آدمیوں کی نسبت میں راوی کو شک ہے کہ دو قریشی تھے یا ایک قریشی اور دو ثقفی؟۔

حدیث انس بن مالکؓ:۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا"...... قال قد قال الناس ثم کفر اکثرھم فمن مات علیھا فھو ممّن استقام".

(غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا "ان الذین قالوا ربنا اللہ الخ" یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ معبود ہمارا اللہ ہے اور پھر اس پر مضبوطی سے جمے رہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کچھ لوگوں نے کہا تھا مگر پھر ان کی اکثریت نے کفر کیا، پس جو اسی پر مَرا تو وہ ان میں سے ہے جو ہمیشہ قائم رہے۔

ومن سورة الشُّوریٰ

سورت شوریٰ کے بعض آیتوں کی تفسیر

"سئل ابن عباس عن ھذہ الایۃ: "قل لا اسئلکم علیہ اجراً اِلا المَوَدّۃَ فی القُربیٰ"

فقال سعید بن جُبیر: قُربیٰ آل محمد فقال ابن عباسؓ أَعَلِمتَ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن بطن من قریش اِلاکان له فیه قرابة فقال اِلااَن تَصِلُوا مابینی وبینکم من القرابة". (حسن صحیح)

حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا "قل لااسئلکم علیه اجراً الخ "یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (دعوتِ اسلام) پر کچھ عوض کا مطالبہ نہیں کرتا مگر قرابت (رشتہ داری) کا۔ تو سعید بن جبیر نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قریبی خاندان (مستحق ہے)۔ پس ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تو نہیں جانتا کہ قریش کا کوئی بطن (ذیلی قبیلہ) ایسا نہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو۔ پس اللہ نے (اسی کے بارے میں فرمایا ہے) "اِلااَن تصلوا الخ "یعنی آپ کہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کچھ عوض طلب نہیں کرتا البتہ میری اور آپ کے درمیان جو رشتہ داری ہے اس کو قائم رکھو (یعنی اس کا خیال رکھو اور اسے جوڑو!)

تشریح:۔ چونکہ حضرت سعید بن جُبیر کے جواب کا مطلب یہ بنتا ہے کہ مجھے تو عوض نہیں چاہئے لیکن میرے خاندان والوں کو کچھ دیا کرو اور چونکہ یہ بھی ایک قسم کی اُجرت ہے اس لئے ابن عباسؓ نے ان کی رائے رد کردی، اور وہی مطلب بتایا جو اوپر ترجمہ میں لیا گیا، یعنی مجھے اُجرت نہیں چاہئے البتہ میری آپ سے جو رشتہ داری ہے اس کا خیال رکھو اور مجھے تکلیف مت دو۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ "اِلاالمودة" کے استثنیٰ کو منقطع قرار دیا جائے، علیٰ ہذا مودّت معاوضہ سے مختلف چیز بن جائے گی اور اگر استثنیٰ کو متصل مانا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ میری دعوت پر مجھے کوئی معاوضہ مت دو مگر صرف مودّت دو اور میرے اقرباء سے محبت کرو۔ اگرچہ مآلاً اس کا رجع اسی سابقہ مطلب کی طرف ہوگا کہ ہم کو تکلیف مت دو۔

علیٰ ہذا چونکہ سعید بن جُبیر نے محبت کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں کے ساتھ خاص کیا تو ابن عباسؓ نے اس کو رد کر کے اس میں تعمیم کردی کہ سارے قریش مراد ہیں لہٰذا تمام قریش سے محبت لازمی ہے، جبکہ صوفیہ کہتے ہیں کہ تمام اللہ والے مراد ہیں، گویا تین تفسیریں ہوگئیں۔ (کذا فی عارضۃ الاحوذی) مگر پہلا مطلب یعنی استثنیٰ منقطع بنانا زیادہ ظاہر ہے۔

حدیث عبیداللہ بن الوازع:۔ "قال حدثنی شیخ من بنی مُرّة قال قدمت الکوفة

فاخبرت عن بلال بن ابی بُردة فقلت ان فیه لَمُعتبراً فاتیتُه وهو محبوس فی داره التی قد کان بنی قال واذا کل شئی منه قدتغیّرَ من العذاب والضّربِ واذاهو فی قُشاش فقلتُ الحمدلله یا بلال القدرأیتک وانت تَمُرُّ بِنا تُمسِکُ بِانفک من غیرغُبار وانت فی حالک هذه الیوم! فقال ممن انت فقلتُ مِن بَنِی مُرَّة بن عُبَادٍ ،فقال الاَاُحَدِّثُک حدیثاً عسی الله ان ینفعک به قلت هاتِ قال ثنی ابوبردة عن ابیه ابی موسیٰ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لاتصیبُ عبداً نکبَةٌ فمافوقها اودونها اِلّابذنبٍ ومایعفوالله عنه اکثر، قال وقرأ "وما اصابکم من مُصیبة فبماکسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر". (غریب)

عبیداللہ بن وازع بنی مُرّہ کے ایک بزرگ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں کوفہ آیا تو مجھے قاضی بلال بن ابی مُرّہ کے بارے میں خبر دی گئی (کہ وہ قید ہیں) تو میں نے (دل میں) کہا کہ ان میں بڑی عبرت ہے (یعنی ان کا حال دیکھنے کے قابل ہے) اس لئے میں ان کے پاس آیا جبکہ وہ اپنے اس گھر میں قید تھے جو انہوں نے بنوایا تھا۔ وہ بزرگ کہتے ہیں کہ اچانک (دیکھا) کہ ان کی ہر چیز (شکل وصورت اور زینت وغیرہ) بدل چکی تھی بوجہ سزا اور مار پیٹ کے اور یہ کہ وہ انتہائی معمولی قسم کی چیزوں میں تھے (یعنی نہ مناسب لباس ان کے پاس تھا اور نہ دوسری چیزیں قابل استعمال تھیں)۔ تو میں نے کہا اے بلال! الحمد اللہ! یقیناً میں نے تم کو دیکھا تھا اس حال میں کہ جب تو ہمارے پاس سے گزرتا تھا تو اپنی ناک پکڑے رہتا تھا بغیر گرد وغبار کے (یعنی تکبر کی وجہ سے) اور آج تم اس (برے) حال میں ہو۔ بلال نے کہا تو کس قبیلہ کا ہے؟ میں نے کہا بنو مرہ بن عباد سے میرا تعلق ہے، بلال نے کہا: کیا میں تجھے ایک حدیث نہ بتاؤں شاید اللہ اس سے تجھے فائدہ دے؟ میں نے کہا پیش کیجئے۔ بلال نے کہا "حدثنا ابو بردة الخ" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نہیں پہنچتی ہے کسی بندے کو کوئی چھوٹی موٹی تکلیف مگر بسبب گناہ کے، جبکہ وہ گناہ جن سے اللہ عزوجل درگزر فرماتا ہے ان گناہوں (جن پر دنیوی گرفت ہوتی ہے) سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ راوی ابوموسیٰؓ نے کہا پھر آپؐ نے پڑھی یہ آیت "وما اصابکم من مصیبة الخ" یعنی جو بھی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے اعمال کی وجہ سے ہے اور اللہ معاف کر دیتا ہے بہت گناہوں کو۔

تشریح:۔ بلال بن ابی بُردہ ۱۰۹ھ میں بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے اور خوب ٹھاٹ باٹ اور ناز نخرے والی زندگی گذارتے تھے مع ہذا ظلم بھی کرتا تھا مگر ۱۲۰ھ میں یوسف بن عمر ثقفی نے قتل کر دیا تھا، اس

لئے اس کی قید قابلِ عبرت چیز تھی۔ قولہ: "الحمدللہ" حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تحمید گناہوں کے کفارہ پر ہے، کہ ان مظالم کا بدلہ دنیا ہی میں ختم ہو جائے گا۔ شماتت کے طور پر نہیں ہے۔ واللہ اعلم

ومن سورة الزخرف

سورتِ زخرف کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی امامة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ماضلّ قوم بعدهُدیً کانوا علیه الا اُوتوا الجدل ثم تلا رسول الله صلی الله علیه وسلم هذه الایة: "ماضربوه لک الاجدلاً بل هم قوم خصمون". (حسن صحیح)

کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی راہ پانے کے بعد جس پر وہ تھی مگر جب ان کو جھگڑنا ملا (یعنی باہمی جدل وجدال کی وجہ سے)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "ماضربوه لک الخ" یعنی یہ لوگ بیان نہیں کرتے ہیں یہ مثال آپ کے سامنے مگر جھگڑنے کی غرض سے بلکہ وہ قوم ہی جھگڑالو ہے۔

تشریح:۔ چونکہ مذہب کے اولین پیروکار اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں اس لئے ان میں ناحق مناظروں کا تصور تک نہیں پایا جاتا لیکن متاخرین کے سینوں میں مذہب کی قدر سے زیادہ اپنی ذات کی قدر پیدا ہوتی ہے (اگرچہ بعض لوگ اس بیماری سے مستثنیٰ ہوتے ہیں)، اس لئے ان میں ناحق مناظروں کا بازار گرم ہو جاتا ہے بلکہ لڑائیاں بھی ہوتی ہیں اس لئے وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح مشرکین نے اپنے باطل عقیدے پر جدل کیا، اسی طرح اہلِ زیغ بھی کرتے ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ آپؐ نے یہ آیت بطور استشہاد پڑھی ہے، چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی "انکم وماتعبدون من دون الله حصب جهنم" تو قریش نے بطور جدل کہا "ءَالِهتُنا خیر ام هو؟" اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی، ان لوگوں کا جدال یہ تھا کہ اگر آپؐ ان کے معبودوں کو "خیر" کہیں گے تو وہ گویا معبود ہوئے اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خیر کہیں گے تو پھر وہ بھی قابلِ عبادت ہوئے اور اگر حضرت عیسیٰ کو خیر نہیں مانیں گے تو پھر حضرت عیسیٰ سے خیر کی نفی ہوگی۔ عارضۃ الاحوذی میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ ان کے بتوں سے افضل ہیں، لیکن یہ ملازمہ ہرگز نہیں مانا جائے گا کہ افضل من الشئی یعنی بتوں سے افضل معبود ہوتا ہے؟ بعض مفسرین نے خصومت کی صورت یہ بنائی ہے کہ ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر سارے معبود جہنم میں جائیں

گے تو پھر حضرت عیسیٰ ؑ بھی جائیں گے (العیاذ باللہ) تو پھر ہم اپنے معبودوں کے ساتھ رہنے میں زیادہ خوش ہیں۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ "وماتعبدون من دون اللہ" میں لفظ "ما" غیر ذوی العقول کے لئے ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ ؑ اور فرشتوں کو شامل نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ اور فرشتے دوسری آیت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں "ان الذین سبقت لھم منا الحُسنیٰ اُولٰئک عنھا مبعدون"۔

ومن سورة الدخان

سورتِ دخان کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن مسروق قال جاء رجل الیٰ عبداللہ فقال: ان قاصاً یقصّ یقول انه یخرج من الارض الدخان فیاخذ بمَسَامع الکفار ویاخذ المؤمن کھیئة الزکام قال فغضِب وکان متکئاً فجلس ثم قال: اذاسُئِل احدکم عمَّا یعلم فلیقل به..... قال منصور فلیخبر بِه..... واذاسُئِل عما لایعلم فلیقل..... "اللّٰہُ اعلم" فان من علم الرجل اذاسُئِل عما لایعلم ان یقولَ "اللہ اعلم" فان اللہ قال لِنَبِیِّه "قل مااسئلکم علیه من اجرٍ ومااَنامن المتکلفین" ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لَمّارای قریشاً استعصَوا علیه قال: اللّٰھم اَعِنّی علیھم بسبع کسبع یوسف فاَخَذَتھم سَنَةٌ فاحصَت کلَّ شئی حتیٰ اکلوا الجلود والمیتة وقال احدھما العظام قال وجعل یخرج من الارض کھیئة الدخان قال: فاتاہ ابو سفیان فقال ان قومک قدھلکوا فَادعُ اللہ لھم قال فھذا لقوله: "یوم تاتی السماء بدخان مُبین یغشی الناس ھذاعذاب الیم" قال منصور ھذا لقوله "ربنا اکشف عنا العذاب" "فھل یکشف عذابُ الآخرةِ؟ قال مَضیٰ البطشة واللزام والدخان وقال احدھما القمر وقال الآخر الروم قال ابو عیسیٰ اللزام یوم بدر"۔

(حسن صحیح)

مسروق فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا ایک واعظ اپنے وعظ میں کہہ رہا ہے کہ زمین سے دھواں نکلے گا (یعنی قیامت کے قریب) اور وہ کافروں کے کان بند کر دے گا اور مؤمن کو زکام سا ہو جائے گا۔ مسروق کہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ غصے ہوئے اور وہ ٹیک لگائے ہوئے تھے وہ سیدھے اُٹھ بیٹھے اور کہا جب تم میں سے کسی سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جسے وہ جانتا ہے تو چاہئے کہ وہ بات کہے (یعنی

جواب دے)۔ (یہ اعمش کے الفاظ ہیں)، منصور نے "فلیخبر به" کہا ہے (یعنی چاہیئے کہ وہ اس کی خبر دے) اور جب اس سے کسی ایسی بات کے بارے میں پوچھا جائے جو وہ نہیں جانتا تو چاہیئے کہ کہے "اللہ اعلم" کیونکہ آدمی کے علم میں سے یہ بات ہے کہ جب اس سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جسے وہ نہیں جانتا تو کہے "اللہ اعلم" کیونکہ اللہ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا ہے "قل مااسئلکم الخ" آپ کہہ دیجئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت اور نہ ہی میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قریش نے آپؐ کی نافرمانی کی تو آپؐ نے دعاء کی اے اللہ! قریش کے خلاف میری مدد فرما ان پر سات برس کے قحط سے جیسے یوسفؑ کا سات سالہ قحط تھا۔ پس ان کو قحط سالی نے پکڑ لیا جس نے سب چیزیں ختم کردیں یہاں تک کہ انہوں نے چمڑے اور مردار کھائے۔ اعمش اور منصور میں سے ایک راوی نے کہا ہڈیاں (بھی کھانے لگے یا میتہ کی جگہ عظام کہا ہے)۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا اور زمین سے دھویں جیسا (مادہ) نکلنے لگا (یعنی دھواں دکھائی دینے لگا) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں پس آپؐ کے پاس ابوسفیان آیا اور اس نے کہا بے شک آپ کی قوم ہلاک ہونے لگی ہے پس آپ ان کے لئے دعاء کریں۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں یہی مطلب ارشادِ باری تعالیٰ کا کہ "یوم تاتی السماء بدخان مبین" "جس دن لائے گا آسمان کھلا دھواں، ڈھانپ لے گا لوگوں کو الخ" (یعنی اس کا مطلب دھویں کی کیفیت دیکھنا ہے)، منصور نے کہا یہی مطلب ہے اس آیت کا "ربنا اکشف عنا العذاب الخ" یعنی کھول دے ہم سے عذاب! تو کیا کھولا (رفع کیا) جائے گا آخرت کا عذاب (بھی؟ بلکہ نہیں کیونکہ آخرت کا عذاب دائمی ہوتا ہے)۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں بطشہ (پکڑ)، لزاماً (لازمی عذاب یا ہلاکت و دائمی عذاب) اور دخان (دھواں)، اور اعمش و منصور دونوں میں سے ایک نے کہا شق قمر (بھی ہو کر گزر رہا ہے) اور دوسرے نے کہا روم (کا مغلوب ہونا بھی گزرا) ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ لزام سے مراد بدر کا دن (یعنی قتل ہونا مراد) ہے۔

تشریح:۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس واعظ کی بات کی تردید اس لئے کی کہ اس نے بغیر دلیل نقلی کے یہ بات کی تھی جبکہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں بیک وقت صحیح ہوسکتی ہیں "قاله ابن دِحيَة" یعنی وہ جو اس حدیث میں ہے اور دوسرا جو قیامت کے قریب نکلے گا۔

صحیح بخاری میں ہے "قال عبدالله خمسة قدمضين الدخان و القمر و الروم و البطشة و اللِّزام" (یعنی ہلاکت) یعنی پانچ علامات گزری ہیں: (۱) دخان یہ اس سورت کی آیت میں ہے "یوم تاتی

السماء بدخان مبین "۔(۲) قمر یعنی "اقتربت الساعة وانشق القمر "۔(۳) الروم یعنی "الم غلبت الروم "۔(۴) بطشہ یعنی "یوم نبطش البطشة الکبریٰ "۔(۵) لزام یعنی "فسوف یکون لزاماً "۔

دخان کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب قریش قحط سالی کی وجہ سے بھوک میں مبتلاء ہوگئے تو ان کی نگاہیں کمزور ہوگئیں، جس کی بناء پر جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تو ان کو دھواں سا نظر آتا، جبکہ بطشہ سے مراد بدر کے دن پکڑنا ہے، علیٰ ہذا بطشہ اور لزام دونوں ایک ہی ہوں گے یعنی پکڑ کر ہلاک کردیئے گئے جبکہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بطشہ سے مراد قیامت کا دن یا مطلق موت ہے۔

عارضہ میں ہے کہ آپؐ نے ان کو بھوک کی بددعاء اس لئے دی کہ بھوک سے آتشِ فتنہ بجھ جاتی ہے اور لڑائی دم توڑتی ہے، جو آپؐ کی مراد تھی۔

حدیث انس بن مالک:۔"قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن مؤمن اِلّا ولہ بابان ،باب یصعدمنہ عَمَلُہ وباب ینزل منہ رِزقہ فاذامات بَکَیاعلیہ فذالک قولہ:"فمابکت علیہم السماء والارض وماکانوامنظرین". (غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مؤمن ایسا نہیں جس کے دو دروازے (آسمان میں) نہ ہو، ایک دروازے سے اس کا عمل چڑھتا ہے اور دوسرے سے اس کی روزی اترتی ہے پس جب وہ مرتا ہے تو دونوں دروازے اس پر روتے ہیں (جبکہ کافروں پر آسمان نہیں روتے) اور یہی مطلب اس آیت کا "فمابکت الخ" پس ان (فرعونیوں) پر آسمان وزمین نہیں روئے، اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔

تشریح:۔عارضة الاحوذی میں ہے کہ یہ حدیث تو ضعیف ہے لیکن اس کا مضمون صحیح احادیث سے ثابت ہے "فان فی الصحیح ان العبدالفاجریستریح منہ البلادوالعبادوالشجروالدواب الخ" یعنی زمین کے مواضع کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ پھر یہ رونا حقیقتاً بھی ہوسکتا ہے اور اس سے معنی مجازی بھی لیا جاسکتا ہے، معنی حقیقی کی مثال جیسے جذعہ حنانہ آپؐ کے فراق پر رویا تھا جبکہ مجاز کی صورت میں یا تو اہلِ السمٰوات والارض مراد ہیں، یا پھر افسردگی اور ملال وافسوس مراد ہے۔

ومن سورة الاحقاف

سورتِ احقاف کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن اخی عبدالله بن سلام لمّا اُرید عثمان جاء عبدالله بن سلام فقال له عثمان: ماجاء بکَ؟ قال جئتُ فی نُصرتکَ قال: اخرج الی الناس فاطردهم عنّی فانک خارج خیرلی منک داخل قال فَخَرَجَ عبدالله بن سلام الی الناس فقال: ایها الناس انه کان اسمی فی الجاهلیة فلانٌ فَسَمّانی رسول الله صلی الله علیه وسلم عبدَالله ونزلت فِیَّ آیات من کتاب اللّٰه، نزلت فِیَّ "وشهد شاهد من بنی اسرائیل علیٰ مثله فاٰمن واستکبرتم ان الله لایهدی القوم الظالمین" ونزلت فِیَّ "کفیٰ بالله شهیداً بینی وبینکم ومن عنده علم الکتاب" ان لله سیفاً مغموداً عنکم وان الملائکة قدجاوَرَتکم فی بلدکم هذاالذی نزل فیه نبیّکم فاللهَ اللّٰهَ فی هذاالرجل ان تقتلوه لَتَطرُدَنّ جیرانکم الملائکة ولَتسلُّن سیف الله المغمود عنکم فلایغمدالی یوم القیامة قال فقالوا اقتلوا الیهودی! واقتلوا عثمان!". (غریب)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بھتیجے سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارادہ کیا گیا (اور باغیوں نے مدینہ میں جمع ہو کران کے گھر کو گھیرے میں لے لیا) تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ آئے پس ان سے عثمانؓ نے پوچھا تم کس لئے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ کی مدد کے لئے آیا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ آپ باہر چلے جائیں اوران لوگوں کو مجھ سے ہٹادیں کیونکہ آپ کا باہر رہنا میرے لئے اندر رہنے سے زیادہ مفید ہے، راوی نے کہا پس عبداللہ بن سلام باہر لوگوں کی طرف نکلے اور فرمایا اے لوگو! زمانہ جاہلیت میں میرا نام فلانا (حُصین) تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام عبداللہ رکھا اور میرے بارے میں قرآن کی کئی آیتیں نازل ہوئی ہیں، میرے ہی بارے میں اُتری ہے وشهد شاهد من بنی اسرائیل الخ پوری آیت اس طرح ہے "قل اَرأیتم ان کان من عندالله وکفرتم به وشهد شاهد من بنی اسرائیل الخ" آپ کہیں مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس کے مثل پر گواہی دے کر اس پر ایمان لائے اور تم تکبر ہی کرتے ہو، بے شک اللہ ناانصافوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (یعنی اگر وہ تورات پر ایمان لاکر ثابت کردے کہ قرآن اور تورات دونوں برابر یعنی سماوی ہیں یعنی باعتبار معانی وبنیادی

عقائد واصول کے)۔
اور میرے ہی حق میں اُتری ہے ''قل کفیٰ باللہ شھیداً الخ '' (الرعد: آیت: ۴۳) یعنی اے نبی! آپ کہہ دیجئے! میرے اور تمہارے درمیان (اثبات رسالت کے لئے) اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے اور اس شخص کی (عبداللہ بن سلام کی بھی) جس کے پاس کتاب (تورات) کا علم ہے۔(اس تمہید کا مقصد اپنا تعارف اور عبداللہ اپنی منزلت سے بلوائیوں کا آگاہ کرنا تھا)۔
بے شک اللہ کی تلوار تم سے پوشیدہ (بے ضرر) ہے اور یہ کہ فرشتے تمہارے ہمسایہ ہیں تمہارے اس شہر (مدینہ منورہ) میں جہاں تمہارے نبیؐ اتر چکے ہیں (یعنی یہ شہر دار الہجرۃ ہے) پس اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! اس شخص (عثمانؓ) کے قتل کرنے سے پس خدا کی قسم ہے! اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو تم گویا اپنے پڑوسی فرشتوں کو دور کروگے اور البتہ اللہ کی چھپی ہوئی تلوار (نیام سے) باہر نکالوگے پھر وہ قیامت تک میان میں واپس داخل نہیں کی جائے گی۔راوی نے کہا: پس لوگوں نے (یہ سُن کر) کہا اس یہودی کو بھی قتل کرو اور عثمان کو بھی ماردو!۔
تشریح:۔ بعض نسخوں میں امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر حسن غریب کا حکم لگایا ہے، حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو شہید کرنے کی سازش دراصل عبداللہ بن سبا المعروف بابن السوداء الیہودی نے تیار کی تھی، جس کی تفصیل تاریخ ابن خلدون میں دیکھی جاسکتی ہے، اس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف پروپیگنڈے کے ذریعہ مصر، کوفہ اور بصرہ سے ایک ایک ہزار باغی لشکر تیار کر کے ماہِ شوال میں مدینہ کو روانہ کیا اور حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا، مذکورہ بات چیت ان ہی دنوں میں ہوئی تھی۔

حدیث آخر:۔ ''عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا رأى مخيلةً اَقبلَ وادبرَ فاذا مطرت سُرِّيَ عنه قالت فقلتُ له..... فقال: وما ادري لعله كما قال الله تعالىٰ ''فلما رأوه عارِضاً مستقبل اوديتهم قالوا هذا عارض ممطرنا''. (حسن)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بدلی دیکھتے، تو اندر آتے اور باہر جاتے پھر جب بادل برسنے لگتا تو آپؐ خوش ہوجاتے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا (کہ آپ بادل دیکھ کر کیوں بے چین ہوجاتے ہیں؟) تو آپؐ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں شاید یہ ویسا ہی ہو جیسا اللہ نے فرمایا ''فلما راوه عارضاً الخ '' جب دیکھا انہوں نے (یعنی عاد نے) ابر سامنے آتا ہوا ان کے میدانوں کی طرف تو انہوں نے (خوشی سے) کہا یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا..... نہیں یہ وہی عذاب ہے جس کی تمہیں جلدی تھی۔

تشریح:۔قوله: "مخيلة" وہ بادل جس کے بارے میں بارش کا خیال یعنی توقع کی جاتی ہو، آپؐ کی امت اگرچہ عذاب استیصال سے محفوظ ہے مگر جزوی عذاب کا خطرہ اب بھی باقی ہے جس کی وجہ سے آپؐ بے چین ہوجاتے۔

حدیث آخر:۔ امام شعبیؒ حضرت علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن مسعودؓ سے پوچھا کیا لیلۃ الجن میں آپ حضرات میں سے کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ انہوں نے فرمایا ہم میں سے کوئی آپؐ کے ہمراہ نہیں تھا، البتہ ایک رات ہم نے آپؐ کو نہیں پایا جبکہ آپؐ مکہ میں تھے، تو ہم نے کہا کہ کہیں آپؐ دھوکہ سے مارے گئے؟ یا آپؐ کو اُڑا کر لے جایا گیا ہے؟ (یعنی یا تو شہید کردیئے گئے یا اغواء کر لئے گئے) یا معلوم نہیں آپؐ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ پس ہم نے ایک ایسی بُری رات گذاری جو کسی قوم کی بدترین رات ہوسکتی ہے، یہاں تک کہ جب صبح ہوئی یا کہا کہ آپؐ صبح سویرے چلے آرہے تھے تو اچانک ہم نے آپؐ کو حراء سے آتا ہوا دیکھا۔ فرمایا پس صحابہؓ نے آپؐ سے اپنا رات والا گھبرانا ذکر کیا، فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جنات کا نمائندہ آیا تھا تو میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان کو قرآن سُنایا، پس آپؐ چلے اور ہمیں ان (جنات) کے نشانات اور آگ کے اثرات دکھائے۔ الخ

تشریح:۔اس مسئلہ پر ابواب الطہارۃ میں تفصیل گزری ہے۔ دیکھئے تشریحات: ص:۱۲۶ ج:۱ "باب کراھیة ما یستنجی بہ" اور ص:۲۸۴ ج:۱ "باب الوضوء بالنبیذ") قوله: "اُغتِیل" کوئی چیز حیلہ اور دھوکہ سے لینے کو اغتیال اور احتیال کہتے ہیں۔ جبکہ "اُستُطِیر" طیران سے ہے یعنی اُڑانا، کوئی چیز جلدی سے اُچک کر لینے کو اُڑانا کہتے ہیں۔

ومن سورة محمد صلى الله عليه وسلم

سورتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی هريرة "واستغفر لذنبک وللمؤمنين والمؤمنات "فقال النبی صلی الله عليه وسلم :انی لاستغفر الله فی اليوم سبعين مرةً". (حسن صحيح)

حضرت ابو ہریرہؓ اس آیت "واستغفر لذنبک الخ" اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور مؤمن مردوں اور عورتوں کی بھی...... کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روزانہ

اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ معافی مانگتا ہوں۔

اور اگلی روایت میں ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کا ذکر ہے۔

تشریح:۔ یہاں ذنب سے مراد معنی مجازی ہے یعنی خلاف اولیٰ کام۔ جب آپؐ وہ کام جواز کے لئے کرتے تو اس کا بھی اگرچہ آپؐ کو امر ہوتا، تا کہ لوگ عزیمت اور رخصت دونوں پہلوؤں سے آگاہ ہوں لیکن پھر بھی آپ کے قلب مبارک پر ایک گونہ بوجھ ہوتا جو استغفار سے ختم ہو جاتا تھا۔

ستر اور سو کا عدد تحدید کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے یا مراد کم از کم تعداد ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ استغفار آپؐ کے علوِ مقام کی بناء پر تھا کہ آپؐ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم تھے جیسے باقی انبیاء علیہم السلام بھی معصوم تھے لیکن آپؐ سمجھتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جتنی عبادت ہونی چاہئے اس کی انتہاء تک رسائی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے استغفار کرنا چاہئے اس کی کچھ تفصیل ''باب مایقول اذا خرج من الخلاء'' میں گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ص:۹۰ ج:۱)

حدیث آخر:۔ ''عن ابی ہریرۃ قال تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہذہ الآیۃ یوماً ''وان تتولوا یستبدل قوماً غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم ''قالوا ومن یستبدلُ بِنَا؟ قال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ منکب سلمان ثم قال ''ہذا وقومُہ''. (غریب)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یہ آیت پڑھی ''**وان تتولوا یستبدل قوماً الخ**'' یعنی اگر تم پھر جاؤ گے (اے عرب کے لوگو! اطاعت اور جہاد سے) تو اللہ تمہارے بدلے دوسری قوم لائے گا پھر وہ تمہاری مانند نہ ہوں گے، صحابہ نے پوچھا ہمارے متبادل کون لوگ لائے جائیں گے؟ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان (فارسیؓ) کے کندھے پر (ہاتھ) مارا اور فرمایا ''یہ اور اس کی قوم''۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر ہم لوٹ جائیں تو ہمارے بدلے ان کو لایا جائے گا، اور پھر وہ ہماری طرح نہ ہوں گے؟ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سلمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے، راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان کی ران پر (ہاتھ) مارا اور فرمایا ''یہ اور اس کے ساتھی''، قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر ایمان ثریا سے لٹکا ہوا ہوتا تو بھی اس کو فارس

کے کچھ لوگ حاصل کرلیتے۔

تشریح:۔سند کے اعتبار سے یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں پہلی سند میں شیخ مدنی مجہول ہیں جبکہ دوسری سند میں عبداللہ بن جعفر کمزور درجہ کے راوی ہیں۔

المسترشد عرض کرتا ہے ممکن ہے کہ پہلی سند میں علاء بن عبدالرحمٰن سے روایت کرنے والے بھی عبداللہ بن جعفر بن نجیح ہو، علیٰ ہذا پھر روایت کا ضعف بہت کم ہو جائے گا، کیونکہ آگے سورت جمعہ میں اس سے ملتا جلتا مضمون آرہا ہے، امام ترمذیؒ نے اگرچہ اُس حدیث پر غریب کا حکم لگایا ہے لیکن وہ صحیحین کی حدیث ہے۔

اس حدیث کو بہت سے علماء نے امام ابوحنیفہؒ کی مناقب میں شمار کیا ہے۔ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں:

"وقیل معناہ: وان تتولوا عن الدین بترک نصرہ والاشتغال بطلب الدنیا جاء بغیرکم ویکونون من قوم سلمان فانھم مکّنھم اللہ من العلوم ونصر علی السنتھم الدین وجاء وا من العجب بمالم یأت علیٰ لسان العرب فوقہ".

یعنی اللہ تعالیٰ نے اہلِ فارس سے دین کی جو خدمت لی ہے اور خصوصاً علوم کے حوالہ سے تو وہ عربوں کی خدمات سے بالاتر ہے، اس کا مختصر بیان مقدمہ میں گزرا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے العرف الشذی میں حافظ سیوطیؒ سے نقل کیا ہے "ان ھذا الحدیث احسن ما یُعَدُّ فی مناقب ابی حنیفۃ مرفوعاً باعتبار الطریق الذی فیہ رجل من فارس الخ"۔

قولہ: "ثریا" سات ستارے ہیں جو پاس پاس رہتے ہیں، یہ کنایہ ہے دوری واونچائی سے یعنی اگر دین اتنی بلندی اور دوری پر جائے جہاں ثریا ہے تب بھی اہلِ فارس اس کو اُتار لائیں گے۔

ومن سورة الفتح

سورتِ فتح کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن زید بن اسلم عن ابیہ قال سمعتُ عُمر الخطّاب یقول: کُنّا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض اسفارہ فکلّمتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَکَتَ، ثم کلّمتُہ فَسَکَتَ فَحَرّکتُ راحلتی فتنحیّتُ فقلتُ: ثکلتکَ اُمُّکَ یاابن الخطاب نزرتَ رسول اللہ

صلى الله عليه وسلم ثلاث مرات كل ذالك لايكلمك ماخلقك بان ينزل فيك قرآن قال فمانشبت ان سمعت صارخاً يصرخ بي قال فجئت إلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ياابن الخطاب القدانزل عليَّ هذه الليلة سورة ماأحب ان لي بهاماطلعت عليه الشمس "إنا فتحنالك فتحاً مبيناً". (حسن غريب صحيح)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے (یعنی عمرۂ حدیبیہ کی صلح سے واپسی میں)، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی، پس آپؐ خاموش رہے، میں نے پھر بات کی تو آپؐ چپ رہے تو میں نے اپنی سواری تیز کردی اور میں کنارے پر ہوگیا اور (دل میں) کہنے لگا اے ابن خطاب! تیری ماں تجھ پر روئے تم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ سوال کر کے آپؐ کو تنگ کیا کہ ہر بار آپؐ نے تجھے جواب نہیں دیا، تو بہت قابل ہے اس کے کہ تیرے حق میں قرآن اُترے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میں نے ایک پُکارنے والے کو سُنا جو مجھے پُکار رہا تھا، پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے فرمایا: اے ابن خطاب! تحقیق آج کی رات مجھ پر ایک سورت اُتری ہے، میں پسند نہیں کرتا کہ میرے لئے اس کے بدلے میں وہ چیز ملے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے) وہ "انا فتحنالک الخ" ہم نے تجھے واضح (معاف) فتح دی ہے۔

تشریح:۔ صلح حدیبیہ سے اوّلاً بہت سارے صحابہ کرامؓ کے جذبات متاثر ہوئے تھے، وہ صلح کو کمزوری سمجھنے لگے تھے اس لئے ان کی حمیتِ ایمانی کا اولین جوش لڑنے پر اُکسا رہا تھا، مگر جب بعد میں اس کی مصلحتیں سمجھ میں آئیں اور مبشرات نازل ہوئیں تو وہ سب اس پر خوش ہوئے اور ان کا ایمانی نور اور شرح صدر مزید بڑھ گیا، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے "لِيَزدادُوا ايماناً مَّعَ اِيمانِهم "۔

حضرت عمرؓ کو آپؐ کا جواب نہ دینا کسی شغل کی بناء پر بھی ممکن ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپؐ کی خاموشی بیان جواز کے لئے ہو کہ ہر سوال کا جواب دینا لازمی نہیں ہے۔ قولہ: "ثکلتک اُمک" ثکل بیٹے کے گم ہونے اور کرنے کو کہتے ہیں۔ قولہ: "نزرت" ای الححت اصرار کرنے کے معنی میں ہے۔ قولہ: "ماخلقک"، فعل تعجب ہے بمعنی احقک یعنی تو اس کا مستحق ہے۔ قولہ: "مانشبت" ای مالبثت. قولہ: "ماأحب ان لی بها الخ" اس سے مراد اس کا علو مقام بتانا ہے، نہ کہ موازنہ کرنا۔ "انا فتحنالک

فتحا مبیناً'' اس سے مراد صلح حدیبیہ بھی ہوسکتی ہے اور فتح مکہ بھی، بعض نے اس سے فتح خیبر مراد لی ہے، پہلا احتمال قوی ہے کہ بخاری نے اس کو اکثر کا قول کہا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس قال أُنزِلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لِیغفِرَلک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر" مرجعه من الحُدیبیة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لقدنزلت عَلَیَّ اٰیة اَحبُّ اِلَیَّ مِمّاعلی الارض ثم قرأهاالنبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقالوا هنیئاً مریئاً یارسول اللّٰہ! لقد بَیَّنَ لکَ اللہ ماذایُفعل بِکَ فماذایفعل بِنا؟فنزلت علیه"لِیُدخِلَ المؤمنین والمؤمنات جَنَّاتٍ تجری من تحتهاالانهار"حتیٰ بلغ "فوزاً عظیماً". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی یہ آیت ''لِیغفرک اللہ الخ '' تاکہ بخش دے اللہ آپ کی اگلی اور پچھلی کوتاہیاں ،حُدیبیہ سے واپسی کے وقت، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق مجھ پر ایک ایسی آیت اُتری ہے جو مجھے ساری زمین کی دولت سے زیادہ محبوب ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سُنائی، پس صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کو یہ مبارک ہو اور خوش عیشی ہو آپ کے لئے، بے شک اللہ نے تو آپ کو صاف بتادیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا! (یعنی آپ سے اللہ ہمیشہ کے لئے راضی رہے گا) لیکن (نہ معلوم کہ) ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ''لِیُدخِلَ المؤمنین والمؤمنات جنّٰتٍ الخ'' تاکہ اللہ داخل کرے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، سدا رہیں گے ان میں۔

تشریح:۔ جیسا کہ پہلے گزرا ہے کہ ذنب سے مراد بوجھ ہے جو آپؐ پر بوجہ خلاف اولیٰ کام بیانِ رخصت کے لئے کرنے سے رہتا تھا یا بوجہ امت کی فکر سے رہتا تھا۔ اس میں دیگر اقوال بھی ہیں۔

قوله: "لیغفرلک اللہ الخ"، وقوله "لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات الخ" یہ دونوں فتح پر مرتب ہیں یعنی اس صلح کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لئے بہت سارے بڑے بڑے فائدے مقرر کئے ہیں جن کا ذکر اس رکوع میں کیا گیا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کے وقت تنعیم پہاڑ کی جانب سے اسی (۸۰) آدمی (دشمن کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کے خلاف اُتر آئے، وہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے

تھا انہوں نے ان کو گرفتار کر لئے گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا، چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وھو الذی کَفَّ ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم "۔ یعنی وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اس نے روک دیئے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے، (آخر آیت تک)۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابی بن کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ "وَاَلْزَمَھُم کلمۃَ التقویٰ" مراد کلمۃ التقویٰ سے "لاالہ الااللہ" کا کلمہ ہے۔ (غریب)

تشریح:۔قولہ: "والزمھم "یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے جمائے رکھا اہلِ ایمان کو کلمہ توحید پر، کیونکہ جب مشرکین کی طرف سے اُلٹے سیدھے مطالبے سامنے آئے تو قومی حمیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کا کوئی مطالبہ تسلیم نہ کیا جائے بلکہ اپنی ہی بات ان سے منوائی جائے یا پھر جنگ کے ذریعہ فیصلہ کرلیا جائے، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صرف صبر کرنے اور برداشت کرنے کا حکم تھا اس لئے صحابہ نے ایمانی تقاضہ کو قومی حمیت پر غالب کر دیا اور آپؐ کی فرمانبرداری کر کے ایمان کا ثبوت دیا جو اللہ کی توفیق تھی۔

ومن سورة الحُجرات

سورتِ حُجرات کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عبداللہ بن الزبیر: ان الاقراع بن حابس قَدِمَ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: فقال ابوبکر: یارسول اللہ اِستعمِلہ علی قومہ فقال عمر: لاتستعملہ یارسول اللہ! فتکلّما عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ ارتفعت اصواتُھما فقال ابوبکر لِعمرؓ ماارِدتَ اِلّاخلافی فقال ماارِدت خلافک قال فنزلت ھذہ الایۃ "یاایھا الذین اٰمنوا الخ"۔

حضرت بن ابی مُلیکہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بتایا ہے کہ اقرع بن حابس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! ان کو ان کی قوم پر عامل (امیر) مقرر فرمادیں، اور حضرت عمرؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! ان کو عامل نہ بنائیں، پس دونوں میں تکرار ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، یہاں تک کہ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، پس ابوبکرؓ نے عمرؓ سے کہا آپ نے میری مخالفت کی نیت (سے یہ بات) کی ہے، انہوں نے کہا میرا ارادہ آپ سے اختلاف کرنے کا نہیں ہے (بلکہ مسلمانوں کی خیرخواہی کے لئے کہتا ہوں)۔ راوی نے کہا کہ پس یہ آیت نازل ہوئی "یاایھا الذین امنوا لاترفعوا

اصواتکم فوق صوت النبی ''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز پر بلند مت کرو! الخ'' قال وکان عمر بعد ذالک اذاتکلم عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یسمع کلامُہ حتی یستفہمہ ''راوی نے کہا کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بولتے تو ان کی بات سُنائی نہیں دیتی یہاں تک کہ ان سے پوچھنا پڑتا تھا (یعنی کہ کیا کہا آپ نے؟)'' قال وماذکر ابن الزبیر جدّہ یعنی ابابکر ''یعنی عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے نانا ابوبکرؓ کا حال ذکر نہیں کیا کہ اس آیت کے بعد ان کا معمول کیا رہا۔ (غریب حسن)

تشریح:۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ اختلاف قعقاع بن معبد اور اقرع بن حابس کے بارے میں تھا، ابوبکرؓ نے قعقاع بن معبد کی سفارش کی تھی جبکہ حضرت عمرؓ نے اقرع بن حابس کی، بہرحال دونوں کا جذبہ ان کی قوم کی خیرخواہی کا تھا لیکن اس کی صورت میں اختلاف تھا کہ اس کی کون سی صورت افضل ہے، قعقاع یا اقرع؟ اور یہ ایک امر باطنی ہے جو ماسوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ قوم کے لئے کون سا امیر بہتر رہے گا اس بارے میں ہر فیصلہ اجتہادی ہوسکتا ہے، اقرع مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اجتہادی اختلاف جائز بلکہ صوابدیدی رائے کا اظہار واجب ہے جیسا کہ اپنے محل میں بیان ہوا ہے اور قرآن کی یہ آیت ان کے اختلاف کی نفی میں نہیں اُتری بلکہ آواز کی بلندی کے بارے میں اتری جو آپؐ کی موجودگی میں ایذاء رسائی کا سبب بن سکتی ہے تو بطور حفظ ما تقدم کے اس سے منع کیا گیا ہے۔

مسئلہ:۔ ابن العربی'' عارضہ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسے حیات میں تھا لہٰذا آپؐ کے ارشاد (حدیث) کے بیان کے وقت وہی حکم ہے (یعنی خاموشی) جیسے آپؐ سے براہِ راست سننے کے وقت تھا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آواز کو پست کرنا، اسی طرح قرآن وسنت کے سننے کے وقت، دلوں کے تقویٰ کے تابع ہے۔ (انتہیٰ کلامہ)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنتے وقت بھی خاموشی مطلوب ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابن منذر نے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا حال بھی اسی طرح تھا یعنی اس آیت کے نزول کے بعد۔ حاکم کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (کذافی تحفۃ الاحوذی)

حدیث آخر:۔ ''عن البراء بن عازب فی قولہ تعالیٰ: ''ان الذین یُنادونک من وراء الحُجرات'' قال قام رجل فقال یارسول اللہ ان حمدی زینٌ وان ذمّی شینٌ فقال النبی صلی

علیہ وسلم: "ذاک اللّٰہ عزّو جلّ". (حسن غریب)

حضرت براء بن عازبؓ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں "ان الذین ینادونک الخ" جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں "اکثرھم لایعقلون " ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے، راوی نے کہا کہ ایک شخص کھڑا ہوا (یعنی آپؐ کے دروازہ پر) اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میری تعریف عزت ہے اور میری مذمت عیب (ذلت) ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شان تو اللہ ہی کی ہے۔

تشریح:۔ بنوتمیم کا وفد جو ستر (۷۰)، اسی (۸۰) آدمیوں پر مشتمل تھا، مدینہ منورہ آیا، دوپہر کا وقت تھا، انہوں نے انتظار کئے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر سے پکارا کہ باہر آجائیں۔ ان کا امیر اقرع بن حابس تھا، اس نے اپنا تعارف مندرجہ بالا الفاظ میں کیا یعنی کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں لیکن اس میں اتنا مبالغہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی نفی کرنا پڑی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ الفاظ اس نے اپنے خطبہ میں کہے تھے، واللہ اعلم۔ ابن ہشامؒ نے نقل کیا ہے ان لوگوں نے اپنا خطیب پیش کیا، جس کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیسؓ کو جواب دینے کے لئے کہا، پھر ان لوگوں نے اپنے شاعر سے اشعار کہلوائیں، اس کے مقابلہ کے لئے آپؐ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو کھڑا کیا، جس سے وہ لوگ بے حد متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔ (کذا فی حاشیۃ الکوکب الدری)

مسئلہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ علم سے ملاقات میں احتیاط لازمی ہے، ان اوقات میں ملنے سے بچنا چاہئے جن میں ملنے سے ان کو تکلیف ہوتی ہو اور چونکہ ہر مسلمان کی ایذاء رسانی گناہ ہے اس لئے عام معاشرے کا حکم بھی یہی ہے کہ ملاقات میں دوسرے کا خیال رکھنا چاہئے لیکن اہلِ علم کی ایذاء رسانی سے بہر حال بچنا زیادہ مؤکد ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی جَبِیرۃ بن ضحاک قال کان الرجل مِنّا یکون له الاسمانِ والثلاثۃ فیُدعیٰ ببعضھا فعسیٰ ان یکرہ، قال فنزلت ھذہ الآیۃ: "ولا تنابزوا بالالقاب". (حسن)

حضرت ابی جبیرہ (بروزن کبیرہ) فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کبھی ایک آدمی کے دو نام ہوتے تھے اور کبھی تین نام، چنانچہ اسے ان میں سے بعض ناموں سے پکارا جاتا تھا جس کو وہ بُرا سمجھتا تھا، فرمایا کہ پس یہ آیت

نازل ہوئی "ولا تنابزوا بالالقاب" یعنی ایک دوسرے کو بُرے لقبوں سے مت پُکارو (اور بُرے لقب نہ رکھو)۔

تشریح:۔ ابوجبیرہ کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔"نبز" بروزن قمر اگرچہ مطلق لقب کو کہا جاتا ہے لیکن اس کا زیادہ تر استعمال بُرے القاب میں ہوتا ہے اور یہاں یہی قبیح القاب کی نفی اور نہی مراد ہے کیونکہ اس سے دوسرے کی دل آزاری اور دل شکنی ہوتی ہے جو فی نفسہ بھی بُرا ہے اور اس کے ردِّ عمل میں عموماً ملقب شخص بطورِ انتقام اس پُکارنے والے کا بھی بُرا لقب تجویز کرتا ہے جو معاشرہ کی اصلاح کے منافی ہے، اسی بناء پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اچھے ناموں کے رکھنے کا حکم دیتے اور اگر کسی کا جاہلی نام غلط ہوتا تو اسے تبدیل فرماتے، آج بھی یہی معمول ہونا چاہئے البتہ اگر کوئی لقب پہچان کے طور پر استعمال کیا جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ تعارف کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ ہو اور مراد تمسخر نہ ہو بلکہ محض شناخت کرانا ہو۔ قولہ: "تنابز بالالقاب" بُرے لقب سے پُکارنے کو بھی کہتے ہیں اور بُرا لقب دینا یعنی تجویز کرنا بھی تنابز کہلاتا ہے، یہاں دونوں سے منع کرنا مقصود ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی نضرة قال قرأ ابو سعيد الخدری: "واعلموا ان فيكم رسول الله لو يطيعكم فی كثير من الامر لَعَنِتُّم "قال هذا نبيّكم يوحىٰ اليه ... وخيار ائمتكم لو اطاعهم فی كثير من الامر لَعَنِتُوا فكيف بكم اليوم؟؟؟ (غريب حسن صحيح)

حضرت ابونضرہ فرماتے ہیں کہ ابوسعید خدریؓ نے یہ آیت پڑھی "واعلموا ان فيكم رسول الله الخ" جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مانیں تو بے شک تم تکلیف میں پڑ جاؤ گے۔ ابوسعید نے فرمایا کہ یہ آپ کے نبی ہیں، آپؐ کو وحی کی جاتی تھی۔ اگر آپؐ تمہارے اچھے پیشواؤں (یعنی صحابہ) کی (بہت سی باتوں میں) پیروی کرتے تو ان (صحابہ) کو یقیناً ضرر پہنچتا تو آج تمہارا کہنا ماننے سے کیا لازم آتا۔

تشریح:۔ قولہ: "لَعَنِتُّم" عَنت تعب و مشقت اور مضرت کو کہتے ہیں، اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر نبی مشورہ مانگیں اور لوگ آپؐ کو مشورہ دیں یا کوئی رپوٹ، تو آپؐ سے اپنی بات منوانے کی کوشش و آرزو مت کرو، کیونکہ اس طرح تم متبوع اور وہ تابع ہو جائیں گے جو قلب حقیقت ہے اور موجب ہلاکت ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے تابعین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ جو بہترین خلاصہ ہے اُمت کا، ان میں باطل کا وجود نہ تھا، غلط خواہشات نہ ہونے کے برابر تھیں مگر جب ان کا یہ حال

کرے تو وہ صحابہ سے بہت پیچھے ہیں، وہ اگر شریعت کے خلاف اپنی مرضی منوائیں گے تو اس سے ہلاکت کے
خطرات اور بھی بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ شریعت کو اپنا تابع بنانے کا مطلب نبی کو اپنا تابع بنانا ہے، تو جب یہ
سہولت صحابہ کو نہیں ملی جبکہ ان کو سند قبولیت مل چکی تھی تو تمہارا کیا حال ہوگا یعنی جب شریعت کے آگے بڑوں کی
کوئی حیثیت نہیں تو چھوٹوں کی کیا مجال؟؟؟۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمرانّ رسول الله صلی الله علیه وسلم خطب الناس یوم فتح
مکة فقال یاایها الناس ان الله قد اَذهَبَ عنکم عُبِّیَّةَ الجاهلیة وتعاظمها بآبائها فالناس رَجُلان
برٌّ تقیٌّ کریم علی الله، وفاجر شقی هَیِّن علی الله، والناس بنو آدم وخلق الله آدم من
تراب، قال الله: "یاایها الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شُعوباً وقبائل لِتعارفوا ان
اکرمکم عندالله اتقاکم ان الله علیم خبیر". (غریب)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن لوگوں سے خطاب
فرمایا، پس آپ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کا تکبر اور باپ دادوں پر فخر کرنا زائل
کردیا ہے، اب لوگ دو طرح کے ہیں: ایک نیک متقی اور اللہ کے ہاں معزز شخص اور (دوسرا) بدکردار، بدبخت
اللہ کے ہاں ذلیل آدمی ہے، سارے لوگ آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے
پیدا کیا ہے، اللہ نے فرمایا ہے: "یاایها الناس انا خلقناکم الخ" اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے
پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قومیں اور قبیلے بنایا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سب سے زیادہ
معزز اللہ کے یہاں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو! بے شک اللہ جاننے والا اخبردار ہے۔

تشریح:۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ کا مایۂ افتخار نسب تھا، اس روایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ سب کی اصل مٹی ہے لہٰذا اصل کے لحاظ سے کسی کو دوسرے پر برتری حاصل نہیں جبکہ عوارض کا اعتبار نہیں
ہے اور امور کسبیہ میں سب سے اعلیٰ وصف تقویٰ ہے کیونکہ یہ انسان کے مقصدِ حیات سے موافق اور معاون ہے،
نیز گرد جب اُڑتی ہے تو لوگ اس پر لعن وطعن کرتے ہیں اسی طرح ناز اور فخر وارتفاع سے آدمی کی قدر گر جاتی ہے،
یہ رشتے تو تعلقات اور تعارف کے لئے ہیں تاکہ لوگ ایک دوسرے سے مانوس اور ایک دوسرے کے معاون
بنیں، یہ دوسروں کے خلاف طاقت کے استعمال کے لئے نہیں، کیونکہ جو پرایا اور اجنبی لگتا ہے وہ بھی کہیں نہ کہیں
جاکر شریک خون ہوجاتا ہے۔ ترمذی کی یہ حدیث سند کے اعتبار سے کمزور ہے لیکن اس کا مضمون آئندہ حدیث

اوراس آیت کے موافق ہونے کی وجہ سے صحیح ہے، چنانچہ ابن العربیؒ متعدد اسلاف سے نقل کیا ہے کہ وہ رشتوں میں تقویٰ کو بنیاد بناتے تھے نہ کہ نسب کو۔

حدیث آخر:۔حسب مال ہے اور بزرگی کی چیز تقویٰ ہے۔(حسن صحیح غریب)

ومن سورة ق

سورت ق کی بعض آیتوں کی تفسیر

حدیث انسؓ:۔"ان نبی الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتزال جهنم تقول "هل من مزيد"؟ حتىٰ يضع فيهارب العزة قَدمَه فتقول قط قط وَعِزّتِکَ ويُزوىٰ بعضهاالى بعض".

(حسن صحيح غريب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم مسلسل کہتی رہے گی کہ کچھ اور ہے؟ (تو لاؤ؟) یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا قدم (کمايليق بشانه) رکھ دے گا تو وہ کہنے لگے گی کہ بس! بس! تیری عزت کی قسم ہے اور جہنم کا بعض حصہ بعض دیگر کی طرف سمیٹ دیا جائے گا۔

تشریح:۔قدم اور رجل متشابہات میں سے ہیں، تاہم ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ یہ باقی متشابہات کی طرح نہیں کیونکہ باقی متشابہات سے مراد صفات لی جاتی ہیں جبکہ یہاں وہ توجیہ نہیں چلتی کیونکہ وہ اپنی صفت جہنم میں نہیں رکھتا۔لہٰذا یہاں قدم سے مراد بد بخت لوگ ہیں: "وكل شیء قدّمته فهو قدم" یعنی جہنم میں شرار خلق ڈالے جائیں گے "واماالرِّجل فهم الجماعة الخ"۔

المسترشد عرض کرتا ہے کہ یہاں بھی یہ توجیہ چل سکتی ہے کہ مراد قوت سے دبانا ہو کیونکہ تحت القدم مسند اور قہر وغلبہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، واللہ اعلم۔متشابہات کی تفصیل پیچھے عرض کی جا چکی ہے۔

ومن سورة الذاريات

سورت ذاریات کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن رجل من ربيعة قال قدمتُ المدينة فدخلتُ على رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرتُ عنده وافدَ عادفقلتُ اعوذبالله ان اكون مثل وافدعادٍ فقال رسول الله صلى

وسلم وما وافد عاد؟ قال فقلت على الخبير بها سقطت ان عاداً لما أقحطت بعثت قيلاً فنزل على بكر بن معاوية فسقاه الخمر وغنته الجرادتان ثم خرج يريد جبال مهرة فقال اللهم انى لم اٰتك لمريض فاداويه ولا لاسير فأفاديه! فاسق عبدك ما كنت مسقيه واسق معه بكر بن معاوية يشكر له الخمر الذى سقاه فرفع له سحابات فقيل له اختر احداهن فاختار السوداء منهن فقيل له خذها رماداً رمدداً، لا تذر من عاد احداً وذكر انه لم يرسل عليهم من الريح الا قدر هذه الحلقة يعنى حلقة الخاتم ثم قرأ "اذ ارسلنا عليهم الريح العقيم ماتذر من شئ اتت عليه". الاية

ابو وائل ربیعہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ میں مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، میں نے آپؐ کے سامنے عادیوں کے قاصد کا تذکرہ کیا (اور مجہول کی صورت میں ترجمہ ہوگا کہ آپؐ کے سامنے عاد کے نمائندہ کا تذکرہ ہوا) تو میں نے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ عاد کے نمائندہ کی مانند ہوجاؤں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عاد کا نمائندہ کیسا تھا؟ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "علی الخبیر بھا سقطت" اس واقعہ کی آگہی رکھنے والے سے ہی آپ کا واسطہ پڑا، (پھر وہ واقعہ سُنانے لگے) بے شک جب عادیوں پر قحط پڑا تو انہوں نے قیل (نامی شخص) کو بھیجا (تاکہ وہ حرم میں بارش کی دعاء مانگے) تو وہ بکر بن معاویہ کے گھر اُترا (یعنی مہمان بنا) تو بکر نے اس کو شراب پلائی اور جرادنامی دو لونڈیوں کے گانوں سے اس کی تواضع کی، پھر (کافی دنوں کے بعد) وہ مَہرہ نامی جبال کے ارادہ سے نکلا چنانچہ اس نے کہا (بطور دعا) اے اللہ! میں تیرے پاس کسی بیمار کی غرض سے نہیں آیا ہوں کہ اس کی دوا کراؤں اور نہ ہی کسی قیدی کی غرض سے آیا ہوں کہ اسے فدیہ کے بدلے چھڑاؤں (بلکہ بارش کی دعاء کے لئے آیا ہوں) پس اے اللہ اپنے بندے کو وہ پلا جو تو پلانے والا ہے اور اس ساتھ بکر بن معاویہ کو بھی پلا۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا اس شراب کا جو اس نے پلائی تھی، پس اس کے لئے بادل بلند کئے گئے اور اس سے کہا گیا کہ ان میں سے ایک کو پسند کرلو تو اس نے ان میں سے کالے کو پسند کیا، پس اس سے کہا گیا (یعنی ہاتف نے آواز دی) لو جلانے والے، باریک راکھ بنانے والے کو جو عاد میں سے کوئی بھی نہیں چھوڑے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ ان پر اس حلقہ کی مقدار یعنی انگوٹھی کے حلقہ سے زیادہ مقدار میں ہوا نہیں بھیجی گئی تھی پھر آپؐ نے پڑھی یہ آیت: "اذ ارسلنا الخ" یعنی یاد کرو جب بھیجی ہم نے ان پر بانجھ (نامبارک) ہوا، وہ نہ چھوڑتی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو چورا چورا

کر دی تھی۔

تشریح:۔قولہ: "وافد عاد" کہتے ہیں کہ اس وفد میں تقریباً ستر (۷۰) آدمی تھے لیکن قیل بن عنز اس کا امیر تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد عاد نامی قبیلہ مکہ مکرمہ کے جنوب میں بجانب یمن بڑی تیزی سے آباد ہوا تھا، یہ لوگ جسمانی حوالہ سے اور عمر کے اعتبار سے بہت دراز تھے، اپنے قد اور طاقت کی وجہ سے سرکش بھی زیادہ تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا لیکن انہوں نے ہدایت پر ضلالت وگمراہی کو ترجیح دی جس کی وجہ سے اللہ نے ان کی بارش روک دی حسب عادت انہوں نے یہ وفد مکہ مکرمہ بغرض استسقاء روانہ کیا، کعبہ اگر چہ طوفان کے بعد قائم نہ رہا تھا لیکن اس جگہ کا مقام معلوم تھا یعنی جبال مہرہ۔ قیل مکہ کے قریب پہنچ کر عاد کے ایک بھانجے بکر بن معاویہ یا معاویہ بن بکر (جوان عادیوں کا داماد بھی تھا) کے یہاں ٹھہرا، میزبان نے اپنی لونڈیوں کے گانوں اور شراب سے اس کی کئی دنوں تک تواضع کی، یہ لونڈیاں حسن وجمال اور آواز میں مشہور تھیں، ان کو جرادتان کہا جاتا تھا۔ جب کافی دن ہوگئے تو میزبان نے بتقاضائے حیاء ان سے جانے کا صراحتاً ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا، دوسری طرف اُسے اپنے ننھیال کی فکر بھی بے چین کر رہی تھی اس لئے اس نے اپنی لونڈیوں کو گانا سکھایا جس میں ان کو اپنے مقصد کی طرف متوجہ کیا گیا تھا چنانچہ یہ لوگ حرم کی طرف نکلے اور مذکورہ دعاء مانگی، اس پر تین بادل سامنے آئے، سفید، سُرخ اور کالا اس کو ایک کے منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا، انہوں نے کالا پسند کیا جس پر ہاتف نے پکار کر کہا کہ یہ تو تباہ کن ہے، بہرحال جب یہ بادل احقاف پہنچا تو عاد خوش ہو کر ایک دوسرے کو بارش کی خوشخبری دینے لگے مگر قریب آ کر وہ آندھی بن کر ان پر بجلی کی طرح حملہ آور ہوا اور پورے آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی، سب لوگ اکھڑی ہوئی کھجور کے تنوں کی طرح جگہ جگہ پڑے نظر آتے تھے۔

قولہ: "فذکرت عندہ" اوپر ترجمہ میں اس کو واحد متکلم کا صیغہ بنایا ہے لیکن یہ لفظ واحد مؤنث مجہول کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، علیٰ ہذا "وافد عاد" مفعول ثانی ہوگا اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ میری موجودگی میں عاد کے وفد کا ذکر کیا گیا۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو مختصر کیا ہے اور ربیعہ کے جس شخص سے یہ روایت ابووائل نے نقل کی ہے، اگلی روایت میں اس کا نام حارث بن یزید البکری نقل کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے "ویقال الحارث بن حسّان"۔ اس نمائندہ کا نام قیل تھا تاہم عارضہ میں ہے کہ قیل بادشاہ سے کم درجہ کے شخص کو بھی کہتے ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اس سے سابقہ امتوں کے قصوں کے بیان

کرنے کا جواز بھی معلوم ہوا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری شخص سے اس واقعہ کا حال پوچھا ہے، بشرطیکہ اس میں تحریف وتبدیلی سے بچا جائے۔ نیز کفار کی خبر متواتر کا مقبول ہونا بھی معلوم ہوا۔

قولہ: "فدخلتُ المسجد فاذا هو عارض" یعنی جب مسجد میں داخل ہوا تو وہ لوگوں سے بھری ہوئی تھی اور کالے رنگ کے جھنڈے لہرا رہے تھے اور حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ صحابہ نے بتایا کہ آپؐ عمرو بن عاصؓ کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں (یعنی غزوۂ ذات السلاسل)۔

ومن سورة الطور

سورتِ طور کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال إدبار النجوم الرکعتین قبل الفجر وأدبار السجود الرکعتین بعد المغرب" (غریب) واخرجه الحاکم وصحّحه ابن مردویه.

یعنی إدبار النجوم (ستاروں کے بعد) دو رکعتیں فجر سے پہلے (مراد ہیں) اور سجدوں کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد (کی سنتیں) مراد ہیں۔

تشریح:۔ یہ حدیث دراصل اس آیت کی تفسیر ہے "ومن اللیل فسبحه وإدبار النجوم" (طور آیت:۴۹) اور سورۂ ق کی آیت: ۴۰ "ومن اللیل فسبحه وأدبار السجود"۔ إدبار بکسر الہمزہ بمعنی ذہاب کے ہے یعنی ستاروں کے غائب ہونے کے بعد، علیٰ ھذا اس حدیث میں فجر اور مغرب کی سنتیں مراد ہوئیں۔ اس بارے میں حضرت مجاہدؒ کی رائے یہ ہے کہ مراد فرض نمازوں کے بعد تسبیحات ہیں، جبکہ ابن العربیؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ دونوں تسبیحات سے مراد فرض نمازیں ہیں یعنی فجر اور مغرب کی۔

ایک نسخہ میں "الرکعتان" ہے پس رکعتین ادبار النجوم کا بیان ہے اور رکعتان اس کی خبر ہے۔

ومن سورة النجم

سورتِ نجم کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن مسعود قال لَمّا بلغ رسول الله صلی الله علیه وسلم سِدرة المنتهیٰ قال:

انتهیٰ الیها مایُعرج من الارض ومایَنزل من فوق فاعطاه الله عندهاثلا ثاً لم یُعطِهِنّ نبیاً کان قبله فرضت علیه الصلوة خمساً واُعطِی خواتیم سورة البقرة وغُفِرَ لِاُمته المُقحِماتُ مالم یشرکوا بالله شیئاً قال ابن مسعود: "اِذیَغشَی السدرَةَ مایَغشیٰ" قال السدرة فی السماء السادسة ،قال سُفیان فِراش من ذهب واشار سفیان بیده فَاَرْعَدَهَا،وقال غیر مالک بن مِغوَل الیها ینتهی علمُ الخلقِ لاعلم لهم بمافوق ذالک". (حسن صحیح)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے (یعنی شب معراج میں)۔ابن مسعودؓ نے فرمایا (یعنی وجہ تسمیہ کے لئے) وہاں پر پہنچ کر رُک جاتی ہیں وہ چیزیں جو زمین سے چڑھتی ہیں اور جو چیزیں اوپر سے اُترتی ہیں (وہ بھی رُک جاتی ہیں) پس اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کے پاس تین چیزیں عطا فرمائی جو آپؐ سے پہلے اللہ نے کسی نبی کو نہیں دی تھیں۔ چنانچہ آپؐ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور عنایت ہوئیں آپؐ کو سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں اور آپؐ کی امت کے کبیرہ گناہ معاف کئے گئے بشرطیکہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

ابن مسعودؓ نے پڑھا: "اذیغشیَ السِدرَةَ مایغشیٰ" یعنی جب ڈھانپ رہی تھی بیری کا درخت وہ ڈھانپنے والی چیزیں ۔ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ سدرہ چھٹے آسمان میں ہے،سُفیان نے کہا (اسے ڈھانپنے والے) سونے کے پتنگے تھے،اور اس کے ساتھ سفیان بن عیینہ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرکے اس کو ہلایا (کہ وہ پروانے اس طرح اُڑ رہے ہیں) اور مالک بن مغول کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ اسی تک مخلوق کے علم کی رسائی ہوسکتی ہے، اس سے اوپر کا علم کوئی بھی نہیں رکھتا (یہ دوسری وجہ تسمیہ ہوگئی کہ اس پر مخلوق کا علم ختم ہوجاتا ہے)۔

تشریح:۔ابن مسعودؓ نے سدرۃ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ بتائی ہے کہ وہ چھٹے آسمان یعنی جنت میں ہے، تاہم مسلم کی روایت میں ساتویں آسمان کا ذکر ہے، لیکن اس کی تطبیق آسان ہے کہ اس کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں اور شاخیں ساتویں آسمان میں ہیں۔ یا پھر سابعہ والی روایت کو ترجیح دی جائے گی کہ اس کے راوی زیادہ ہیں۔ بہر حال یہ حدفاصل ہے، نیچے کی اشیاء وہاں جاکر رُک جاتی ہیں جیسے نیک اعمال، فرشتے اور صلحاء کی ارواح اور اوپر کی اشیاء جیسے احکام اور وحی بھی وہاں آکر موقوف ہوجاتی ہیں پھر اس سے حسب انتظام نیچے اُترتی ہیں ۔یاد رہے کہ اوپر اور نیچے کی اصطلاح ہمیں سمجھانے کے لئے ہے ورنہ حقیقی تحت اور فوق کی جو تعریف حکمائے

ن کی ہے وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ یہ مالک بن مغول کی مذکورہ سند کی بات ہے جبکہ دوسرے راوی سدرہ
یونان نے کی ہے وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ علم خلق کی وجہ سے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں، بہر حال سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کوئی بھی نہیں گزرا ہے سوائے
کو منتہائے علم خلق کی وجہ سے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں، بہر حال سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کوئی بھی نہیں گزرا ہے سوائے
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے، آپؐ صریف الاقلام سُننے کے مقام تک پہنچے ہیں۔

قولہ: "وغفر لامته المقحمات" مراد بعض امت ہے کیونکہ بعض عُصات کا عذاب ثابت ہے۔

مقحمات مُقحِم کی جمع ہے داخل کرنے والے کو کہتے ہیں، مراد کبیرہ گناہ ہیں کیونکہ وہ اپنی اصل خاصیت کی وجہ سے آدمی کو دوزخ میں داخل کرنے والے ہیں۔ قولہ: "اذیغشی السدرۃ مایغشی" "مایغشی" تعظیم و تکثیر کے لئے ہے یعنی ان پروانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کوئی گنتی ان کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ جہاں تک "فراش من ذھب" کا تعلق ہے تو اس کو ظاہر پر بھی حمل کیا جاسکتا ہے اور یہ صفائی اور خوبصورت میں تشبیہ بھی ہوسکتی ہے۔

حدیث آخر:۔ ابو اسحاق شیبانی نے کہا کہ میں نے زرّ بن حُبیش سے اس آیت کے متعلق پوچھا "فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ او ادنیٰ" "یعنی پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی بہت نزدیک۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ابن مسعودؓ نے خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا جبرئیلؑ کو اور ان کے چھ سو پَر تھے۔ (حسن صحیح غریب)

تشریح:۔ "فکان قاب قوسین" فکان کی ضمیر حضرت جبرئیلؑ کی طرف راجع ہے یعنی جب آپؐ کی ملاقات حضرت جبرئیلؑ سے، جبرئیلؑ کی اصلی صورت میں ہوئی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے نزدیک ہوئے کہ دونوں کے درمیان دو کمان سے بھی کم فرق رہ گیا تھا۔

قوس کمان کو کہتے ہیں جبکہ قاب لغت میں کمان کے سرے سے قبضہ (دستہ) تک کے فاصلہ کو کہتے ہیں، لیکن یہاں اس سے مراد مقدار ہے کیونکہ عربوں میں یہ عرف تھا کہ جب کوئی معاہدہ و مصالحت کرتے تو اپنے کمانوں کو باہم ملاتے، اس سے زیادہ قریب ہونے سے مراد انتقال حال ہے۔

بہر حال مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تبارک وتعالیٰ سے اتنا نزدیک ہونا مراد نہیں بلکہ حضرت جبرئیلؑ سے قرب مراد ہے جیسا کہ اگلی روایت میں ہے کہ آپؐ نے جبرئیلؑ کو اپنی اصلی ہیئت میں دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ ابتداء نبوت میں جیسا کہ بخاری کی تیسری حدیث میں ہے اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس شبِ معراج میں۔

حدیث آخر:۔ "عن الشعبی قال لَقِیَ ابن عباس کعبًا بِعَرفةَ فَسَاله عن شئی فَکَبَّرَ حتیٰ

جاوبته الجبال فقال ابن عباس :اِنَّابنوهاشم فقال كعب :ان الله قسم رؤيته وكلامه بين محمد وموسیٰ فكلم موسیٰ مرتين وراٰه محمدمرتين فقال مسروق فدخلتُ علیٰ عائشة فقلت: هل راٰی محمدربّه؟فقالت تكلمتَ بشیءٍ قَفَّ له شعری قلتُ رُویداً ثم قرأتُ" لقد راٰی مِن اٰیاتِ ربه الكُبریٰ" فقالت این یُذهَبُ بکَ انماهو جبرئیل،مَن اَخبَرَکَ ان محمداً راٰی ربه اوكتم شيئاً مِمَّااُمربه اويعلم الخمس التی قال الله:"ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث "فقداعظم الفرية ولٰكنه راٰی جبرئيل لم يره فی صورته اِلّامرّتين مرة عند سدرة المنتهیٰ ومرة فی جيادله سِتُّ مائة جناح قدسَدّ الافُق".

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی کعب احبار سے عرفات میں ملاقات ہوئی تو ابن عباسؓ نے کعب سے کوئی بات پوچھی (شاید رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق سوال کیا ہو) تو کعب نے اتنی زور سے تکبیر کہی کہ پہاڑوں نے ان کو جواب دیا (یعنی گونجنے لگے) پس ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم بنو ہاشم ہیں (یعنی ہم اہل علم واہلِ معرفت اور شجاع ہیں لہٰذا آپ جذباتی نہ ہوں بلکہ میرا سوال ایک علمی سوچ پر مبنی ہے لہٰذا آپ سوچ سمجھ کر جواب دیں، چنانچہ کعب نے سوچا اور) کہا کعب نے کہ بے شک اللہ نے تقسیم کیا ہے اپنا دیدار اور کلام محمد اور موسیٰ پر، چنانچہ اللہ نے موسیٰ سے دو مرتبہ گفتگو فرمائی ہے اور محمد نے اللہ کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔

پس مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اور میں نے عرض کیا، کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟؟ وہ فرمانے لگیں تم نے ایسی بات کی جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے!!! میں نے عرض کیا کہ ذرا رُکیے!!! پھر میں نے پڑھا: ''لقد راٰی من اٰیات ربه الكبریٰ ''یعنی حضرت نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ہیں۔ (جن میں گویا رؤیت بھی شامل ہے) انہوں نے فرمایا تجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ جن کو دیکھا وہ تو جبرئیلؑ تھے۔ جس نے تجھے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا بتایا کہ آپؐ نے چھپائی کوئی چیز اس میں سے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے یا آپؐ وہ پانچ چیزیں جانتے تھے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: ''ان الله عنده علم الساعة الخ '' (بے شک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش برساتا ہے ....)، تو اس نے جھوٹ باندھا۔ دراصل آپؐ نے جبرئیلؑ کو دیکھا ہے، آپ نے جبرئیلؑ کو اصلی صورت میں سوائے دو مرتبہ کے کبھی نہیں دیکھا ہے، ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (شب معراج میں) اور ایک بار مقامِ جیاد میں درانحالیکہ حضرت جبرئیلؑ کے چھ سو پَر تھے اور بھر دیا تھا انہوں نے آسمان کے

کناروں کو۔

تشریح:۔ بظاہر ابن عباسؓ اس کے قائل تھے کہ آپؐ نے شبِ معراج میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کیا ہے تاہم ان سے دوسرا قول رؤیت قلبی کا ہے اور وہی صحیح ہے، یہ روایت آنے والی ہے۔ جبکہ حضرت عائشہؓ اس کی نفی کرتی ہیں یعنی بصری کی۔ کعب الاحبار نے بھی گویا ابن عباسؓ سے رؤیت کا اثبات سُن کر تعجباً اللہ اکبر کہا مگر پھر اس سے رجوع کیا، اس گفتگو کے دوران حضرت مسروق بھی موجود تھے، انہوں نے جاکر حضرت عائشہؓ سے پوچھا تو انہوں نے مذکورہ تفسیر فرمائی۔ باقی حدیث سورتِ انعام کی تفسیر میں گزری ہے۔ وہاں پر مسروق نے استدلال میں جو آیت پڑھی ہے وہ یہ ہے "**ولقد راٰہ نزلۃ اُخریٰ..... ولقد راٰہ بالافق المبین**" اور وہی روایت صحیح لگتی ہے کیونکہ یہاں پر جو آیت استدلال میں نقل کی گئی ہے اس سے استدلال واضح نہیں ہے۔

قولہ: "جیاد" زیرین مکہ میں ایک جگہ کا نام ہے، یعنی ابتداءِ نبوت میں آپؐ نے جبرئیلؑ کو جیاد مکہ میں دیکھا تھا۔ مشکوۃ میں اَجیاد بھی آیا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا، میں نے کہا کیا اللہ نے نہیں فرمایا ہے کہ "**لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار**" اس کو نگاہیں نہیں پاسکتی ہیں اور وہ آنکھوں کو پاتا ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا ہلاک ہوجاؤ گے! یہ (عدم ادراک) اس وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اس نور کے ساتھ تجلّی فرمائے جو اس کا ہی نور ہے، تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ ابن عباسؓ کی اس آیت میں تاویل کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نورانی حجاب کے ساتھ ہو تو رؤیت ہوسکتی ہے اور جو رؤیت نہیں ہوسکتی وہ اس وقت ہے جب نورانی حجاب اٹھالیا جائے اور محض ذات کی تجلّیات ظاہر ہوجائیں تو پھر کوئی آنکھ دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ واللہ اعلم

اس آیت کا دوسرا مطلب شرح عقائد میں بیان کیا گیا ہے یعنی آنکھیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کرسکتی ہیں۔ غرض اس سے نفس رؤیت کی نفی پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں یا تو عین ذات کی رؤیت کی نفی مراد ہے یا احاطۂ ذات کی نفی مراد ہے، جہاں تک نفس رؤیت کا تعلق ہے تو وہ دوسری نصوص سے ثابت ہے، تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کو شبِ معراج میں دیکھنا اختلافی ہے لیکن آخرت میں مؤمنین اللہ کو دیکھیں گے البتہ دیکھنے

کی کیفیت کیا ہوگی؟ ذات محضہ کی رؤیت ہوگی یا نورانی حجاب کے ساتھ دیدار ہوگا؟ یہ صرف اللہ جانتا ہے علاوہ
اہل السنۃ والجماعۃ کے اس بارے میں دونوں قول ہیں، معتزلہ اُخروی رؤیت کے بھی منکر ہیں۔
شرح عقائد میں شب معراج میں رؤیت کے بارے میں علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ
رؤیت قلبی تھی، اگلی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباسؓ (قال) "ماکذب الفؤاد مارای "قال رآہ بقلبہ". (حدیث حسن)

حضرت ابن عباسؓ نے آیت "ماکذب الفؤاد مارای " پڑھی، یعنی قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپؐ نے اپنے رب کو اپنے دل (کی آنکھوں) سے دیکھا ہے۔
یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کے قلب اطہر میں رؤیت کی صلاحیت پیدا فرمائی اور آپؐ نے اسی صلاحیت کے ذریعہ اللہ کا دیدار کیا، اس پر حضرت ابن عباسؓ کی مطلق روایت کو حمل کیا جائے گا۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے ابوذرؓ سے عرض کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تو میں آپؐ سے ضرور پوچھتا، ابوذرؓ نے فرمایا تم آپؐ سے کیا پوچھتے؟ میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے پوچھتا، کیا محمد نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو ابوذرؓ نے فرمایا میں نے آپؐ سے یہ پوچھا تھا، آپ نے فرمایا "نورانی أراہ"۔ (حسن)

تشریح:۔ **قولہ:** "نورانی أراہ" یہ جملہ دو طرح پڑھا جاسکتا ہے: ایک یہ کہ نُورانِیٌّ بفتح الراء وکسر النون وتشدید الیاء ہے اور أراہ بفتح الہمزہ۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ نورانی ذات ہے میں نے اس کو دیکھا ہے۔ یا دوسرا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ میں اسے دیکھ سکتا تھا؟ یعنی بمعنی استفہام انکاری کے۔ دونوں احتمال موجود ہیں۔
دوسری قرأت اس میں یہ ہے کہ نُورٌ الگ لفظ ہے اور أنّی بفتح الہمزۃ وتشدید النون المفتوحہ استفہام بمعنی نفی ہے یعنی میں کہاں دیکھ سکتا تھا؟ کیونکہ دیکھنے کے لئے روشنی کی خاص مقدار شرط ہے جو چار سو نینو میٹر سے ساڑھے سات سو نینو میٹر کے درمیان ہو جبکہ اس سے زیادہ کا نور دیکھنے سے مانع ہے، مسلم میں ہے کہ "رأیتُ نُوراً" اس سے بھی نفی معلوم ہوتی ہے یعنی میں نے ایک تجلاّ دیکھا ہے یعنی اللہ کے دیدار سے ایک نور کا حجاب مانع ہے۔ اور قیامت کے دن اللہ کا دیدار قطعی ہے مع الحجاب یا بغیر حجاب کے اس میں اختلاف ہے والمسئلۃ مشکلۃ جداً۔

حدیث آخر:۔ "عن عبداللّٰہ "ما کذب الفؤاد ما رای" قال رای رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، جبرئیل فی حلۃ من رَفرف قد ملأما بین السماء والأرض". (حسن صحیح)

حضرت ابن مسعودؓ نے اس آیت "ما کذب الفؤاد ما رای" کے بارے میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ کو سبز باریک ریشم کے جوڑے میں دیکھا، تحقیق انہوں نے آسمان اور زمین کے درمیان (افق اور کنارے) کو بھر دیا تھا (یعنی عظمتِ وجود کی بناء پر)۔

اس روایت کے مطابق مندرجہ بالا آیت سے دیدار خداوندی پر استدلال درست نہیں کیونکہ "ما رای" سے مراد جبرئیلؑ کی رؤیت ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباسؓ "الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم" قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان تغفر لھم تغفر جماً، وای عبد لک، لا الما. (حسن صحیح غریب)

حضرت ابن عباسؓ نے آیت "الذین یجتنبون الخ" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بخشتا ہے تو اے پروردگار! تو بخش دے سب گناہوں کو اور کون سا بندہ تیرا ایسا ہے جو آلودہ نہ ہوا ہو گناہوں میں۔

تشریح:۔ پوری آیت اس طرح ہے "وَلِلّٰہ ما فی السموٰت وما فی الارض لیجزی الذین اَساؤا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحُسنیٰ الذین یجتنبون کبائر الاثم الخ" یعنی اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے بُرائی والوں کو ان کے اعمال کا، اور بدلے دے بھلائی والوں کو بھلائی سے، جو بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی الخ۔

قولہ: "جَمّا" بفتح الجیم وتشدید المیم بمعنیٰ کثیر کے۔ قولہ: "اَلَمّا" لَمْ بمعنیٰ نزل کے آتا ہے، لَمم کے ارتکاب کے لئے بولا جاتا ہے لَمم صغائر ہیں جبکہ بعض حضرا۔ لَمم ذرائع کو کہتے ہیں جیسے قُبلہ، لمس اور نظر وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار! بخشنا تو تیری شان ہے تو پھر سب ہی گناہ بخش دے صغائر بھی کیونکہ تیرا کون سا بندہ ایسا ہے جو صغائر سے بچ سکے (سوائے معصومین کے)۔ دوسرا مطلب حاشیہ پر دیا ہے یعنی تیری شایانِ شان زیادہ گناہوں کی بخشش ہے، صغائر تیری طرف منسوب نہیں۔ صغائر سے اجتناب کبائر کے عفو کے لئے شرط نہیں لہٰذا "اِلّا اللمم" کا استثنیٰ منقطع ہے یعنی آلودگی مستثنیٰ ہے۔ اس پر بحث گزری ہے۔

ومن سورة القمر

سورۃ قمر کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن مسعودؓ قال بینمانحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بِمِنىً فانشق القمرُ فِلقَتينِ ،فِلقَةٌ مِن وراء الجبل وفِلقَةٌ دُونَه فقال لنارسول الله:اشهدوا يعنی "اقتربت الساعة وانشق القمر". (حسن صحیح)

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دریں اثناء کہ ہم منیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ چاند کے دوٹکڑے ہوگئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ سے اس (ہماری) جانب رہا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا گواہ رہو! یعنی کہ قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

تشریح:۔ انشقاقِ قمر پر بہت زیادہ روایات ناطق ہیں، امام ترمذیؒ نے بھی یہاں متعدد احادیث جمع کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے العرف الشذی میں فرمایا ہے کہ امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں بہت ساری احادیث کی تخریج کی ہے اور یہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کی طرف اس سے انکار کی نسبت غلط فہمی پرمبنی ہے، فلیراجع۔

حضرت انسؓ کی روایت میں مرتین سے مراد دومرتبہ انشقاق نہیں بلکہ دوٹکڑے مراد ہیں، اور "سحرٌ مستمرٌ" کے معنی ذاھب کے ہیں یعنی جب مشرکین نے یہ منظر دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ سحر ہے جوخود بخود ختم ہوجائے گا، بعض نے بمعنی دائم کے لیا ہے، یعنی یہ بھی سحر کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے (کیونکہ وہ آپؐ کے معجزات کو سحر کا تسلسل کہتے تھے)۔

قولہ:"لَئِن كان سحرنافمايستطيع ان يسحرالناس كلهم" یعنی جب لوگوں نے اس معجزہ کو جادوگردانتے کی مذموم کوشش کی تو بعض منصف مزاج لوگوں نے کہا کہ اگر یہ جادو ہوگا تو اس کا اثر ہم اہل مکہ پر تو ہوسکتا ہے لیکن سارے لوگوں پر تو نہیں ہوسکتا لہٰذا جب مسافر آجائیں تو ان سے پوچھو! کیونکہ سحر کا اثر ساری دنیا پر تو نہیں ہوسکتا کہ وہ بہت محدود سبب ہے خصوصاً نظر بندی کا دائرہ صرف حاضرین مجلس تک محدود ہوتا ہے، چنانچہ جب مسافروں سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا اقرار کیا۔ قیامت چونکہ اس کائنات کا سب سے بڑا حادثہ ہے اس لیے اس کی علامات بہت پہلے سے شروع ہوجاتی ہیں۔ انشقاق القمر کے لئے امام ترمذیؒ نے

ابواب الفتن میں مستقل باب قائم کیا ہے، وَقَدْ مَرَّ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ابواب القدر کی آخری حدیث کے طور پر گزری ہے، فلا نعیدہ۔

ومن سورة الرحمن

سورتِ رحمٰن کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن جابر قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم علىٰ اصحابه فقرأعليهم سورة الرحمن من اولهاالىٰ اخرهافسكتوافقال: لقد قرأتُهاعلى الجن ليلة الجن فكانوااَحسن مردوداًمنكم كنتُ كُلَّمااتيتُ على قوله "فبأىّ الآء ربكماتكذبان" قالوالابشىء من نعمك ربّنانكذّبُ فلكَ الحمد". (غريب)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی طرف نکلے اوران کے آگے سورتِ رحمٰن اول سے آخرتک پڑھی اورصحابہ کرامؓ چپ رہے، تب آپؐ نے فرمایامیں نے لیلۃ الجن میں یہ سورت جنوں کوسُنائی تووہ آپ کی نسبت اچھاجواب دینے والے تھے، چنانچہ میں جب بھی اس آیت کو پہنچتا "فبأى آلاء الخ" پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کوجھٹلاؤگے؟ تووہ کہتے تھے اے ہمارے رب! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیزکونہیں جھٹلاتے ہیں اورسب ہی تعریفیں تیرے لئے ہیں۔

تشریح:۔ چونکہ سورۃ الرحمٰن میں انسانوں کی طرح جنات کوبھی براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے اس لئے آپؐ نے ان کوبھی یہ سورت سُنائی اورآپؐ نے اُن کاجواب پسندکیا، اس سے اس جواب کامستحب ہونامعلوم ہوااورصحابہ کرامؓ نے جوسکوت اختیارکیاوہ بھی حسن تھالیکن جنات کاجواب احسن تھا۔

ومن سورة الواقعة

سورتِ واقعہ کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يقول الله اعددتُ لِعبادى الصالحين مالاعين رأت ولاأذن سمعت ولاخطرعلى قلب بشرفاقرء وا ان شئتم". (حسن صحيح)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا ہے۔ (آپؐ نے فرمایا) تمہارا جی چاہے تو پڑھ لو "فلا تعلم نفس الخ" حدیث کے تینوں حصے پیچھے گزرے ہیں، پہلا حصہ سورۃ السجدہ میں...."وفی الجنة شجرة الخ" "باب صفة شجر الجنة، من ابواب صفة الجنة میں" وموضع سوط الخ "سورت آل عمران میں۔

قولہ: "وظل ممدود وماء مسکوب" لمبے سایہ سے مراد آرام وراحت بھی ہوسکتا ہے اور یہ درختوں کے سایے بھی، جو صبح طلوع شمس سے پہلے کا موسم ظاہر کرے گا اور مسکوب بمعنی بہایا گیا۔ یعنی وہ جہاں چاہیں گے جنت کے چشمے وہیں پر ان کے لئے بہا دیئے جائیں گے۔ ابوسعید خدریؓ کی حدیث "باب صفة ثیاب اہل الجنة" من ابواب صفة الجنة میں گزری ہے۔

حدیث علیؓ:۔ "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "وتجعلون رزقكم انكم تكذبون" قال شكركم تقولون مُطرنا بنوء كذا وكذا وبنجم كذا وكذا". (حسن غریب)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "وتجعلون رزقكم الخ" "یعنی ٹھہراتے ہو تم اپنا رزق یہ کہ جھٹلاتے رہتے ہو، (اس کی تفسیر میں) آپؐ نے فرمایا یعنی ٹھہراتے ہو اپنے رزق کا شکر یہ کہ تم کہتے ہو بارش ہوئی ہم پر فلاں ستارے کے اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے اور فلاں ستارے کی وجہ سے۔

تشریح:۔ یعنی ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تم لوگ اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اللہ کا انعام قرار دے کر اس کا شکر ادا کرتے لیکن تم نے اس کا شکر یہی ٹھہرایا ہے کہ تم اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہو، کیونکہ بارش وغیرہ کوئی بھی چیز جب غیر اللہ یعنی مخلوق کی طرف منسوب کی جائے گی تو یہ بے محل نسبت ہوگی جو سراسر جھوٹ ہے اور اللہ کی نعمت کی ناشکری بھی ہے۔ نوء کی تفسیر پہلے گزری ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في قوله "انا انشاناهن انشاءً" قال ان من المُنشآت اللاتي كن في الدنيا عجائز عُمشاً رُمصاً". (غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے متعلق فرمایا "انا انشاناهن الخ" (بے شک ہم نے بنایا ان عورتوں کو نئی اُٹھان)، کہ بے شک نئی اٹھان والی عورتوں میں سے وہ عورتیں بھی ہیں جو دنیا میں بوڑھی چندی اور دھندھی تھیں یعنی جن کی نظر کمزور اور وہ آشوب چشم تھیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! آپ بوڑھے ہوگئے (یعنی آپ کے بال سفید ہونے لگے) آپؐ نے فرمایا مجھے سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور "اذالشمس کورت" نے بوڑھا کردیا۔ (حسن غریب)

قولہ: "شیب" بالوں کے سفید ہونے کو کہتے ہیں۔ آپؐ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ ان سورتوں کے مضامین بھاری ذمہ داریوں اور ہولنا کیوں پر مشتمل ہیں اس لئے اُمت کی فکرمندی کا ایک بھاری بوجھ کندھوں پر آپڑا ہے جس کی وجہ سے بال جلد سفید ہونا شروع ہوگئے ہیں۔

ومن سورة الحديد

سورتِ حدید کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی هريرة قال بينمانبیُ الله صلی الله عليه وسلم جالِسٌ واصحابُه اذاَتیٰ عليهم سحاب فقال نبی الله صلی الله عليه وسلم هل تدرون ماهذا؟قالوا الله ورسوله اعلم قال هذا العَنَانُ هذه رَوَايَاالارض يسوقه الله الی قوم لايشكرونه ولايدعُونه ثم قال هل تدرون ما فوقكم؟ قالوا الله ورسوله اعلم قال فانهاالرّقِيع سقفٌ محفوظٌ وموج مكفوف ثم قال :هل تدرون كم بينكم وبينها؟قالوا الله ورسوله اعلم قال بينكم وبينهاخمس مائة سنة ثم قال:هل تدرون مافوق ذالک؟قالوا الله ورسوله اعلم قال فان فوق ذالک سَمَائين مابينهمامسيرة خمسمائة عام.... حتیٰ عَدَّ سبع سموات مابين كل سَمَائين مابين السماء والارض ثم قال هل تدرون مافوق ذالک؟ قالوا الله ورسوله اعلم قال فان فوق ذالک العرش وبينه وبين السماء بُعدمابين السمائين.....ثم قال هل تدرون ماالذی تحتكم؟قالوا الله ورسوله اعلم قال فانهاالارض ثم قال :هل تدرون ماالذی تحت ذالک قالوا الله ورسوله اعلم قال: فان تحتها ارضاً اُخریٰ بينهمامسيرة خمسمائة سنة حتیٰ عدَّ سبع ارضين بين كل ارضينِ مسيرةُ خمسمائة سنة ثم قال والذی نفس محمدبيده لوانكم دَلَّيتُم بِحبل الی الارض السُفلیٰ لَهَبطَ علی الله ثم قرأ"هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهوبكل شیء عليم".
(غريب)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں دریں اثناء کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیٹھے تھے۔
اچانک ان پر ایک بادل آیا، پس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ نے
جواب میں کہا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا یہ عنان (نمایاں اور ظاہر ہونے والا
بادل) ہے اور یہ زمین کو پانی پلانے والے اُونٹوں (کی مانند) ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ہانکتا ہے اپنے قوم
کی طرف جو اس کا شکر بجا نہیں لاتے ہیں اور نہ اس سے (بارش کی) دعاء مانگتے ہیں، پھر آپؐ نے فرمایا تم
جانتے ہو کہ تمہارے اوپر کیا چیز ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا یہ رقیع
(آسمان) ہے، (جنوں سے) محفوظ چھت ہے اور روکی گئی موج ہے، پھر آپؐ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ تمہارے
اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا۔
تمہارے اور اس کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے (یعنی خلائی رفتار سے)۔ پھر آپؐ نے پوچھا کیا جانتے
ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا بے شک
اس کے اوپر دو آسمان (اور) ہیں جن کے درمیان پانچ سو سالہ مسافت ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے سات آسمان
گنے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی ہی مسافت ہے جتنی (نچلے) آسمان اور زمین کے مابین ہے، پھر آپؐ نے
پوچھا کیا جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے
فرمایا اس کے اوپر عرش ہے اور اس کے اور (بالائی) آسمان کے درمیان اتنی ہی مسافت ہے جتنی دو آسمانوں کے
درمیان ہے، پھر آپؐ نے پوچھا کیا جانتے ہو کہ تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول
بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا یہ زمین ہے پھر آپؐ نے پوچھا کیا جانتے ہو اس کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض
کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا اس کے نیچے ایک اور زمین ہے دونوں (زمینوں)
کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہے، یہاں تک کہ آپؐ نے سات زمینیں گنیں اور یہ کہ ہر دو زمینوں کے مابین
پانچ سو برس کا فاصلہ ہے، پھر آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اگر تم ایک رسی
لٹکاؤ اسی نیچے کی زمین کی طرف تو وہ اُترے گی اللہ تعالیٰ پر، پھر آپؐ نے پڑھی (سورۃ حدید کی) یہ آیت
"ھو الاول والاخر" آخر تک۔

تشریح:۔ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سات زمینوں سے مراد سات طبقات الارض ہیں، اگر
ترمذی کی اس حدیث کو ظاہر پر حمل کیا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اسی خلاء میں چھ زمینیں ہماری زمین کے علاوہ

ہیں، اور یہ کوئی مستبعد نہیں کیونکہ آج کل ماہرین نے تسلیم کیا ہے کہ اس خلاء میں بے شمار نظام موجود ہیں کوئی ثنی ہے اور کوئی مثلث اور کوئی مربع وغیرہ، یعنی ہماری کہکشاں کے علاوہ دو، دو، تین، تین اور چار، چار وغیرہ بہت سارے سیارے گردش میں ہیں تو عین ممکن ہے کہ ہماری زمین کی طرح دیگر سیارات بھی موجود ہوں لیکن ہماری کہکشاں سے باہر ہونے کی وجہ سے اب تک دوربین کی آنکھ کے ادراک سے خارج ہوں۔ راقم نے اس کو نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ "راہِ معرفت اور جغرافیہ" میں بیان کیا ہے۔

قولہ: "لَهَبَطَ على الله" ای علی علم الله وقدرته، مطلب یہ ہے کہ کوئی جہت اور کوئی سمت اللہ کے علم اور قدرت اور عظیم سلطنت سے خالی نہیں، کوئی بھی چیز جس کنارے کی طرف بھی جانے کی کوشش کرے وہ بالآخر اسی طرح اللہ کے علم وقدرت میں ہوگی جیسے حرکت سے پہلے تھی۔ "**ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا**"۔

ومن سورة المجادلة

سورتِ مجادلہ کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن سلمة بن صخر الانصاری قال کنتُ رجلاً قداُوتیتُ من جماع النساء لم یُؤتَ غیری فلمادخل رمضان تظاهرتُ من امرأتی حتیٰ یَنْسَلِخَ رمضان فَرَقاً من ان اُصِیبَ منهافی لیلی فَاَتَتَابع فی ذالک الی ان یدرکنی النهار وانالااقدران اَنْزِعَ فبینماهی تخدِمُنی ذات لیلة اِنْکَشَفَ لی منهاشیء فَوَثَبْتُ علیهافلمااصبحتُ غدوتُ علیٰ قومی فاخبرتهم خبری فقلتُ اِنطلقوامعی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فَاُخْبِره بامری فقالوا: لاوالله لانفعل نَتَخَوَّفُ ان ینزل فینا قرآن.... اویقول رسول الله صلی الله علیه وسلم مقالة یبقیٰ علینا عارُهاولٰکن اذهب انت فاصنع مابدالک قال فخرجتُ فاتیتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم فاخبرته خبری فقال انت بذاک؟ قلتُ انابذاک قال انت بذاک قلتُ انا بذاک قال انت بذاک؟ قلتُ انابذاک وَهَااَنَاذافَامضِ فِیَّ حکمَ الله فانی صَابِرٌ لِذالک قال اعتق رقبةً قال فضربتُ صفحة عُنُقِی بیدی فقلت لاوالذی بَعَثَکَ بالحق ما اصبحتُ املک غیرَهاقال فصم شهرین قلتُ یارسول الله وهل اصابنی مااصابنی اَلّافی الصیام قال

فاطعم ستين مسكيناً قلت والذي بعثك بالحق لقد بتنا ليلتنا هذه وحشى مالنا من عشاء قال اذهب الى صاحب صدقة بني زُرَيْقٍ فقل له فليدفعها اليك فاطعم عنك منها وسقاً ستين مسكيناً ثم استعن بسائره عليك و على عيالك قال فرجعتُ الى قومي فقلتُ وجدتُ عندكم الضيق وسوء الرأى ووجدتُ عند رسول الله صلى الله عليه وسلم السعة والبركة أمَرَلي بصدقتكم فادفعوها اِليّ فدفعوها اِليّ". (حسن)

حضرت سلمہ بن صخر الانصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسا مرد تھا کہ مجھے عورتوں سے جماع کرنے کی وہ طاقت دی گئی تھی جو میرے سوا کسی کو نہیں دی گئی تھی، پس جب رمضان آیا تو میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا یہاں تک کہ رمضان گزر جائے (یعنی صرف رمضان کے لئے)، اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ اگر کہیں شروع کروں میں اس سے جماع رات کو تو میں مسلسل لگا رہوں گا اس میں یہاں تک کہ مجھے دن پالے (یعنی صبح ہونے تک) اور نہ ہو سکے گا مجھ سے کہ میں چھوڑوں اس کو۔ چنانچہ (ایسا کرنے کے بعد) اسی اثناء میں کہ وہ میری خدمت کر رہی تھی ایک رات کہ اچانک میرے سامنے اس کی کوئی چیز (پازیب) کھل گئی تو میں یکا یک اس کی طرف لپک گیا (یعنی ہمبستر ہوا) پس جب صبح ہوئی تو میں سویرے سویرے اپنی قوم کے پاس آیا اور ان کو اپنے حال کی خبر دی اور میں نے کہا کہ میرے ساتھ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، تا کہ میں آپؐ کو اپنا واقعہ بتاؤں، تو ان لوگوں نے کہا ہرگز نہیں بخدا ہم ایسا نہیں کر سکتے، ہم ڈرتے ہیں کہ ہمارے بارے میں قرآن (کی وعید) نازل ہو یا فرمادیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات کہ اس کی عار باقی رہے ہم پر، لیکن تم خود ہی جاؤ اور جو مناسب لگے وہ کرو! حضرت سلمہ فرماتے ہیں پھر میں نکلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بات آپؐ کو بتلا دی، پس آپؐ نے فرمایا: تم ہی نے ایسا کیا؟ میں نے کہا میں نے ہی ایسا کیا ہے (تین مرتبہ سوال وجواب ہوا)، میں نے کہا میں نے ایسا کیا ہے اور میں یہ حاضر ہوں مجھ پر اللہ کا حکم جاری کیجئے، میں اس پر صبر کروں گا، آپؐ نے فرمایا ایک گردن (غلام) آزاد کرو سلمہؓ کہتے ہیں میں نے اپنی گردن کے چنبر پر ہاتھ مارا اور عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس گردن کے سوا کسی (غلام) کا مالک نہیں ہوں، آپؐ نے فرمایا تو دو ماہ کے (پے در پے) روزے رکھو! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے یہ مصیبت جو پہنچی ہے روزوں ہی میں تو پہنچی ہے (یعنی جب ایک ماہ برداشت نہ کر سکا تو دو ماہ کیسے برداشت کروں گا)، آپؐ نے فرمایا پھر کھلا دے ساٹھ مسکینوں کو! میں نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ

کودین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ ہم نے خود یہ رات بھوک کے عالم میں گذاری ہے، ہمارے پاس رات کا کھانا نہ تھا آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ بنوزُریق کے صدقات کے تحصیلدار کے پاس اور اس سے کہو کہ وہ تمہیں صدقہ دے، پس تم اپنی طرف سے اس میں سے ایک وسق (۶۰ صاع) غریبوں کو کھلاؤ اور باقی جو بچے اُسے اپنے اور اپنے بال بچوں پر خرچ کرو! حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی طرف لوٹا اور کہا میں نے کہ پائی تھی میں نے تمہارے پاس تنگی اور بُری تجویز اور پائی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کشادگی اور برکت۔ آپؐ نے میرے لئے آپ لوگوں کے صدقات کا حکم دیا ہے پس تم مجھے وہ دو! پس انہوں نے مجھے وہ دیئے۔

تشریح:۔ ظہار سے متعلق ابواب الطلاق میں گزری ہے۔ قوله: "فَرَقاً" ای خوفاً۔
قوله: "فوثبتُ" یعنی میں کودا، کنایہ ہے بلا تاخیر جماع کرنے سے۔ قوله: "وحشیٰ" ای جائعاً یعنی بغیر کھانے کے ہم نے رات گذاری۔ قوله: "قول الترمذی قال محمد الخ" یعنی امام بخاری نے اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے، اور بعض نے سلمہ کے بجائے سلمان بن صخر کہا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن قتادة نا انس بن مالک ان یهودیاً اَتَیٰ علی نبی الله صلی الله علیه وسلم واصحابه فقال السام علیکم فَرَدَّ علیه القوم فقال نبی الله صلی الله علیه وسلم: هل تدرون ما قال هذا؟ قالوا الله ورسوله اعلم. سَلَّمَ یانبی الله! قال "لا" ولکنه قال کذا وکذا رُدُّوه علَیَّ فَرَدُّوه فقالَ قلتَ السام علیکم؟ قال نعم! قال نبی الله صلی الله علیه وسلم عند ذالک: اذا سَلَّمَ علیکم احدمن اهل الکتاب فقولوا علیک ماقلتَ قال "واذاجاءُ وک حیُّوک بمالم یحیِّک به الله". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کے پاس آیا اور کہا السام علیکم! تو لوگوں نے اس کو جواب دیا (یعنی وعلیکم السلام کہا)، تب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا الله ورسوله اعلم تاہم اس نے سلام کیا ہے آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ اس نے ایسا ویسا کہا۔ اس کو میرے پاس لاؤ! چنانچہ صحابہؓ نے اسے واپس بُلایا تو آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تم نے السام علیکم کہا تھا؟ اس نے کہا "ہاں" نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب اہل کتاب میں سے کوئی ایک تمہیں سلام کرے تو تم جواباً کہو "علیک ماقلت" یعنی تیرے لئے بھی ویسا ہی ہو جو تم نے کہا ہے اور آپؐ نے پڑھی یہ آیت: "واذاجاؤک الخ" اور جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے

الفاظ سے سلام کرتے ہیں کہ جن سے اللہ نے آپ کو دعا نہیں دی ہے۔

تشریح:۔ قوله: "السام علیک" سام موت کو کہتے ہیں، یہ دراصل بددعا تھی لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مکاری کو سمجھ گئے۔ سلام کی تفصیل ابواب الاستیذان میں گزری ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن علی بن ابی طالب قال لمانزلت "یاایھا الذین امنو اذاناجیتم الرسول فقدّموا بین یدی نجوٰکم صدقة" قال لی النبی صلی اللہ علیه وسلم: ماتریٰ دینارًا؟ قلت لایطیقونه قال فنصف دینار؟ قلت لایطیقونه قال فکم؟ قلتُ شعیرة قال انکَ لَزھید! قال فنزلت: "أأشفقتم ان تقدّموا بین یَدَیْ نجوٰکم صدقات" الاٰیة قال فَبِیَ خَفَّفَ اللہ عن ھذہ الامة". (حسن غریب)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب اُتری یہ آیت: "یاایھا الذین امنو اذاناجیتم الخ" "اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو۔ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا (یعنی بطورِ مشورہ) آپ کی کیا رائے ہے؟ ایک دینار تجویز کیا جائے؟ (یعنی آیت میں جس کا حکم ہے)، میں نے عرض کیا کہ لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے، آپؐ نے فرمایا پھر آدھا دینار؟ میں نے عرض کیا وہ نہیں دے سکیں گے، آپؐ نے فرمایا تو پھر کتنا ہونا چاہئے؟ میں نے کہا ایک جو (کے دانے کے برابر)، آپؐ نے فرمایا بے شک تم بہت ہی کمی کرنے والے ہو (یعنی تم زاہد ہو اس لئے اتنی کم مقدار مقرر کر رہے ہو اور نصف دینار کو بھی ناقابل برداشت کہتے ہو) حضرت علیؓ فرماتے ہیں چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی "أأشفقتم ان تقدّموا الخ" کیا تم ڈر گئے کہ اپنی سرگوشیوں سے قبل کچھ صدقات پیش کرو۔ الآیۃ، حضرت علیؓ فرماتے ہیں پس میری ہی وجہ سے اللہ نے اس امت سے تخفیف کردی۔

تشریح:۔ چونکہ بعض منافقین آپؐ کے پاس بار بار آکر سرگوشی کا تأثر دے کر آپؐ کے پاس بیٹھتے جس سے آپؐ کا وقت بھی ضائع ہوتا اور تکلیف بھی ہونے لگی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مفت کی سرگوشیوں پر پابندی لگادی اور مذکورہ بالا پہلی آیت نازل ہوئی، تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت علیؓ پیسے لے کر آپؐ کے پاس گئے اور دس سوالات پوچھنے کے لئے دس صدقات دیئے، یہ سوالات مع الجوابات تفسیر خازن میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث کے مطابق آپؐ نے صدقہ مقرر کرنے کا مشورہ طلب کیا مگر حضرت علیؓ نے اتنی قلیل مقدار کا مشورہ دیا کہ اس سے پابندی کا مقصد ہی گویا فوت ہو رہا تھا کیونکہ ایک شعیرہ جو کی مقدار کے سونے کو کہتے

ہیں جو آج کل تقریباً آدھا گرام بنتا ہے، چونکہ صحابہ کا رائج سکہ سونا ہی تھا اس لئے یہ مقدار کم تھی چنانچہ اس مشورہ کی بدولت اللہ نے تخفیف فرما کر سابقہ حکم منسوخ کر دیا۔

ومن سورة الحشر

سورتِ حشر کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عمر قال حرّق رسول الله صلى الله عليه وسلم نخل بنى النضير وقطع وهى البُوَيرَة فانزل الله "ماقطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله وليجزى الفاسقين". (حسن صحيح)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے کھجوروں کے درختوں کو جلا دیا تھا اور کاٹ دیا تھا اور یہ وہی بُوَیرَہ مقام (کا نخلستان) تھا، پس اللہ نے نازل فرمایا: "ماقطعتم من لينة الخ "جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو (دونوں) اللہ کی اجازت سے ہیں اور تا کہ اللہ ذلیل کرے فاسق لوگوں (یہود) کو۔

تشریح:۔ جب صحابہ کرامؓ نے بنونضیر کے قلعوں کا محاصرہ کیا تو یہود کو ایک تو اپنے قلعوں پر گھمنڈ تھا، قلعے کے اردگرد کھجور کے درخت بھی ان کے محاصرہ میں رکاوٹ یہود کی ہمت بڑھانے کا ذریعہ تھے، اس لئے صحابہ کرامؓ نے ان میں سے بعض کاٹ ڈالے اور کچھ کو جلا دیا جبکہ کچھ بچ بھی گئے پس یہود نے اعتراض کیا جس کے جواب میں یہ آیت اُتری کہ یہ کام صحیح تھا۔

امام ترمذیؒ نے اس کے بعد ابن عباسؓ کی حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے کہ یہ تردّد صحابہ کرامؓ کو ہوا تھا جن کی تسلّی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، جبکہ اوپر کی توجیہ مفسرین کی ہے، ابن العربیؒ نے مفسرین کے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ جب یہ درخت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کاٹے گئے تو پھر صحابہ کے تردد کا کیا مطلب؟ اور یہود کے اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ کے حکم کے آگے مادی مصلحتوں کی کوئی حیثیت نہیں، لیکن الکوکب الدری میں ہے کہ آپؐ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ صحابہ کے دونوں عملوں کی تقریر فرمائی تھی، لہٰذا ترمذی کی روایت پر اب کوئی اشکال نہیں اور اگر نبی علیہ السلام نے امر دیا تھا تو پھر تردد عمل اور فعل میں نہیں تھا بلکہ اس میں تھا کہ جلانے اور کاٹنے میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہوئی کہ یا تو مال فیٔ کو نقصان پہنچا ہو اور یا حکم کی تعمیل میں کمی ہوئی

ہو۔
المسترشد عرض کرتا ہے کہ قرین قیاس اور عام روایات کا تقاضا یہ ہے کہ تقریر والی صورت کو راجح قرار دیا جائے یعنی صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد سے دونوں کام کیئے تو یہود نے اعتراض کیا کہ تم لوگ فساد کرتے ہو کر پھل دار درخت کاٹتے ہو، ان سے مسلمان پریشان ہوئے جس کی نبی علیہ السلام نے تقریر اور اللہ نے تائید فرمائی۔ بہر حال نبی علیہ السلام کی طرف تحریق اور قطع کی نسبت مجازی ہے جو بمعنی اَمر یا بمعنی تقریر کے ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مجتہد مخطی کو بھی ثواب ملتا ہے۔

حدیث آخر:۔ ابن عباسؓ اس آیت ''**ماقطعتم من لينة الخ**'' میں **لينة** کی تفسیر نخلة سے کرتے ہیں یعنی مطلق کھجور کا درخت، جبکہ امام بخاریؒ اور ابو عبیدہؒ کی رائے یہ ہے کہ عجوہ اور برنی کھجور کے علاوہ کو لینہ کہتے ہیں۔ اور ''**ليجزی**'' کی تفسیر کی ہے کہ صحابہ نے ان کو ان کے قلعوں سے اُتارا، جس سے وہ خوار و رسوا ہوئے۔

حدیث آخر:۔ "**عن ابی هريرة ان رجلامن الانصاری بات به ضيفٌ فلم يكن عنده اِلّا قوته وقوت صبيانه فقال لامرأته :نَوِّمی الصِبية واَطفِئِی السراج وقَرِّبی للضيف ما عندک فنزلت هذه الاية:"ويُؤثِرُونَ علی انفسهم ولو كان بهم خصاصة".** (حسن صحیح)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص (ابوطلحہؓ) کے پاس ایک مہمان نے رات گزاری، ان کے پاس اپنے اور بچوں کے کھانے کے سوا کچھ نہیں تھا پس انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو (پھسلا کر) سُلا دو اور چراغ گُل کر دو اور مہمان کے سامنے وہ کھانا جو تیرے پاس ہے رکھ دو، پس یہ آیت نازل ہوئی: ''**ويؤثرون الخ**'' یعنی وہ مقدم رکھتے ہیں (دوسروں کو) اپنے اوپر اگر چہ ان کو بھوک لگی ہو۔

تشریح:۔ انصارِ صحابہ کرامؓ اور تمام اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایثار کا جذبہ دنیا والوں کے لئے ایک مثال ہے، وہ مہاجرین کا دل سے خیر مقدم کرتے اور ان کو اپنے اوپر مقدم رکھتے، پھر مسلم کی روایت سے ان صحابی کا نام ابوطلحہ معلوم ہوتا ہے جبکہ عارضہ میں ہے کہ یہ ابو حازم اشجعی تھے جن کا نام سلمان تھا۔

یہ روایت مختصر ہے، پوری روایت کچھ اس طرح ہے کہ آپؐ کے پاس مہمان آیا آپ نے پہلے اپنے گھروں سے معلوم کیا تو تمام بیویوں کی طرف سے جواب آیا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں، تب آپؐ نے فرمایا کون آج اس کو مہمان بنائے گا جس پر اللہ رحم کرے گا تو مذکورہ بالا صحابی اٹھے اور اس مہمان کو گھر لے گئے

صبح ہوئی تو وہ نبی علیہ السلام کے پاس آئے تو آپؐ پر یہ آیتیں نازل ہوئی اور پھر وہی ہوا جو یہاں مذکور ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی اعلیٰ مقصد کے لئے ادنیٰ مقصد کو اور اعلیٰ حق کے لئے ادنیٰ حق کو چھوڑا جاسکتا ہے کیونکہ بچوں کا کھانا ان کا حق تھا لیکن مہمان کا حق اعلیٰ تر مقصد تھا۔ عبدالفتاح ابوغدہ نے "العلماء العزاب" میں اس کی تصریح کی ہے۔

ومن سورة المُمتحنة

حضرت عبیداللہ بن ابی رافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے سُنا ہے، انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا کہ جاؤ یہاں تک کہ روضۂ خاخ تک پہنچو، وہاں ایک اونٹ سوار خاتون ہوگی، اس کے پاس ایک خط ہے، وہ خط اس سے لے کر میرے پاس لاؤ! چنانچہ ہم نکلے، ہمارے گھوڑے ہمیں لیے ہوئے سرپٹ دوڑ رہے تھے یہاں تک کہ ہم روضہ پہنچے پس اچانک دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر سوار تھی، ہم نے کہا کہ وہ خط نکال! وہ کہنے لگی کہ میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے ہم نے کہا کہ خط نکال ورنہ سب کپڑے اُتارو گی (تاکہ ہم جامہ تلاشی لے لیں)۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس نے وہ خط اپنی چوٹی میں سے نکالا۔ فرماتے ہیں کہ ہم اس خط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، پس تعجب ہے کہ وہ حاطب بن ابی بلتعہؓ کی طرف سے لکھا ہوا تھا مشرکین مکہ کے نام، وہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ مہم کی کچھ اطلاع کرنا چاہتے تھے (یعنی فتح کی تیاری کی خبر)۔ پس آپؐ نے پوچھا حاطب یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کیجئے (کیونکہ میرا عذر یہ تھا) کہ میں ایک ایسا شخص ہوں جو قریش میں رہائش پذیر تھا، حالانکہ میں ان کے خاندان کا فرد نہیں ہوں اور آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں تو ان کی قریش کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں اور ان رشتہ داریوں کی بناء پر وہ (قریش) ان (مہاجرین) کے بال بچوں اور مال جو مکہ میں ہے کہ حفاظت کرتے ہیں تو جب میری ان کے ساتھ کوئی نسب داری نہیں تھی تو میں نے چاہا کہ میں ان پر کوئی احسان کروں تاکہ اس کی بدولت وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں، اور میں نے یہ حرکت کفر یا اسلام سے واپسی کی وجہ سے نہیں کیا ہے اور نہ ہی کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے کیا ہے (بلکہ محض اپنے رشتہ داروں کو بچانے کا حیلہ کیا ہے) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا اس نے سچ کہا، حضرت عمرؓ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ بدر (کی جنگ) میں شامل رہا ہے اور تمہیں کیا معلوم "لعل اللہ اِطَّلَعَ علی اهل بدر فقال اعملوا ماشئتم الخ" یقین جانو کہ اللہ نے جھانکا ہے بدر والوں پر اور کہا ہے کہ تم کچھ بھی کرو میں تم کو بخش چکا ہوں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں یہ سورت نازل ہوئی ہے "یسا ایها الذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدو کم اولیاء الخ" یعنی اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ! تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی کا حالانکہ وہ کفر کر چکے ہیں اور رسول کو اور تمہیں (مکہ سے) نکال چکے ہیں (محض) آپ کے ایمان (کے جرم) کی وجہ سے...... آخر سورت تک۔

تشریح: عسکری اصول کے مطابق فوجی راز کا افشاء بڑا خطرناک تصور کیا جاتا ہے چنانچہ نبی علیہ السلام سوائے غزوۂ تبوک کے جہادی سفر میں اپنی منزل کا اظہار مناسب نہیں سمجھتے تھے خصوصاً فتح مکہ کا راز اس لئے بھی اہم تھا کہ یہاں حرم کے تقدس کا ہر ممکن خیال بھی رکھنا تھا، لیکن حضرت حاطبؓ نے ایک عورت کو خط دے کر اسے مکہ بھیجا جو پکڑا گیا۔

قوله: "اِعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم" بظاہر اس سے گناہوں کی چھوٹ اور رخصت معلوم ہوتی ہے کہ بدری صحابہ کے لئے خصوصی اجازے دی گئی تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بدری صحابہ کرامؓ ایمان وعرفان کے اس مقام تک جا پہنچے تھے جہاں نیکیاں مزاج کا حصہ اور گناہ مزاج کے منافی بن جاتے ہیں، ایسے میں اجازت کا مطلب گناہوں سے نفرت کی سند ہوتی ہے جیسے آدمی اپنے انتہائی بااعتماد مہمان کو تمام کمروں کی چابیاں دے کر یہ کہے کہ تم جہاں چاہو رہو ظاہر ہے کہ گھر میں عورتیں بھی ہوتی ہیں لیکن اس اعتماد کی بناء پر میزبان جانتا ہے کہ یہ مہمان کسی طرح اس حرکت کا تصور بھی نہیں کرتا، چہ جائے کہ وہ عورتوں کے کمروں میں جائے، چنانچہ حضرت حاطبؓ نے بھی یہ کام محض اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لئے کیا تھا اور ان کو یقین تھا کہ خط کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے "وفیه: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وارد علیکم بجنود کالسیل فی اللیل"۔

تاہم اس ایمان واعتماد کے باوجود چونکہ عملاً یہ فعل برا تھا اور حضورؐ کے منشاء کے خلاف تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا "دعنی یارسول الله! اضرب عنق هذا المنافق" اور حضورؐ نے جواب میں ان کی مغفرت کا ذکر فرمایا، حضرت عمرؓ کے قول کی تردید نہیں فرمائی معلوم ہوا کہ ظاہری احکام اور باطنی اسرار میں فرق

تخریجات۔ ترمذی... والمسئلۃ مشہورۃ۔ کذافی العارضۃ والکوکب

ہکذا ہے۔ حدیث آخر:۔ "عن عائشة قالت ماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمتحن إلا بالآية التي قال الله: "اذا جاءك المؤمنات يبايعنك" (الآية) ...... وفيه عن طاؤس قال "مامست يدُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم يَدَامرأةٍ إلاامرأةً يملكها". (حسن صحيح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی آیت سے امتحان لیتے تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جب آپ کے پاس ایماندار عورتیں بیعت ہونے کے لئے آئیں"۔ اور معمر کی دوسری سند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھویا ہے مگر یہ کہ وہ آپؐ کی ملکیت میں ہو۔

تشریح:۔ سورت ممتحنہ میں اللہ عزوجل نے مہاجر عورتوں کے لئے کچھ شرائط مقرر فرمائی تھیں اور آپؐ کو حکم دیا تھا کہ جب عورتیں ہجرت کر کے بیعت کرنے آئیں تو ان کا ان باتوں میں امتحان لیا کریں اگر وہ ان باتوں پر پورا اتریں تو بیعت کرلیں، یعنی (۱) شرک نہ کرنا۔ (۲) چوری نہ کرنا۔ (۳) اولاد کو قتل نہ کرنا۔ (۴) زنا اور (۵) بہتان سے بچنا اور (۶) مشروع باتوں میں آپ کی نافرمانی نہ کرنا۔ چنانچہ آپؐ اسی آیت پر عمل کرتے اور بیعت کے وقت عورتوں سے ہاتھ نہ ملاتے البتہ کوئی عورت آپؐ کی ملک میں ہوتی جیسے بیوی اور باندی تو وہ آپؐ کے لئے جائز ہوتی جیسا کہ سب کے لئے یہی حکم ہے۔ البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں کبھی کبھار چادر کو بھی واسطہ بنایا جاتا بایں صورت کہ اس کا ایک کنارہ آپؐ کے ہاتھ میں ہوتا اور دوسرا کنارہ عورتوں کے ہاتھوں میں۔

حدیث آخر:۔ "قالت امرأة من النسوة ماهذاالمعروف الذى لاينبغى لناان نعصيك فيه؟ قال لاتَنُحْنَ قلتُ يارسول الله!ان بنى فلان اَسْعَدُونى علىٰ عمّى ولابُدّ لى من قضائهم فأبىٰ عَلَىَّ، فعاتبتُه مراراً فاذِن لى فى قضائهن فلم اَنُحْ بعدقضائهن ولاغيره حتى الساعة ولم يبْقَ من النسوة اِمرأةٌ اِلّاوقدناحت غيرى". (حسن غريب)

حضرت ام سلمہ انصاریہؓ نے کہا کہ عورتوں میں سے ایک خاتون نے عرض کیا کہ اس معروف سے کیا مراد ہے جس میں ہمارے لئے آپ کی نافرمانی جائز نہیں؟ آپؐ نے فرمایا یہ وہ ہے کہ نوحہ مت کرو! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! فلانے قبیلہ کی عورتوں نے میرے چچا کے نوحہ میں میرا ساتھ دیا تھا (یعنی شریک

نوحہ رہیں) اور میرے لئے توان کا بدلہ دینا لازمی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات نہیں مانی پس میں نے اپنی بات بار بار دہرائی تو آپؐ نے مجھے ان کا بدلہ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر میں نہیں روئی ان کے بدلہ کے بعد ان پر اور نہ کسی اور پر آج (کی گھڑی) تک اور ان (بیعت کرنے والی) عورتوں میں سے میرے سوا کوئی نہ بچی جس نے نوحہ نہ کیا ہو۔

تشریح:۔ام سلمہ انصاریہؓ کا نام اسماء بنت یزید ہے۔ امام ترمذیؒ نے ام عطیہ کی حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں صحابیات کو نوحہ کی خصوصی اجازت دی گئی تھی، گویا بیعت میں یہ درخواست شامل کی گئی جو منظور ہوئی۔ **قولہ:** "ماھذاالذی الخ" یعنی اس آیت میں "**ولایعصینک فی معروف**" معروف سے مراد کیا ہے؟ **قولہ:** "**اَسْعَدُوْنی**" اسعاد سے مراد مدد کرنا ہے، ایک نسخہ میں بعد قضائھن کے بجائے "**فلم انح بعدُ علیٰ اخائھن ولا غیرہ**" ہے۔ علیٰ ہذا اس سے مطلق نوحہ کی نفی ہوئی، حضرت گنگوہیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

ومن سورة الصف

سورتِ صف کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عبداللہ بن سلام قال قعدنانفرٌ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتذاکرنافقلنالونعلم ایّ الاعمال احبُّ الی اللہ لعَمِلناہ فانزل اللہ "سَبَّحَ للہ مافی السمٰوٰت والارض وھوالعزیزالحکیم ○ یاایھاالذین اٰمنوالِمَ تقولون مالاتفعلون" قال عبداللہ بن سلام فقرأھا علینارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوسلمة فقرأھاعلینا ابن سلام قال یحیٰ الخ"

حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ ہم چند صحابہ بیٹھ کر آپس میں اس کا تذکرہ کرنے لگے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے تو ہم وہی عمل کریں گے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں "اللہ ہی کی تسبیح کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے، اے ایمان والو! کیوں ایسی باتیں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو" عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھ کر ہمیں سُنائی، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے ہمیں پڑھ کر

سنائی اور یحییٰ کہتے ہیں کہ ابوسلمہ نے ہمیں پڑھ کر سنائی، محمد بن کثیر کہتے ہیں کہ امام اوزاعی نے ہمیں سنائی اور امام ترمذی کے شیخ عبداللہ کہتے ہیں کہ ابن کثیر نے ہمیں سنائی۔

تشریح:۔ اس حدیث کا نام مسلسل بقراءۃ سورت صف ہے، کیونکہ ہراستاد نے اپنے شاگردوں کو اس حدیث کے بیان کرنے کے موقع پر یہ سورت سنائی ہے۔ اور مسلسلات میں صرف یہی صحیح ترین مسلسل حدیث ہے باقی مسلسلات میں کچھ نہ کچھ انقطاع ضرور پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا سعید احمد پالن پوری صاحب نے تحفۃ الالمعی میں ابوغدۃ کی کتاب ظفرالامانی سے بحوالہ ابن صلاح کے نقل کیا ہے "قلما تسلم المسلسلات من ضعف اعنی وصف التسلسل لافی اصل المتن الخ" اور یہ کہ کھجور و پانی کی ضیافت والی روایت ہے وہ موضوع ہے۔ ابوغدۃ فرماتے ہیں کہ میں اس مسئلہ پر مناظرہ کے لئے تیار ہوں۔

حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کو پہلے نازل کیا تا کہ آئندہ حکم کے عمل کے لئے صحابہ کو تیار کیا جائے اور وہ سستی کا شکار نہ ہو جائیں کیونکہ وہ حکم مشقت سے بھرپور ہے، وہ یہ ہے "ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیان مرصوص" بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح لڑتے ہیں (یعنی میدانِ جنگ میں مضبوط و مستحکم رہتے ہیں)۔

ومن سورة الجمعة

سورتِ جمعہ کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی ھریــــرة قال کناعندرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین اُنزلت سورة الجمعة فتلاھافلمابلغ "واٰخرین منھم لَمَّایلحقوابھم "قال لہ رجل یارسول اللہ من ھؤلاء الذین لم یلحقوابنا؟فلم یکلّمہ . قـال وسلمان فیناقال فوَضَعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علیٰ سلمان فقال:والذی نفسی بیدہ لو کان الایمان بالثریالتناولہ رجال من ھؤلاء".

(غریب)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب سورۃ الجمعہ نازل کی گئی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، پس آپ نے اس کی تلاوت فرمائی اور جب آپ پڑھ کر "واخرین منھم الخ" تک پہنچے تو آپ سے ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے ہیں؟ تاہم آپ نے

اس کو جواب نہیں دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سلمان ہمارے درمیان تھے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ سلمان پر رکھ کر فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (ستاروں) پر ہوتا تو بھی یہ لوگ (اہلِ فارس) اسے ضرور حاصل کر لیتے۔

تشریح:۔ اس مضمون کی حدیث سورتِ محمد میں بھی گزری ہے فلیراجع۔ اس سے عجمیوں اور خصوصاً فارسی بولنے والوں کی علم دوستی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، چنانچہ صحاحِ ستہ کے مصنفین اور امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے فقہاء و محدثین اور علماء کی محنتیں اور خدمات اس کا بیّن ثبوت ہے اور یہ آیت اور حدیث آپؐ کے معجزات میں سے ہیں کہ ان لوگوں نے علم کہاں کہاں سے حاصل کر کے عربوں کو پیچھے چھوڑا۔

البتہ یہ فضیلت تمام اہلِ فارس یا سب عجمیوں کے لئے تا قیامت نہیں کیونکہ "لم یلحقوا" زمانہ قریب کی طرف اشارہ کرتا ہے جو تابعین کا اور مستقبل قریب کا زمانہ بنتا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن جابر قال بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب یوم الجمعۃ قائماً اذ قدمت عِیرٌ المدینۃ فابتدرھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ لم یبق منھم اِلّا اثنا عشر رجلاً فیھم ابوبکر و عمر ونزلت ھذہ الایۃ: "واذا رأوا تجارۃً او لھواً انفضّوا الیھا". (حسن صحیح)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ کہ اس دوران کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھڑے ہوئے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں آیا پس صحابہ کرامؓ اس کی طرف دوڑے یہاں تک کہ ان میں سے صرف بارہ اشخاص رہ گئے جن میں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے، پس یہ آیت نازل ہوئی: "واذا رأوا تجارۃ الخ" اور جب لوگ کسی تجارت یا مشغلہ کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں الخ۔

تشریح:۔ قولہ: "لھواً" اس وقت یہ دستور تھا کہ جب کوئی تجارتی قافلہ وارد شہر ہوتا تو ڈھول باجوں سے اس کا اعلان کیا جاتا، لہٰذا یہاں یہی مراد ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد تجارت ہی ہو جو تجارتِ آخرت کے مقابلہ میں لھو کہلانے کے قابل ہے کیونکہ اس کے بعد "قل ما عند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ الخ" یعنی اللہ کے پاس جو کچھ نعمتیں ہیں اور مسجد میں اس وقت جو تجارتِ آخرت جاری تھی وہ اس دنیوی لھو اور تجارت سے افضل ہی ہے۔ بہرحال یہ شروعِ ہجرت کا واقعہ ہے۔

ومن سورة المنافقون

سورت منافقون کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن زید بن ارقم قال کنتُ مع عمّی فسمعتُ عبداللہ بن اُبیّ بن سلول یقول لاصحابہ: "لاتُنفِقُوا علی من عند رسول اللہ حتیٰ ینفضّوا وَلَئِنْ رجعنا الی المدینۃ لیخرُجنّ الاعزُّ منھا الاذل "فذکرتُ ذالک لِعمّی فذکَرَ ذالک عمّی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فدعانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحدثتُہ فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عبداللہ بن اُبیّ واصحابہ فحلفوا ما قالوا فکذّبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدّقہ فاصابنی شیءٌ لم یُصِبنی شیءٌ قطُّ مثلہ فجلستُ فی البیت فقال عمّی ماارادتَ اِلّاان کذّبک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومَقَتَکَ فانزل اللہ "اذاجاء ک المنافقون"......فبعث اِلیَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقرأھاثم قال: اَللّٰہُ صَدَّقکَ". (حسن صحیح)

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے چچا (سعد بن عبادہ) کے ساتھ تھا پس میں نے عبداللہ بن اُبی کو اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جولوگ جمع ہیں ان پر خرچ مت کرو یہاں تک کہ وہ (بھوک وافلاس کی وجہ سے) منتشر ہو جائیں اور بخدا اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت مند لوگ مدینہ سے ذلیلوں کو ضرور نکال دیں گے۔ چنانچہ میں نے یہ بات اپنے چچا کو بتائی، اور میرے چچا نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بُلایا تو میں نے وہ بات آپؐ سے بیان کی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابیؔ اور اس کے ساتھیوں کو بُلایا تو انہوں نے قسمیں کھائیں کہ یہ بات ہم نے نہیں کی ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھٹلایا اور عبداللہ بن ابیؔ کی تصدیق فرمائی کیونکہ انہوں نے قسمیں کھائیں، پس مجھے اتنا رنج ہوا کہ اتنا دُکھ مجھے کبھی نہیں ہوا تھا، تو میں (غم کی وجہ سے) گھر (خیمہ) میں بیٹھ گیا، میرے چچا نے کہا کہ تو یہی چاہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے جھٹلائیں اور تجھ سے سخت ناراض ہو جائیں! پس اللہ نے نازل فرمائی "اذاجاء ک المنافقون الخ "پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس پیغام بھیجا، (جب میں حاضر ہوا تو) آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں اور پھر فرمایا بے شک اللہ نے تیری تصدیق کی ہے۔

تشریح:۔اس واقعہ کا پسِ منظر اگلی روایت میں نسبتاً زیادہ واضح بیان کیا گیا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں پانی کی طرف دوڑ پڑے اور اعراب ہم سے پہلے پہنچے، ان میں سے ایک گنوار (اعرابی) اپنے ساتھیوں سے پہلے پہنچا اور اس نے آگے بڑھ کر حوض بھر لیا اور اس کے اردگرد پتھر رکھ دیئے اور اس پر چمڑا ڈالا تا کہ اس کے ساتھی آجائیں (اور سارا پانی ان کے قبضہ میں رہے) چنانچہ ایک انصاری اس بدّو کے پاس آیا اور اپنی اونٹنی کی نکیل ڈھیلی کردی تا کہ وہ پانی پیئے، مگر اس اعرابی نے انصاری کو پانی دینے سے انکار کیا، پس انصاری نے پانی کی وہ رُکاوٹ ہٹادی تو اس اعرابی نے لکڑی لے کر اس انصاری کے سر پر ماری اور اسے زخمی کردیا چنانچہ وہ انصاری عبداللہ بن ابی کے پاس آیا اور اسے ماجرا سُنا دیا پس ابن ابی کو غصہ آیا اور کہا "لاتنفقوا علیٰ من الخ" یعنی جب کھانے کا وقت ہو تو انتظار کرو کہ جب یہ بدو لوگ حضور علیہ السلام کے پاس سے چلے جائیں تب کھانا لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس وقت جو ان کے اصحاب موجود ہوں، کے ساتھ کھائیں۔

باقی حدیث سابقہ روایت کی طرح ہے کہ جب میں رنجیدہ ہوا تو راستہ میں سَر جُھکائے جارہا تھا کہ آپؐ میرے پاس آئے اور میرا کان مَلا اور مسکرائے، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المنافقون پڑھی۔(حسن صحیح)

قولہ:"کنت مع عمی" ان کے حقیقی چچا تو ثابت بن قیسؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ تھے لیکن یہاں مراد خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ ہیں۔قولہ:"فی غزوۃ تبوک" چونکہ ابن ابی غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوا تھا اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ غزوہ مریسیع کا واقعہ ہے جسے بنی مصطلق بھی کہتے ہیں۔ قولہ:"فعرک" مَلنے اور رگڑنے کے معنی میں آتا ہے۔قولہ:"نمتُ کَئِیباً حزیناً" میں غمگین، رنجیدہ خاطر آکر خیمے میں سوگیا۔

قولہ:"فَکَسَعَ" چوتڑ پر گھونسا مارا۔قولہ:"فانہا مُنتنۃ" یہ بدبودار باتیں چھوڑو، کیونکہ اس سے قوم پرستی اور جاہلیت کو ہوا ملتی ہے۔قولہ:"لاتنقلب حتیٰ تقرّ انک الذلیل ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العزیز ففَعَلَ" یعنی جب رئیس المنافقین کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے اپنے باپ ابن اُبَی سے کہا کہ تم ہرگز یہاں سے نہیں جاؤ گے جب تک تو یہ اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں۔ چنانچہ مجبوراً اس نے ایسا ہی کیا۔"یخرج الحیّ من المیّت"۔(الآیۃ)

حدیث آخر:۔"عن ابن عباسؓ قال من کان له مال یُبَلِّغه حج بیت ربه اویجب علیه

فیہ زکاۃ فلم یفعل یسأل الرجعۃ عندالموت فقال رجل یاابن عباس: اِتق اللہ فانما یسأل الرجعۃ الکفار فقال سأتلوعلیک قرانا "یاایھاالذین امنوا لاتلھکم اموالکم ولااولادکم عن ذکراللہ ومن یفعل ذالک فاولئک ھم الخاسرون وانفقوا ممارزقناکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولاأخرتنی الیٰ اجلٍ قریبٍ فاصدق.....الی قولہ .....واللہ خبیر بما تعملون" قال فمایوجب الزکوٰۃ؟ قال اذابلغ المال مأتین فصاعداً قال فمایوجب الحج؟قال الزاد والبعیر".

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے اپنے رب کے گھر حج کے لئے پہنچا سکے یا اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو اور وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے تو وہ موت کے وقت دنیا میں واپسی کی درخواست کرے گا، ایک آدمی نے کہا اے ابن عباس! اللہ سے ڈریئے کہ واپس لوٹنے کی درخواست تو کفار ہی کریں گے، پس ابن عباسؓ نے فرمایا میں قرآن پڑھ کر تمہیں سناتا ہوں: "یاایھاالذین امنوا لاتلھکم اموالکم الخ" اے یمان والو! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولادیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کریں گے تو وہی لوگ ناکام رہنے والے ہوں گے، اور خرچ کرو اس رزق سے جو ہم نے دیا ہے تم کو (یعنی مال سے) قبل اس کے کہ آئے تم میں سے ایک کو موت اور وہ کہے اے پروردگار! کیوں نہ مہلت دی مجھ کو تو نے تھوڑی مدت کے لئے تاکہ میں صدقہ دیتا۔ آیت کے آخر تک یعنی "واللہ خبیر بما تعملون" تک۔ اس آدمی نے پوچھا زکوٰۃ کتنے مال میں واجب ہوتی ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا جب دو سو درہم یا اس سے زیادہ ہو جائیں۔ اس نے پوچھا حج کب فرض ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب توشہ اور سواری کا انتظام ہو جائے۔

تشریح:۔ اس روایت میں انقطاع بھی ہے کہ ضحاک عن ابن عباس متصل نہیں۔ دوم ابو جناب ضعیف ہیں جیسا کہ ترمذی نے کہا "ولیس ھو بالقوی"۔ تاہم اس آیت میں ابن عباسؓ کی حدیث کا مضمون مصرح ہے۔ دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر ایک کو موت کے وقت آرزو رہتی ہے، نیک کو نیکی بڑھانے کی اور فاسق کو توبہ کرنے کی۔

ومن سورة التغابن

سورتِ تغابن کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباس وساله رجل عن هذه الاية: "يايها الذين امنوا ان من ازواجكم واولادكم عدوالكم فاحذروهم "قال: هؤلاء رجال اسلموا من اهل مكة وارادوا ان ياتوا النبي صلى الله عليه وسلم فابى ازواجهم واولادهم ان يدعوهم ان ياتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم: فلما اتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم رأوا الناس قد فقهوا في الدين هموا ان يعاقبوهم فانزل الله: "يايها الذين امنوا ان من ازواجكم واولادكم عدوالكم فاحذروهم". (الاية) (حسن صحيح)

ایک شخص نے ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: "یاایھا الذین امنوا الخ" اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں تو ان سے بچو (یعنی ان کی شرارت سے بچو)۔ (سوال کا مقصد آیت کا مصداق معلوم کرنا تھا) ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ مکہ والوں میں سے کچھ لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور (بنیت ہجرت) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (مدینہ) آنا چاہتے تھے مگر ان کی بیویوں اور اولاد نے ان کو چھوڑنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے انکار کیا۔ پھر جب وہ (کچھ عرصہ بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دیکھا کہ لوگوں نے دین میں بہت سمجھ بوجھ حاصل کرلی ہے (یعنی مہاجرین اولین نے) تو انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا پس اللہ نے نازل فرمائی یہ آیت: "یاایھا الذین امنوا ان من ازواجکم"۔ (الایۃ)

تشریح:۔ چونکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے اگر چہ شانِ نزول خاص امر واقعہ ہو، اس لئے کہا جائے گا کہ یہ حکم عام ہے خواہ ہجرت میں رکاوٹ بنیں یا دوسرے امورِ شرع میں، سب کو شامل ہے۔ اسی طرح زوج کا اطلاق شوہر اور بیوی دونوں پر ہوتا ہے اس لئے یہ خطاب عورتوں سے بھی ہے چنانچہ آج اس کا مشاہدہ عام کیا جاسکتا ہے کہ زوجین میں سے کبھی ایک، دوسرے کو گناہ پر آمادہ کرتا اور کبھی دوسرا فریق، ایسے میں اگر چہ کوتاہی میں ڈالنے والا فریق سزا کا مستحق تو ہوتا ہے لیکن آدمی کو چاہئے کہ اپنی رائے اور اپنا عمل پہلے سے ہی مضبوط بنائے بجائے اس کے کہ وہ دوسرے فریق کے ورغلانے پر کچھ نازیبا حرکت کر کے پھر آپس کے تعلقات خراب کرے،

خود درگزر سے کام لے کر خود توبہ کرے اور دوسرے فریق کی اصلاح کی کوشش کرے۔ ہاں صریح گناہ کا ارتکاب الصور فی الترقی سے بڑا جرم ہے۔

ومن سورة التحريم

سورتِ تحریم کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عبيدالله بن عبدالله بن ابی اوفیٰ قال سمعتُ ابن عباس يقول: لم ازل حريصاً ان اسأل عمر عن المراتين من ازواج النبی صلی الله عليه وسلم اللتين قال الله: "ان تتوبا الی الله فقد صَغَتْ قلوبكما" حتیٰ حج عمر وحججتُ معه فصَببتُ عليه من الاِداوَة فتوضأ فقلت ياامير المؤمنين اَمَنِ المرأتان من ازواج النبی صلی الله عليه وسلم الخ".

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عرصہ سے میرے دل میں خواہش تھی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویوں میں سے ان دو عورتوں کے بارے میں حضرت عمرؓ سے دریافت کروں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: "اِن تتوبا الی الله فقد صغت قلوبكما الخ" اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو جھک رہے ہیں تمہارے دل (نبی کی کامل مرضی سے)، یہاں تک کہ عمر نے حج کیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ حج کیا (یعنی دونوں حج کے لئے نکلے) تو میں نے (دورانِ سفر) پانی ڈالا ان پر (یعنی ان کے ہاتھوں پر) ڈولچی (برتن) سے تو انہوں نے وضوء کیا تو میں نے (موقع پا کر) سوال کیا کہ اے امیر المؤمنین! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے وہ دو خواتین کون ہیں جن کے متعلق ارشاد باری ہے: "اِن تتوبا الخ" پس حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا اے ابن عباسؓ! مجھے تم پر حیرت ہے (کہ تم اتنی موٹی سی بات نہیں جانتے؟ یا وہ مطلب ہے جو امام زہریؒ نے بیان کیا ہے) "قال الزهری وكره الخ" امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ بخدا حضرت عمرؓ نے وہ بات ناپسند کی جو حضرت ابن عباسؓ نے ان سے پوچھی مگر حضرت عمرؓ نے وہ بات چھپائی نہیں (اور تفصیل سے جواب دیا)۔

پس حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا کہ وہ عائشہؓ اور حفصہؓ ہیں، ابن عباسؓ کہتے ہیں پھر حضرت عمرؓ نے مجھ سے وہ واقعہ بیان کرنا شروع کیا، اور فرمایا ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے تاہم جب مدینہ آئے تو ہم نے ایسے لوگوں کو پایا (یعنی انصار) جن پر ان کی عورتیں غالب تھیں تو ہماری عورتوں نے ان کی عورتوں سے

سیکھنا (اثر لینا) شروع کیا چنانچہ میں ایک دن اپنی بیوی پر غصہ ہوا تو خلاف توقع وہ مجھے جواب دینے لگی تو میں نے اس کی جواب دہی بُری سمجھی تو اس نے کہا آپ اس میں کیا چیز بُری سمجھتے ہیں؟ بخدا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی آپؐ کو جواب دیتی ہیں اور ان میں سے ایک آپؐ کو رات تک چھوڑ دیتی ہے (یعنی صبح سے شام تک ناراض رہتی ہے اور آپؐ سے بولتی نہیں)۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں پس میں نے دل میں سوچا کہ گھاٹے میں رہی وہ ان میں سے جس نے ایسا کیا اور ٹوٹے میں رہی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرا گھر عوالی میں تھا بنو امیہ کے محلہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی تھا، ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باری باری حاضر ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن وہ آپؐ کے پاس جاتا اور میرے پاس وحی وغیرہ کی خبریں لاتا تھا اور ایک دن میں جاتا تھا اور اس کو اسی طرح خبریں پہنچاتا تھا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم (ان دنوں میں) ذکر کیا کرتے تھے کہ غسان (شامی لوگ) گھوڑوں کے نعل لگا رہے ہیں تا کہ وہ ہم پر لشکر کشی کریں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں پس وہ انصاری ایک دن عشاء کے وقت آیا اور زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا پس میں اس کے پاس باہر آیا اس نے کہا ایک بڑا معاملہ پیش آ گیا ہے تو میں نے کہا کیا غسان نے حملہ کر دیا؟ اس نے کہا (نہیں بلکہ) اس سے بھی بڑا واقعہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں پس میں نے دل میں سوچا کہ یقیناً حفصہ گھاٹے اور ٹوٹے میں رہی اور میں اس کا گمان کرتا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں جب میں نے صبح کی نماز پڑھی تو میں نے اپنے اوپر کپڑے باندھے اور چلا، یہاں تک کہ حفصہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ رو رہی تھی پس میں نے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو طلاق دے دی؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں اور آپؐ یہ رہے جو اس بالا خانہ میں علیحدہ ہو گئے ہیں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں چلا اور کالے غلام (رباح یا سماک) کے پاس آیا اور کہا میں نے کہ عمرؓ کے لئے اجازت مانگو، فرماتے ہیں وہ اندر گیا پھر میرے پاس باہر آیا اور کہا میں نے آپؐ سے آپؐ کا تذکرہ کیا مگر آپؐ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد کی طرف چلا تو دیکھا کہ منبر کے پاس چند لوگ رو رہے تھے تو میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا، پھر مجھ پر وہ بات غالب آئی جس کا میں اندیشہ کرتا تھا چنانچہ میں پھر غلام کے پاس آیا اور کہا میں نے کہ عمر کے لئے اجازت مانگو! چنانچہ وہ اندر گیا اور پھر میرے پاس باہر نکلا، اس نے کہا میں نے آپ کا تذکرہ آپؐ سے کیا مگر آپؐ نے کچھ نہیں کہا، پس میں پھر مسجد چلا گیا اور بیٹھ گیا۔ پھر وہ بات مجھ پر (دوبارہ) غالب آئی جو میں پاتا تھا (یعنی سوچ اور فکر اور رنج و غم)، تو میں پھر اس غلام کے

کہا کہ عمر کے لئے اجازت طلب کرو وہ اندر گیا اور پھر میری طرف نکلا اور کہا میں نے آپؐ
پاس آیا اور میں نے کہا کہ عمر کے لئے اجازت طلب کرو وہ اندر گیا اور پھر میری طرف نکلا اور کہا میں نے آپؐ
سے تمہارا تذکرہ کیا مگر آپؐ نے کچھ نہیں کہا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں پس میں مسجد کی طرف پلٹ گیا تو اچانک وہ غلام
مجھے بلانے لگا، اس نے کہا داخل ہو جائیں آپؐ نے تیرے لئے اجازت دے دی، حضرت عمرؓ کہتے ہیں پس میں
اندر گیا پس دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے ایک بُنی ہوئی چٹائی پر، پس میں نے چٹائی کے
کے نشان آپؐ کے دونوں پہلوؤں میں دیکھے، میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنی بیویوں
کو طلاق دے دی؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، میں نے کہا اللہ اکبر! اے اللہ کے رسول! آپ دیکھئے ہم قریش لوگ
عورتوں کو دبائے رکھتے تھے پھر جب ہم مدینہ آئے تو ہم نے ایسے لوگوں کو پایا جن کو ان کی عورتیں دباتی تھیں
تو ہماری عورتوں نے بھی ان کی عادت سیکھنا شروع کی، پس میں ایک دن اپنی بیوی پر غصہ ہوا تو وہ مجھے جواب
دینے لگی تو میں نے اس کو برا مانا تو اس نے کہا تجھے کیوں برا لگا؟ بخدا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی آپؐ
کو جواب دیتی ہیں! اور ان میں سے ایک آپؐ کو پورا دن رات تک چھوڑ دیتی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا پس میں نے
حفصہ سے پوچھا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو؟ اس نے کہا ہاں اور آپؐ کو ہم میں سے ایک
چھوڑتی ہے دن بھر رات تک (یعنی قطع کلامی کرتی ہیں)۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں پس میں نے کہا نامراد ہے تم
میں سے وہ جس نے ایسا کیا اور گھاٹے میں رہی وہ، کیا تم میں سے ایک اس سے بے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس
پر غصہ کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کی وجہ سے؟ تب تو وہ ہلاک ہو جائے گی، پس نبی صلی
اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔

حضرت عمرؓ نے کہا پس میں نے حفصہ سے کہا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دو اور نہ آپؐ سے
کوئی چیز مانگو جو کچھ تمہیں چاہئے تو مجھ سے مانگو اور تمہیں دھوکہ نہیں ہونا چاہئے اس بات سے کہ تمہاری ساتھ
والی (حضرت عائشہؓ) تم سے زیادہ خوبصورت ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہیں، حضرت عمرؓ
فرماتے ہیں کہ آپؐ دوسری دفعہ مسکرائے، پس میں نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کا دل بہلاؤں؟
آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں پس میں نے سر اٹھایا تو میں نے گھر میں نہیں دیکھیں مگر تین کھالیں تو
میں نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعاء فرمائیں تا کہ وہ آپ کی امت کے لئے وسعت فرمائے، بے شک
اللہ نے وسعت دے رکھی ہے روم اور فارس والوں کو جبکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے، پس آپؐ سیدھے بیٹھ
گئے اور فرمایا اے ابن خطاب! کیا تم شک میں ہو؟ وہ تو ایسے لوگ ہیں جن کو ان کی نفیس (اور پسند کی) چیزیں

دنیوی زندگی میں جلد ہی دی گئی ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا اور آپؐ نے قسم کھائی تھی کہ آپؐ ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے، پس اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں ناگواری کا اظہار کیا (یعنی "لِمَ تحرّم ما احلّ اللہ لک") اور اس کے لئے قسم کے کفارہ کا حکم دیا۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں مجھے حضرت عمرؓ نے بتایا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب اُنتیس (۲۹) دن گزر گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے مجھے (اختیار کے بارے میں) ابتداء فرمائی الخ"۔ (حسن صحیح غریب) باقی روایت سورتِ احزاب میں گزری ہے۔

تشریح: اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا کفر ہے، علیٰ ہذا یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ پھر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب ابن العربیؒ نے عارضہ میں دیا ہے کہ انہوں نے چونکہ یہ حرکت محض غیرت کی بناء پر کی تھی جو حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے تھی اس لئے یہ گناہ تو ہوا لیکن اس کو کفر نہیں کہا گیا۔ تاہم اگر کوئی عام شخص ایسا کرتا تو کافر ہو جاتا۔

اب رہی یہ بات کہ وہ کون سا عمل تھا جس کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے سخت ناراض ہو گئے تھے؟ تو اتنی سی بات تو طے شدہ ہے کہ آپؐ افشائے راز کی وجہ سے ناراض ہوئے تھے لیکن وہ راز کیا تھا؟ تو اس بارے میں ایک بات یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ نے ایک دن اپنے حجرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ ہمبستری کرتے ہوئے دیکھا چونکہ وہ آپؐ کی باندی تھیں اس لئے حضرت حفصہؓ اس بات پر ناراض ہو گئیں اور کہنے لگیں اے اللہ کے رسول! میرے گھر میں؟ آپؐ نے فرمایا کہ باقی ازواج کو مت بتاؤ اور یہ مجھ پر حرام ہے! بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے اس کے بدلے ان کو یہ خوشخبری بھی سُنائی کہ عمر، ابو بکر کے بعد خلیفہ ہوں گے پھر حضرت حفصہؓ نے یہ بات حضرت عائشہؓ کو بتائی جس پر آپؐ ناراض ہوئے، لیکن ان روایات میں ضعف ہے، صحیحین میں ہے کہ آپؐ حضرت زینبؓ کے گھر عصر کے بعد شہد پیا کرتے تھے اور وہاں ٹھہرتے تھے (یہ حضرت زینب کی کامیاب تدبیر تھی جو کمال ہوشیاری پر مبنی تھی) پس حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے یہ منصوبہ بنایا کہ جب آپؐ ہمارے ہاں تشریف لائیں گے تو ہم میں سے ہر ایک کہے گی کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے (جس میں بو ہوتی ہے)، چنانچہ حسب منصوبہ بندی جب آپؐ حضرت حفصہؓ کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے بتایا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ میں نے زینب کے ہاں شہد پیا ہے، انہوں نے کہا کہ شاید شہد کی مکھی عُرفط گھاس پر بیٹھ گئی ہوگی۔ چونکہ اس پلاننگ میں حضرت سودہؓ بھی شامل تھیں اور اس سے پہلے آپؐ نے یہ بات ان سے بھی سُنی تھی (اس لئے آپؐ کا شک ظن میں بدل گیا) اور شہد کو اپنے اوپر حرام کر دیا لیکن ساتھ

فرمادیا کہ یہ بات کسی کو نہ بتاؤ (تاکہ حضرت زینب کی دل شکنی نہ ہو)۔
بہرحال! حضرت حفصہ نے حضرت عائشہؓ کو بات کی اطلاع کردی۔ اُدھر اللہ نے وحی کے ذریعہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورت کے ذریعہ آگاہ فرمایا، جس کی تفصیل اس حدیث میں بیان ہوئی، پھر حلف کی مدت ختم ہونے پر آپؐ نے بحکمِ خداوندی ازواج مطہرات کو اختیار دیا جس کا تذکرہ سورتِ احزاب میں گزرا ہے۔

یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ صحیحین کی روایت کے مطابق تو پھر ان دونوں کے ساتھ حضرت سودہؓ بھی شامل ہوئیں، جبکہ اس حدیث میں صرف ان دونوں کا ذکر ہے نیز قرآن میں بھی ''إن تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما'' تثنیہ کا صیغہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ اصل منصوبہ بندی کرنے والی یہی دو تھیں، حضرت سودہؓ کو انہوں نے اپنے ساتھ شریک کردیا تھا لیکن اس سے ان کی رضامندی ثابت نہیں ہوتی۔

قولہ: "ان عائشۃ قالت لہ یارسول اللہ لاتخبر ازواجک انی اخترتک" حضرت عائشہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ اپنی ازواج کو یہ نہ بتائیں کہ میں نے آپ کو (دنیا پر) ترجیح دی ہے۔ ابن العربیؒ نے یہاں بھی وہی اوپر والا جواب دیا ہے کہ اگرچہ یہ حسد ہے لیکن عشق نبوی کی وجہ سے بناء بر غیرت حضرت عائشہؓ کے لئے یہ جائز تھا (کیونکہ اس سے کمالِ محبت کا اظہار ہوتا ہے اور مبنی علیہ بھی فضیلت اور نیت بھی اچھی اور اس پر مرتب اثر بھی اچھا تھا)۔ **قولہ:** "متعنتاً" مجھے اللہ نے مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

سورۃ نون والقلم

سورتِ قلم کے بعض آیتوں کی تفسیر

عبدالواحد بن سُلیم کہتے ہیں میں مکہ آیا تو میری ملاقات عطاء بن ابی رباح سے ہوئی تو میں نے ان سے کہا اے ابو محمد! ہم میں سے کچھ لوگ تقدیر کے حوالہ سے چہ می گوئیاں کرتے ہیں (یعنی عراق و بصرہ والے)۔ حضرت عطاء نے کہا کہ میری ملاقات ولید بن عُبادہ بن صامتؓ سے ہوئی تھی تو انہوں نے کہا کہ میرے والد (عُبادہ بن صامتؓ) نے مجھے یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور اس سے کہا کہ ''لکھ''! پس وہ چلنے (لکھنے) لگا ہمیشہ (قیامت تک) ہونے والی چیزوں پر۔ (حسن صحیح غریب)

امام ترمذیؒ نے ''وفی الحدیث قصة'' میں جس تفصیل کی طرف اشارہ کیا یہ ابواب القدر کے آخر میں گزری ہے۔ (فلیراجع)

سورة الحاقه

سورت حاقہ کے بعض آیتوں کی تفسیر

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ بطحاء (مکہ) میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ان کے اوپر ایک بادل گزرا، پس لوگوں نے اس کی طرف دیکھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اس (بدلی) کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ''ہاں'' یہ سحاب (بادل) ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مزن بھی ہے (یعنی اس کو مزن (سفید) بادل بھی کہتے ہیں) لوگوں نے کہا ہاں مزن بھی کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''والعنان'' یعنی اسے عنان (نمایاں) بھی کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ''والعنان'' یعنی ہاں عنان بھی کہتے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں بخدا ہم تو نہیں جانتے، آپؐ نے فرمایا ان دونوں کے درمیان اکہتر (۷۱) یا فرمایا بہتر (۷۲) یا فرمایا تہتر (۷۳) برس کا فاصلہ ہے، اور جو آسمان اس کے اوپر ہے وہ بھی (نچلے سے) اتنی ہی دوری پر ہے یہاں تک کہ سات آسمان گن دیئے، پھر آپؐ نے فرمایا ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے جس کی بالائی سطح اور تہہ کے درمیان اُتنا ہی فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے مابین ہے (یعنی پانچ سو سالہ) اور اس کے اوپر آٹھ اوعال (نامی فرشتے) ہیں جن کے کھروں اور ٹخنوں کے درمیان اُتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے، پھر ان کی پیٹھ (پشتوں) پر عرش ہے جس کے زیریں اور بالائی سطح تک اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے آگے ہے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ **قوله:** ''زعم'' اعتقاد فاسد کو بھی کہتے ہیں اور بمعنی قال بھی آتا ہے جو یہاں مراد ہے، تاہم اس میں اشارہ ہے کہ حضرت عباسؓ اس وقت مشرف بایمان نہیں ہوئے تھے۔ سورت حدید میں اس مضمون کی ایک حدیث گزری ہے اس میں جب نبی علیہ السلام پوچھتے ''هل تدرون ما هذا؟'' تو جواب ملتا ''الله ورسوله اعلم'' جبکہ یہاں جواب کا انداز مختلف ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہاں صحابہ کرامؓ سے خطاب اور

سوال وجواب ہو رہا تھا جبکہ یہ واقعہ مکہ کا ہے اور مخاطب اور حاضرینِ مجلس عام لوگ تھے، آپؐ چاہتے تھے کہ لوگوں کو معرفت باری تعالیٰ کی طرف متوجہ فرمائیں اس لئے بات بادل سے شروع فرمائی اور ترقی کرتے کرتے بالائے عرش تک لوگوں کو پہنچانے کی کوشش کی کیونکہ کائنات میں تدبر ہی سے معرفت باری تعالیٰ حاصل ہوتی ہے چنانچہ عقائد نسفی کی پہلی عبارت اس سے شروع ہوتی ہے "حقائق الاشیاء ثابت الخ" اس کا مقصد لوگوں کو بتوں کی عبادت سے باز رکھنا تھا کہ عالی متعال کی عبادت کے بجائے جمادات کی عبادت کس قدر شرمناک حرکت ہے، پھر فوق کا اطلاق اظہارِ تعظیم اور ترتیب کے لئے ہے ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ جہات سے پاک ہے جیسا کہ وہ زمان ومکان سے بھی منزہ ہے۔ چونکہ ستر کا عدد تکثیر کے لئے آتا ہے اس لئے اس روایت کا سورت حدید کی روایت سے کوئی تعارض نہیں جس میں پانچ سو سال کی مدت کا بیان ہے۔ قولہ: "اوعال" "وَعِلٌ" کی جمع ہے بروزن کتف، اصل میں جنگلی بکرے کو کہتے ہیں یعنی حاملینِ عرش جنگلی بکروں کی صورت میں ہیں اس لئے اس پر اوعال کا اطلاق کیا کیونکہ اس تصویر کے بغیر لوگوں کی سمجھ میں بات نہیں آسکتی تھی کہ لوگ مانوس ومعروف چیز کا تصور اور تجزیہ کرسکتے ہیں لیکن غیر محسوسات کا تصور نہیں کرسکتے جیسا کہ عام لوگ فلسفہ نہیں پڑھ سکتے ہیں مگر ان کے لئے سائنس پڑھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ (تدبر)

قولہ: "وعبدالرحمن هو ابن عبدالله بن سعد الرازی" امام ترمذیؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اوپر کی سند میں عبدالرحمٰن بن سعد سے ایک نام یعنی عبدالرحمٰن کے والد عبداللہ رہ گیا ہے اصل میں اس طرح ہے "حدثنا عبد بن حميد ناعبدالرحمن بن عبدالله بن سعد الرازی ان اباه اخبره الخ" جس کی دلیل آخری سند ذکر کر کے بیان کی ہے تاہم اس میں بھی "ان اباه" سے پہلے "عن ابيه" رہ گیا ہے قال یعنی سعد کہتے ہیں کہ "رأيت رجلاً بِبُخارىٰ على بغلة وعليه عمامة سوداء يقول كسانيها رسول الله صلى الله عليه وسلم" اس سے سعد کا تابعی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یعنی عبدالرحمٰن اپنے والد عبداللہ سے اور عبداللہ اپنے والد سعد سے روایت کرتے ہیں الخ لہٰذا اوپر کی سند میں عبدالرحمٰن بن سعد میں عبدالرحمٰن کی نسبت اپنے دادا سعد کی طرف ہے۔

ومن سورة سأل سائل (المعارج)

سورتِ معارج کے بعض آیتوں کی تفسیر

حضرت ابوسعیدؓ سے "کالمهل" کی تفسیر میں مرفوع حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کعکر الزیت فاذاقرّبه الی وجهه سقطت فروة وجهه فیه" یعنی مہل سے مراد تیل کی تلچھٹ کی مانند (مادہ) ہے، پس جب جہنمی اس کو اپنے منہ کے قریب کرے گا (پینے کے لئے) تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

تشریح:۔اس روایت میں رشدبن سعد متکلم فیہ راوی ہیں، یہ حدیث ابواب صفۃ جہنم کے "باب ماجاء فی صفۃ شراب اہل النار" میں بھی گزری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث دراصل سورتِ کہف کی آیت:۲۹ "انا اعتدنا للظالمین ناراً احاط بهم سُرادِقُها وان یستغیثوا یُغاثُوا بماء کالمهل یشوی الوجوه بئس الشراب وساء ت مرتفقاً" کی تفسیر ہے یعنی جہنمیوں کو جو پینے کی چیز دی جائے گی وہی مراد ہے لہٰذا یہاں اس حدیث کو لانا یا تو محض لفظ مہل کی تفسیر ہے جو کہ آسمان کا وصف ہے یعنی "یوم تکون السماء کالمهل" اور یا پھر تسامح ہے۔

ومن سورة الجن

سورتِ جن کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباس قال ماقرأرسول الله صلی الله علیه وسلم علی الجن ولاراهم انطلق رسول الله صلی الله علیه وسلم فی طائفة من اصحابه عامدین الی سوق عکاظ وقدحیل بین الشیاطین وبین خبرالسماء واُرسلت علیهم الشُهب فرجعت الشیاطین الی قومهم فقالوامالکم؟قالواحیل بیننا وبین خبرالسماء واُرسلت علیناالشُهب !فقالواماحال بیننا وبین خبر السماء اِلّامِنْ حدث فاضربوامشارق الارض ومغاربهافانظروا ماهذاالذی حال بینکم وبین خبرالسماء الخ"۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں پر قرآن پڑھا ہے اور نہ ان

آپ نے ان کو دیکھا ہے (بلکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی جماعت کے ساتھ بازارِ عکاظ کا ارادہ کئے ہوئے چلے، (ان دنوں میں) شیاطین اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کردی گئی تھیں اور ان پر آگ کے انگارے چھوڑے جاتے تھے پس شیاطین اپنی قوم کی طرف (مایوس ہوکر) لوٹے، انہوں نے پوچھا کیا ہوا تم کو (کہ خبریں نہیں لاتے؟) انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک قائم کردی گئی ہے اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں پس قوم نے کہا ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان آڑ نہیں بنا مگر کوئی نیا واقعہ، پس تم زمین کے مشرق ومغرب کا سفر کرو اور دیکھو کہ وہ کیا چیز ہے جو تمہارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے؟

ابن عباسؓ کہتے ہیں پس وہ چلے مشرق ومغرب کا سفر کرتے رہے، وہ تلاش کرنا چاہتے تھے اس چیز کی جو ان کے اور آسمانی خبروں کے درمیان آڑ بنی ہوئی ہے، چنانچہ وہ جماعت جو تہامہ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئی جبکہ آپؐ نخلہ مقام میں تھے، عکاظ کی طرف جاتے ہوئے آپؐ اپنے صحابہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے پس جب اس وفد نے قرآن سنا تو اسے بغور سُنا، پس انہوں نے کہا بخدا یہی وہ کلام ہے جو تمہارے اور آسمانی خبروں کے درمیان آڑ بن گیا ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں پس وہ وہیں سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے عجیب قرآن سُنا، جو راہِ راست بتلاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور یہ کہ ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے، پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: "قل اُوحی الیّ انہ استمع نفرٌ من الجن" وانما اوحی الیہ قول الجن۔

تشریح: یعنی اس خاص واقعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جنات کو نہیں سُنایا اور نہ ان کو دیکھا تھا کیونکہ آپؐ تو نماز پڑھا رہے تھے، جنات کو سُنانا مقصود نہ تھا اس لئے ان کو نہ دیکھا اور نہ سُنایا اگرچہ انہوں نے سُنا۔ قولہ: "وانما اوحی الیہ قول الجن" سے یہی مراد ہے کہ آپؐ کو جنات کی آمد، قرآن سننے تعجب کرنے اور واپس اپنی قوم میں جا کر توحید کی دعوت دینے، یہ سب باتیں وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں نہ کہ مشاہدہ ومکالمہ سے علیٰ ھذا اس حدیث سے دوسرے مقامات پر جنات سے کلام کرنے اور قرآن سنانے اور دیکھنے کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ (تامل)

قولہ: "عامدین" ای قاصدین ومریدین۔ قولہ: "سوق عکاظ" عُکاظ مکہ اور طائف کے

درمیان ایک وادی کانام ہے جہاں پورے شوال میں بازارلگتا تھا، آپؐ کا یہاں جانا تبلیغ کی غرض سے تھا۔ **قولہ:"وارسلت علینا الشھب"** شہاب کی جمع ہے۔ اس سے پہلے بھی شہاب ثاقب ہوتے تھے لیکن قلیل تعداد میں جبکہ آپؐ کی بعثت کے ساتھ اس کی مقدار بہت بڑھ گئی تا کہ وحی محفوظ ہو لہٰذا اگلی روایت میں جو ہے "ولم تکن النجوم یُرمیٰ بھاقبل ذالک" یعنی اس سے پہلے ستارے نہیں پھینکے جاتے تھے، تو اس سے کثرت وشدت کی نفی مراد ہے یعنی آپؐ کی بعثت سے قبل اتنی کثرت وشدت سے شہاب وشعلے شیاطین پر نہیں چھوڑے جاتے تھے، چنانچہ پہلے یہ لوگ اوپر کی طرف پرواز کرتے اور ملائکہ کی باتیں سنتے اوران کے ساتھ اپنی طرف سے جھوٹ شامل کرتے، کبھی کم جھوٹ اور کبھی زیادہ، اس لئے یہاں نو(۹) باتوں کا ذکر ہے اور دیگر روایات میں سو(۱۰۰) کا ذکر ہے پھر وہ ان باتوں کو پھیلاتے جیسے آج کل نجومی لوگ کرتے ہیں۔ **قولہ:"بین جبلین"** مراد یہی وادی نخلہ ہے جس کا تعارف اوپر بیان ہوا۔

ومن سورة المدّثّر

سورتِ مدثر کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن جابر بن عبدالله قال سمعتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم وهویُحدّثُ عن فترة الوحی فقال فی حدیثه: بینما انا امشی سمعتُ صوتاً من السماء فرفعتُ رأسی فاذا الملک الذی جاء نی بِحراء جالس علی کرسی بین السماء والارض فَجُئِثْتُ رُعباً فرجعتُ فقلت زَمِّلونی زَمِّلونی فَدَثَّرونی فانزل الله تعالی:"یاایها المدثر قُم فانذر.......الیٰ قوله .....والرُّجزَ فاهجر"........قبل ان تفرض الصلوٰة". (حسن صحیح)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا جبکہ آپؐ وحی میں وقفہ آنے کا تذکرہ فرمارہے تھے، پس آپؐ نے اپنی حدیث میں فرمایا اس دوران کہ میں چل رہا تھا کہ سُنی میں نے ایک آواز آسمان سے چنانچہ میں نے اپنا سر اٹھایا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس (غارِ) حراء میں آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا تھا پس میں ہیبت زدہ ہو کر گھبرا گیا اور واپس لوٹا (یعنی گھر آیا) اور کہا:"زملونی زملونی" مجھے کمبل اوڑھاؤ! مجھے کمبل اوڑھاؤ! تو انہوں نے مجھے کمبل اوڑھا دیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمادیں:"یاایها المدثر الخ" اے کپڑا اوڑھنے والے! اٹھو اور ڈراؤ (یعنی کافروں کو عذاب سے)

... "تم یعنی بتوں کو چھوڑے رکھنے پر قائم رہو تمک۔ (یہ واقعہ) نماز کی فرضیت سے پہلے کا ہے۔

تشریح:۔ سب سے پہلے آپ پر سورۂ علق کی ابتداء کی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں اور پھر کچھ عرصہ کے لئے وحی منقطع ہوگئی تھی جس میں واللہ اعلم یہ حکمت ہوسکتی ہے کہ آپ علیہ السلام اس قول ثقیل کے تحمل کے لئے تیار ہو جائیں اور آپ کا شوق مزید بڑھ جائے تاکہ آگے جو مشکل مراحل ہیں کہ عزیز و اقارب بھی دشمن بننے والے ہیں وغیرہ وغیرہ ان کو بآسانی طے کریں۔ یہ وقفہ بعض روایات کے مطابق تین یا ڈھائی سال پر مشتمل تھا جس کا خاتمہ مذکورہ واقعہ سے ہوا۔ **قوله:** "یاایها المدثر" یعنی تکلیف کو کپڑوں سے دور کرنے کے بجائے تبلیغ کے ذریعہ دور کرو۔ **قوله:** "قبل ان تفرض الصلوة" یعنی کپڑوں کی صفائی کا حکم نماز کی فرضیت سے پہلے کا ہے چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گندے کپڑے پہننا جائز نہیں اگرچہ ان میں نماز نہ پڑھی جائے۔

حدیث آخر:۔ "الصعود جبل من نار يتصعد فيه سبعين خريفا ثم يهوى به كذالك ابدا". (غریب)

یعنی "سارهقه صعودا" الایۃ، عنقریب میں اس (کافر) کو صعود پر چڑھاؤں گا، کی تفسیر میں آپ نے فرمایا صعود آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر (کافر) ستر سال تک چڑھے گا اور اتنی ہی مدت میں اس سے گرنے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہ حدیث "باب ماجاء فی صفۃ قعر جہنم" تشریحات: جلد: ۷، ص: ۳۴۰ پر گزری ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہود کے کچھ لوگوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے پوچھا: کیا تمہارے نبی جانتے ہیں کہ جہنم کے داروغہ کتنی تعداد میں ہیں؟ صحابہ نے فرمایا ہم تو نہیں جانتے تاہم ہم آپ سے پوچھیں گے، پس ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا اے محمد! آج آپ کے صحابہ ہار گئے! آپ نے فرمایا کس وجہ سے ہار گئے؟ اس آدمی نے کہا کہ یہود نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا تمہارے نبی کو دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد معلوم ہے؟ آپ نے فرمایا صحابہ نے کیا جواب دیا؟ اس نے کہا انہوں نے جواب میں کہا ہم کو معلوم نہیں یہاں تک کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں! آپ نے فرمایا تو کیا وہ لوگ ہار گئے جن سے ایسی بات پوچھی گئی جس کو وہ نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی سے پوچھیں گے؟ (یعنی اس میں ہارنے کی کیا بات ہے اور نہ ہی نبی سے یہ سوال معیوب ہے)۔

لیکن یہود نے تو اپنے نبی (حضرت موسیٰ) سے استدعاء کی تھی کہ "ارنا الله جهرة" "ہمیں دکھا اللہ ظاہر" (یہ انتہائی گستاخانہ سوال تھا)۔ ان دشمنانِ خدا کو میرے پاس لاؤ! میں ان سے جنت کی مٹی کے بارے

میں پوچھتا ہوں (آپ نے فرمایا) "وھی الدرمک" وہ مٹی سفید میدہ ہے پس جب یہود آئے انہوں نے پوچھا اے ابوالقاسم! جہنم کے نگران فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا اتنی اور اتنی، ایک مرتبہ دس (انگلیوں) کا اشارہ کرکے اور دوسری مرتبہ نو کا۔ انہوں نے کہا جی ہاں! (یعنی انیس ہیں) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: "ماتربة الجنة"؟ جنت کی مٹی کیسی ہے؟ راوی نے کہا وہ کچھ دیر خاموش ہوگئے اور پھر کہنے لگے روٹی (کی مانند گول) ہے اے ابوالقاسم! پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "الخبزة من الدرمک" میدہ کی روٹی ہے (یعنی روٹی کی طرح نرم سفید میدہ نما ہے) هذا حدیث انما نعرفه من حدیث مجالد یعنی ضعیف ہے کیونکہ مجالد کا حافظہ آخری عمر میں کمزور ہوگیا تھا۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن العربیؒ نے العارضہ میں اس کو صحیح کہا ہے، علیٰ ھذا جنت کی مٹی سفید میدہ ہونے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح دنیا میں بعض مٹی کھانے کے قابل ہوتی ہے جیسے ملتانی مٹی تو جنت کی مٹی بھی ایسی ہی خوش ذائقہ، خوشبودار اور خوش گوار ہوگی، ہم بچپن میں سکول کے زمانہ میں تختیوں پر جس مٹی کو ملتے تو اس کی خوشبو اتنی تیز ہوتی کہ بعض بچے بغیر کھائے رہ نہیں سکتے۔ یہ مٹی انتہائی چکنی اور باریک ہوتی تھی۔ تاہم اس توجیہ کے باوجود اس حدیث کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ جنتی اس مٹی کو کھائیں گے اور نہ اس میں کھانے کی طرف ترغیب واشارہ ہے بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ سفید میدہ کی روٹی کی طرح لذیذ اور کھانے کے قابل ہوگی فقط۔

حدیث آخر:۔ "ھو اھل التقویٰ و اھل المغفرة" الآیة، وہ اللہ اس کا حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی گناہ بخشنے کا حق رکھتا ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث ہے:

"قال اللہ تبارک وتعالیٰ: انا اھل ان اُتقیٰ فمن اِتقانی فلم یجعل معی اِلٰھاً فانا اھل ان اَغفرله". (حسن غریب)

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے پس جو مجھ سے ڈر جائے اور میرے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ گردانے تو مجھے لائق ہے کہ میں اسے بخش دوں یعنی "انا اھل ان اُتقیٰ لعظم قدری، وانا اھل ان اغفر بواسع کرمی"۔

ومن سورة القيامة

سورت قیامہ کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباسؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا نزل عليه القرآن يحرّك به لسانه يريد ان يحفظه فانزل الله تبارك وتعالى: "لاتحرّك به لسانك لتعجل به" قال فكان يحرّك به شفتيه وحرّك سفين شفتيه". (حسن صحيح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تو آپؐ اس پر اپنی زبان ہلاتے (یعنی ساتھ ساتھ پڑھتے)، آپؐ چاہتے تھے کہ اسے یاد کرلیں پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "لاتحرّك به لسانك" آپ قرآن کے (نزول کے وقت) ساتھ ساتھ اپنی زبان نہ ہلائیں تاکہ اس کو جلدی لے لیں (یعنی محفوظ کرلیں کیونکہ اس کو آپ کے سینہ میں محفوظ کرنا اور آپ کی زبانی سنانا ہمارے ذمہ ہے)۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ (اس آیت کے نزول سے پہلے) آپؐ اپنے دونوں ہونٹوں کو قرآن کے ساتھ ہلاتے تھے، اور سفیان نے (بھی) اپنے ہونٹوں کو ہلایا۔

تشریح:۔ چونکہ آپؐ کو بھول جانے کا اندیشہ تھا اس لئے آپؐ حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ پڑھتے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے منع فرمایا کہ آپ صرف سُنا کریں اور پڑھنے کی ضرورت محسوس نہ کریں کیونکہ آپ کے سینہ میں اس کا جمع کرنا اور اس کا مطلب واحکام سمجھانا ہمارا کام ہے لہٰذا آپ جبرئیلؑ کی زبانی وحی سنتے وقت خاموش رہیں اور جب وحی ختم ہوجائے تب آپ پڑھا کریں اور بار بار پڑھا کریں تاکہ اچھی طرح یاد بھی ہو اور آپ کی محبت جو قرآن سے ہے اس کا تقاضا بھی پورا ہو۔ یہ حدیث مسلسل بتحریک الشفتین کہلاتی ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ثوير قال سمعت ابن عمر يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ادنىٰ اهل الجنة منزلة الخ". یہ حدیث اور رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ دونوں ابواب صفۃ الجنۃ کے "باب ماجاء فی رؤیۃ اللہ تبارک وتعالیٰ" کے تحت دیکھے جاسکتے ہیں۔ (تشریحات: ص: ۳۱۷ جلد ہفتم)

ومن سورة عبس

سورۃ عبس کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عائشة قالت أُنزِل "عَبَس وَ تَوَلّٰى "فى ابن ام مكتوم الاعمىٰ اَتَىٰ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم فجعَلَ يقول: يارسول الله اَرْشِدْنى وعندرسول الله رجل من عظماء المشركين فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يُعْرِض عنه ويُقبل على الآخرويقول: اَترىٰ بِمَاالقول باساً فيقول "لا "ففى هذااُنزل". (حسن غريب)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں"عَبَسَ وتولیٰ "ابن ام مکتوم نابینا کے بارے میں نازل کی گئی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہتے جارہے تھے اے اللہ کے رسول! مجھے (دین کے فلاں مسئلہ) کی تعلیم دیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑا مشرک بیٹھا تھا (یعنی مشرکین کے سرداروں میں سے ایک سردار)، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس مشرک کو سمجھانے کی غرض سے) عبداللہ بن ام مکتوم سے گریز فرمارہے تھے اور دوسرے (مشرک) کی جانب متوجہ ہورہے تھے اور کہتے تھے کیا تم میری باتوں میں کچھ حرج محسوس کرتے ہو؟ تو وہ کہتا نہیں، پس اسی واقعہ میں یہ سورت نازل کی گئی۔

تشریح:۔قولہ:"عَبَسَ وَتولیٰ" (اللہ کے رسول) چیں بجبیں ہوگئے اور روگردانی کی کہ آیا اس کے پاس ایک اندھا۔ ان کے نام میں متعدد اقوال ہیں: (۱) عبداللہ بن ام مکتوم۔ (۲) عمرو بن زائدہ۔ (۳) عمرو بن قیس بن زائدہ وغیرہ، جبکہ ام مکتوم ان کی والدہ کی کنیت ہے اور نام عاتکہ ہے۔ جب کسی مسئلہ کی تخریج میں مختلف اصول یکجا ہوجائیں تو مجتہد اپنی نظر سے کسی ایک اصول کو ترجیح دیتا ہے جو کبھی غلط بھی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ آپؐ کے سامنے یہاں دو اصول معارض ہوگئے کہ ایک جانب سرداران مشرکین اصول دین کے محتاج تھے اور آپؐ ان کو اس کی تعلیم دے رہے تھے کہ اسی اثناء میں عبداللہ آئے جو کوئی فرعی مسئلہ دریافت کررہے تھے، یہ دوسرا اصول آپؐ کی نظر میں تعلیم کی ترتیب میں مؤخر تھا کیونکہ اصول کا تعلق اعتقاد سے ہے جبکہ فروع کا عمل سے اور عقیدہ مقدم ہے، لیکن اللہ عزوجل نے آپ کی توجہ ایک دوسرے اصول کی طرف مبذول کرائی کہ اصول کی تعلیم وہاں مقدم ہونی چاہئے جہاں مفید ثابت ہو، اگر کوئی موقعہ ایسا ہو کہ فروع کی تعلیم مفید ہو اور اصول کی غیر مفید تو وہاں فروع کی تعلیم مقدم ہوگی کما قال :"ومایدریک لعله یزّکیٰ.........واما من استغنیٰ فانت له

قولہ: "ویقول الذی الخ" بظاہر یہ عبداللہ بن ام مکتوم کا مقولہ معلوم ہوتا ہے لیکن موطا کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ آپؐ کا مقولہ ہے جو آپؐ مشرک سے کہہ رہے تھے کہ میں جو بات تمہیں بتا رہا ہوں اس میں کوئی حرج ہے؟ تو وہ مشرک کہہ رہا تھا کہ نہیں، اس مشرک کے نام میں بہت سے اقوال ہیں۔ عبداللہ بن ام مکتوم حضرت خدیجہؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، آپؐ اس واقعہ کے بعد ان کی بہت قدر فرماتے، ان کو مؤذن بھی بنا دیا اور اسفار میں جاتے ہوئے کئی دفعہ مدینہ منورہ میں ان کو مسجد نبوی کی امامت پر مشرف فرمایا۔

حدیث آخر:۔ تم (قیامت کے دن) جمع کیے جاؤ گے ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کیے ہوئے۔ تو ایک عورت نے پوچھا: کیا ہمارے بعض دوسروں کی شرمگاہ کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا اے فلاں عورت! لکل امرئ منهم يومئذ شان يُغنيه" اس دن ہر شخص کا ایسا حال ہوگا کہ وہ اسے غافل کر دے گا۔ (حسن صحیح)

اس حدیث کا پہلا حصہ ابواب صفۃ القیامۃ کے "باب ماجاء فی شان الحشر" میں گزرا ہے۔ (دیکھئے تحریمات: ص: ۲۱۵ ج: ۷) مسلم کی روایت میں سائلہ خود حضرت عائشہؓ ہیں۔

ومن سورة اذاالشمس كُوِّرتْ

سورتِ کورت کے بعض آیتوں کی تفسیر

"من سَرّه ان ينظر الىٰ يوم القيامة كانه رَأى عين فليقرأ: "اذاالشمس كُوِّرَتْ واذاالسماء انفطرت.... واذاالسماء انشقت".

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو یہ بات خوش کرے کہ وہ قیامت کے دن کو ایسا دیکھے جیسے چشم دید ہوتا ہے تو اسے چاہئے کہ سورت اذاالشمس کوّرت اور سورت اذا السماء انشقت پڑھے۔

تشریح:۔ کیونکہ ان سورتوں کے پڑھنے اور ان پر غور کرنے سے قیامت کا منظر گویا آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ سورج کے لپیٹے جانے کا ایک مطلب یہ ہے کہ اس کا حجم چھوٹا کر دیا جائے گا تا کہ جو لوگ اس کی عبادت کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ دوسرا مطلب اس کا بے نور ہونا ہے، اس میں بھی یہی حکمت

ہو سکتی ہے اور اس لئے شاید اسے جہنم میں پھینکا جائے گا تا کہ مشرکین کو شرمندگی و رسوائی ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

ومن سورة ويل للمطففين

سورتِ مطففین کے بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان العبد اذا اخطأ خطيئةً نُكِتَتْ فى قلبه نكتة سوداء فاذا هو نَزَعَ واستغفر وتاب سُقل قلبه وان عاد زِيْدَ فيها حتىٰ تعلو قلبه وهو الران الذى ذكر الله "كلّا بل ران علىٰ قلوبهم ما كانوا يكسبون". (حسن صحيح)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے پھر اگر وہ اس گناہ سے نکل جاتا ہے اور استغفار و توبہ کر لیتا ہے تو اس کا دل صیقل (صاف) کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے (یا دوسرا گناہ کرتا ہے) تو اس دھبہ میں اضافہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سارے قلب پر چھا جاتا ہے اور یہی وہ زنگ ہے جو اللہ نے ذکر کیا ہے "كلّا بل ران على قلوبهم الخ" ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ بیٹھ گیا۔

تشریح:۔ نیکی، بدی وہ اعمال ہیں جو آدمی کے دل پر اثر چھوڑتے ہیں، نیکی سے دل صاف ستھرا ہو جاتا ہے اور گناہ سے آلودہ اور سیاہ ہو جاتا ہے جس کی تصویر اس حدیث میں پیش کی گئی ہے۔ قوله: "فاذا هو نَزَعَ" بمعنى اى نزع العبدُ نفسه یعنی اگر وہ خود کو اس گناہ سے الگ کر دے، نکال باہر کر دے۔ قوله: "سُقِلَ قلبه" سین اور صاد دونوں سے آتا ہے بمعنی مانجنے کے۔ قوله: "كلا بل ران الخ" یہ مشرکین کے الزام کا جواب ہے یعنی یہ قرآن اساطیر الاولین اور پہلے لوگوں کی بے سند کہانیاں ہرگز نہیں بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے البتہ ان کے دلوں پر زنگ آگیا ہے ان کے گناہوں کی وجہ سے، اس لئے وہ قرآن کا صحیح تجزیہ و ادراک نہیں کر سکتے ہیں۔ ابن عمرؓ کی اگلی دونوں حدیثوں پر بحث ابواب صفة القيمة کے اوائل میں گزری ہے۔ (تشریحات: ص: ۲۱۴ ج: ۷)

ومن سورة اذا السماءُ انشقت

حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث مع التشریح ابواب صفة القیامۃ میں ''باب العرض اور باب بلا ترجمہ'' کے تحت گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ص: ۲۱۶ و ۲۱۷ ج: ہفتم)

ومن سورة البروج

سورتِ بروج کے بعض آیتوں کی تفسیر

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''الیوم الموعود'' قیامت کا دن ہے اور ''الیوم المشهود'' عرفہ کا دن ہے اور ''شاهد'' جمعہ کا دن ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ آفتاب نہ نکلا اور نہ ڈوبا کسی دن میں جو افضل ہو جمعہ سے، اس میں ایک گھڑی ہے کہ مؤمن جو بھی اچھی دُعاء کرے اس میں اللہ سے اللہ اسے قبول کرتا ہے اور جس سے پناہ مانگتا ہے اللہ اس کو اس سے پناہ دیتا ہے۔ (غریب)

(جمعہ کے دن کی گھڑی کے متعلق تفصیل ابواب الجمعہ کے ''باب فی الساعة التی ترجیٰ فی یوم الجمعة'' میں گزری ہے۔ تشریحات: ص: ۳۵۶ ج: ۲)

حدیث آخر: حضرت صہیب بن سِنان رومیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عصر کی نماز پڑھ لیتے تو آہستہ کچھ پڑھتے۔ بعض راویوں کے قول میں ہے کہ ہمس کے معنی ہونٹوں کو حرکت دینا ہے گویا آپؐ کچھ کہتے تھے چنانچہ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ جب عصر کی نماز سے فارغ ہوجاتے ہیں تو آہستہ آہستہ ہونٹ ہلاتے ہیں؟ (یعنی آپ کیا پڑھتے؟) آپؐ نے فرمایا کہ انبیاء میں سے ایک نبی کو اپنی امت (کی کثرت) پر عجب (نازسا) ہوا، وہ دل میں کہنے لگے کہ کون ان سے مقابلہ کرسکتا ہے، پس اللہ نے ان پر وحی بھیجی کہ ان کو اختیار دیں اس میں کہ یا تو میں ان کو ہلاک کردوں یا ان پر ان کا دشمن مسلط کردوں، پس انہوں نے ہلاکت کو اختیار کیا پس ان پر موت مسلط کی گئی پس ایک ہی دن میں ان کے ستر ہزار آدمی مرگئے۔

(یہ ترمذی کی روایت ہے جو نسبتاً مختصر ہے مسند احمد میں یہ مفصل ہے اس میں تیسری نقمت کا بھی ذکر ہے یعنی بھوک کا تسلط پھر آپؐ نے فرمایا میں اس وجہ سے آہستہ یہ دعاء پڑھتا ہوں ''اللّٰهم بك اقاتل ابك اصاول ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه'' اور یہ کہ یہ حنین کے دنوں کی بات ہے)۔

قال:۔ راوی نے کہا آپ جب یہ حدیث بیان کرتے تو اس کے ساتھ یہ دوسری حدیث بھی بیان کرتے ،قال کان ملک من الملوک الخ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا (جس کا نام ذونواس تھا اور ساحر تھا) اور اس بادشاہ کا ایک کاہن تھا جو اس کے لئے کہانت کرتا تھا (یعنی اخبارِ غیب بتانے کا دعویٰ کرتا تھا) تو اس کاہن نے بادشاہ سے کہا مجھے کوئی ہوشیار لڑکا تلاش کر کے دو (راوی کو شک ہے کہ فهماً کہا یا فطناً لقناً سنجیدہ اور جلد سمجھنے والا) تاکہ میں اس کو اپنا علم (فن) سکھادوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں مرگیا تو آپ کے پاس یہ علم نہیں رہے گا اور تم میں سے کوئی اس کا معلم بھی نہیں رہے گا۔

قال:۔ چنانچہ انہوں نے اس کے لئے ایسا ہی لڑکا تجویز کیا جیسا اس نے کہا تھا، اور اس کو کہا کہ وہ ہر روز اس کاہن کے پاس حاضر ہوا کرے اور اس کے پاس آیا جایا کرے، پس وہ اس کے پاس آیا جایا کرتا تھا، اس لڑکے کے راستہ میں ایک راہب تھا ایک عبادت خانہ میں۔ معمر (راوی) کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اس وقت گرجوں والے مسلمان تھے۔

قال:۔ پس وہ لڑکا جب بھی اس راہب کے پاس سے گزرتا تھا تو اس سے (عبادت کے متعلق) سوالات پوچھتا یہاں تک کہ اس نے اس کو بتادیا کہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔

قال:۔ پس وہ لڑکا راہب کے پاس دیر لگا تا تھا اور کاہن کے پاس دیر سے پہنچتا تھا پس کاہن نے لڑکے کے گھر والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ میرے پاس آنا نہیں چاہتا ہے، چنانچہ لڑکے نے اس کی اطلاع راہب کو کردی، راہب نے اس سے کہا کہ جب کاہن تجھ سے پوچھے کہ تو کہاں تھا؟ (یعنی کیوں دیر لگائی؟) تو تم کہو کہ میں گھر میں تھا (یعنی وہاں دیر ہوگئی) اور جب گھر والے پوچھے کہ تم کہاں تھے؟ تو ان کو بتایا کرو کہ میں کاہن کے پاس تھا (یعنی ہر فریق سے کہو کہ میں دوسرے فریق کے پاس تھا)

قال فبینما الغلام علی ذالک:۔ چنانچہ وہ اسی معمول کے مطابق (آتا جاتا) تھا کہ ایک دن لوگوں کی ایک جماعت پر گزر ہوا جن کو کسی جانور نے روک رکھا تھا، بعض کہتے ہیں کہ وہ جانور شیر تھا، فرمایا کہ اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا اے اللہ! راہب جو کہتا ہے اگر وہ سچ ہے تو میں تجھ سے دعاء کرتا ہوں کہ میں اس کو قتل کروں (تاکہ مجھے اطمینان حاصل ہو جائے) پھر اس نے پتھر مارا اور جانور کو مار ڈالا، پس لوگوں نے پوچھا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ (دیکھنے والوں) نے کہا اس لڑکے نے، چنانچہ لوگ گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اس لڑکے نے ایسا علم سیکھا ہے جو کسی نے حاصل نہیں کیا ہے، فرمایا کہ یہ بات ایک اندھے نے سُنی، اس نے لڑکے سے کہا

کر بیٹھے، تو نے میری آنکھ لوٹادی تو تیرے لئے اتنا اتنا ہے (یعنی بہت کچھ دوں گا) لڑکے نے کہا کہ میں تم سے یہ نہیں
کرتا ہوں (بلکہ) اگر تم مجھے یہ بتاؤ! کہ اگر تیری نظر تیری طرف لوٹ کر آئے تو کیا تم اس پر ایمان لاؤ گے جو تیری نظر تجھے
لوٹا دے گا؟ اس نے کہا "ہاں!" فرمایا: اس لڑکے نے اللہ سے دعا مانگی اور اللہ نے اس کی نظر لوٹادی، پس وہ
اندھا ایمان لایا، جب اس کی خبر بادشاہ کو پہنچی اس نے ان کے پاس کہلا بھیجا اور ان سب کو لایا گیا، بادشاہ نے کہا
کہ میں تم میں سے ہر ایک کو اس طریقہ پر قتل کروں گا جس طریقہ پر دوسرے کو نہیں ماروں گا (بلکہ اسے نئے
طریقے سے ماروں گا)۔

چنانچہ اس نے راہب اور اس نابینا شخص کے بارے میں حکم دیا، چنانچہ ان میں سے ایک کے سر کے
درمیان (مانگ کی جگہ پر) آرا رکھ کر اسے (چیر واکر) قتل کر دیا (مسلم کی روایت کے مطابق یہ وہ راہب تھا) اور
دوسرے (اندھے) کو کسی دوسرے طریقہ سے قتل کروا دیا، پھر اس لڑکے کے لئے حکم کیا اور کہا کہ اس کو لے جاؤ
فلانے پہاڑ پر اور اس کی چوٹی سے اس کو پھینک دیں، چنانچہ نوکر اسے اس پہاڑ پر لے گئے اور جب وہ اس جگہ
پہنچے جہاں سے وہ اس لڑکے کو گرانا چاہتے تھے، تو وہ خود گرنے لگے اور گرتے گئے یہاں تک کہ ان میں سے
سوائے اس لڑکے کے کوئی بھی نہیں بچا۔

قال ثم رجع: فرمایا کہ وہ لڑکا پھر لوٹ آیا تو بادشاہ نے اس کے لئے حکم کیا کہ اس کو سمندر میں لے
جا کر اس میں ڈبو دیں، چنانچہ وہ اسے سمندر میں لے گئے پس اللہ نے ان سب کو غرق کر دیا جو اس لڑکے کے
ساتھ تھے اور اسے بچالیا، پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا تو مجھے کبھی نہیں مار سکے گا یہاں تک کہ مجھے سولی (پھانسی
کے کھمبے) پر چڑھا کر تیر نہ مارے اور تیر مارتے وقت یہ نہ کہے: بسم اللہ، اللہ کے نام جو اس لڑکے کا پروردگار ہے!

قال: چنانچہ اس بادشاہ نے اس کا حکم دیا تو اس لڑکے کو سولی پر ٹانگا گیا اور تیر مارتے ہوئے
کہا "بسم اللہ رب هذا الغلام" فرمایا کہ اس لڑکے کو جب تیر لگا تو اس نے اپنا ہاتھ اپنی کنپٹی پر رکھ
لیا اور پھر جان دے دی۔ پس لوگوں نے کہا کہ اس لڑکے نے ایسا علم حاصل کیا ہے کہ جو کسی کو نہیں آتا تھا، اس
لئے ہم اس لڑکے کے معبود پر ایمان لاتے ہیں۔

قال: چنانچہ بادشاہ سے کہا گیا کہ تو تین کی مخالفت سے گھبرا رہا تھا اب تو سارے لوگ تیرے مخالف
ہو گئے۔

قال فخد اُخدوداً: پھر اس نے بڑی بڑی خندقیں (کھائیاں) کھدوائیں اور پھر ان میں لکڑیاں

ڈال کر آگ لگادی، پھر لوگوں کو جمع کر کے کہنے لگا: جو اپنے دین (حق) سے پھرے گا ہم اسے چھوڑ دیں گے اور جو نہ پھرا، ہم اس کو اس آگ میں ڈال دیں گے، چنانچہ وہ اہلِ ایمان کو ان خندقوں میں ڈالنے لگا۔ **قال یقول اللہ تبارک وتعالی**: فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے "**قتل اصحاب الاخدود، النار ذات الوقود..... حتی بلغ...... العزیز الحمید**" کھائیوں والوں پر خدا کی مار ہو، دہکتی ہوئی آگ والوں پر۔ **قال**:۔ پس لڑکا جو تھا تو اُسے دفنایا گیا۔ **قال فیذکر**: کہا جاتا ہے کہ اسے عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں (کسی کھدائی کے دوران) نکالا گیا تھا جبکہ اس کی انگلی کنپٹی (کے سوراخ) پر ایسی ہی رکھی ہوئی تھی جیسے ہی اس نے مارے جانے کے وقت رکھی تھی۔

(حسن غریب)

تشریح:۔ اس لڑکے کا نام عبداللہ بن التامر تھا، محمد بن اسحاق کے مطابق نجران کے ایک ویرانے کی کھدائی کے دوران اس لڑکے کی نعش دریافت ہوئی تھی اور جیسا ہی اس کا ہاتھ کنپٹی سے ہٹا دیا گیا تو زخم سے خون جاری ہوگیا اور جب اس کا ہاتھ چھوڑا گیا تو واپس زخم پر آ گیا اور خون رُک گیا، اس کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا "**ربی اللہ**" چنانچہ جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو کر دی گئی تو آپؓ نے فرمایا اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو (یعنی سابقہ جگہ میں دفنا دو!)۔ (اُخدود کی یہ روایت مسلم، نسائی اور مسند احمد میں بھی ہے، کذا فی تحفۃ الاحوذی۔)

ومن سورة الغاشية

سورتِ غاشیہ کے بعض آیتوں کی تفسیر

"**عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اُمرتُ ان اُقاتل الناس حتیٰ یقولوا "لا الہ الا اللہ"...... الی..... انما انتَ مُذَکِّرٌ لست علیھم بِمُصَیْطِر**"۔

تشریح:۔ یہ حدیث ابواب الایمان میں گزری ہے "باب ماجاء اُمرتُ ان اقاتل الخ" البتہ وہاں یہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ص: ۳۶۵ ج: ۷) اس پر بھی امام ترمذیؒ نے حسن صحیح کا حکم لگایا ہے جیسا کہ یہاں بھی ہے۔ **قولہ: "انما انت مذکر الخ"** آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر داروغہ مقرر نہیں کئے گئے ہیں۔ چونکہ سورت مکی ہے اور اس وقت آپؐ کو قتال کی اجازت نہیں دی گئی تھی اس لئے اللہ نے فرمایا کہ آپ (فی الحال) صرف نصیحت کیا کریں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے اس سے مزید کچھ نہ کیا کریں۔

ومن سورة الفجر

سورت فجر کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عمران بن حصين ان النبى صلى الله عليه وسلم سُئل عن الشفع والوتر فقال هى الصلوٰة بعضها شفع وبعضها وتر". (غريب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شفع اور وتر کے بارے میں پوچھا گیا (کہ ان سے کیا مراد ہے؟) تو آپ نے فرمایا وہ نماز ہے، کچھ نمازیں شفع (جفت) ہیں اور کچھ وتر یعنی طاق ہیں۔

تشریح:۔یعنی "والشفع والوتر" جن کی اللہ نے قسم کھائی ہے، سے کیا مراد ہے؟ تاہم باب کی حدیث کے مقابلہ میں زیادہ اصح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مراد زمانے کے اوقات ہیں مثلاً نحر کا دن اور عرفہ کا یوم وغیرہ۔ باب کی حدیث میں بصری راوی مجہول ہے۔ شفع اور وتر کے مزید مطالب بھی ہیں۔

ومن سورة والشمس وضحٰها

سورت الشمس کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عبدالله بن زمعةؓ قال سمعتُ النبى صلى الله عليه وسلم يوماً يذكر الناقة والذى عقرها، فقال: "اِذ انبعَث اَشقاها" اِنبعث لها رجل عارم عزيز منيع فى رهطه مثل ابى زمعة، ثم سمعته يذكر النساء فقال: الى مايعمد احدُكم فيجلد اِمرأته جلدَ العبد ولعلّه ان يضاجعها من اٰخر يومه، قال ثم وَعَظهم فى ضحكهم من الضرطة، فقال الیٰ مايضحكُ احدكم من مّايفعل؟". (حسن صحيح)

حضرت عبداللہ بن زمعہؓ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن سُنا، آپ (صالح علیہ السلام کی) اونٹنی کا تذکرہ فرما رہے تھے اور اس شخص کا جس نے اس کی کوچیں (کوچ ایڑی اور ٹخنے کے درمیانی پٹھے کو کہتے ہیں) کاٹ ڈالی تھیں اور پڑھا آپؐ نے "اذانبعث اشقاها" جب اُٹھ کھڑا ہوا (مار ڈالنے کو) ایک بدبخت ان میں سے، اٹھا اس (کے قتل) کے لئے ایک خبیث وشریر، بدذات، زبردست طاقتور اپنی قوم میں ابوزمعہ کی طرح۔ پھر میں نے آپؐ سے سُنا آپ نے عورتوں کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے

کہ اپنی بیوی کو غلام کی طرح (کوڑے) مارتا ہے اور شاید وہ اس کے ساتھ دن کے اختتام پر لیٹے۔

قال:۔ پھر آپؐ نے ان کو (صحابہ کو) نصیحت کی پادنے (گوز) پر ہنسنے کے حوالہ سے پس آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی کیوں ہنستا ہے ایسے کام پر جو وہ خود بھی کرتا ہے؟

تشریح:۔ حضرت صالح کی اونٹنی کے قتل کی سازش کرنے والے دراصل سات آدمی تھے لیکن جس نے وار کیا تھا وہ قِدار بن سالف تھا، اس کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ اس اونٹنی سے لوگ جتنا چاہتے دودھ نکالتے، جس سے دو عورتوں صدقہ اور عُنیزہ کے دودھ کا کاروبار تقریباً معطل ہو گیا تھا۔ انہوں نے دو آدمیوں کو اس اونٹنی کے قتل پر اُکسایا اور بدلہ میں بدفعلی کا وعدہ کیا، صدقہ خود خوبصورت تھی اور عُنیزہ کی بیٹی حسین تھی۔ چنانچہ مصدع نامی آدمی نے اونٹنی کو تیر مارا، اس کو دیکھ کر عُنیزہ نے اپنی بیٹی سے کہا کہ قِدار کو چہرہ دکھاؤ، جس کو دیکھتے ہی قِدار بن سالف نے مستی میں آکر اونٹنی کو زخمی کر کے قتل کر دیا۔

قولہ: "اِنبعث" یعنی جلدی اُٹھا۔ قولہ: "اشقاھا" ای اشقا ثمود جو کہ قِدار بن سالف تھا۔ قولہ: "عارم" خبیث وشریر۔ قولہ: "عزیز" طاقتور۔ قولہ: "منیع فی رھطہ" ای محمی یعنی جس کو قوم کی حمایت حاصل تھی۔ قولہ: "فیجلد" کوڑے اور تلوار سے مارنے کو بھی کہتے ہیں اور عام مارنے کو بھی کہتے ہیں، یہاں مطلق مارنا مراد ہے، یہ تنبیہ ہے حسنِ معاشرہ پر گو کہ تادیباً مارنا حدِ شرعی کے اندر جائز ہے جس کی تفصیل گزری ہے۔ قولہ: "ثم وعظھم فی ضحکھم من الضرطۃ" عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ چونکہ یہ ایک اغلبی امر ہے اس لئے اس پر ہنسنا نہیں چاہئے، ہاں البتہ اگر جان بوجھ کر کوئی ایسا کرے تو یہ قابلِ تادیب اور موجبِ سزا ہے، نہ کہ ہنسنے کا سبب۔

المسترشد عرض کرتا ہے کہ بعض لوگ اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے ہیں حتیٰ کہ مسجد اور اہم محافل کا خیال بھی نہیں رکھتے، جس سے دوسروں کو بدبو سے تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس کا خاص خیال رکھنا لازمی ہے کیونکہ ایذائے مسلم حرام ہے۔

ومن سورة والليل اذا يغشىٰ

سورت اللیل کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن علی قال کنا فی جنازۃ فی البقیع فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ".

اس حدیث کے متعلق ضروری و تفصیلی بحث ابواب القدر میں گزری ہے۔(دیکھئے تشریحات "باب ماجاءفی الشقاوۃ والسعادۃ" کی دوسری حدیث ص:۲۷۴ج:ششم)

قولہ:"ومعہ عود ینکت بہ فی الارض" یعنی آپؐ ایک جنازہ کے ساتھ بقیع میں تشریف لائے اور آپ بیٹھ گئے، اورہم بھی بیٹھ گئے آپؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپؐ زمین کرید رہے تھے الخ۔کیونکہ جب آدمی کسی فکر میں منہمک ہوتا ہے تو وہ عموماً زمین کو کریدتا ہے یا اپنی ڈاڑھی کے بالوں میں ہاتھ ڈالتا ہے، چونکہ آپؐ کا تعلق اس وقت عالمِ بالا سے تھا اس لئے آپؐ متفکر تھے۔**قولہ:"ثم قرأ فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسّرہ لِلیُسریٰ واما من بخل واستغنیٰ وکذّبَ بالحُسنیٰ فسنیسّرہ لِلعُسریٰ"**۔(حسن صحیح)

پس جس نے (مال) دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور کلمہٗ اسلام کی تصدیق کی، تو ہم اس کے لئے اچھی خصلت آسان کردیں گے (جس سے وہ جنت کے اعمال آسانی سے کرے گا) اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی کی اور کلمہٗ اسلام کو جھٹلایا، تو ہم اس کے لئے مشکل راستہ آسان بنادیں گے، یعنی دوزخ کا راستہ جس کا انجام تکلیفات سے بھرا ہوا ہے، آسان کردیں گے، پس طاعت اس کو مشکل لگے گی، اس طرح وہ جنت سے محروم ہوجائے گا۔

ومن سورۃ والضحیٰ

سورتِ ضُحیٰ کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن جندب البجلیؓ قال کنتُ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غار فَدَمِیَتْ اُصبُعُہٗ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :ھل انتِ اِلّا اصبع دَمِیتِ و فی سبیل اللہ مالقیتِ قال وابطأ علیہ جبرئیل فقال المشرکون قد وُدِّع محمد،فانزل اللہ تبارک وتعالیٰ :ما ودّعک ربُّک وماقلیٰ"۔(حسن صحیح)

حضرت جندب بجلیؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غار میں تھا تو آپؐ کی انگلی سے خون نکل آیا (پتھر لگنے سے)، تو آپؐ نے فرمایا تو نہیں ہے مگر ایک انگلی، تجھ سے خون نکلا اور اللہ ہی کے راستہ میں ملا ہے جو کچھ تجھے ملا اور فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کے پاس آنے میں تاخیر کی تو مشرکین نے

کہا محمد چھوڑ دیئے گئے، پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمائی یہ آیت (سورت) "مَا وَدَّعَكَ الخ" آپ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے ناخوش ہوا ہے۔

تشریح:۔ قوله: "فی غار" "قاضی عیاض" کہتے ہیں کہ یہ لفظ یا تو تصحیف شدہ ہے، اصل میں "غازیا" تھا یعنی میں آپ کے ہمراہ ایک لشکر میں تھا اور اگر تصحیف نہ ہوئی ہو تو پھر غار بمعنی کہف کے نہیں بلکہ بمعنی لشکر کے ہے، لیکن عارضہ میں ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں، ایک بار لشکر میں اور دوسری بار غار میں پیش آیا۔

آپؐ کا اپنی انگلی کو تسلّی دینا بطورِ معجزہ کے ہے کہ یہ تکلیف رائیگاں نہیں جائے گی کیونکہ یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دینے والی ام جمیل تھی جو آپؐ کے چچا ابولہب کی بیوی تھی دونوں کا تذکرہ سورت لہب میں ہوا ہے، یہ طعنہ اس نے اس وقت دیا تھا جب آپؐ بوجہ ناسازی طبع کے ایک یا دو رات قیام اللیل نہ کر سکے تھے تو اس نے کہا "ما اری شیطانک اِلَّا قد تَرَکَکَ"۔

پھر آپؐ کا اپنی انگلی سے یہ خطاب ایک منظوم کلام ہے، مگر مع ہذا یہ شعر نہیں ہے کیونکہ اس میں ارادۂ نظم نہیں تھا جبکہ شعر وہ ہوتا ہے جو بالارادہ ہو۔ دونوں مسئلوں پر راقم نے "زاد یسیر فی علوم التفسیر" میں تفصیلی بحث کی ہے۔ فلیراجع

ومن سورة اَلَمْ نشرح

سورتِ اَلَم نشرح کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن مالک بنْ صعصعة رجل من قومه ان نبی الله صلی الله علیه وسلم قال بینما انا عند البیت بین النائم والیقظان اذ سمعتُ قائلا یقول احدبین الثلاثة فأُتِیتُ بِطستٍ من ذهب فیه ماء زمزم فَشُرِحَ صدری اِلیٰ کذا وکذا قال قتادة: قلت مایعنی؟ قال: الی اسفل بطنی قال فاستُخرج قلبی فغُسل قلبی بماء زمزم ثم اُعیدمکانه ثم حُشِیَ ایماناً وحکمةً وفی الحدیث قصة طویلة". (حسن صحیح)

حضرت انس بن مالکؓ اپنی قوم کے ایک شخص صعصعہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دریں اثنا کہ میں بیت اللہ کے پاس سوئے ہوئے اور جاگنے والے کے درمیانی حال میں تھا کہ اس وقت میں نے ایک کہنے والے کو سُنا، جو تین میں سے ایک درمیانہ والا کہہ رہا تھا۔ پس میرے پاس ایک طشت لایا

گیا سونے کا، جس میں زمزم کا پانی تھا تو میرا سینہ کھولا گیا (یعنی چاک کیا گیا) یہاں سے یہاں تک، قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے (انسؓ سے) پوچھا کہاں تک؟ (انسؓ نے فرمایا) آپؐ نے فرمایا میرے پیٹ کے نیچے تک۔ آپؐ نے فرمایا پس میرا دل نکالا گیا اور اسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا پھر اسے اپنی جگہ لوٹا دیا گیا پھر وہ ایمان سے اور حکمت سے بھر دیا گیا، حدیث میں (معراج کا) لمبا قصہ ہے۔

تشریح:۔ حضرت صعصعہؓ سے فقط ایک حدیث مروی ہے جس سے ان کا قدیم الوفات ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس حدیث کو سورتِ الم نشرح میں لانے میں شرح صدر کی ایک صورت کی طرف اشارہ ہے، یہ شرح صدر کی اعلیٰ ترین صورت ہے جبکہ اس کے علاوہ معنوی شرح صدر بھی ہوتا ہے۔ قولہ: "بین النائم والیقظان" یعنی میری نیند نہ زیادہ گہری تھی اور نہ میں جاگ رہا تھا بلکہ ہلکی سی نیند سو رہا تھا جیسے اُونگھ کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ آپؐ کو سینہ کے شق کی تکلیف بھی نہ ہو اور آپ اس صورت حال کو دیکھ بھی سکیں۔ تاہم بُراق پر سوار ہونے کے بعد آپؐ مکمل بیدار ہو گئے تھے۔ قولہ: "بین الثلاثۃ" مسلم کی روایت میں "احد الثلاثۃ بین الرجلین" ہے۔ چونکہ آپؐ حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان سوئے تھے اس لئے ترمذی کی روایت کے الفاظ مسلم کی روایت پر محمول کریں گے۔ آپ کہاں سوئے تھے؟ بعض روایات میں ہے کہ آپ اُم ہانی کے گھر میں تھے، بعض میں ہے کہ آپ حطیم میں تھے، ان کو یوں جمع کیا گیا ہے کہ اولاً آپؐ اُم ہانی کے گھر میں تھے جب آپ کو وہاں سے لایا گیا اور حطیم میں لٹا دیا گیا تو ابھی تک آپ مکمل بیدار نہیں ہوئے تھے لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ قولہ: "الیٰ اسفل بطنی" یعنی ناف تک۔ شق صدر کا واقعہ کتنی مرتبہ پیش آیا ہے؟ تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات صرف ایک مرتبہ کے قائل ہیں کہ جب آپ حضرت حلیمہ کے پاس شیر خوار تھے یہ واقعہ پیش آیا تھا، بعض حضرات دو دفعہ کے قائل ہیں ایک بچپن میں اور دوم بعثت کے وقت، جبکہ بعض حضرات تین مرتبہ شق صدر کے قائل ہیں دو وہ سابقہ اور تیسرا یہ مذکور فی الحدیث، البتہ عند البعث کی روایات اتنی قوی نہیں ہیں لہٰذا کہا جائے گا کہ جب آپؐ رضیع تھے اور جب آپ معراج پر لے جائے جا رہے تھے تو شق صدر کا یہ عجیب الوقوع واقعہ رونما ہوا تھا۔

ومن سورة والتين

سورتِ تین کی بعض آیتوں کی تفسیر

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں جو شخص سورتِ والتین والزیتون پڑھے، اور ''ألیس اللہُ باحکم الحاکمین '' پڑھے تو اسے چاہئے کہ کہے ''بلی وانا علی ذالک من الشاھدین ''یعنی کیوں نہیں میں اس پر گواہ ہوں کہ اللہ احکم الحاکمین ہے۔

ومن سورة اقرأ باسم ربک

سورتِ علق کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباسؓ سَنَدْعُ الزبانية قال قال ابو جهل :لئن رأيتُ محمداً يصلي لَاطَأنَّ على عُنقه فقال النبي صلى الله عليه وسلم لوفعل لَاخذته الملائكة عَيَاناً".(حسن غريب صحيح)

''سَنَدْعُ الزبانية ''ہم زبانیہ کو بلالیں گے، آیت کے بارے میں ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا تھا اگر میں محمد کو نماز پڑھتے دیکھوں گا تو ان کی گردن لاتوں سے روندوں گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اس کو برملا پکڑ لیتے۔

حدیث آخر: ۔ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (حرم میں) نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ابوجہل آیا اور کہنے لگا: کیا میں نے تجھے اس (نماز) سے منع نہیں کیا ہے؟ (تین دفعہ کہا) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے (یعنی نماز کے بعد) اور اس کو جھڑکا تو ابوجہل کہنے لگا کہ تم تو اچھی طرح جانتے ہو کہ مکہ میں کسی کے ہم نشین مجھ سے زیادہ نہیں ہیں (یعنی میری حیثیت سردارِ مکہ کی ہے)۔فانزل اللہ تبارک وتعالیٰ :"فليدع ناديه سندع الزبانية" پس اسے چاہئے کہ وہ اپنے ہم نشین بلالے اور ہم زبانیہ کو بلالیں گے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں بخدا! اگر وہ اپنے ہم محفلوں کو بلاتا تو اللہ کے زبانیہ (فرشتے) اس کو پکڑ لیتے۔

تشریح: ۔دونوں روایتیں صحیح ہیں اور مضمون بھی دونوں کا ایک ہے تاہم ابن عباسؓ چونکہ ہجرت سے

تقریباً تین سال قبل پیدا ہوئے ہیں اس لئے یہ مرسل روایت ہوئی لیکن اس سے روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔قولہ: "الزبانیة" زبن سے ہے بمعنی دفع کے، چونکہ یہ فرشتے نہایت طاقتور اور تندخو ہیں اس لئے ان کو زبانیہ کہتے ہیں جو جہنمیوں کو بلاترس دوزخ میں دھکیلیں گے۔

ومن سورة القدر

سورتِ قدر کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن یوسف بن سعد قال قام رجل الی الحَسَن بن علی بعدمابایع معاویة فقال سَوَّدْتَ وجوہ المؤمنین فقال: لاتُؤَنِّبْنِیْ رحمکَ الله!فان النبی صلی الله علیه وسلم أُرِیَ بنی أُمیة علیٰ منبرہ فسَاءَ ہ ذالک فنزلت "اناا عطیناک الکوثر" یامحمدایعنی نهراً فی الجنة، ونزلت "اناانزلناہ فی لیلة القدر وماادراک مالیلة القدر لیلة القدرخیرمن الف شهر" یملکها بعدک بنو امیة یامحمد!قال القاسم فعددناهافاذاهی الف شهر لاتزیدیوماً ولاتنقص". (غریب. ویوسف بن سعدرجل مجهول)

یوسف بن سعد کہتے ہیں کہ ایک شخص حسن بن علیؓ کی طرف کھڑا ہوا بعد اس کے کہ حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ سے بیعت کر چکے تھے، اس نے کہا آپ نے مسلمانوں کے منہ کالے کر دیئے (یعنی ان کو رسوا کردیا)، پس حسنؓ نے کہا مجھے ملامت نہ کرو! اللہ تجھ پر رحم کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بنوامیہ اپنے منبر پر دکھلائے گئے (یعنی خواب میں بنوامیہ منبر پر چڑھتے ہوئے نظر آئے) پس یہ بات آپؐ کو ناگوار لگی (کیونکہ اس میں فساد کا اندیشہ تھا) پس یہ سورت نازل ہوئی "انااعطیناک الکوثر" اے محمد! ہم نے تجھ کو کوثر دی ہے، جو جنت میں ایک نہر ہے اور یہ سورت نازل ہوئی "اناانزلناہ فی لیلة القدر الخ" یعنی ہزار مہینے ہیں جن میں آپ کے بعد بنوامیہ حکومت کریں گے، قاسم بن فضل راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے ایامِ اقتدار گنے تو وہ ہزار مہینے ہی پائے نہ ایک دن زیادہ اور نہ کم۔

تشریح:۔ یعنی بنوامیہ کے ہزار ماہ کے دورِ حکومت سے ایک رات افضل ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے امام ترمذیؒ کے اس قول سے تو اتفاق نہیں کیا ہے کہ یوسف بن سعد مجہول ہے البتہ حدیث کے ضعف پر وہ امام ترمذی سے متفق ہیں کیونکہ حضرت معاویہؓ کی حکومت سنہ ۴۰ھ میں مستحکم ہوئی اور سنہ ۱۳۲ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا یہاں

تک کہ بنو عباس نے ان سے خلافت چھین لی اور یہ مدت بانوے (۹۲) سال پر مشتمل ہے، نیز یہ سورت مکی ہے جبکہ آپؐ کا منبر سنہ ۸ھ میں بنوایا گیا تھا جیسا کہ کلام فی الصلوٰۃ میں گزرا ہے۔ نیز "انا اعطیناک الکوثر" سورت بھی مکی ہے۔ واللہ اعلم۔ لیلۃ القدر کے متعلق بحث ابواب الصوم میں گزری ہے۔

ومن سورة لم يكن

سورت بینہ کی بعض آیتوں کی تفسیر

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "یا خیرَ البریۃ!" یعنی اے تمام مخلوق سے افضل، آپؐ نے فرمایا "ذاک ابراھیم" وہ ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ آپؐ کا یہ جواب بنا بر تواضع ہے جس میں فضیلت جزوی کو مدار بنایا ہے یا اپنے بارے میں "سید ولد آدم" کے علم سے قبل کا ہے۔

ومن سورت اذازلزلت

سورت زلزال کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابی هريرة قال قرأرسول الله صلى الله عليه وسلم هذه الاية:"يومئذٍ تُحدّث اخبارها" قال اتدرون مااخبارها؟قالوا الله ورسوله اعلم قال فان اخبارهاان تشهدعلى كل عبد اوامةٍ بماعمل على ظهرهاتقول عمل يوم كذاوكذافهذه اخبارها".(حسن صحيح غريب)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "یومئذٍ تُحدّث اخبارھا" اس دن (یعنی قیامت میں) زمین اپنی خبریں بیان کرے گی آپؐ نے فرمایا: جانتے ہو کہ اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا "اللہ ورسولہ اعلم" آپؐ نے فرمایا اس کی خبریں یہ ہیں کہ زمین ہر بندے اور بندی کے بارے میں اس کے ہر اس عمل کے متعلق گواہی دے گی جو اس نے زمین کی پشت پر کیا ہے، چنانچہ وہ کہے گی کہ اس نے فلانے دن ایسا ایسا کیا ہے، پس یہی اس کی خبریں ہیں۔ یہ حدیث "باب ماجاء فی الصُّور" سے ماقبل والے باب میں گزری ہے۔ (تشریحات: ص:۲۱۹ ج:۷)

ومن سورة الهٰكم التكاثر

سورتِ تکاثر کی بعض آیتوں کی تفسیر

حضرت عبداللہ بن الشخیرؓ کی حدیث ابواب الزھد میں گزری ہے۔ (تشریحات: ۱۵۷ ج: ہفتم)

حدیث علیؓ:۔ قال مازلنانشک فی عذاب القبر حتیٰ نزلت: "الهٰكم التكاثر".

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں برابر شک کرتے رہے یہاں تک کہ "الهٰكم التكاثر" اتری۔

تشریح:۔ تکاثر کے لغوی معنی تو بہتات کے ہیں لیکن یہاں اس سے مال اور اولاد کی کثرت مراد ہے، یعنی تمہیں حُبِ مال اور قوم وقبیلہ کی محبت نے فکرِ آخرت سے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ جا کر قبریں دیکھیں یعنی مرگئے۔ مرنے کے بعد ہوش آتا ہے کہ میں کس خوش فہمی میں تھا۔ وہاں جا کر پتہ چلتا ہے کہ دنیا قابلِ فخر چیز نہیں ہے۔ چونکہ یہ سورت مکی ہے اور اب تک آپؐ پر عذابِ قبر کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی، صحابہ کرامؓ کے سامنے صرف اہلِ کتاب کی فراہم کردہ معلومات تھیں جو ان کی تحریف کی وجہ سے زیادہ قابلِ اعتماد نہیں تھیں۔ اس لئے حضرت علیؓ کا تردد کا اظہار کوئی بعید نہیں کہ یہ ابتدائے اسلام کی بات ہے۔

حدیث زبیر بن العوامؓ:۔ "قال لما نزلت "ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم" "یعنی جب یہ آیت نازل ہوئی "ثم لتسئلن" "پھر قیامت کے دن تم سے ضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارے میں، تو حضرت زبیرؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! "وای نعیم نسأل عنه وانما هو الاسودان التمر والماء" "ہم سے کون سی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا حالانکہ ہمارے پاس تو دو ہی کالی چیزیں ہیں یعنی کھجور اور پانی؟ آپؐ نے فرمایا "اما انه سیکون" "یعنی تمہیں عنقریب نعمتیں ملیں گی (اور پھر تم سے ان کے بارے میں سوال ہوگا؟)۔

اگلی حدیث میں سوال پر یہ بھی اضافہ ہے کہ دشمن ہر وقت موجود رہتا ہے اور تلواریں ہمارے کندھوں پر ہوتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "اما انه سیکون"۔ (حسن)

سیکون کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی مزید نعمتیں مل جائیں گی، جبکہ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسودان کی صورت میں بھی سوال ہوگا کیونکہ اگلی حدیث میں تصریح ہے "الم نصح لک جسمک

ونرویک من الماء البارد ؟" یعنی صحت اور ٹھنڈا پانی وغیرہ بھی تو نعمتیں ہیں، پھر صحت میں بہت ساری چیزیں داخل ہیں مثلاً صحت مند آنکھیں، کان، معدہ وغیرہ اعضاء وحواس سب صحت کا حصہ ہیں، نیز کھجور بھی اللہ کی نعمت ہے۔

ومن سورة الكوثر

سورتِ کوثر کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن انسؓ "انا اعطيناك الكوثر" ان النبي صلى الله عليه وسلم قال :هو نهر فی الجنة قال فقال النبي صلى الله عليه وسلم رأيتُ نهراً في الجنة حافتاه قِباب اللؤلؤ قلتُ ما هذا يا جبرئيل؟قال هذا الكوثر الذي اعطاكه الله ". (حسن صحيح)

حضرت انسؓ "انا اعطيناك الكوثر " کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے، انسؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت میں ایک نہر دیکھی، اس کے دونوں طرف موتی کے خیمے تھے، میں نے پوچھا، جبرئیلؑ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو دی ہے۔

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دریں اثناء کہ میں جنت میں چل رہا تھا، اچانک میرے سامنے ایک نہر آئی جس کے دونوں کناروں پر موتی کے گنبد تھے، میں نے فرشتے سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ وہ کوثر ہے جو آپ کو اللہ نے عطا فرمائی ہے، آپؐ نے فرمایا پھر فرشتے نے ہاتھ ڈالا اس کی مٹی میں تو مشک (کی طرح مٹی) نکالی، پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ پیش کیا گیا تو میں نے اس کے پاس بڑا نور دیکھا۔ (حسن صحیح)

اگلی روایت میں ہے کہ اس کے کنارے سونے کے بنے ہوئے ہیں اور اس کے پانی کا بہاؤ موتی اور یاقوت پر ہے، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے، اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ ان احادیث کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ کوثر بس فقط یہی نہر ہے یا حوض (حوضِ کوثر کا ابواب صفۃ الجنۃ میں مستقل باب گزرا ہے)، کیونکہ کوثر کے معنی کثرت اور خیر کثیر کے ہیں جس کا مفہوم بہت وسیع ہے،

البتہ نہر اور حوض اس کا ایک فرد ہے۔ چونکہ عاص بن وائل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہا تھا یعنی آپؐ کی اولاد نہیں ہے جس پر یہ سورت نازل ہوئی، اس لئے کثرت امت اور کثرت سے ذکر خیر بھی کوثر میں شامل ہے۔

قوله: "رفعت لی" یعنی مجھے وہاں لے جایا گیا۔ **قوله: "حافتاه من ذهب"** اس کا سابقہ روایات سے کسی طرح تعارض نہیں، کیونکہ کوثر کے کنارے سونے کے بنے ہوئے ہیں اور ان کناروں پر موتی کے گنبد بھی بنے ہوئے ہیں۔ فلا تعارض ۸

ومن سورة الفتح

سورتِ النصر کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن ابن عباسؓ قال كان عمر يسألني مع اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم فقال له عبدالرحمن بن عوف: اَتسأله ولنا بنون مثله قال فقال له عمر انه من حيث تعلم فساله عن هذه الاية "اذاجاء نصر الله والفتح" فقلتُ انما هو اجل رسول الله صلی الله عليه وسلم اَعْلَمَه اياه وقرأ سورةً الیٰ اخرها.... فقال له عمر والله ما اعلم منها اِلّا ما تعلمُ". (حسن صحيح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ صحابہ کے سامنے مجھ سے (مسائل) پوچھا کرتے تھے، تو عبدالرحمٰن بن عوف نے ان سے کہا آپ ان سے پوچھتے ہیں حالانکہ ہمارے بھی ان جیسے بیٹے ہیں، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ نے ان سے کہا یقیناً آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ان کا علمی مقام کتنا بلند ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سے یعنی ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا "اذاجاء نصر الله والفتح" تو میں نے جواب دیا کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (کی طرف اشارہ) ہے اللہ نے آپؐ کو اس کی خبر دی ہے، ابن عباسؓ نے سورت آخر تک پڑھی، پس حضرت عمرؓ نے ان سے کہا بخدا! میں بھی اس کا مطلب وہی جانتا ہوں جو آپ جانتے ہیں۔

تشریح:۔ قوله: "اَتسأله" ابن عوفؓ کا سوال یا تو بطور رغبطہ کے تھا یا پھر حضرت عمرؓ کی تنبیہ کے لئے تھا کہ کہیں تنزیل الناس بقدر منازلھم کے حکم میں کوتاہی نہ ہو جائے اور حضرت عمرؓ کا جواب کہ آپ تو ان کی منزلت جانتے ہی ہیں یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء کی طرف اشارہ ہے جو آپؐ نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے فہم دین اور علم تاویل القرآن کے حوالہ سے دی تھی اور جس کی وجہ سے ابن عباسؓ رئیس المفسرین بن گئے

یا پھر چونکہ ابن عباسؓ گاہے بگاہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے تفسیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور استاذ کو تو شاگرد کا پتہ ہوتا ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ تو جانتے ہیں ان کو۔

قولہ: "فسألہ عن ھذہ الایۃ" ای فَسَالَ عمرُ ابنَ عباس یعنی حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا۔ اور اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ اس طرح ہے کہ جب اللہ کی نصرت آجائے گی اور مکہ فتح ہو جائے گا جس کے بعد جزیرۃ العرب میں کسی کی ہمت نہ ہوگی کہ اسلام کا راستہ روک سکے تو اس کے ساتھ منصبِ رسالت کا فرض بھی پورا ہو جائے گا لہٰذا "فسبح بحمد ربک واستغفرہ" یعنی پھر رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کا وقت ہوگا۔

ومن سورۃ تَبَّتْ

سورتِ لہب کے بعض آیتوں کی تفسیر

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھے اور پکارا "یا صباحاہ!" پس قریش آپؐ کے پاس جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا میں تم کو سخت عذاب کا ڈر سناتا ہوں، بتلائیں اگر میں تم کو خبر دوں کہ دشمن شام کو حملہ کرنے والا ہے یا صبح کو، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ پس ابولہب نے کہا "اَلِھٰذا جَمَعْتَنا تبًا لک" کیا تو نے ہمیں اس کے لئے اکٹھا کیا تھا؟ تیری ہلاکت ہو! پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمائی (سورت)، تبت یدا ابی لھب وتب "ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں اور وہ خود ہلاک ہو۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قولہ: "یا صباحاہ" یہ عربوں کے عرف کے مطابق پکارنے کا ایک طریقہ اور ندا ہے۔ چونکہ عموماً حملہ صبح کے وقت ہوتا ہے اس لئے صبح کے وقت حملہ آور لشکر گویا صباحا کہلاتا ہے یعنی اے لوگو! جمع ہو جاؤ، میں تمہیں صبح سویرے حملہ آور لشکر کی طرح ایک عذاب سے ڈراتا ہوں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کو یہ دعوت معمولی سی لگی، اس لئے مذکورہ الفاظ کہنے کی نامبارک جسارت کی، جس پر اللہ نے پوری سورت اس کی مذمت میں اُتاری۔ لوگ تو اسے ابولہب اس لئے کہتے تھے کہ اس کے رخسار لال تھے مگر قرآن نے اس لقب کو آگ کے شعلوں سے کنایہ کے طور پر استعمال کیا ہے، ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا۔ اس کی موت کا واقعہ مشہور ہے۔

ومن سورة الاخلاص

سورت اخلاص کی بعض آیتوں کی تفسیر

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اُنسُبْ لَنَا ربک "آپ ہم سے اپنے معبود کا نسب بیان کیجئے، پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُتاری "قل ھو اللہ احد الخ "کیونکہ جو بھی چیز پیدا ہوگی وہ ضرور ہلاک ہوگی اور جو مرے گا اس کا کوئی وارث بھی بنے گا جبکہ اللہ نہ مرتا ہے، نہ اس کا کوئی وارث ہوگا اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے" قال لم یکن لم شبیہ ولاعِدل ولیس کمثلہ شی "یعنی نہ اللہ کے مشابہ ہے، نہ کوئی اس کے برابر ہے اور نہ اس کے مثل کوئی چیز ہے۔

تشریح:۔ کفار اللہ کی معرفت سے خالی ہوتے ہیں اس لئے قریش نے یہ نازیبا سوال کیا۔

قولہ: "الصمد" وہ سردار جس سے لوگ اپنی حاجتوں میں رجوع کرتے ہیں جبکہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ صمد بے خوف کو بھی کہتے ہیں یعنی اللہ بے نیاز ہے۔

ومن سورة المعوّذتين

معوّذتین کی بعض آیتوں کی تفسیر

"عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی القمر فقال یاعائشة اِستعیذی باللہ من شر ھذا فان ھذا ھو الغاسق اذا وقب". (حسن صحیح)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا اے عائشہ! اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ، اس لئے کہ یہی غاسق ہے جب وہ چھپ جائے (یا گرہن ہو جائے)۔

تشریح:۔ چونکہ سورت فلق میں "ومن شر غاسق اذا وقب" آیا ہے اس حدیث کے مطابق غاسق سے مراد چاند ہے جب وہ تاریک ہو جائے یعنی بوجہ گرہن کے یا محاق کی وجہ سے۔ لغت کے اعتبار سے غاسق کا معنی برودت اور ظلمت دونوں معنی پائے جاتے ہیں اس لئے غاسق کی تفسیر چاند سے بھی کی گئی ہے کہ سورج کی بہ نسبت یہ ٹھنڈا بھی ہے اور کم روشن بھی، اور رات سے بھی اس کی تفسیر کی گئی ہے۔ علیٰ ہذا اگر رات مراد ہو تو پھر اذا وقب کے معنی اذا دخل کے ہوں گے یعنی جب رات چھا جائے اور داخل ہو جائے۔ چونکہ جادو کرنے والے

ان دواوقات میں یعنی رات کی آمد پر اور خصوصاً چاند گرہن کے وقت اپنا عمل کرتے ہیں اور اس وقت ان کا جادو خاصا مؤثر ہوتا ہے اس لئے اس کے شر سے پناہ مانگنی چاہئے۔

قولہ: "لم یُر مثلهن" یعنی تعوذ کے باب میں معوذتین کا مثل قرآن میں نہیں دیکھا گیا ہے۔ یہ حدیث "باب ماجاء فی المعوذتین" من ابواب فضائل القرآن میں گزری ہے۔ اسی جلد: ۸ کے شروع میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بابٌ

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ امام ترمذیؒ اہم اور طویل بحث کے بعد آخر میں جامع حدیث ذکر کرتے ہیں تاکہ اول تا آخر اہم مضامین کا اعادہ اور خلاصہ پیش کریں، چنانچہ یہاں الحمدللہ میں سورتِ فاتحہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ اس واقعہ میں سورتِ بقرہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ اگلے باب کی حدیث میں "قال نعم الحدید" میں سورتِ حدید کی طرف اشارہ ہے۔

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لَمّا خلق الله ادمَ ونفخ فيه الروح عَطَسَ فقال الحمدلله إفحَمِدالله باذنه فقال له ربُّه يرحمك الله ياادم إاذهب الى أُولئك الملائكة الى مَلَاٍمنهم جلوس فقل السلام عليكم!قالوا وعليك السلام ورحمة الله ثم رجَعَ الى ربه قالَ ان هذه تحيّتكَ وتحية بنِيكَ بينهم، فقال الله له ويداه مقبوضتان اِختر ايهما شئتَ، قال اخترتُ يمين ربي وكلتايدى ربي يمين مباركة ثم بَسَطَها فاذافيهاذُرِيّته، فقال اى رب ما هؤلاء قال هؤلآء ذريتك، فاذاكلُّ انسان مكتوب عمره بين عينيه فاذافيهم رجل اَضوَأهم ،اومن اَضوَئِهم قال يارب امن هذا؟قال هذا اِبنك داؤدوقد كتبتُ له عمر اربعين سنة قال يارب!زده فى عمره قال ذاك الذى كتبتُ له الخ". (حسن غريب)

جب اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا اور ان میں (اپنی طرف سے) روح پھونکی تو ان کو چھینک آئی اور کہا "الحمد للہ" آپؑ نے اللہ کے حکم سے اللہ کی تعریف کی (یعنی بحکمِ تکوینی)، پس ان کے رب نے ان سے کہا "یرحمک اللہ" اے آدم! جاؤ تم ان فرشتوں کے پاس، ان کی بیٹھی ہوئی جماعت کے پاس اور کہو

"السلام علیکم" (چنانچہ انہوں نے سلام پیش کیا تو) انہوں نے جواب دیا "وعلیک السلام ورحمة اللہ" پھر آپ اپنے رب کی طرف لوٹے، اللہ نے فرمایا یہ تیری دعاء ہے اور تیری اولاد کی دعاء ہے آپس میں (ملتے وقت)، پھر اللہ نے ان سے فرمایا جبکہ اس کی دونوں مٹھیاں بند تھیں، ان میں سے جسے چاہے پسند کر! حضرت آدم نے فرمایا میں اپنے رب کا داہنا پسند کرتا ہوں اور میرے رب کے دونوں ہی ہاتھ دائیں برکت والے ہیں پھر اللہ نے مٹھی کھولی تو اس میں آدم کی اولاد تھی، انہوں نے عرض کیا اے رب! یہ کون لوگ ہیں؟ اللہ نے فرمایا یہ تیری اولاد ہے ہر انسان کی عمر اس کی آنکھوں کے درمیان لکھی ہوئی تھی۔ اچانک (دیکھا کہ) ان میں ایک شخص سب سے زیادہ روشن (نمایاں) تھا (یعنی خوبصورت تھا)، آپ نے فرمایا اے رب! یہ کون ہے؟ اللہ نے فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے اور میں نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے، آدم نے کہا اے میرے رب! ان کی عمر میں اضافہ فرما! اللہ تعالیٰ نے فرمایا بس یہی ہے جتنی لکھی ہے، آدم نے کہا اے میرے رب! میں نے اپنی عمر میں سے ان کو ساٹھ سال دے دیئے، اللہ نے فرمایا تجھے اس کا اختیار ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا پھر ان کو جنت میں بسایا گیا جتنا اللہ کو منظور تھا، پھر وہاں سے اُتارے گئے پس آدم اپنی عمر گنتے رہے، آپؐ نے فرمایا پس ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا تو آدم نے اس سے کہا تم نے جلدی کی میرے لئے ہزار سال لکھے گئے ہیں، فرشتے نے کہا بے شک و لیکن آپ نے ساٹھ سال اپنے بیٹے داؤد کو دیئے ہیں۔

"فَجَحَدَ فجحدت ذُرِّيَّتُه" پس آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد انکار کرنے لگی اور وہ بھول گئے تو ان کی اولاد بھولنے لگی، آپؐ نے فرمایا اس دن سے لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم ہوا۔ (حسن غریب)

یہ روایت سورتِ اعراف کی روایت سے بعض الفاظ میں مختلف ہے چونکہ سورتِ اعراف کی روایت حسن صحیح ہے لہٰذا ترجیح اسی کو ہوگی۔

بابٌ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے زمین پیدا کی تو وہ ڈگمگانے لگی تو اللہ نے پہاڑ پیدا کیے اور ان کو زمین پر نصب کیا پس زمین ٹھہر گئی، پس فرشتوں نے پہاڑوں کی مضبوطی (اور طاقت) سے تعجب کیا تو انہوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زیادہ کوئی سخت (طاقتور) چیز ہے؟ اللہ نے فرمایا ہاں لوہا ہے، انہوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! کیا تیری مخلوق میں

لوہے سے بھی کوئی سخت (مضبوط) چیز ہے؟ اللہ نے فرمایا ہاں آگ ہے، انہوں نے عرض کیا اے رب! کیا تیری مخلوق میں آگ سے بھی کوئی زیادہ سخت شے ہے؟ اللہ نے فرمایا ہاں پانی ہے، انہوں نے عرض کیا اے رب! کیا تیری مخلوق میں پانی سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے؟ اللہ نے فرمایا ہاں ہوا ہے، فرشتوں نے پوچھا کیا تیری مخلوق میں ہوا سے بھی زیادہ سخت (اور مؤثر) مخلوق ہے؟ اللہ نے فرمایا ہاں، انسان ہے، جب وہ ایسا صدقہ دائیں ہاتھ سے دے جسے بائیں ہاتھ سے چھپائے۔ (غریب)

تشریح:۔ یہ سوالات آسمانوں کی تخلیق سے قبل کے ہیں اس لئے فرشتوں کو بڑی مخلوقات کا علم نہ ہوسکا، پھر زمین کے تھمنے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ لاوا نکل کر سطح پر جمایا ہو۔ چونکہ صدقہ سے عذاب الٰہی کو ٹالا جاسکتا ہے اس لئے صدقہ سب سے طاقتور ہوا۔

ابواب الدعوات

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دُعاء لغت میں پُکارنے اور آواز دینے کو کہتے ہیں، اصطلاح میں ادنیٰ کا اعلیٰ سے بطورِ عاجزی کے کوئی چیز مانگنا دُعاء ہے۔ چونکہ امام ترمذیؒ نے متعدد ادعیہ کو جمع کیا ہے اس لئے انہوں نے جمع کا صیغہ ''دعوات'' ذکر کیا جو دعوۃ کی جمع اور بمعنی دُعاء کے ہے۔

جمہور کے نزدیک دُعاء مستحب ہے اور اس آیت میں ''ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین'' اگر عبادت سے مراد دعاء ہو تو یہ وعید ترکِ دعاء پر نہیں بلکہ استکبار عن الدعاء پر ہے کہ آدمی کی نظر میں دُعاء کی کوئی اہمیت اور وقعت نہ ہو تو وہ سزا کا مستحق ہے کیونکہ یہ خیال عبدیت وعبادت کے منافی ہے۔ اور جن بزرگوں سے مروی ہے کہ ترکِ دعاء افضل ہے تو ان کی مراد یہ ہے کہ آدمی خود کو اللہ کے حوالہ کردے، اس نے تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے اسی پر تکیہ کر کے اپنے آپ کو راضی کرلے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے دعاء کرے صرف اپنے لئے نہ کرے، تو یہ سب اقوال گویا تفردات کی حیثیت رکھتے ہیں، اصل وہی ہے جو اوپر لکھا گیا یعنی دعاء مستحب ہے اور مفید بھی ہے خواہ آدمی اپنے لئے کرے یا دوسروں کے لئے، احیاء کے لئے ہو یا اموات کے لئے۔ انفرادی ہو یا اجتماعی بشرطیکہ طریقہ مسنونہ سے متجاوز نہ ہو۔ عقائد نسفی اور عقیدہ طحاویہ وغیرہ میں ہے ''وفی دعاء الاحیاء لِلاموات نفع لھم'' تاہم گناہ پر مبنی یا مبنی علیہ چیز اور قطع رحمی جیسی دعاؤں سے بچنا لازمی ہے۔

پھر دعاء چونکہ تضرع کی اچھی صورت اور توجہ الی اللہ کی بہترین ہیئت ہے اس لئے اسے مُخ العبادۃ کہا گیا ہے کیونکہ عبادت کا مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندگی کا اقرار واظہار ہے اور یہ کام دعاء سے بدرجۂ اتم پورا ہوسکتا ہے، اسی بناء پر ابوداؤد وترمذی کی ایک روایت میں ہے ''الدعاء ھو العبادۃ'' (ترمذی تفسیر سورۃ المومن) بطورِ حصر کے، جس کی وجہ اسی حدیث کے تحت گذری ہے، یہ دونوں احادیث دوسرے باب میں آرہی ہے۔

دعاء مانگتے وقت قبولیت کا یقین ہونا چاہئے، اگر عدمِ قبولیت کا احساس ہوجائے تو دعاء ترک نہیں کرنی

چاہئے بلکہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور اگر توبہ کے باوجود دعا قبول نہ ہو تو اپنی غذاء اور لباس و دیگر اشیاء پر غور کرے کہ کہیں اس میں حرام کی ملاوٹ تو نہیں؟ اور یہ سوچے کہ شاید کسی دوسری صورت میں میری دعا قبول ہوئی ہو مثلاً وہ جو چیز مانگ رہا ہے اور وہ نہیں مل رہی ہے تو یہ سمجھے کہ مجھے اس کا متبادل کسی دوسرے طریقہ سے مل جائیگا۔

پھر دعاء میں اخفاء افضل ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ''ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة انہ لایحب المعتدین ''۔(الاعراف: آیت:۵۵) مفسرین نے اس آیت پر تفصیل سے لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سرّی دعاء افضل ہے حتیٰ کہ بعض نے اسے جہری سے ستر (۷۰) گنا افضل بتایا ہے اور معتدین کا ایک مطلب یہ ہے کہ آدمی نامناسب چیزوں کا سوال کرے جیسے آسمان پر چڑھنے کی دعاء یا محالات کی دعا خواہ محال عادی ہو یا شرعی، جیسے فرشتہ بننے کا سوال، ابلیس کا جنت میں داخل ہونے کا سوال، اسی طرح جو آدمی کی حالت سے مناسب نہ ہو وہ بھی نہیں مانگنا چاہئے جیسے جنت میں اپنے لئے مخصوص مقام کا سوال وغیرہ۔ جبکہ دوسرا مطلب معتدین کا زور سے اور چلاّ کر دعاء مانگنا ہے خصوصاً جب ریا کا احتمال ہو یا اس سے کسی کو تکلیف ہو۔

آج کل عموماً یہ ہوتا ہے کہ مساجد میں نمازوں کے بعد جہری دعائیں مانگی جاتی ہیں اور چونکہ شہروں کی تقریباً تمام مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوتا ہے اور ہر نماز میں مسبوق نمازی بھی ہوتے ہیں اس لئے ان دعاؤں سے ان نمازیوں کی نمازیں بڑی حد تک متأثر ہو جاتی ہیں، تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اس طرح دو بدعتیں جمع ہو جاتی ہیں ایک بلند آواز سے دعاء اور دوم یہ کام مسجد میں کرنا۔

لفظہ:''وتریٰ کثیراً من اھل زمانک یعتمدون الصراخ فی الدعاء خصوصاً فی الجوامع حتیٰ یعظم اللغط ویشتدوتستک المسامع وتستدولایدرون انھم جمعوابین بدعتین رفع الصوت فی الدعاء وکون ذالک فی المسجد''. (اعراف: آیت:۵۵ کی تفسیر)

تفسیر روح المعانی میں دُعاء کے آداب بھی بیان ہوئے ہیں۔

باب ماجاء فی فضل الدعاء

''عن ابی ھـــریـــرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم :لیس شیء اکرم علی اللہ من الدعاء''. (غریب)

اللہ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہیں ہے۔

تشریح:۔ بظاہر اس حدیث کا آیت "اِنَّ اکرمکم عنداللہ اتقاکم" سے تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن یہاں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ہر باب کا اکرم واعلیٰ الگ الگ ہوسکتا ہے، چنانچہ باب اذکار واقوال میں دعاء باعثِ کرامت ہے جبکہ باب افعال میں تقویٰ ہے، کیونکہ کرم دراصل اچھی خصلتوں کو کہتے ہیں اور خصلتوں میں سب سے زیادہ اچھی خصلت واکرم وہ ہوتی ہے جو اعلیٰ درجے کی ہو اور جن خصلتوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کا حصول مقصود ہو وہ اکرم ہیں پس سب سے زیادہ متقی اکرم ہوا کہ وہ اللہ کو راضی کرنے میں سب سے آگے آگے ہے اور دعاء تو مخ العبادۃ ہے تو یہ بھی اکرم علی اللہ ہوئی، فلا تعارض۔

بابٌ منه

"عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الدعاء مُخُّ العبادة".

(غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعاء عبادت کا مغز ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن النعمان بن بشیر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الدعاء هو العبادة ثم قرأ "وقال ربکم اُدعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین". (حسن صحیح)

دعاء عینِ عبادت ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) پڑھی "اور تمہارے پروردگار نے کہا تم مجھ سے دعاء کرو میں تمہاری (دعاء) قبول کروں گا، جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے، داخل ہوں گے جہنم میں ذلیل ہو کر۔"

تشریح:۔ مُخ اصل میں ہڈی کے اندر نرم مادہ کو کہتے ہیں جسے گودا کہتے ہیں مگر توسعاً عرف میں اس کا اطلاق نچوڑ اور مایۂ پختگی پر بھی ہوتا ہے تو جس طرح کسی ہڈی کی نشو ونما بغیر مغز کے ممکن نہیں اسی طرح کوئی عبادت بغیر خلوص کے قابلِ قبول نہیں اور چونکہ کامل توجہ الی اللہ اور خلوص تو دعاء میں ہوتا ہے اس لئے دعاء کو مخ العبادۃ کہا۔ اور اسی کامل توجہ وخلوصِ تام کی وجہ سے دعاء پر عین عبادت کا اطلاق کیا گیا جیسا کہ اگلی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ اور دعاء سے اعراض کو باعثِ ناراضگی خداوندی قرار دیا ہے جیسا کہ اگلے باب میں ہے۔

بابٌ منه

"عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انه من لم یسال الله یغضب علیه".

جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتا ہے۔

تشریح:۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے راضی ہوتا ہے جو اللہ سے فضل مانگتا ہے کیونکہ اللہ کو دینا اور عطا کرنا پسند ہے پس جو شخص اللہ سے سوال نہ کرے اس سے اللہ عزوجل ناراض ہوتا ہے، اور اس لئے بھی کہ اللہ کو تواضع اور گریہ وزاری پسند ہے جبکہ اللہ سے نہ مانگنے والا متکبر ہوتا ہے جو اللہ کو ہرگز پسند نہیں، البتہ اذکار و تسبیحات بھی دعاء میں شامل ہیں، جیسا کہ اگلے باب سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ جب آگ میں ڈالے جارہے تھے تو اس وقت اگرچہ انہوں نے زبانی دعاء نہیں فرمائی لیکن ان کا قلب مبارک ذکر مبارک سے معمور و منور تھا۔

باب ماجاء فی فضل الذکر

"ان رجلاً قال: یارسول الله ان شرائع الاسلام قد کثُرت علیّ فاخبرنی بشیء اَتَشَبّث به قال: "لایزال لسانک رطباً من ذکر اللّٰه". (حسن غریب)

ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! احکامِ الٰہی میرے لئے بہت ہوگئے ہیں، پس مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس سے میں چمٹ جاؤں، آپ نے فرمایا: تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔

تشریح:۔ قوله: "ان شرائع الاسلام" شرائع سے مراد فرائض اور واجبات و سنن مؤکدہ ہیں، سائل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں ان کی پابندی بوجہ کثرت نہیں کرسکتا ہوں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ مجھے ایسا آسان معمول بتائیں جس کو میں فرائض و سنن کے بعد معمولِ زندگی بناؤں، یا مطلب یہ ہے کہ سب اذکار یاد کرنا مشکل ہے مختصر بتائیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شرائع سے مراد نوافل ہوں، علیٰ ھذا پھر سوال کا مقصد یہ ہوگا کہ مجھے کوئی ایسا عمل جو کرنے میں آسان ہو اور ثواب اس کا زیادہ ہو بتائیے! ۔قوله: "لایزال لسانک رطباً" دوام ذکر سے کنایہ ہے یعنی چلتے پھرتے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہو، کہ یہ آسان بھی ہے اور باعثِ جزیل انعام بھی ہے۔

بابٌ منه

"عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِل ای العباد افضل درجة عند اللہ یوم القیامة؟ قال الذاکرین اللہ کثیراً الخ". (غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک درجہ کے اعتبار سے کون سا بندہ افضل ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کو بہت یاد کرنے والے، راوی کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! راہِ خدا میں لڑنے والے سے بھی (افضل ہے؟) آپؐ نے فرمایا: اگر غازی اپنی تلوار سے کفار اور مشرکین کو مارے یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے تو بھی اللہ کا ذکر کرنے والے اس سے درجہ میں افضل ہوں گے۔

تشریح:۔ قوله: "ویختضِبَ" اس کی ضمیر میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ تلوار کی طرف راجع ہو یعنی اس کی تلوار خون آلود ہو جائے۔ دوم اس مجاہد کی طرف یعنی وہ مجاہد لہولہان ہو جائے۔ چونکہ اللہ کی یاد اور دیگر عبادات زمثلاً نماز و روزہ وغیرہ مقاصد میں سے ہیں جبکہ جہاد ان مقاصد کا ذریعہ ہے اور مقصد ذریعہ کے بنسبت اعلیٰ و افضل ہوتا ہے اس لئے ذاکرین کو افضل قرار دیا، ہاں کبھی کبھار ذریعہ کی شدتِ احتیاج کی وجہ سے فضیلت، افضل سے بڑھ جاتی ہے، غرض کسی وقت جہاد افضل العبادات بن جاتا ہے لیکن اس میں بھی ذکر کرنے کا حکم ہے۔ تدبر

بابٌ منه

"عن ابی الدرداء قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اَلاَ اُنَبِّئُکم بخیر اعمالکم وازکٰها عند ملیککم وارفعها فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذهب والورِق وخیر لکم من ان تلقوا عدُوَّکم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم؟ قالوا بلیٰ! قال: ذکر اللّٰه" قال معاذ بن جبل: ماشیءٌ انجیٰ من عذاب اللہ من ذکر اللّٰه".

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو تمہارے تمام اعمال میں سب سے بہتر، اور تمہارے مالک کے نزدیک نہایت پاکیزہ، اور تمہارے لئے درجوں کو بہت بلند کرنے والا، اور تمہارے لئے سونا چاندی خرچ کرنے سے بھی بہتر ہو، اور تمہارے لئے بہتر اس سے کہ ملو تم اپنے دشمن سے اور تم ان کی گردنیں

ماردو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟..... صحابہؓ نے کہا: کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا: وہ اللہ کا ذکر ہے۔ معاذ بن جبلؓ نے کہا: اللہ کے عذاب سے، اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نجات دینے والی نہیں۔

باب ماجاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللّٰہ مالھم من الفضل

"عن ابی ھریرة وابی سعید الخدری انھما شھدا علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: مامن قوم یذکرون اللہ الا حَفّتْ بھم الملائکة وغشیتھم الرحمة ونزلت علیھم السکینة وذکرھم اللہ فیمن عندہ". (حسن صحیح)

آپؐ نے فرمایا: جب بھی کوئی جماعت اللہ کا ذکر کرتی ہے تو فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور ان پر رحمت الٰہی چھا جاتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ ان کا تذکرہ کرتا ہے اپنے پاس والوں میں۔

حدیث آخر:۔"عن ابی سعید الخدری قال: خرج معاویة الی المسجد فقال ما یُجلسکم؟ قالوا جلسنا نذکر اللّٰہ، قال: آللّٰہ ما اَجلَسَکم الا ذاک؟ قالوا: واللہ ما اَجلَسنا الا ذاک، قال: اَمَا انی لم استحلفکم تھمة لکم وما کان احد بمنزلتی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقل حدیثا عنہ منی، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج علی حلقة من اصحابہ فقال: "مایجلسکم"؟ قالوا: جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ لما ھدانا للاسلام ومَنّ علینا بہ فقال: آللّٰہ ما اَجلسکم الا ذاک؟ قالوا: آللّٰہِ ما اجلسنا الا ذاک، قال: اَمَا انی لم استحلفکم لِتھمة لکم انہ اَتانی جبرئیل واخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملائکة". (حسن غریب)

حضرت معاویہؓ مسجد آئے اور (لوگوں سے) کہا: تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم بیٹھ کر اللہ کو یاد کر رہے ہیں، معاویہؓ نے کہا: اللہ کی قسم! واقعی تم صرف اسی لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا: بخدا! ہم اسی مقصد سے بیٹھے ہیں، معاویہؓ نے کہا: میں نے کسی بدگمانی کی وجہ سے تمہیں قسم نہیں دی اور جس درجہ کا قرب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھا اس درجہ کا کوئی آدمی مجھ سے کم حدیثیں بیان کرنے والا نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ایک حلقہ کے پاس آئے، آپؐ نے پوچھا: تم کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم

پڑھ کر اللہ کو یاد کر رہے ہیں اور جو ہماری دینِ اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی اور ہم پر احسان کیا ہے اس پر اللہ کی حمد وثناء کر رہے ہیں، آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اللہ کی! کیا تم اسی لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا: واللہ! ہم اسی لئے بیٹھے ہیں، آپؐ نے فرمایا: میں نے کسی بدگمانی کی وجہ سے تم لوگوں کو قسم نہیں دی، بلکہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تمہارا فخریہ ذکر فرما رہے ہیں۔

تشریح:۔قوله: "**ونزلت عليهم السكينة**" سکینہ سے مراد وہ کیفیت ہے جس سے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اور بے چینی کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے ان اجتماعات کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے جو اللہ کے ذکر کی غرض سے منعقد کئے جاتے ہیں، تفسیر مدارک کے مطابق وہ علوم جو قرآن فہمی کے لئے معاون اور قرآن کے خدام ہیں وہ بھی ذکر اللہ میں آتے ہیں، لہٰذا ان علوم کا اجتماعی درس وتکرار اور ذکر کے حلقے بدعت نہیں بلکہ باعثِ اجر وثواب ہیں، تاہم اصل مقصد چونکہ ذکر اللہ ہے اس لئے ان اجتماعات کا اہتمام اگر بذاتِ خود ایک مقصد بن جائے تو پھر یہ بدعات کے زمرے میں داخل ہو جائے گا جیسا کہ عام ذرائع کا ضابطہ ہے، نیز ان اجتماعات سے کوئی دوسری غرض حاصل کرنا بھی اس کی مشروعیت کی نفی کرتی ہے، خواہ وہ شہرت ہو یا کوئی دنیوی لالچ وغیرہ، نیز اس میں یہ بھی شرط ہے کہ ان اجتماعات اور ذکر کے طریقہ سے کسی خلاف سنت عمل کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو مثلاً ذکر کا کوئی نیا طریقہ جیسے بہت زور سے چیخ چیخ کر ذکر کرنا اور قرآن کی تلاوت کے اجتماع کو پیسوں کا ذریعہ بنانا وغیرہ وغیرہ۔ **قوله:** "**آاللہ!**" ہمزہ استفہامیہ حرف قسم کا متبادل ہے اس لئے لفظِ اللہ پر جر پڑھا جائے گا۔

باب ماجاء فى القوم يجلسون ولايذكرون الله

"**عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: ماجلس قومٌ مجلساً لم يذكروا الله ولم يُصلّوا على نبيّهم الا كان عليهم تِرَةً، فان شاء عذّبهم وان شاء غفرلهم**". (حسن)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی قوم کسی ایسی مجلس میں بیٹھتی ہے جس میں اس نے اللہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو وہ مجلس ان پر حسرت وندامت ہوتی ہے، پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔

قوله: "**تِرَةٌ**" بروزن صلة یعنی حسرت وافسوس، کیونکہ اس مجلس میں ان کے گناہوں کی بخشش نہیں ہوئی بلکہ ان پر گرفت کا بھی احتمال ہے جیسا کہ حدیث کے اگلے حصہ میں اس کا بیان ہے۔

باب ماجاء ان دعوة المسلم مستجابة

"عن جابر قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: مامن احد یدعو بدعاء الا آتاه الله ماسأل، او کفّ عنه من السوء مثله مالم یَدعُ باثم او قطیعة رحم".

آپؐ نے فرمایا: جو بھی (مسلمان) بندہ کوئی دعاء کرتا ہے تو اللہ دیتا ہے اس کو وہ چیز جو اس نے مانگی ہے یا اس سے کوئی ویسی ہی برائی دور کرتا ہے، جب تک وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعاء نہ کرے۔

حدیث آخر: ۔عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من سَرَّهُ ان یستجیب الله له عند الشدائد والکُرب فلیکثر الدُعاء فی الرَّخَاء". (غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ اللہ سختیوں اور مصیبتوں میں اس کی دعاء قبول کرے تو اس کو چاہئے کہ خوش حالی میں بکثرت دعاء کیا کرے۔

حدیث آخر: ۔"عن جابر بن عبدالله یقول: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: افضل الذکر لا اله الا الله وافضل الدعاء الحمدلله". (حسن غریب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور افضل دعا الحمدللہ ہے۔

حدیث آخر: ۔"عن عائشة قالت: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یذکر الله علی کل احیانه". (حسن غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

تشریح: ۔"لا الہ الا اللہ" کا افضل الذکر ہونا ایک واضح حقیقت ہے کیونکہ ایک تو کلمہ طیبہ ایمان کی بنیاد ہے اور بنیاد کے اصل ہونے اور اہم ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ نیز یہ نفی واثبات کا ذکر بھی کہلاتا ہے کہ "لا الہ" سے مراد باطل معبودوں کو باطل کرنا اور "الا اللہ" سے ایک ہی معبود برحق کا اثبات ہے اور اس کے ساتھ خود بخود معبودانِ باطلہ کے تقاضوں کی نفی ہوجاتی ہے جو صفاتِ ذمیمہ اور غلط خواہشات نفسانیہ ہیں جبکہ "الا اللّٰــــه" سے ان صفات کا حصول ہوتا ہے جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہیں۔ پھر جب اس ذکر کو تسلسل سے جاری رکھا جاتا ہے تو نفس نفسِ امارہ بالسوء کے مرتبہ سے نکل کر نفسِ لوامہ کے مقام پر پہنچتا ہے، اور پھر مزید جاری رکھنے سے سالک نفسِ مطمئنہ کے مرتبہ علیا پر فائز ہوجاتا ہے، ابن رجب حنبلیؒ نے شرح الخمسین میں مرفوع

حدیث نقل کی ہے۔

"ان نوحاً علیه السلام لمّاحضرته الوفاةُ قال لابنه آمُرُکَ بِلااِلٰه اِلّاالله فان السمٰوات السبع والارضین السبع لووضعت فی کفة ووضعت لآاِلٰه اِلّا الله فی کفة ،رَجَحت بهن لآاِلٰه الاالله".

جہاں تک "الحمدللہ" کے افضل الذکر ہونے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ الحمدللہ سے اللہ جل شانہ کے لئے تمام محامد اور نعوت کمال وجلال کا اثبات ہوتا ہے جو شکر کا اعلیٰ درجہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے "ولئن شکرتم لأزیدنکم" گویا الحمد للہ میں مزید انعامات کی طلب ودُعاء ہے جس کے لئے الحمدللہ ایک بہترین طریقہ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ "الحمدلله" سے مراد سورت فاتحہ ہو، علیٰ ھذا پھر اس کا افضل دعاء ہونا ظاہر ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت اللہ کا ذکر کرنے کا مطلب یا تو ذکرِ قلبی ہے یا مطلب یہ ہے کہ آپ کا قلب مبارک ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اگر ذکرِ لسانی مراد ہو تو پھر کل احیانہ سے مراد اغلب اوقات ہیں کیونکہ عندالبول والجماع وغیرہ لسانی ذکر ممنوع ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تشریحات ترمذی: ص ۲۸۶ ج:۱، ابواب الطہارۃ "باب فی کراھیۃ ردّ السلام غیر متوضّیٔ"۔

باب ماجاء ان الداعی یبدأبنفسه

"عن ابی بن کعب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذاذکراحداً فدعاله بدأبنفسه". (حسن غریب صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو یاد کر کے اس کے لئے دعاء کرتے تو پہلے اپنے لئے دعاء کر لیتے۔

تشریح:۔ یہ حکم استحبابی ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ جب اپنے لئے دعاء قبول ہوگی تو غیر کے لئے بطریق اولیٰ قبول ہوگی، نیز اس عمل سے استغناء عن اللہ کا تاثر بھی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

باب ماجاء فی رفع الایدی عندالدُعاء

"عن عمرالخطاب قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذارفع یدیه فی الدعاء

لم یحطهاحتیٰ یمسح بهما وجهه ". (غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تو ان کو نہیں گراتے یہاں تک کہ ان کو اپنے چہرے پر پھیر لیتے۔

تشریح:۔ دُعاء میں رفع یدین آدبِ دُعاء میں سے ہے، جس سے تفاول اور برکات وانوار کا تناول مطلوب ہے اور ہاتھوں سے چہرے کو مسح کرنے سے مقصود چہرے کا اعزاز اور مطلوب میں کامیابی کا تفاول ہے، پھر دُعاء کے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ بھی رکھنا چاہیئے، دونوں کو ملانا نہیں چاہیئے، تاہم جن ادعیہ میں ہاتھ اُٹھانا ثابت نہیں اسی طرح اذکارِ متواردہ میں بھی ہاتھوں کو نہیں اُٹھایا جائے گا، جس کی کچھ تفصیل تشریحات: ص: ۱۰ اج: ۴ "باب کراهیة رفع الید عند رؤیة البیت" میں گذری ہے، فلیراجع

باب ماجاء فی من یستعجل فی دعائه

"عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: یستجاب لاحدکم مالم یَعْجَلْ یقول: دعوت فلم یستجب لی ". (حسن صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کی دعاء قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے، کہ کہے: میں نے دعاء کی مگر قبول نہ ہوئی۔

تشریح:۔ قوله: "یقول دعوت فلم یُستجب لی" یہ عجلت کی تفسیر ہے، چونکہ یہ بات اور یہ تصور ترکِ دعاء اور مایوسی کا سبب ہے اور مایوسی اور فتور میں دُعاء قبول نہیں ہوتی ہے اس لیے دُعاء کو جاری رکھنا چاہئے، ایک نہ ایک دن ضرور قبول ہو جائے گی، ہاں اگر وہ حرام خوری وغیرہ میں ملوث ہو تو پھر قبول نہیں ہوگی کیونکہ حرام لقمے کا اثر چالیس دنوں تک باقی رہتا ہے۔

باب ماجاء فی الدعاء اذا اصبح واذا امسی

(صبح اور شام کی دعائیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر دن کی صبح اور ہر رات کی شام تین دفعہ یہ دُعاء پڑھے "بسم الله الذی لایضر مع اسمه شیء فی الارض ولا فی السماء وهو السمیع العلیم "۔ (اس

اللہ کے نام سے (صبح یا شام کرتا ہوں) جس کے نام کے ساتھ آسمان وزمین کی کوئی چیز ضرر نہیں پہنچاسکتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے)، تو کوئی چیز اس کو ضرر نہیں پہنچاسکتی..... ابانؓ (راوی حدیث) کو کچھ فالج تھا، ایک شخص ان کو دیکھنے لگا تو ابان نے اس سے کہا: کیا دیکھ رہے ہو؟ سنو! حدیث ویسی ہی ہے جیسے میں نے تجھ سے بیان کی مگر میں نے اُس دن یہ دعاء نہیں پڑھی تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کا حکم مجھ پر جاری کردے۔ (حسن غریب صحیح)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کہا کرے شام کو "رضیتُ باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد نبیاً (راضی ہوا میں اللہ کے پروردگار ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر)، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے کہ اس کو خوش کردے گا۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب شام ہوتی تو یہ دُعاء کرتے تھے۔

"اَمْسَیْنا وامسی المُلک للہ والحمد للہ لا اِلٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ" راوی کا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا: "لہ المُلک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر، اسئلک خیر ما فی ھذہ اللیلۃ وخیر ما بعدھا واعوذبک من شر ھذہ اللیلۃ وشر ما بعدھا واعوذبک من الکَسَلِ وسوءِ الکِبَرِ واعوذبک من عذاب النار وعذاب القبر".

(شام کی ہم نے اور شام کی ساری کائنات نے اللہ کے حکم سے، اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں (راوی کا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا) اسی کے لئے ہے سلطنت اور اسی کے لئے ہیں تمام تعریفیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، مانگتا ہوں میں آپ سے اس رات کی خیر اور خیر اس کے بعد کی اور پناہ مانگتا ہوں اس رات کے شر سے اور اس کے بعد کے شر سے اور پناہ مانگتا ہوں سستی سے اور بڑھاپے کی برائی سے اور پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے)۔

اور جب صبح ہوتی تو (ایک کلمہ کی تبدیلی کے ساتھ) یہی دعاء کرتے "اصبحنا واصبح المُلک للہ والحمد للہ" (الیٰ آخرہ)۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو یہ دُعاء سکھلایا کرتے تھے: فرماتے: جب تم

میں سے کوئی صبح کرے تو کہے: "اللّٰهم بک اصبحنا وبک امسینا وبک نحییٰ وبک نموت والیک المصیر" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہم نے صبح کی اور تیرے ہی حکم سے ہم شام کرتے تھے تیرے ہی حکم سے ہم زندہ ہیں اور تیرے ہی حکم سے مریں گے اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے) اور جب شام کرے تو کہے: "اللهم بک امسینا وبک اصبحنا وبک نحییٰ وبک نموت والیک النشور" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہم نے شام کی اور تیرے ہی حکم سے ہم صبح کرتے ہیں اور تیرے ہی حکم سے ہم زندہ ہیں اور تیرے ہی حکم سے مریں گے اور تیری ہی طرف اُٹھ کر جانا ہے۔ (حسن)

تشریح:۔قوله: "طرف فالج" ای بعضه یعنی ابان بن عثمان راوی کو کچھ فالج ہوا تھا تو ان سے سُننے والے نے بطور تعجب ان کی طرف دیکھا اور مقصد یہ تھا کہ آپ یہ دعاء صبح وشام پڑھتے ہیں پھر آپ کو فالج کیونکر ہوا؟ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو پھر آپ کو فالج نہیں ہونا چاہئے تھا؟ جواب میں حضرت ابان نے بطور استفہام انکاری کے کہا کہ حدیث تو ویسی ہی ہے جیسی میں نے تمہیں بتادی لیکن "لم اقله یومئذ الخ" فالج والے دن میں یہ دُعاء نہ پڑھ سکا۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اس دن مجھے غصہ آگیا تھا جس کی وجہ سے میں دُعاء پڑھنا بھول گیا (اور اس میں حکمت یہ تھی) تاکہ اللہ اپنی قضاء مجھ پر جاری کردے، پس "لیمضی الله علیٰ قدره" کا لام غایہ کے لئے ہے۔

قوله: "رَضیتُ بالله" ای بقضاءه ۔"وبالاسلام" ای باحکامه۔"وبمحمد" ای بمتابعته نبیاً ۔**قوله:** "وسوء الکبر" بفتح الباء بمعنی بڑھاپے کے، نسائی میں ہے "وسُوء العمر"۔ اگرچہ اس میں سکون بھی جائز ہے بمعنی تکبر کے، تاہم کِبَرٌ بروزن عِنَبٌ زیادہ مشہور اور اصح ہے، پھر "سوء الکبر" سے مراد ارذل العمر ہے جس میں آدمی دوسروں کا محتاج اور عبادت سے قاصر ہو جائے۔

بابٌ منه

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی چیز (دعاء) بتایئے جس کو میں صبح اور شام کہہ لیا کروں، آپؐ نے فرمایا کہو: "اللهم عالم الغیب والشهادة فاطر السموات والارض رب کل شیء وملیکه اشهدان لااله الاانت اعوذبک من شر نفسی ومن شر الشیطٰن وشرکه"۔ (اے اللہ! چھپی اور کھلی باتوں کے جاننے والے، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، ہر چیز

کے پروردگار اور مالک! گواہی دیتا ہوں میں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کی پناہ، تکتا ہوں اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر سے اور اس کے شرک سے)، آپ نے فرمایا: پڑھ لیا کرو یہ دعا صبح کو اور شام کو اور جب اپنے بچھونے پر جاؤ۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قولہ: "وشرکہ" یہ لفظ بکسر الشین بھی پڑھا جاسکتا ہے جو بمعنی اشراک کے ہے یعنی وہ شیطانی وسوسے جو شرک کرنے کے لئے ہوتے ہیں، اور بفتحتین بھی پڑھا جاسکتا ہے، اس صورت میں شرَک بمعنی مکروفریب اور جال اور پھندے کے ہے۔

بابٌ منه

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شداد بن اوسؓ سے فرمایا: کیا میں تمہیں اعلیٰ درجے کا استغفار نہ بتاؤں؟ (وہ یہ ہے:) "اللّٰهم! انت ربی، لااله الاانت، خلقتنی وانا عبدک وانا علیٰ عهدک ووعدک ما استطعتُ، اعوذبک من شر ماصنعت، وابوءُ لک بنعمتک علیّ، واعترف بذنوبی، فاغفرلی ذنوبی انه لایغفر الذنوب الاانت" (اے اللہ! تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا ہی بندہ ہوں اور جہاں تک میرے بس میں ہے، تیرے عہدوپیان اور وعدے پر قائم ہوں، آپ کی پناہ مانگتا ہوں اپنے کاموں کے شر سے اور اقرار کرتا ہوں تیرے احسانوں کا جو مجھ پر ہیں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، سو بخش دے تو میرے گناہ کہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں)۔ (آپؐ نے فرمایا:) نہیں پڑھتا کوئی تم میں سے یہ دعا شام کو اور اسے موت آئے صبح سے پہلے مگر ثابت ہوجاتی ہے اس کے لئے جنت اور نہیں پڑھتا کوئی تم میں سے یہ دعا صبح کو اور موت آئے اس کو شام سے پہلے مگر ثابت ہوجاتی ہے اس کے لئے جنت۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ قولہ: "اَبُوءُ" ای اعترف، میں اعتراف کرتا ہوں اور تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں۔ قولہ: "واعترف بذنوبی" اس سے مراد ادائیگی شکر میں رہ جانے والی کوتاہی ہے، مجازاً اس پر ذنب کا اطلاق فرمایا انکساری کی بناء پر۔ قولہ: "فیاتی علیه قدر" یعنی موت۔

باب ماجاء فی الدعاء اذااوىٰ الىٰ فراشه

(سوتے وقت کے اذکار وادعیہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے براء بن عازبؓ سے فرمایا: کیا نہ سکھلاؤں میں تمہیں چند ایسے کلمات کہ پڑھ کرو ان کو جب اپنے بستر پر جاؤ، پھر اگر اسی رات تمہاری موت ہوجائے تو تمہارا خاتمہ اسلام پر ہوا اور اگر صبح کی تو صبح کی اس حال میں کہ پائی بڑی خیر؟ کہو: ''اللّٰهم اسلمت نفسی إليک ،وَوَجّهت وجهى اليک، وفوّضت امرى اليک، رغبة ورهبة اليک، والجات ظهرى اليک، لاملجا ولامنجا منک الاالیک، آمنت بکتابک الذى انزلت ونبيک الذى ارسلت '' (اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے سپرد کردی اور اپنا رُخ تیری طرف پھیر دیا اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کردیا، تیری طرف رغبت کرتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے اور سہارا لیا میں نے اپنی پیٹھ کے لئے تیرا، نہ کوئی جائے پناہ ہے اور نہ بچاؤ کی جگہ ہے تجھ سے بھاگ کر سوائے تیرے، ایمان لایا میں تیری کتاب پر جو تو نے اُتاری اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کو تو نے بھیجا) براءؓ فرماتے ہیں: میں نے (ونبیک الذى ارسلت کی جگہ) وبرسولک الذی ارسلت کہا، براءؓ کہتے ہیں: پس آپؐ نے اپنے ہاتھ سے میرے سینے میں چوکا دیا، پھر فرمایا: ونبیک الذی ارسلت ''۔ (حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں کوئی داہنی کروٹ پر لیٹ کر یہ دعاء پڑھے: ''اسلمت نفسى اليک ووجهت وجهى اليک والجات ظهرى اليک وفوضت امرى اليک ، لاملجامنک الاالیک ،أومنُ بکتابک وبرسولک ''۔ (حسن غریب) پھر اگر اس رات مرجائے تو جنت میں داخل ہوگا۔

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو کہتے: ''الحمدلله الذى اطعمنا وسقانا وکفانا وآوانا، فَکَمْ مِمَّنْ لاکافى له ولامُووِىَ له '' (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور بچایا ہمیں (مخلوق کے شر سے) اور ٹھکانا دیا ہمیں اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کا کوئی بچانے والا اور کوئی ٹھکانا دینے والا نہیں۔ (حسن غریب صحیح)

تشریح:۔ **قوله:** ''فقلت وبرسولک'' حضرت براءؓ نے ''ونبیک '' کے بجائے

"وبرسولک" کیوں پڑھا اس کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس تبدیلی پر رد کرنا اس کی دلیل ہے کہ ماثور دعاؤں میں وہی الفاظ ادا ہونے چاہئے جو منقول ہیں۔

بابٌ منه

(سوتے وقت کی دعاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کہے تین مرتبہ، جب اپنے بستر پر جائے: "استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم و أتوب الیہ" (میں معافی چاہتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ رہنے والا ہے اور ہر چیز کو تھامنے والا ہے)، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے بقدر ہوں یا درختوں کے پتوں کی تعداد میں ہوں یا ٹیلوں کی ریت کی تعداد میں ہوں یا دنیا کے دنوں کی تعداد میں ہوں۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ قولہ: "رمل عالج" عالج کے معنی متداخل کے ہیں یعنی ریت کے تودے جو ایک دوسرے کے اندر داخل ہوئے ہوں، علیٰ ہذا رمل عالج کی ترکیب موصوف صفت کی ہوگی البتہ اضافت موصوف الی الصفۃ یا اضافۃ بیانیہ بھی صحیح ہوسکتی ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ عالج ایک صحرائی علاقے کا نام ہے۔ علیٰ ہذا پھر رمل، عالج کی طرف مضاف ہوگا۔

بابٌ منه (ایضاً)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا ہاتھ اپنے سرہانے رکھ لیتے پھر کہتے: "اللّٰھم قنی عذابک یوم تجمع او تبعث عبادک" (اے اللہ! بچا مجھ کو اپنے عذاب سے جس دن جمع کرے گا یا فرمایا کہ اٹھائے گا تو اپنے بندوں کو)۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ کو تکیہ بناتے سوتے وقت، پھر فرماتے: "رب قنی عذابک یوم تبعث عبادک"۔ (حسن غریب)

بابٌ منه (ایضاً)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی

اپنے بچھونے پر جائے تو کہے: ''اللّٰھم اربّ السمٰوات والارضین وربناورب کل شیء فالق الحب والنوىٰ ومنـــزل التـــوراة والانـجیل والقرآن اعُوذبک من شر کل ذی شرانت آخذ بنـاصیتہ، انـت الاول فلیس قبلک شیء وانت الآخرفلیس بعدک شیء ،والظاھرفلیس فوقک شـیء والبـاطـن فـلیـس دونک شـیء اقـض عَنِّی الدینَ واَغنِنِی من الفقر'' (اے اللہ! پالنے والے آسمانوں کے اور پالنے والے زمینوں کے اور پالنے والے ہمارے اور پالنے والے ہر چیز کے، چیرنے والے دانہ اور گٹھلی کے اور اُتارنے والے تورات اور انجیل اور قرآن کے، تیری پناہ مانگتا ہوں ہر برائی والی چیز کی برائی سے جس کی پیشانی کے بالوں تو پکڑنے والا ہے، تو سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں، تو سب سے آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، تو ہی ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، تو ہی باطن ہے تیرے نیچے کوئی چیز نہیں، ادا کردے میرا قرض اور غنی کردے مجھے محتاجی سے)۔ (حسن صحیح)

بابٌ منه

(بستر جھاڑنے کی احتیاط کا بیان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بستر سے اٹھے اور پھر اس کی طرف لوٹے تو چاہئے کہ اپنے تہ بند کے کنارے سے بستر تین بار جھاڑے، اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد کیا چیز بستر پر آئی ہے؟ پھر جب لیٹے تو کہے: ''باسمک ربی وضعتُ جنبی، وبک ارفعه، فان امسکتَ نفسی فارحمھاوان ارسلتَھافاحفَظْھابماتحفظ به عبادک الصالحین '' (تیرے نام سے اے میرے رب! میں نے اپنا پہلو رکھا اور تیرے ہی نام سے اٹھاؤں گا، اگر تو میری جان کو روک دے تو رحم کر اس پر اور اگر چھوڑ دے تو نگہبانی کر اس کی جیسے نگہبانی کرتا ہے تو اپنے نیک بندوں کی)، اور جب بیدار ہو تو کہے: ''الحمدللہ الذی عافانی فی جسدی ،وَرَدَّ علیّ روحی واذن لی بذکره '' (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میرے جسم کو عافیت بخشی اور مجھ پر میری روح واپس پھیر دی اور مجھے اپنا ذکر کرنے کی اجازت دی)۔ (حسن)

چونکہ نوم ذکر سے مانع ہے اس لئے نیند کے بعد الحمد للہ کہنا چاہئے۔

باب ماجاء فیمن یقرأمن القرآن عندالمنام

(سوتے وقت قرآن کریم پڑھنا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب اپنے بستر پر آتے تو اپنی دونوں ہتھیلیاں اکٹھی کرتے، پھر ان میں پھونکتے، پھران میں "قل ھو اللہ احد" اور "قل اعوذبرب الفلق" اور "قل اعوذبرب الناس" پڑھتے پھر جہاں تک آپؐ کے ہاتھ پہنچ سکتے ان کو اپنے جسم پر پھیرتے، شروع کرتے سر، چہرے اور جسم کے سامنے کے حصے سے، ایسا تین بار کرتے۔ (حسن غریب صحیح)

تشریح:۔ اگلی باب میں سورۃ الکافرون کا بھی ذکر ہے۔ قوله: "ثم نفث فیهما فقرأالخ" اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ پہلے ہاتھوں میں دم کرتے اور پھر مذکورہ سورتیں پڑھتے تھے، لیکن بخاری کی روایت کو دیکھتے ہوئے "وقرأفیهما" کہا جائے گا کہ آپؐ پہلے پڑھ کر پھر ہاتھوں میں دم کرتے، پس ترمذی کی روایت راوی کے سہو پر محمول ہے، لیکن طیبیؒ فرماتے ہیں کہ محض رائے سے راوی پر سہو کا الزام لگانا بہت غلط ہے، لہٰذا ترمذی کی روایت میں اگرچہ "فقرأ" کے ساتھ ہے لیکن پھر بھی اس سے مؤخر پڑھنے پر دلالت لازمی نہیں ہے۔ حاشیہ میں اس کی کئی مثالیں دی گئی ہیں مثلاً "فاذاقرأت القرآن فاستعذبالله" اور جن حضرات نے بخاری کی روایت واؤ کے ساتھ ذکر ہونے کا دعویٰ کیا ہے علامہ طیبیؒ نے اس کی سختی سے تردید فرمائی ہے۔ کذا فی الحاشیة۔ غرض "ثم نفث" بمعنی ثم عَزَمَ علی النفث ہے، اور اگر بالفرض نفث مقدم علی القرأت مانا جائے تو یہ جادوگروں کے عمل کی مخالفت کی بناء پر ہوگا۔

بابٌ منه

فروۃ بن نوفل سے روایت ہے کہ وہ آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی چیز سکھائیے کہ میں اس کو کہا کروں جب اپنے بستر پر جاؤں، تو آپؐ نے فرمایا: پڑھا کر "قل یا ایھا الکافرون" اس لئے کہ اس میں نجات ہے شرک سے۔ (شعبہ کہتے ہیں: ابواسحاق کبھی مرۃً کہتے تھے اور کبھی نہیں) یعنی ایک مرتبہ پڑھنا۔

حدیث آخر:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سویا کرتے تھے یہاں تک کہ "سورۃ تنزیل السجدۃ اور

سورۂ تبارک" پڑھتے تھے۔ (یعنی سورتِ سجدہ اور سورۃ الملک)

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک سورۃ الزمر اور سورۃ بنی اسرائیل نہیں پڑھتے تھے ہوتے نہیں تھے۔

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک "مسبحات" نہ پڑھ لیتے اور فرماتے تھے کہ ان سورتوں میں ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔قولہ:"لاینَام حتیٰ یقرأ" اگرچہ یہ الفاظ دوپہر کے قیلولہ سے قبل ان سورتوں کے پڑھنے پر بھی دلالت کرتے ہیں لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد رات کو سونے سے پہلے پڑھنا ہے۔قولہ: "یقرأالمسبحات" یعنی وہ سورتیں جن کے اوائل میں سَبَّحَ یا یُسَبِّح یا سبحان کے الفاظ ہیں۔قولہ: "فیھاایة خیر من الف ایة" یعنی جس طرح لیلۃ القدر رمضان میں مخفی ہے اسی طرح ایک آیت جو ہزار آیتوں سے زیادہ باعثِ اجر ہے، ان سورتوں میں پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

بابٌ منه

بنی حنظلہ کے ایک شخص نے کہا: میں ایک سفر میں شداد بن اوسؓ کے ساتھ تھا، انہوں نے کہا: کیا میں تجھے ایسی دعا نہ سکھاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے تھے کہ ہم کہیں: "اللّٰھم انی اسالک الثُبات فی الامر، واسالک عزیمة الرُشد، واسالک شکر نعمتک وحسن عبادتک، واسالک لِساناً صادقاً وقلباً سلیماً، واعوذبک من شرِّ ما تعلم، واسالک من خیر ما تعلم واستغفرک مما تعلم انک انت علام الغیوب" (اے اللہ! میں تجھ سے ثابت قدمی مانگتا ہوں دین میں اور ہدایت کی پختگی مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری نعمتوں کا شکر بجالانے اور تیری عبادت کی خوبی مانگتا ہوں اور تجھ سے سچی زبان اور محفوظ دل مانگتا ہوں، اور پناہ مانگتا ہوں تیری اس چیز کے شر سے جسے تو جانتا ہے اور مانگتا ہوں تجھ سے اس چیز کی خیر جسے تو جانتا ہے اور مغفرت مانگتا ہوں تجھ سے ان گناہوں کی جسے تو جانتا ہے، بے شک تو چھپی چیزوں کو خوب جانتا ہے)۔ شدادؓ نے کہا: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اپنے بستر پر جائے اور کتاب اللہ کی کوئی بھی سورت پڑھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے، پس ایسی کوئی چیز اس کے نزدیک نہیں آتی جو اسے ستائے یہاں تک کہ وہ جاگے جب جاگے۔

باب ماجاء فی التسبیح والتکبیر والتحمید عند المنام

(سوتے وقت سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کا ورد)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت فاطمہؓ نے آٹا پیسنے کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کے چھالوں کی شکایت کی، میں نے کہا: اگر تم اپنے ابا کے پاس جاتی اور ان سے کوئی خادم مانگتی (تو شاید مل جاتا) (انہوں نے ایسا کیا)، تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں تم دونوں کو نہ بتاؤں ایسی چیز جو تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے؟ جب تم دونوں اپنے بستر پر جاؤ تو کہا کرو تینتیس (۳۳) بار "الحمدللہ" تینتیس (۳۳) بار "سبحان اللہ" اور چونتیس (۳۴) بار "اللہ اکبر" اور اس حدیث میں قصہ ہے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔قولہ: "مَجَلَ یدیھا" ہاتھ پر بننے والے چھالے جو چکی چلانے سے بنے تھے۔قولہ: "ھو خیر لکما من الخادم" یعنی میں تمہیں ایسا عمل بتلاتا ہوں جو آپ کے لئے خادم سے بہتر ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ان تسبیحات کی افضلیت یا تو اس وجہ سے ہے کہ یہ اُخروی فائدہ پر مشتمل ہے جبکہ خادم کا فائدہ دنیوی ہے یا پھر اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تسبیحات کے پڑھنے سے دن کے معمولات پر قدرت بڑھے گی۔قولہ: "وفی الحدیث قصة" اس کی تفصیل صحیحین میں آئی ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپؐ کو گھر میں نہیں پایا تو انہوں نے اپنا مسئلہ حضرت عائشہؓ سے بیان کیا، انہوں نے اس کا تذکرہ آپؐ سے کیا، پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کے وقت حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے جبکہ وہ اور حضرت علیؓ دونوں سونے کی غرض سے لیٹ گئے تھے، آپؐ ان دونوں کے درمیان بیٹھ گئے اور مندرجہ بالا ارشاد فرمایا۔

بابٌ منه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو خصلتیں ہیں، جو بھی مسلمان ان پر ہمیشگی کرے گا جنت میں داخل ہوگا، سنو! اور وہ دونوں آسان ہیں (مگر) ان پر عمل کرنے والے تھوڑے ہیں، ہر نماز کے بعد دس بار "سبحان اللہ" کہے، دس بار "الحمدللہ" اور دس بار "اللہ اکبر"، راوی کہتے ہیں: پھر دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ گنتے تھے ان کو اپنے ہاتھ سے، آپؐ نے فرمایا: پس یہ ڈیڑھ سو ہیں زبان پر اور ڈیڑھ ہزار ہیں میزان میں (یہ ایک خصلت ہوئی) اور جب تو اپنے بستر پر جائے تو سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر کہہ سو (۱۰۰)

مرتبہ (یعنی اللہ اکبر چونتیس اور باقی تینتیس بار)، پس یہ زبان پر سو (۱۰۰) ہیں اور میزان میں ایک ہزار ہیں، پس تم میں سے کون دن رات میں ڈھائی ہزار برائیاں کرتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: کیوں نہ ہمیشگی کریں ہم اس پر؟ فرمایا آپؐ نے: شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس نماز کی حالت میں آتا ہے، پس کہتا ہے: یہ یاد کر، یہ یاد کر یہاں تک کہ وہ پلٹ جاتا ہے اور شاید اس نے وہ تسبیحات نہ پڑھی ہوں اور آتا ہے اس کے پاس شیطان جب وہ اپنے بستر پر جاتا ہے، پس برابر اس کو تھپکی دیتا ہے یہاں تک کہ وہ سو جاتا ہے۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کے بعد چند کلمات ایسے ہیں جن کا پڑھنے والا محروم نہیں رہتا: ہر نماز کے بعد کہے تو تینتیس (۳۳) بار سبحان اللہ، تینتیس بار (۳۳) الحمدللہ اور چونتیس بار (۳۴) اللہ اکبر۔ (حسن)

تشریح:۔ نماز کے بعد تسبیحات کے متعلق مستقل باب گزرا ہے۔ دیکھئے تشریحات: ص:۲۶۶ جلد دوم "باب ماجاء فی التسبیح فی اِدبار الصلوٰۃ" وہاں اور اسی باب میں بھی حضرت کعب بن عجرہؓ کی حدیث میں سو کی تعداد مروی ہے۔ **قولہ:** "یاتی اَحَدَکم الشیطان الخ" یعنی یہ آسان اور نہایت بابرکت عمل ہے لیکن شیطان کی ہر وقت کوشش ہوتی ہے کہ تم ان کو نہ پڑھ سکو چنانچہ وہ نماز میں بھی تمہارے پاس آتا ہے اور رات کو سوتے وقت بھی، اس طرح تم ذکر سے غافل ہو جاتے ہو۔

ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں کہ ذکر ایک قلبی ہے اور دوسرا زبانی ہے، "فذکر القلب ان لایحضر فیہ اِلّااللّٰہ، وذکر اللسان ان لایتحرک اِلّا بذکرہ الخ"۔ (ص:۲۱۶ ج:۱۲) یعنی دل ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور زبان اللہ کی یاد سے تر رہنی چاہئے، اگرچہ دنیوی باتوں سے زبان بچانا ممکن نہیں لیکن ہونا یہ چاہئے کہ دنیا کا تذکرہ بھی دین کی خاطر ہو، "قال والذی عندی فیہ ان تکلم فی الدنیافقی مایرجع الی طریق اللہ وَلِیْنُوہ بہ، وھذاالذی کان علیہ الانبیاء والاولیاء وسنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والسلف الخ"۔ (ایضاً حوالہ بالا)

قولہ: "مُعَقِّبات" مراد اس سے تسبیحات ہیں، چونکہ یہ نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں یا ایک دوسرے کے بعد پڑھی جاتی ہیں اس لئے ان کو معقبات کہا گیا، حفظہ فرشتوں پر بھی قرآن پاک میں معقبات کا اطلاق ہوا ہے کیونکہ وہ بھی انسان کی حفاظت کے لئے اس کے آگے پیچھے چلتے ہیں یا ان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔

باب ماجاء فی الدعاء اِذاانتبَہَ مِنَ اللیل

(رات کو جاگنے کی دعاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو اس دُعاء کے ساتھ جاگے: "لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ ،لہ الملک ولہ الحمدوھو علی کل شیء قدیر ،وسبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر ،ولاحول ولاقوۃ الاباللہ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی سلطنت ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے، اور پاک ہے اللہ اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں مگر اللہ کی طرف سے) پھر کہے: "رب اغفرلی" (میرے پروردگار! مجھے بخش دے) یا فرمایا آپؐ نے: پھر اس نے دعاء کی تو اس کی دعاء قبول ہو جاتی ہے، پھر اگر اس نے ہمت کی اور وضوء کیا پھر نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول ہوگی۔ (حسن صحیح غریب)

حدیث آخر: ۔عمیر بن ہانی ہر روز ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے اور ایک لاکھ بار سبحان اللہ کہتے تھے۔

تشریح: ۔قولہ: "تَعارّ" بالفتحات والراء المشددۃ آواز کے ساتھ جاگنے کو کہتے ہیں یعنی آنکھ کھولتے ہی یہ کلمات پڑھتے۔

بابٌ منہ

ربیعہ بن کعب اسلمی کہتے ہیں: میں رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے پاس سویا کرتا تھا، پس میں آپ کو وضوء کا پانی دیتا تھا پھر کافی دیر تک آپؐ کو سنتا تھا رات کو کہ آپؐ فرماتے تھے "سمع اللہ لمن حمدہ" اور میں آپ کو رات کو کافی دیر تک سنتا کہ آپؐ فرماتے "الحمدللہ رب العالمین"۔ (حسن صحیح)

تشریح: ۔قولہ: "الھوِیّ" بروزن وَلِیّ زیادہ دیر کو کہتے ہیں خواہ کسی بھی وقت ہو، تاہم بعض حضرات اس کو رات کے ساتھ مختص کہتے ہیں۔ پھر الھویّ الف لام کے ساتھ زیادتِ وقت پر دلالت کرتا ہے بخلاف نکرہ کے۔

بابٌ منه

(سونے اور جاگنے کی دُعاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو کہتے: "اللّٰهم باسمک اَمُوتُ واحیٰی" (اے اللہ! تیرے نام سے مروں گا اور تیرے ہی نام سے جیوں گا) اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے: "الحمدللہ الذی احییٰ نفسی بعدما اَمَاتَها والیہ النشور" (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری جان کو مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) (حسن صحیح)

تشریح:۔ چونکہ "النوم اخو الموت" یعنی نیند ایک طرح کی موت ہے کیونکہ جس طرح موت سے روح کا تعلق بدن سے منقطع ہوجاتا ہے اسی طرح نیند کی حالت میں بھی آدمی از خود رفتہ ہوجاتا ہے اور مکمل بے خودی کی وجہ سے گویا وہ مَرا ہوا ہوتا ہے جبکہ جاگنے سے آدمی کے تمام حواس وقویٰ بحال ہوجاتے ہیں اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں جابجا بعث بعد الموت کی مثال سونے اور جاگنے سے بیان فرمائی ہے، چونکہ آپؐ کی باتیں حکمتوں سے لبریز ہوتی ہیں اس لئے مندرجہ بالا دونوں وقتوں میں اس فلسفہ کا بیان اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر مقصود ومطلوب ہوا۔

باب ماجاء مایقول اذاقام من اللیل الی الصلوٰۃ

(تہجد کے لئے اٹھنے کی دعاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب درمیانِ شب نماز کے لئے اٹھتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے: "اللھم لک الحمد، انت نورالسمٰوات والارض !وَلَکَ الحمد، انت قیّام السمٰوات والارض !وَلَکَ الحمد، انت رب السمٰوات والارض ومن فیھن!انت الحق ووعدک الحق ولقاء ک حق والجنۃ حق والنارحق والساعۃ حق ،اللھم لک اسلمتُ وبک امنتُ وعلیک توکلت والیک اَنَبتُ وبک خاصمتُ والیک حاکمتُ ،فاغفرلی ماقدّمتُ وماآخّرت وماسررتُ وما اعلنتُ انت الٰھی لاالہ الاانت" (اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لئے ہی ہیں، تو آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور تیرے لیے ہی ہیں تمام تعریفیں، تو آسمانوں اور زمین کو تھامنے والا ہے اور تیرے لئے ہی ہیں تمام

تعریفیں، تو پروردگار ہے آسمانوں کا، زمین کا اور اُن کا جو ان میں ہیں، تو برحق ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تیرا ملنا سچا ہے اور جنت برحق ہے اور دوزخ برحق ہے اور قیامت برحق ہے، اے اللہ! میں نے تیری ہی اطاعت کی اور تجھ ہی پر ایمان لایا اور تجھ ہی پر توکل کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیرے ہی واسطے لڑا اور تجھ ہی کو فیصلہ سونپا، پس بخش دے میرے اگلے پچھلے گناہ اور جو میں نے خفیہ کئے اور جو میں نے علانیہ کئے، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں)۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قولہ: "انت نورُ السمٰوات والارض" یعنی تو آسمانوں اور زمینوں کو نور بخشنے والا ہے، آسمان اور زمین دلائلِ قدرت وعظمت کے نور سے روشن ہیں یا تو نور پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین میں۔ یا بمعنی مزین کرنے کے ہے کہ تو نے آسمانوں کو اور زمین کو ہر قسم کے عیب سے پاک اور ہر طرح کی زینت سے آراستہ کیا ہے، جس سے لوگ ہدایت پاتے اور اپنے خالق کو پہچانتے ہیں۔ قولہ: "انت الحق" تو واجب الوجود ہے۔ قولہ: "ولقاءک حق" لِقاء بمعنی بعث بھی ہو سکتا ہے اور بمعنی رؤیت بھی، بعض حضرات نے کہا کہ مراد موت ہے جو سبب ہے لِقاء کا، مگر اس کو امام نوویؒ نے رد کیا ہے۔ قولہ: "وبک خاصمتُ" یعنی میں تیرے حق میں اور تیری طرف سے ہر اس شخص سے جو تیرے وجود و توحید یا صفات کا منکر ہو لڑتا ہوں خواہ باللسان ہو یا بالسنان، اور پھر اس جھگڑے کا فیصلہ تجھ ہی سے کرواؤں گا۔

باب منه

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ایک رات جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تہجد کی) نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آپؐ کو یہ دعاء کرتے ہوئے سُنا: "اللھم انی اسألک رحمة من عندک الخ" (اے اللہ! میں تجھ سے ایسی رحمت مانگتا ہوں تیری طرف سے کہ راہ پر لائے اس سے میرے دل کو، اور جمع کرے اس سے میرے خاطر کو اور اکٹھا کرے اس کے ذریعہ میرے متفرق امور کو، اور اصلاح کرے اس کے ذریعہ میرے باطن کی، اور بلند کرے اس کے ذریعہ میرے ظاہر (عمل) کو، اور پاک کرے اس کے ذریعہ میرا عمل، اور اس کے ذریعہ مجھے ہدایت الہام کر دے، اور پھیر دے اس کے ذریعہ سے میری رغبت کو اور بچا اس کے ذریعہ مجھے ہر برائی سے".....".اے اللہ! مجھے ایسا ایمان و یقین عطا فرما جس کے بعد کفر نہ ہو اور ایسی رحمت عطا فرما جس کے ذریعہ میں تیری کرامت کا شرف حاصل کروں دنیا و آخرت میں"....."اے اللہ! میں تجھ سے قضاء کے فیصلوں میں

کامیابی، شہیدوں کی مہمانی، نیک بختوں کی زندگی اور دشمنوں پر مدد (غلبہ) مانگتا ہوں"........"اے اللہ! میں تیرے پاس اپنی حاجتیں لایا ہوں اگرچہ میری رائے کوتاہ ہے اور میرا عمل کمزور ہے، میں تیری رحمت کا محتاج ہوں، پس تجھ سے مانگتا ہوں اے تمام امور کا فیصلہ کرنے والے اور اے سینوں کو درست کرنے والے کہ بچائے تو مجھ کو دوزخ کے عذاب سے جیسے بچاتا ہے تو سمندروں کو ملنے سے اور بچائے تو مجھے ہلاکت کو پکارنے سے اور قبروں کے فتنہ سے".....اے اللہ! جو خیر میری عقل میں نہ آئے اور میری نیت اور سوال بھی اس تک نہ پہنچے اور وعدہ کیا اس (خیر) کا تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک سے یا تو وہ (خیر) اپنے بندوں میں سے کسی کو دینے والا ہے پس میں تیرے سامنے اس خیر میں رغبت کرتا ہوں اور تیری رحمت کے واسطے سے اے جہانوں کے پالنے والے! تجھ سے وہ خیر مانگتا ہوں".....''اے اللہ! طاقت والے! اور درست معاملہ والے، میں تجھ سے قیامت کے دن کا چین اور ہمیشگی کے دن میں جنت مانگتا ہوں، ان مقرب بندوں کے ساتھ جو تیری بارگاہ میں حاضر باش ہیں، رکوع وسجود کرنے والے ہیں، اور عہد و پیمان کو پورا کرنے والے ہیں، بے شک تو نہایت مہربان ہے، بہت محبت کرنے والا ہے، بے شک تو جو چاہتا ہے کرتا ہے".....''اے اللہ! ہمیں راہ نما اور ہدایت یافتہ بنا، نہ کہ گمراہ اور گمراہ کرنے والے (اور ہمیں بنا) تیرے دوستوں سے صلح رکھنے والے اور تیرے دشمنوں سے دشمنی رکھنے والے، تجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ہم اس سے محبت رکھیں جو تجھ سے محبت رکھے اور تیرے لئے دشمنی رکھنے کی وجہ سے ہم اس سے دشمنی رکھیں جو تیری مخالفت کرے".....''اے اللہ! یہ تو دعا تھی اور قبول کرنا تیرا کام ہے، اور یہ تو کوشش تھی اور بھروسہ تجھ ہی پر ہے"......''اے اللہ! ڈال دے میرے دل میں نور اور میرے قبر میں نور اور میرے سامنے نور اور میرے پیچھے نور اور میرے دائیں نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے کانوں میں نور اور میری آنکھوں میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میری کھال میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میری ہڈیوں میں نور".....''اے اللہ! میرے نور کو بڑھا، اور مجھے نور عطا کر اور پاک ہے وہ جس نے عزت کی چادر اوڑھی اور خاص کیا اس کو اپنے لئے، پاک ہے وہ جس نے مجد (بزرگی) کا لباس پہنا اور اس (بزرگی) کا لوگوں پر فضل کیا، ..... پاک ہے وہ جو ایسا ہے کہ اس کے سوا تسبیح (تنزیہ و پاکی) کسی کے لئے جائز نہیں،..... پاک ہے فضل والا اور نعمتوں والا،..... پاک ہے مجد (بزرگی) والا اور کرم والا،..... پاک ہے جلال (عظمت) والا اور کرم (عزت) والا۔ (غریب)

تشریح:۔قولہ:"وتجمع بها امری" یعنی میرے دینی امور اور ضروریات۔**قولہ:**"وَتَلُمُّ بِهَا

شعثی" تلم بفتح التاء وضم اللام ہے بمعنی تجمع جبکہ شعثی بفتحتین بمعنی متفرق کے ہے اس سے مراد دنیوی امور ہیں۔ پس دونوں جملوں کا مطلب یہ ہوا کہ میری دینی مصلحتیں اور دنیاوی مصالح جمع فرما یعنی مجھے نصیب فرما۔ قوله: "وترد بها الفتی" یعنی اس رحمت کی وجہ سے میری ساری محبتیں اپنی ہی طرف لوٹا تاکہ میں تجھ سے ہی محبت کروں اور تیرے لئے محبت کروں۔ قولہ: "مِنْ عذاب السعیر" پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اس قسم کی دعائیں آپؐ اپنی امت کے لئے مانگا کرتے تھے۔ قولہ: "ومن دعوة الثُبور" بضم الثاء بمعنی ہلاکت کے ہے چونکہ ہلاکت میں مبتلا شخص ہلاکت کو پکارتا ہے پس ہلاکت کو پکارنے سے پناہ ہلاکت سے پناہ مانگنے کو مستلزم ہوا۔ قولہ: "ماقصر عنه رأی الخ" یعنی جو بھلائی ایسی ہو جس کے مانگنے تک میرا اجتہاد نہ پہنچ سکے اور وہ میری نیت وارادے سے بھی پوشیدہ ہو اور میں اس کا سوال تجھ سے نہ کرسکوں لیکن وہ تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کے لئے لکھ دی ہو تو میں اس کا خواہشمند ہوں، وہ مجھے عطا کر۔

ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں کہ یہ دُعاء آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے لہٰذا کسی اور کے لئے یہ دُعاء مانگنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ سید الناس یعنی لوگوں کے سردار ہوں گے، چنانچہ آپؐ اس وعدہ کی بناء پر یہ دعاء مانگتے تھے، وھذا لایجوز لغیرہ فلا یسالہ۔

المسترشد عرض کرتا ہے کہ جس طرح آپؐ کے لئے سید الناس بننے کا مقام مختص ہے اسی طرح آپؐ کے لئے مقام محمود بھی مخصوص ہے پس آپؐ دنیا میں بھی ممتاز اور آخرت میں بھی ممتاز ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ قولہ: "ذاالحبل" اگر باء (ب) ہو تو بمعنی قرآن اور دین کے ہے اور اگر "حیل" یاء (ی) کے ساتھ ہو تو بمعنی حول یعنی طاقت وقوت کے ہے، دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ قولہ: "اللھم اجعل لی نوراً" قبر میں نور سے مراد روشنی ہے جو محسوس ہوتی ہے جیسے آپؐ کی نماز جنازہ سے پیدا ہوتا تھا، نور قلب سے مراد ہدایت ہے، آگے سے مراد نیک وصالح لوگوں کی پیروی ہے۔ پیچھے کے نور سے مراد اچھے جانشین ہیں، یا آگے سے مراد دلائل ہیں اور پیچھے سے مراد قیامت کی تیاری ہے، نور یمین سے مراد طاعات کی پابندی اور نور شمال سے مراد گناہ سے حفاظت ہے، اُوپر کے نور سے مراد آفاقی وسماوی دلائل ہیں اور نیچے کے نور سے مراد زمین سے عبرت حاصل کرنا ہے، نور سمع سے مراد صرف اللہ کی سُننا ہے اور نور بصر سے مراد صرف اللہ کے لئے دیکھنا ہے اور بالوں اور کھال وغیرہ کے نور سے مراد یہ ہے کہ لحم اور شحم وعظم وغیرہ کی نشوونما صرف اور صرف حلال سے ہو۔ کذا فی عارضۃ الاحوذی

باب ماجاء فی الدعاء عندافتتاح الصلوٰۃ باللیل

(تہجد شروع کرتے وقت کی دعائیں)

ابوسلمہؓ نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات تہجد کے لئے اٹھتے تو کس دعاء سے اپنی نماز شروع کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: جب آپؐ رات کو اٹھتے، اور اپنی نماز شروع کرتے تو کہتے: "اللّٰھم رب جبرئیل ومیکائیل واسرافیل، فاطر السمٰوات والارض، عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیه یختلفون اھدنی لما اُختُلِفَ فیه من الحق باذنک انک علی صراط مستقیم" (اے اللہ! جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! چھپے اور کھلے کے جاننے والے، تو فیصلہ کرے گا اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے، مجھے اپنی توفیق سے دینِ حق پر جما! جس میں اختلاف کیا گیا، بلاشبہ تو ہی سیدھی راہ پر ہے۔ (حسن غریب)

باب منه (ایضاً)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں کھڑے ہوتے تو فرماتے "وَجَّھْتُ وَجْھِیَ للذی الخ" (میں اپنا رخ اس اللہ کی طرف پھیرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا دراں حالیکہ میں حنیف (ادیان باطلہ سے یکسو ہو کر دین حق کی طرف مائل) ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے واسطے ہے جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم ہوا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو ہی میرا رب ہے، میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں پس تو میرے سارے گناہ بخش دے، بے شک تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں ہے، اور مجھے نیک خصلتوں کی راہ بتادے کہ نہیں بتاتا کوئی اس کی راہ تیرے سوا، اور دور کردے مجھ سے بری خصلتیں، کہ نہیں دور کرتا ہے مجھ سے ان کو کوئی تیرے سوا، ایمان لایا میں تجھ پر، تو بڑی برکت والا ہے اور بلند ہے، میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور تیرے آگے توبہ کرتا ہوں اور جب آپؐ رکوع کرتے تو کہتے: یا اللہ! رکوع کیا میں نے

میرے لئے اور ایمان لایا میں تجھ پر اور تابع ہوا میں تیرا، میرے کان، میری آنکھیں، میرا گودا، میری ہڈی اور میرے پٹھے تیرے لئے جھکے ہوئے ہیں اور جب سر اٹھاتے تو (قومہ میں) کہتے: اے اللہ! ہمارے رب! تیرے لئے تعریف ہے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور اس (فضا) کو جو ان کے درمیان ہے بھر کر اور ان چیزوں کو بھر کر جن کو تو چاہے۔ پھر جب سجدہ کرتے تو کہتے: اے اللہ! تیرے ہی لئے میں نے سجدہ کیا اور تجھ ہی پر ایمان لایا اور تیرا ہی تابع ہوا، سجدہ کیا میرے چہرے نے اس کے لئے جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی تصویر گری کی اور اس کے کان اور آنکھیں کھولیں، سو بڑی برکت والا ہے، سب بنانے والوں سے اچھا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں تشہد اور سلام کے درمیان کہتے: اے اللہ! بخش دے میری وہ کوتاہیاں جو میں نے پہلے کیں اور جو میں آئندہ کروں گا اور جو میں نے چپکے سے کیں اور جو میں نے برملا کیں اور جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں)۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ ابوداؤد کی روایت میں ''وانا اوّل المسلمین'' ہے کیونکہ آپؐ اس امت کے سب سے پہلے مسلم ہیں۔ یاد رہے کہ اس حدیث میں ''ذنبی'' کے الفاظ سے شبہہ پیدا نہ ہو کیونکہ پہلے بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کی دعاؤں سے مراد اُمت کے گناہوں کی طلب بخشش ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کی اگلی دونوں حدیثوں کا مضمون بھی پہلی حدیث کے مطابق ہے اس لئے ان کو نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

باب مایقول فی سجود القرآن

(آپؐ نے سجدۂ تلاوت میں جو دُعاء پڑھی ہے)

ابن عباسؓ کی یہ حدیث ابواب الصلوٰۃ میں گذری ہے۔

باب مایقول اذا خرج من بیته

(گھر سے نکلنے کی دُعاء)

عن انس بن مالکؓ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: جو کہے یعنی گھر سے نکلتے وقت ''**بسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ**'' تو اس سے کہا جاتا ہے: تیری کفایت کی گئی اور تجھے بچایا گیا اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔ (حسن صحیح غریب)

باب منه (ایضاً)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے نکلتے تو کہتے: ''بسم الله توكلت على الله، اللهم انا نعوذبک من ان نَزِلَّ اونَضِلَّ اونَظلِم اونُظلَم اونجهَلَ اويُجهلَ علينا'' (حسن صحیح)

باب مايقول اذادخل السوق

(بازار جانے کی دعاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بازار میں داخل ہوا اور اس نے یہ دُعاء پڑھی: ''لااله الاالله وحده لاشريک له، له الملک وله الحمد يحيى ويميت وهو حيٌّ لايموت بيده الخير وهو علىٰ كل شيء قدير '' تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھے گا۔ اور اس کی دس لاکھ بُرائیاں مٹائے گا اور اس کے لئے دس لاکھ درجے بلند کرے گا۔ (غریب)

باب مايقول العبداذامرض

(بیماریوں کی دعاء)

ابوسعیدؓ اور ابوہریرہؓ دونوں نے گواہی دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کہے: ''لااله الاالله والله اكبر '' تو اس کا رب اس کی تصدیق کرتا ہے اور کہتا ہے: میرے سوا کوئی معبود نہیں میں بہت بڑا ہوں.....اور جب بندہ کہے: ''لااله الاالله وحده '' تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اکیلا ہوں.....اور جب بندہ کہے ''لا اله الاالله وحده لاشريک له'' تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اکیلا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں'' ....اور جب بندہ کہے: ''لااله الاالله له الملک وله الحمد '' تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میرے سوا کوئی معبود نہیں، میرا ملک ہے اور میرے لئے ہیں تمام تعریفیں .... اور جب بندہ کہے: ''لااله الاالله ولاحول ولاقوة الابالله'' تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میرے سوا کوئی معبود نہیں اور کوئی طاقت گناہ سے بچنے کی اور کوئی قوت نیکی کرنے کی نہیں ہے مگر میری ہی طرف سے .....اور آپؐ فرماتے تھے: جو ان کلمات کو بیماری میں کہے اور پھر مرجائے تو آگ اس کو نہیں کھائے گی۔ (حسن)

باب ماجاء مایقول اذارأی مُبتلیً

(جب کسی کو مصیبت میں دیکھے تو کیا کہے؟)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی مصیبت زدہ کو دیکھے اور پھر کہے: "الحمدللہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضّلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلاً" تو وہ اس مصیبت سے بچایا جائے گا جو بھی مصیبت ہو، جب تک وہ زندہ رہے گا۔ (غریب)

باب مایقول اذاقام من مجلسه

(مجلس سے اٹھتے وقت کی دعاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اس کی فضولیات زیادہ ہوجائیں، پھر اپنی اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ دعاء پڑھے "سبحانک اللھم وبحمدک اشھدان لاالہ الاانت استغفرک واتوب الیک" تو بخشی جاتی ہیں اس کی فضولیات جو اس مجلس میں تھیں (یعنی لایعنی قسم کی باتیں معاف ہوجاتی ہیں) (حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: گنا جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں اٹھنے سے پہلے سو مرتبہ فرماتے: "رب اغفرلی وتُبْ علیّ انک انت التواب الغفور"۔ (حسن صحیح غریب)

باب مایقول عندالکرب

(شدتِ غم کے وقت کی دعاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم شدتِ غم کے وقت یہ دعاء کرتے: "لاالہ الااللہ الحلیم الحکیم، لاالہ الااللہ رب العرش العظیم لاالہ الااللہ رب السمٰوات والارض ورب العرش الکریم"۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ نبی کو جب کوئی معاملہ پریشان کرتا تو آپؐ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے: "سبحان اللہ العظیم" اور جب دعا میں اصرار کرتے تو کہتے: "یاحیُّ یاقیوم"۔ (غریب)

باب ماجاء مایقول اذانَزَلَ منزلاً

(کسی مقام میں اُترنے کی دعاء)

رسول اللہؐ نے فرمایا: جو کسی جگہ پڑاوَڈالے اور پھر کہے: اعوذ بکلمات اللہ التامّات من شر ما خلق "(پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کے پورے کلمات کی مخلوق کے شر سے)، تو کوئی چیز اس کو ضرر نہیں پہنچائے گی یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے کوچ کرے۔ (حسن غریب صحیح) قولہ: "تامّات "یعنی کاملات۔

باب مایقول اذاخرج مسافراً

(سفر کے وقت کی دعاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور اپنی سواری پر سوار ہوتے تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے (اور شعبہ نے اپنی انگلی دراز کی) اور کہتے: "اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل، اللّٰھم اصحبنا بنصحک اقلبنا بذمة، اللّٰھم ازوِلنا الارض وھوِّن علینا السفر، اللّٰھم انی اعوذبک من وَعثاء السفر وکاٰبة المنقلب "(اے اللہ! تو سفر میں رفیق ہے اور خلیفہ ہے گھر والوں میں، اے اللہ! ساتھ رہ ہمارے اپنی خیر خواہی کے ساتھ اور لوٹا ہم کو اپنے ذمّے میں، اے اللہ! لپیٹ دے ہمارے لئے زمین کو اور آسان کردے ہم پر سفر کو، اے اللہ! پناہ مانگتا ہوں میں تیری، سفر کی مشقت سے اور غمگین اور نامراد لوٹنے سے)۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ باب کی گزشتہ حدیث قدرے تغیر کے بعد درج ذیل اضافہ کے ساتھ آئی ہے: "ومن الحورِ بعد الکورِ ومن دعوة المظلوم وسُوء المنظر فی الاھل والمال "(اور زیادتی کے بعد کمی سے اور مظلوم کی بدعاء سے اور اہل ومال میں بدنظری سے۔ (الحور بعد الکور کا دوسرا ترجمہ ہے، فساد صلاح کے بعد)۔ (حسن صحیح)

باب مایقول اذارجَعَ من سفرہ

(سفر سے لوٹنے کی دعاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے تو فرماتے: "اٰئبون تائبون عابدون لربنا

حامدون"۔(حسن صحیح)

بابٌ منه

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی اونٹنی کو دوڑاتے یعنی تیز کرتے اور اگر کسی اور سواری پر ہوتے تو اس کو تیز چلاتے مدینہ کی محبت کی وجہ سے۔(حسن صحیح غریب)

باب ماجاء مایقول اذاوَدّع انساناً

(کسی کو رخصت کرنے کی دعاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو رخصت کرتے تو اس کا ہاتھ پکڑتے اور آپؐ اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے یہاں تک کہ وہ آدمی آپؐ کا ہاتھ چھوڑ دیتا اور آپؐ فرماتے: "اَسْتَوْدِعُ اللہ دینک وامانتک واخر عملک"۔(غریب)

بابٌ منه(ایضاً)

ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرا سفر کا ارادہ ہے پس آپ مجھے توشہ دیجئے، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا توشہ دے، اس نے کہا کچھ زیادہ کیجئے، آپؐ نے فرمایا: بخش دے اللہ تیرے گناہ، اس نے کہا: کچھ زیادہ کیجئے میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ نے فرمایا: آسان کرے تیرے لئے خیر کو تو جہاں بھی ہو۔(حسن غریب)

بابٌ منه (ایضاً)

ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں کچھ وصیت فرمایئے، آپؐ نے فرمایا: تجھ پر لازم ہے کہ تو اللہ سے ڈرے، اور تکبیر کہہ ہر بلندی پر، پھر جب وہ آدمی چلا، تو آپؐ نے فرمایا: "اللھم اطوله البعد وهوّن علیه السفر"۔(حسن)

باب ماذکر فی دعوة المسافر

(مسافر کی دعاء کی قبولیت کا بیان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین دعائیں مقبول ہیں، مظلوم کی دعاء، مسافر کی دعاء اور والد کی دعاء اولاد کے لئے۔

تشریح:۔ کیونکہ یہ دعائیں اخلاص کے ساتھ مانگی جاتی ہیں۔

باب مایقول اذارکب دابة

(سوار ہونے کی دعاء)

حضرت علیؓ کے پاس سواری لائی گئی تا کہ اس پر سوار ہوں، جب انہوں نے رکاب میں پیر رکھا تو کہا: ''بسم اللّٰہ'' پھر جب پیٹھ پر چڑھ گئے تو کہا: ''الحمدللّٰہ'' پھر یہ دعاء پڑھی: ''سبحان الذی سخّرلناھٰذاوماکناله مُقرنین واناالٰی ربناالمنقلبون'' اس کے بعد تین مرتبہ الحمدللہ کہا، پھر یہ دعاء پڑھی: ''سبحانک انی قدظلمت نفسی فاغفرلی فانه لایغفرالذنوب الاانت'' پھر ہنسے (راوی کہتا ہے) میں نے کہا: امیرالمؤمنین! آپ کیوں ہنسے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا انہوں نے ایسا ہی کیا جیسے میں نے کیا ہے پھر آپؐ ہنسے، تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں ہنسے؟ تو آپؐ نے کہا: بے شک تیرا رب پسند کرتا ہے اپنے بندے کو جب وہ کہتا ہے: ''رب اغفرلی ذنوبی انه لایغفرالذنوب غیرک''۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور اپنی سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے پھر ''سبحان الذی سخّرلنا سے لمنقلبون'' تک پڑھتے پھر یہ دعاء پڑھتے: ''اللّٰھم انی اسألک فی سفری ھٰذامن البروالتقویٰ ومن العمل ما ترضی، اللّٰھم ھَوِّن علیناالمسیر واَطْوِعَنّا بُعْدَالارض، اللّٰھم انت الصاحب فی سفری والخلیفة فی الاھل، اللّٰھم اصحبنافی سفرنا واخلُفنافی اھلنا'' اور جب سفر سے گھر آتے تو کہتے: ''اٰئبون ان شاء اللہ تائبون عابدون لِربناحامدون''۔ (حسن)

باب مایقول اذاھاجتِ الریح

(آندھی کی دعاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آندھی دیکھتے تو یہ دعاء پڑھتے: "اللّٰھم انی اسالک من خیرھا وخیر مافیھاوخیرماارسلت بہ واعوذبک من شرھاوشرمافیھاوشرماارسلت بہ"۔(حسن)

باب مایقول اذاسمع الرَّعُدَ

(گرج کی دعاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج اور کڑک سنتے تو کہتے: "اللّٰھم لا تقتلنابغضبک ولاتُھلکنا بعذابک وعافِناقبل ذالک"۔(غریب)

باب مایقول عندرؤیة الھلال

(چاند دیکھنے کی دعاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو یہ دعاء پڑھتے: "اللّٰھم اَھلِلْہ علینابالیُمن والایمان والسلامة والاسلام ربی وربک اللّٰہ"۔(حسن غریب)

باب مایقول عندالغضب

(غصہ کی دعاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے لگے یہاں تک کہ ایک کے چہرے پر غصہ معلوم ہونے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر یہ کہہ لے تو اس کا غصہ جاتا رہے: "اعوذباللہ من الشیطان الرجیم"۔

باب مایقول اذارأی رؤیایکرھھا

(براخواب دیکھنے کی دعاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو یہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا اس پر اللہ کی حمد کرے اور بیان کرے جو اس نے دیکھا ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی بُرا خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے پس اللہ کی پناہ مانگے اس کے شر سے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے کہ وہ اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچائے گا۔ (حسن صحیح غریب) تشریح ابواب الرؤیا میں گذری ہے۔

باب مایقول اذارأی الباکورۃ من الثمر

(نیا پھل دیکھنے کی دعاء)

لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لیتے تو فرماتے: "اللّٰھم بارک لنافی ثِمارناوبارک لنافی مدینتناوبارِک لنافی صاعنا ومُدِّنا، اللّٰھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک ونبیک وانی عبدک ونبیک وانه دَعاک لمکة وانااَدعوک للمدینة بمثل مادعاک به لمکة ومثله معه" پھر جس چھوٹے لڑکے کو دیکھتے تو اسے بلاتے اور وہ پھل اسے عنایت فرماتے۔ (حسن صحیح)

باب مایقول اذااکل طعاماً

(کھانا کھانے اور دودھ پینے کی دعاء)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ داخل ہوا میں اور خالد بن الولیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہؓ کے گھر میں، سو وہ دودھ کا ایک برتن لائیں اور پیا (اس سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور میں آپؐ کے دائیں طرف اور خالد بائیں طرف تھے، تو آپؐ نے مجھ سے کہا: پینے کا حق تو تیرا ہے مگر تو چاہے تو مقدم کر اپنے اوپر خالد کو، میں نے کہا: میں ترجیح نہیں دوں گا کسی کو آپؐ کے جھوٹے پر۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ تعالیٰ کچھ کھلائے تو کہے: "اللّٰھم بارک لنافیه واطعِمْناخیرامنه" اور جس کو اللہ

دودھ پلائے تو وہ کہے: ”اللّٰھم بارک لنا فیہ وزِدْنا منہ“ اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو کھانے اور پینے دونوں کو کافی ہو سوائے دودھ کے۔ (حسن)

باب مایقول اذافرغ من الطعام

(کھانے کے بعد کی دعاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپؐ کہتے: ”الحمدللہ حمداً کثیراً طیّباً مبارکاً فیہ غیر مُوَدَّعٍ وَّلامستغنی عنہ ربنا“۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قولہ: ”غیر مودّع“ یعنی جس سے بیزار نہیں اور ولامستغنی یعنی بے پرواہ۔

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ کھاتے یا پیتے تو فرماتے: ”الحمدللہ الذی اطعَمَنا وسقانا وجَعَلَنَا مسلمین“۔

حدیث آخر:۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: جس نے کچھ کھایا اور پھر کہا: ”الحمدللہ الذی اطعمنی ھذا وَرَزَقَنِیہ من غیر حول مِنی ولا قوۃ“ تو بخشے جائیں گے اس کے سابقہ گناہ۔ (حسن غریب)

باب مایقول اذاسمع نَھِیق الحمار

(جب گدھے (اور مرغ) کی آواز سنے تو یہ دعاء پڑھے)

نبیؐ نے فرمایا: جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگو کہ اس نے فرشتے کو دیکھا ہے، اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان سے کہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔ (حسن صحیح)

باب ماجاء فی فضل التسبیح والتکبیر والتھلیل والتحمید

(تسبیح، تکبیر، تہلیل اور تحمید کی فضیلت)

رسول اللہؐ نے فرمایا: زمین پر کوئی ایسا نہیں کہ کہے: ”لاالٰہ الااللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الاباللہ“ مگر مٹا دیئے جاتے ہیں اس کے گناہ، اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک غزوہ میں، پھر جب ہم واپس لوٹے اور مدینہ کے قریب پہنچے اور لوگوں نے تکبیر کہی اور اپنی آوازیں بلند کیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: بلاشبہ تمہارا رب نہ بہرہ ہے اور نہ غائب، بلکہ وہ تمہارے اور تمہارے کجاوؤں کے سروں کے درمیان ہے (یعنی اس قدر علم وقدرت والا ہے) پھر فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کیا نہ بتاؤں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ؟ ''لاحول و لاقوۃ الاباللّٰہ''۔ (حسن صحیح)

بابٌ

(تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر جنت کی شجر کاری ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری ملاقات ہوئی شب معراج کو ابراہیمؑ سے، تو انہوں نے کہا: اے محمد! اپنی امت کو میرا اسلام کہنا اور خبر دینا ان کو کہ جنت کی زمین بہت اچھی ہے اور اس کا پانی بہت میٹھا ہے اور وہ خالی میدان ہے اور اس کی شجر کاری ''سبحان اللہ و الحمدللہ و لاالٰہ الا اللہ و اللہ اکبر'' ہے۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمنشینوں سے کہا: کیا تم میں سے کوئی عاجز ہے اس سے کہ کمائے ایک ہزار نیکیاں؟ تو ہمنشینوں میں سے ایک نے پوچھا: ہم میں سے کوئی ہزار نیکیاں کیسے کما سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تم میں کوئی سو مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہے تو اس کے لئے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور ہزار برائیاں مٹائی جائیں گی۔ (حسن صحیح)

بابٌ

(سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم کی فضیلت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ''سبحان اللہ العظیم وبحمدہ'' کہا تو اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگایا جاتا ہے۔ (حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے سو مرتبہ ''سبحان اللہ العظیم وبحمدہ'' کہا تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر تو ہلکے ہیں (مگر) میزان میں بھاری

ہیں(اور) رحمٰن کو پیارے ہیں ''سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ وبحمدہ''۔(حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سومرتبہ کہا: ''لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی کل شیء قدیر'' تو اس کے لئے دس غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور اس کے لئے سونیکیاں لکھی جائیں گی اور سو برائیاں مٹائی جائیں گی اور یہ (عمل) اس کے لئے اس دن شام تک شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا اور (روزِ قیامت) کوئی اس سے افضل عمل والا نہیں ہوگا مگر جس نے اس سے زیادہ یہی عمل کیا...... اور اسی سند سے مروی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سومرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کہا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں۔(حسن صحیح)

بابٌ

(صبح اور شام سومرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہنا)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح اور شام سومرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کہا تو روزِ قیامت کوئی شخص اس کے عمل سے افضل عمل نہیں لائے گا مگر جس نے یہی عمل کیا یا اس سے زیادہ۔(حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ ایک دن نبیؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہو: ''سبحان اللہ و بحمدہ'' سومرتبہ، جس نے ایک مرتبہ کہا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دس مرتبہ کہا تو اس کے لئے سونیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے سومرتبہ کہا تو اس کے لئے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے زیادہ کہا تو اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ ثواب دے گا اور جس نے اللہ سے بخشش مانگی تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔(حسن غریب)

بابٌ

(سومرتبہ صبح اور شام سبحان اللہ کہنا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سومرتبہ صبح کو اور سومرتبہ شام کو ''سبحان اللہ'' کہا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے سو حج کئے...... اور جس نے سومرتبہ صبح کو اور سومرتبہ شام کو ''الحمدللہ'' کہا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے سو گھوڑوں پر غازیوں کو سوار کیا یا فرمایا: جس نے سو جہاد کئے...... اور جس نے سوبار صبح کو اور سوبار شام کو ''لاالٰہ الااللہ'' کہا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں

سے سو غلام آزاد کئے .... اور جس نے سو بار صبح کو اور سو بار شام کو "اللہ اکبر" کہا تو اس دن (یا روزِ قیامت) کوئی شخص اس سے زیادہ عمل لے کر نہیں آئے گا مگر وہ جس نے یہی عمل کیا یا اس سے بھی زیادہ کیا۔ (حسن غریب)

باب

(اشهد الخ دس مرتبہ کہنے چار کروڑ نیکیاں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص "اشهد ان لاالٰه الاالله وحده لاشريك له، الٰهاً واحداً احداً صمداً لم يتخذ صاحبة ولا ولداً ولم يكن له كُفُواً احد" دس مرتبہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے چار کروڑ نیکیاں لکھتا ہے۔ (غریب)

قولہ: "صمداً" بے نیاز اور مستغنی کو کہتے ہیں اور بمعنی مصمود کے بھی آتا ہے یعنی جس کی طرف حوائج مانگنے میں رجوع کیا جاتا ہے الذي يُصْمَدُ اليه، اي يُقْصَدُ۔

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نماز فجر کے بعد اس حال میں کہ اپنے پاؤں موڑے ہوئے ہو، دس مرتبہ مرتبہ کہے: "لاالٰه الاالله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد يُحيي ويميت وهو على كل شيء قدير" تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس برائیاں مٹائی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں اور اس دن وہ حفاظت میں رہے گا ہر برائی سے اور پناہ میں رہے گا شیطان سے، اور کوئی گناہ اس دن اس کو نہیں گھیر سکے گا سوائے شرک کے۔ (حسن صحیح غریب)

باب ماجاء في جامع الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

(متفرق دعائیں)

سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہ وہ ان کلمات کے ساتھ دعا کر رہا تھا: "اللّٰهم انی اسألك بانی اشهد انك انت الله لااله الاانت الاحد الصمد الذي لم يَلِد ولم يولد ولم يكن له كفواً احد"۔ (راوی نے کہا:) تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس نے اللہ سے اُس کے اس اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے کہ اگر اس کے ذریعہ دعاء کی جائے تو قبول کرتا ہے اور اگر اس کے ذریعہ سوال کیا جائے تو عنایت کرتا ہے۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: ''والٰھکم الٰہ واحد لاالٰہ الاھو الرحمن الرحیم'' اور آل عمران کے شروع کی آیت ''الم اللہ لاالٰہ الاھو الحیّ القیوم''۔ (حسن صحیح)

بابٌ

(دعا حمد وصلوٰۃ شروع کرے)

دریں اثنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور نماز پڑھی پھر کہا: اللھم اغفرلی وارحمنی ''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! تو نے جلد بازی سے کام لیا، جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ کی حمد کر اس کے شایانِ شان اور درود بھیج مجھ پر، پھر دعا کر اللہ سے۔ (راوی کہتا ہے) پھر اس کے بعد ایک دوسرے شخص (ابن مسعودؓ) نے نماز پڑھی پھر اللہ کی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! دعا کر تیری دعا قبول کی جائے گی۔ (حسن)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے دعاء کرو اس حال میں کہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور کھیلنے والے دل کی دعاء قبول نہیں کرتا۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ایک شخص کو کہ وہ دعاء کر رہا تھا اپنی نماز میں اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جلد بازی کی، پھر اس کو بلایا اور اس سے یا کسی اور سے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ چکے تو اللہ کی حمد وثناء سے شروع کرے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر جو چاہے دعاء کرے۔ (حسن صحیح)

بابٌ

(جسم اور بینائی کی عافیت کی دعا)

رسول اللہؐ (دعاء کرتے ہوئے) فرماتے تھے: ''اللّٰھم عافنی فی جسدی وعافنی فی بصری واجعلہ الوارث منی'' (یعنی مجھ سے میرا وارث بنا، یا میری بینائی کو موت تک باقی رکھ) ''لاالٰہ الااللہ العلیم الکریم، سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمدللہ رب العالمین''۔ (حسن غریب)

بابٌ

(حضرت فاطمہ ؓ کو سکھائی گئی ایک دعا)

حضرت فاطمہ ؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، وہ آپ ؐ سے خادم مانگ رہی تھی، تو آپ ؐ نے ان سے فرمایا کہو: "اللّٰهم رب السمٰوات السبع ورب العرش العظيم، ربنا ورب كل شيء منزل التوراة والانجيل والقرآن، فالقَ الحب والنّوىٰ (یعنی دانہ اور گھٹلی کو چیرنے والے) اعوذبک من شر کل شيء انت اخذ بناصيته، انت الاول فليس قبلک شيء وانت الاخر فليس بعدک شيء وانت الظاهر فليس فوقک شيء وانت الباطن فليس دونک شيء اقض عني الدين واَغْنِني من الفقر"۔ (حسن غریب)

بابٌ

(چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دعاء کرتے ہوئے) فرماتے تھے: "اللّٰهم انی اعوذبک من قلب لايَخْشَعُ ومن دعاء لايُسْمَعُ ومن نفس لا تَشْبَعُ ومن علم لايَنْفَعُ اعوذبک من هؤلاء الاربع"۔ (حسن صحیح غریب)

عمران بن حصین ؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا: اے حصین! آج تو کتنے معبودوں کو پوجتا ہے؟ انہوں نے کہا "سات" چھ زمین میں اور ایک آسمان میں، آپ ؐ نے فرمایا: پھر تو ان میں سے کس سے اُمید اور خوف رکھتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: آسمان والے سے، آپ ؐ نے فرمایا: اے حصین! سنو! اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تمہیں ایسے دو کلمے سکھاؤں گا جو تجھے نفع دیں گے"۔ حضرت عمران راوی کہتے ہیں کہ پھر جب حصین اسلام لائے تو فرمایا: اے اللہ کے رسول! مجھے سکھائیں وہ کلمے جن کا آپ ؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، تو آپ ؐ نے فرمایا کہو: "اللهم الهِمْنِيْ رُشْدِيْ واَعِذْنِيْ من شرّ نفسي" (اے اللہ! مجھے میری ہدایت کا الہام کرا اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا)۔ (حسن غریب)

بابٌ

(مختلف کمزوریوں اور آزمائشوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا)

انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: میں اکثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتا تھا کہ وہ ان کلمات کے ساتھ دعاء کرتے تھے: "اللّٰھم انی اعوذبک من الھمّ والحُزن والعَجز والکسل والبُخل وضَلَع الدین وغلبۃ الرجال" (اے اللہ! پناہ مانگتا ہوں میں تیری، فکر سے، غم سے، تھکن سے، سستی سے، بخیلی سے، قرض کے غلبے سے اور مردوں کے غصہ سے)۔ (ضَلَعَ بروزن سبب بمعنی ثقل اور بوجھ کے)۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء پڑھتے تھے: "اللّٰھم انی اعوذبک من الکَسَلِ والھرم والجُبن والبُخل وفتنۃ المَسِیحِ وعذاب القبر" (اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں سستی، بڑھاپے، بزدلی، بخیلی، مسیح دجال کے فتنے اور عذابِ قبر سے)۔ (حسن صحیح)

باب ماجاء فی عقدالتسبیح بالید

(انگلیوں پر تسبیح گننا)

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ وہ اپنی انگلیوں پر تسبیح گن رہے تھے۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کی ایک شخص کی جو سخت کمزور ہوگئے تھے یہاں تک کہ چڑیا کے بچے کی طرح ہوگئے تھے، تو آپؐ نے ان سے کہا: کیا تم دعاء نہیں کرتے؟ کیا تم اپنے رب سے عافیت نہیں مانگتے؟ انہوں نے کہا: میں دعاء کرتا تھا کہ: اے اللہ! جو عذاب تو مجھے آخرت میں دینے والا ہے وہ مجھے دنیا ہی میں دے دے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سبحان اللہ"! تو اس کی طاقت نہیں رکھ سکتا، تجھ سے نہیں ہوسکتا، تو یہ کیوں نہیں کہتا ہے: "اللّٰھم آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"۔ (حسن صحیح غریب)

باب

(ہدایت، تقویٰ، عفاف اور غنیٰ کی دعا)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء پڑھتے تھے: "اللّٰھم انی اسالک الھدیٰ والتقیٰ والعفاف والغنیٰ" (اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری، پاکدامنی اور مالداری مانگتا ہوں)۔ (حسن صحیح)

اس حدیث میں غنا سے مراد نفس کا استغنیٰ ہے نہ کہ دولت مندی۔

باب

(اللہ سے خاص محبت مانگنا)

رسول اللہؐ نے فرمایا: داؤد (علیہ السلام) کی دعا میں سے یہ ہے کہ وہ کہتے تھے: "اللّٰھم انی اسالک حُبّک وحب من یحبک والعمل الذی یُبَلِّغنی حبک، اللّٰھم اجعل حُبّک اَحَبَّ اِلَیَّ من نفسی واھلی ومن الماء البارد" راوی کہتا ہے: رسول اللہؐ جب داؤد (علیہ السلام) کا ذکر کرتے تو فرماتے: وہ آدمیوں میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔ (یعنی اپنے زمانہ میں)۔ (حسن غریب)

باب

(نعمتوں کو طاعات میں استعمال کرنے کی دعا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے: "اللّٰھم ارزقنی حُبّک وحُبَّ من ینفعنی حُبه عندک، اللّٰھم مارزقتنی مما احب فاجعله قوة لی فیما تحب، اللّٰھم مازَوَیْتَ عنی مما احب فاجعله فراغاً لِیّ فیما تحب (یعنی جو چیزیں میری پسند کی تو نے روک دی، تو اس کو موجب فراغت (یاقوت) بنا ان چیزوں کے لئے جن کو تو پسند کرتا ہے)۔ (حسن غریب)

باب

(کان، آنکھ، زبان، دل، اور شرمگاہ کے شر سے پناہ مانگنا)

شکلؓ بن حمید فرماتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی

ایسا تعوذ بتایئے جسے میں پڑھا کروں تو آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: کہو: ''اللّٰھم انی اعوذبک من شر سمعی ومن شر بصری ومن شر لسانی ومن شر قلبی ومن شر مَنِیِّی'' یعنی فرجہ (یعنی منی کے شر سے، فرج کا شر، زنا اور اس کے مقدمات مراد ہیں)۔ (حسن غریب)

بابٌ

(استعاذہ کی دو جامع دعائیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ دعا اس طرح سکھاتے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے: ''اللّٰھم انی اعوذبک من عذاب جھنم ومن عذاب القبر واعوذبک من فتنة المسیح الدجال واعوذبک من فتنة المحیا والممات''۔ (حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے: ''اللّٰھم انی اعوذبک من فتنة النار وعذاب النار وعذاب القبر وفتنة القبر ومن شر فتنة الغِنٰی ومن شر فتنة الفقر ومن شر المسیح الدجال، اللّٰھم اغسل خطایای بماء الثلج والبَرَد (برف اور اولوں کا پانی) وانق قلبی من الخطایا کما انقیت الثوب الابیض من الدَنس (میل کچیل) وباعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب، اللّٰھم انی اعوذبک من الکَسَل والھَرَم والماثم والمغرم''۔ (حسن صحیح)

قولہ: ''المغرم'' نقصان، خسارہ، قرض۔

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ وہ وفات کے وقت فرما رہے تھے: ''اللّٰھم اغفرلی وارحمنی وأَلحِقْنِیْ بالرفیق الاعلیٰ''۔ (حسن صحیح)

بابٌ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں سوئی ہوئی تھی، میں نے آپؐ کو رات کو نہیں پایا، تو میں نے ٹٹولا تو میرا ہاتھ آپؐ کے پیروں پر پڑا اور آپؐ سجدہ میں تھے اور (یہ دعا) پڑھ رہے تھے: ''اعوذ بِرضاک من سخطک وبِمُعافاتک من عقوبتک، لااُحصِیْ ثناءً علیک انت

کماأثنیت علی نفسک"۔(حسن صحیح)

باب

(پختہ ارادے سے غیر معلق دعا کرے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی یوں دعا نہ کرے "اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر، (بلکہ) پختہ ارادے سے (غیر معلق) سوال کرے، کیونکہ اللہ پر کوئی زور ڈالنے والا نہیں"۔(حسن صحیح)

باب

(قبولیت دعا کے اوقات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اور فرماتا ہے: "کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں قبول کروں؟...کون ہے جو مجھ سے سوال کرے کہ میں اسے دوں؟...کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے کہ میں اسے بخش دوں؟"۔(حسن صحیح)

حدیث آخر:۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کون سی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: آخر رات کی دعاء اور فرض نمازوں کے بعد کی دعاء"۔(حسن)

باب

(صبح اور شام کی ایک دعا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح کے وقت کہتا ہے: "اللّٰهم اصبحنا نشهدک ونشهد حَمَلَة عرشک (عرش بردار) وملائکتک وجمیع خلقک بانک الله لااله الاانت، وحدک لاشریک لک وان محمداً عبدک ورسولک "تو اللہ تعالیٰ اس کے اس دن کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اگر وہ شام کے وقت یہی کلمات کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس رات کے گناہ بخش دیتا ہے۔(غریب)

بابٌ

(ایک مختصر مگر جامع دعا)

ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! آج رات میں نے آپ کی دعا سنی، سو جو اس میں سے مجھے پہنچی وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: "اللّٰھم اغفرلی ذنبی وَوَسِّعْ لی فی داری وبارک لی فیمارزقتنی" تو آپ نے فرمایا: کیا تجھے لگتا ہے کہ اس دعا نے کچھ (خیر) چھوڑا ہے؟۔ (غریب)

بابٌ

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمنشینوں کیلئے یہ دعا کرتے تھے)

بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے لئے ان کلمات سے دعا کئے بغیر مجلس سے اٹھتے: "اللّٰھم اَقْسِمْ لنا (یعنی ہمارے لئے حصہ مقرر کر) من خشیتک مایَحُوْل بیننا وبین معاصِیک، ومن طاعتک ما تُبَلِّغُنابه جنتک، ومن الیقین ماتُھَوِّن به علینا (آسان کردے ہمارے لئے) مصیباتِ الدنیا، ومَتِّعنا باسماعنا وابصارنا وقوّتنا ما احییتنا، واجعله الوارث منا، واجعل ثارنا (عداوت، انتقام) علی من ظَلَمَنَا وانصرنا علی من عادانا، ولاتجعل مصیبتنا فی دیننا، ولا تجعل الدنیا اکبر هَمّنا ولا مَبْلَغَ عِلْمنا، ولا تُسَلِّطْ علینا من لایرحمنا"۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ مسلم بن ابی بکرۃ فرماتے ہیں: میرے والد نے مجھے سنا کہ میں کہہ رہا تھا: "اللّٰھم انی اعوذبک من الھمّ والکَسَلِ وعذاب القبر" تو فرمایا: اے بیٹے! یہ دعا تم نے کس سے سنی ہے؟..... میں نے کہا: آپ سے..... انہوں نے کہا: ان کلمات کو لازم پکڑو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کلمات پڑھتے سنا ہے۔ (حسن غریب)

بابٌ

(ایک ذکر جس سے بخشش ہو جائے)

حضرت علیؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھے ایسے کلمات نہ سکھاؤں کہ اگر تو ان

کلمات کو کہے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے گا اگر چہ تو بخشا بخشایا ہو، فرمایا: کہو: "لاالہ الااللہ العلی العظیم، لاالہ الااللہ الحلیم الکریم ،لاالہ الااللہ،سبحان اللہ رب العرش العظیم"۔(غریب)

بابٌ

(حضرت یونسؑ کی دعا)

عن سعدؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کی دعا جوانہوں نے مچھلی کے پیٹ میں پڑھی: "لاالہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین" ایسی ہے کہ جب بھی کسی مسلمان نے اس کے ذریعہ کسی معاملہ میں دعا کی تو اللہ نے اس کی دعا قبول کی۔

بابٌ

(اسماء حسنیٰ یاد کرنے کی فضیلت)

عن ابی ھریرۃؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں (یعنی) ایک کم سو، جو انہیں یاد کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔(حسن صحیح)

بابٌ

(اللہ تعالیٰ کے ننانوے مبارک نام)

"عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ننانوے نام ہیں (یعنی) ایک کم سو نام ہیں، جو انہیں یاد کرے گا جنت میں داخل ہوگا (وہ اسماء یہ ہیں):

"ھواللہ الذی لاالہ الاھوالرحمن، الرحیم، الملک، القدوس (پاک)، السلام، المؤمن، المُھَیمن (محافظ)، العزیز (غالب)، الجبار (زبردست)، المتکبر، الخالق، الباری (بے نمونہ دیکھے عالم کو پیدا کرنے والا) المصوّر، الغفّار، القھّار، الوھّاب، الرزّاق، الفتّاح، العلیم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المُعِزّ، المذل، السمیع، البصیر، الحکم، العَدل، اللطیف، الخبیر، الحلیم، العظیم، الغفور، الشکور، العلیّ، الکبیر، الحفیظ، المُقیت (قوت دینے

الا) الحسیب ،الجلیل ،الکریم ،الرقیب، المجیب، الواسع ،الحکیم ،الودود، المجید، الباعث ،الشھید، الحق، الوکیل ،القوی، المتین ،الولی ،الحمید، المحصی، المبدی، المعید، المحی، الممیت ،الحیّ ،القیوم ،الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدم، المؤخر، الاول، الاخر، الظاھر، الباطن ،الوالی، المتعالی، البر (نیکوکار)، التواب، المنتقم ،العفو، الرء وف ،مالک الملک، ذوالجلال والاکرام، المقسط ،الجامع ،الغنی، المغنی ،المانع، الضار، النافع، النور، الھادی، البدیع، الباقی، الوارث، الرشید ،الصبور".

قوله: "الواجد" ای یَجِدُ مایُرید۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کے باغوں پر گزرو تو چرا کرو، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جنت کے باغوں سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مسجدیں، میں نے کہا: چرنے سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "سبحان اللہ والحمدللہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر"۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ عن انس بن مالکؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا گذر ہو جنت کے باغوں پر، تو چرا کرو، (صحابہؓ نے) کہا: جنت کے باغ کہاں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: "ذکر کے حلقے"۔ (غریب)

بابٌ

(مصیبت پہنچے تو یہ دعا کرے)

ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہے: "اناللہ وانا الیہ راجعون ،اللّٰھم عندک احتسب (ثواب چاہتا ہوں) مصیبتی فَأْجُرنی فیھا (اس پر صبر کرنے کی جزا دے) وابدلنی منھا خیرا" پھر جب ابوسلمہؓ کی موت کا وقت ہوا تو انہوں نے کہا: اے اللہ! میرے بعد میرے گھر والوں میں مجھ سے بہتر شخص لا"..... پھر جب ان کی روح قبض ہوگئی تو ام سلمہؓ نے کہا: اناللہ وانا الیہ راجعون ،عنداللہ احتسب مصیبتی ،فاجرنی فیھا"۔ (غریب)

تشریح:۔ پس ام سلمہؓ کا نکاح سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔

بابٌ

(کونسی دعا افضل ہے؟)

عن انس بن مالک ؓ:۔ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کون سی دعا افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”اپنے رب سے دنیا اور آخرت کی عافیت اور معافی مانگ“ پھر وہ شخص دوسرے دن آیا اور اس نے وہی سوال کیا اور آپؐ نے ویسا ہی جواب دیا، پھر وہ تیسرے دن آیا اور وہی سوال کیا، آپؐ نے فرمایا: ”جب تجھے دنیا اور آخرت میں عافیت مل جائے تو تم یقیناً کامیاب ہو گئے“۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! اگر میں جان جاؤں کہ کون سی رات شب قدر ہے تو میں اس رات کو دعا مانگوں؟ آپؐ نے فرمایا: کہو: ”اللّٰھم انک عَفُوٌّ تحب العفو فاعف عنی“۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ حضرت عباسؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی چیز سکھایئے جو میں اللہ سے مانگو، آپؐ نے فرمایا: ”اللہ سے عافیت مانگو“ تو میں چند دن ٹھہرا رہا، پھر میں آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی چیز سکھایئے جو میں اللہ سے مانگو، تو آپؐ نے مجھ سے کہا: ”اے عباس! رسول اللہ کے چچا! اللہ سے دنیا اور آخرت کی عافیت مانگو“۔ (صحیح)

بابٌ

(استخارے کی ایک دعا)

عن ابی بکر الصدیقؓ: نبیؐ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے تو کہتے: ”اللھم خِرلی واخترلی“ (اے اللہ! میرا کام اچھا کر دے اور جو کام میرے حق میں بہتر ہو اس کو میرے لئے پسند کر)۔ (غریب)

بابٌ

(تسبیح اور تحمید)

عن ابی مالک الاشعریؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضوء نصف ایمان ہے، اور الحمدللہ میزانِ اعمال کو بھر دیتا ہے اور ”سبحان اللہ اور الحمدللہ“ دونوں (یا ہر ایک) آسمانوں اور زمین کی

درمیانی فضا کو بھر دیتے ہیں، اور نماز نور ہے، اور صدقہ دلیل ہے اور صبر روشنی ہے، اور قرآن تیرے لئے یا تیرے خلاف حجت ہے، ہر انسان صبح کرتا ہے پس وہ اپنے نفس کا سودا کرنے والا ہے پھر وہ یا تو اس کو آزاد کرنے والا ہے یا اس کو ہلاک کرنے والا ہے۔ (حسن صحیح)

بابٌ

(تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر)

عن عبداللہ ابن عمرؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تسبیح (سبحان اللہ) آدھی میزان (بھر دیتی) ہے اور الحمد للہ ساری میزان بھر دیتا ہے اور "لا الہ الا اللّٰہ" اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تک پہنچ جائے۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ بنی سُلیم کا ایک شخص کہتا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آئندہ پانچ باتوں کو) میرے ہاتھ یا اپنے ہاتھ پر گنا: تسبیح آدھی میزان ہے اور الحمد للہ پوری ترازو کو بھر دیتا ہے، اور تکبیر آسمان وزمین کی درمیانی فضا کو بھر دیتی ہے، اور روزہ نصفِ صبر ہے اور طہارت نصفِ ایمان ہے۔ (حسن)

بابٌ

(وقوفِ عرفہ کی دعا)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن شام کے وقت وقوفِ عرفہ میں جو دعا بکثرت فرمائی وہ یہ تھی: "اللّٰھم لک الحمد کالذی تَقُوْلُ وخیراً مما نقول، اللّٰھم لک صلاتی ونُسکی ومحیای ومماتی والیک مآبی (لوٹنا)، ولک رَبِّ تُراثی (ترکہ)، اللّٰھم انی اعوذ بک من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشتات الامر (پراگندہ حالی) اللّٰھم انی اعوذبک من شر ما تجیء بہ الریح"۔ (غریب)

بابٌ

(ایک جامع دعا)

عن ابی امامةؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی دعائیں پڑھیں، جن میں سے ہمیں کچھ بھی

یاد نہ رہا، ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے بہت سی دعائیں کیں، جن میں سے ہمیں کچھ بھی یاد نہ رہا آپ نے فرمایا: کیا میں ایسی دعا نہ بتلاؤں جو ان سب کو جامع ہو؟ کہو: ''اللّٰھم انا نسالک من خیر ماسالک منہ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونعوذبک من شر مااستعاذ منہ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانت المستعان وعلیک البلاغ ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ''۔ (حسن غریب)

بابٌ

(دین پر ثابت قدمی کی دعا)

شہر بن حوشب نے حضرت ام سلمہؓ سے کہا: اے ام المؤمنین! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس ہوتے تو ان کی اکثر دعا کیا ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا: ان کی اکثر دعا یہ ہوتی تھی: ''یامقلب القلوب (اے دلوں کو پھیرنے والے!) ثبت قلبی علیٰ دینک'' حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ بکثرت یہ دُعا کیوں کرتے ہیں کہ ''یامقلّب القلوب ثبّت قلبی علی دینک''؟ آپؐ نے فرمایا: اے ام سلمہ! کوئی آدمی ایسا نہیں جس کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو، پھر جسے وہ چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ پھر معاذ (راوی) نے یہ آیت پڑھی: ''ربنا لاتُزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا''۔ (حسن)

بابٌ

(بے خوابی کی دعا)

خالد بن ولیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ رات کو میں نہ سو سکا بے خوابی کی وجہ سے، تو آپؐ نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یہ دعا کرو: ''اللّٰھم رب السمٰوات السبع وما اظلّت (اور جن پر آسمانوں نے سایہ کیا)، ورب الارضین وما اقلّت (اٹھانا)، ورب الشیاطین وما اضلّت اکن لی جاراً من شر خلقک کلھم جمیعاً ان یفرط علیّ احدمنھم او ان یبغی، عزّجارک وجل ثناؤک ولا الٰہ غیرک، لا الٰہ الا انت''۔

حدیث آخر:۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ: رسول اللہؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی

نیند میں ڈر جائے تو کہے: ''اعوذ بکلمات اللہ التامّة من غضبه وعقابه وشرّ عباده ومن همزات الشیاطین وان یحضرون'' تو وہ (خواب یا شیاطین) اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے... اور عبداللہ بن عمرو اپنی بالغ اولاد کو یہ دعا سکھا دیتے اور جو نابالغ ہوتا تو لکھ کر اس کے گلے میں لٹکا دیتے۔ (حسن غریب)

بابٌ

(حمد وثناء اللہ تعالیٰ کو پسند ہے)

ابووائل کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو سنا، راوی (عمرو بن مرۃ) نے پوچھا کیا آپ نے خود عبداللہ سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور ابن مسعودؓ نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے: ''اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت والا نہیں، اس لئے اس نے حرام کیا ہے بے حیائی کو، اور اللہ سے بڑھ کر کسی کو تعریف پسند نہیں اور اس لئے اللہ نے خود اپنی تعریف کی''۔ (حسن صحیح)

بابٌ

(قعدہ اخیرہ کی ایک دعا)

ابوبکر صدیقؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی دعا سکھایئے جسے میں اپنی نماز میں پڑھوں، آپؐ نے فرمایا: کہو: ''اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرة من عندک وارحمنی، انک انت الغفور الرحیم''۔ (حسن صحیح غریب)

بابٌ

(یاحی یاقیوم اور یاذا الجلال والاکرام سے دعا کرنا)

عن انس بن مالکؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی اور بے چینی لاحق ہوتی تو آپؐ فرماتے: ''یاحیّ یاقیوم برحمتک استغیث'' ...... اور اسی سند سے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لازم پکڑو ''یاذا الجلال والاکرام'' کو۔ (غریب)

حدیث آخر: عن معاذ بن جبلؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا کہ وہ دعا کرتے ہوئے

کہہ رہا تھا: ''اللّٰھم انی اسالک تمام النعمة ''تو آپؐ نے کہا: تمام النعمة کیا ہے؟ اس نے کہا: ایک دعا ہے جو میں نے مانگی ہے اور میں اس سے خیر کی امید رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: پوری نعمت میں سے ہے جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچ جانا...... اور آپؐ نے ایک شخص کو ''یاذاالجلال والاکرام'' کہتے ہوئے سنا تو آپؐ نے فرمایا: تیری دعا مقبول ہے، اب سوال کر...... اور آپؐ نے ایک شخص کو ''اللّٰھم انی اسالک الصبر'' کہتے سنا تو آپؐ نے فرمایا: تو نے اللہ سے بلا مانگی ہے، اب اللہ سے عافیت مانگ لے۔ (حسن)

بابٌ

(باوضو ذکر کرتے سونا)

عن ابی امامةؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص طہارت کے ساتھ اپنے بستر پر جائے اس حال میں کہ وہ اللہ کا ذکر کر رہا ہو یہاں تک کہ اسے اونگھ آجائے تو وہ رات کی کسی گھڑی کروٹ نہیں بدلتا، اللہ سے دنیا اور آخرت کی کوئی خیر مانگتے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ وہ اسے عطا کرتا ہے۔ (حسن غریب)

بابٌ

(صبح وشام کی ایک دعا)

ابوراشد الحبرانی فرماتے ہیں: میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیثوں میں سے مجھے کوئی حدیث بیان کریں، تو انہوں نے میری طرف ایک صحیفہ ڈال دیا اور کہا: یہ وہ تحریر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے لکھوائی۔ میں (ابوراشد) نے اسے دیکھا، تو اس میں یہ (لکھا) تھا: ابوبکر الصدیق نے کہا: یارسول اللہ! مجھے ایسی دعا سکھائیں جسے میں صبح وشام پڑھا کروں، تو آپؐ نے فرمایا: اے ابوبکر! کہو: ''اللّٰھم فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب والشھادة لاالٰہ الاانت رب کل شیء وملیکه اعوذبک من شر نفسی ومن شر الشیطان وشرکه (جال یا شرک میں مبتلا کرنا) وان اَقْتَرِف (کمانا) علی نفسی سوءًا اواجرّہ (کھینچنا) الی مسلم'' (یعنی کسی سے برائی کروں)۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ عن انس بن مالکؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا ایک درخت پر، جس کے پتے

ہوگئے تھے، آپ نے اپنی لاٹھی اس کو ماری تو پتے جھڑنے لگے، تو آپ نے فرمایا: "الحمدللہ، اور سبحان اللہ اور لاالٰہ الااللہ اور اللہ اکبر" بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ گئے"۔ (غریب)

حدیث آخر:۔عن عمارة بن شبیب السنباء ی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مغرب کے بعد دس مرتبہ کہے: "لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمدیحیی ویمیت وھو کل شیء قدیر" تو اللہ تعالیٰ ایک دستہ بھیجے گا جو شیطان سے اس کی نگہبانی کرے گا صبح تک اور لکھی جائیں گی اس کے لئے دس نیکیاں واجب کرنے والی اور مٹائی جائیں گی اس سے دس برائیاں ہلاک کرنے والی اور اس کو دس مسلمان غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ (حسن غریب)

قولہ: "مسلحة" یعنی فرشتوں کا اسلحہ بردار دستہ۔

باب ماجاء فی فضل التوبة والاستغفار

وماذکر من رحمة اللہ لعبادہ

(توبہ اور استغفار کی فضیلت اور بندوں پر اللہ کی مہربانی)

زر بن حُبیش فرماتے ہیں کہ میں صفوان بن عسّال مرادی کے پاس گیا تا کہ ان سے مسح علی الخفین کے بارے میں پوچھوں، انہوں نے کہا: اے زرّ! کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا: علم حاصل کرنے، انہوں نے کہا: فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں طالب علم کے لئے اس کی طلب علم سے خوش ہو کر...... میں نے کہا: بول و براز کے بعد مسح علی الخفین کے بارے میں میرے دل میں کچھ خیال آیا، اور آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں، تو میں آپ کے پاس آیا کہ آپ سے پوچھوں کہ کیا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپؐ ہمیں حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں تو تین دن اور تین رات ہم اپنے موزے نہ اُتاریں مگر جنابت سے اور نہ اُتاریں بول و براز اور نیند سے..... پھر میں نے کہا: آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت کے بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھے، پس ہم آپؐ کے پاس تھے کہ ایک اعرابی نے اپنی اونچی آواز سے پکارا: یا محمد! تو

آپؐ نے اس کو اسی قدر بلند آواز سے جواب دیا: "آؤ" ہم نے اس سے کہا ارے: اپنی آواز پست کر، کہ تو نبیؐ کے پاس ہے، اور ان کے پاس آواز بلند کرنے سے تجھے منع کیا گیا ہے، اس نے کہا: بخدا! میں آواز پست نہیں کروں گا، اعرابی نے پوچھا: ایک شخص ایک قوم سے محبت رکھتا ہے اور اب تک ان سے نہیں ملا (یعنی اس کا کیا حکم ہے؟) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن آدمی ان کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے" ....پھر صفوان برابر ہم سے حدیثیں بیان کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے جانبِ مغرب میں ایک دروازے کا تذکرہ کیا جس کی چوڑائی کی مسافت یا فرمایا: اس کی چوڑائی میں اونٹ سوار چالیس یا ستر سال چلے گا.....سفیان فرماتے ہیں: یہ شام کی جانب ہے، اس دروازے کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدائش کے دن سے کھلا ہوا پیدا کیا ہے یعنی توبہ کے لئے، اور بند نہیں ہوگا یہ دروازہ یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے۔ (حسن صحیح)

قولہ: "حک فی صدری" یعنی میرے دل میں بے چینی سی ہے۔

اگلی سند میں باب کی سابقہ حدیث ہے البتہ اس میں اعرابی کو "جِلف" (احمق) اور "جاف" (درشت وسخت مزاج) کہا گیا ہے۔ قولہ: "مَہْ" اسم فعل ہے بمعنی اُسْکُتْ۔ قولہ: "ھاؤم" اسم فعل ہے بمعنی تعال اور بمعنی خُذْ۔ چونکہ اعرابی کی آواز طبعًا بلند تھی اس لئے کوئی بے ادبی نہیں ہوئی۔

بابٌ

(توبہ کب تک مقبول ہے)

عن ابن عمرؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک کہ اسے موت کا غرغرہ نہ آجائے۔ (حسن غریب)

تشریح: یعنی جب تک زندگی سے مایوس نہ ہوجائے جو آخرت کی چیزیں دیکھنے سے ہوتی ہے۔

بابٌ

(توبہ کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے)

عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی ایک کو اپنا کھویا ہوا اونٹ ملنے پر ہوتی ہے۔ (حسن صحیح غریب)

بابٌ

(اللہ تعالیٰ غفور ہے)

حضرت ابوایوبؓ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ایک حدیث تم سے چھپائی ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپؐ فرما رہے تھے: اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایک دوسری مخلوق پیدا کرے گا جو گناہ کرے اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کرے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ یہ مذنبین کی تسلی کے لئے فرمایا نیز اللہ اپنی صفات کے مظاہر دیکھنا چاہتا ہے۔

بابٌ

(بڑے سے بڑا گناہ بخشنا اللہ کیلئے بڑی بات نہیں ہے)

عن انس بن مالکؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! تو جب تک مجھے پکارے گا اور (مغفرت کی) امید رکھے گا تو میں تجھے بخشتا رہوں گا، چاہے تو کسی بھی حال میں ہو اور میں پروا نہیں کرتا، اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے کناروں (بادل) تک پہنچ جائیں اور پھر تو مجھ سے بخشش مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا، اور میں پروا نہیں کرتا، اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس آئے زمین بھر گناہ لے کر پھر تو مجھ سے ملے اس حال میں تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا تو میں زمین بھر مغفرت لے کر تیرے پاس آؤں گا۔ (حسن غریب)

بابٌ

(اللہ تعالیٰ کی رحمت)

عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا کیں اور اللہ نے ایک رحمت اپنی مخلوق میں رکھی جس کے سبب وہ باہم ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، اور اللہ کے پاس ننانوے رحمتیں ہیں۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ اس رحمت سے صفتِ باری مراد نہیں کہ وہ مخلوق نہیں ہے بلکہ اس کے مظاہر مراد ہیں۔

بابٌ

(رحمت اور عقوبت)

عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مؤمن اللہ کے عذاب کو جان لے تو کوئی بھی جنت کی امید نہ کرے اور اگر کافر اللہ کی رحمت کو جان لے تو کوئی جنت سے نا امید نہ ہو۔ (حسن)

بابٌ

(رحمت الٰہی، غضب خداوندی پر غالب ہے)

عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو اپنے پردے اپنی ذات کے واسطے لکھ دیا کہ "میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گا"۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ عن انسؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے اور ایک شخص نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگ رہا تھا، اور وہ اپنی دعا میں کہہ رہا تھا: "اللّٰھم لا الٰہ الا انت المنّان، بدیع السمٰوات والارض، ذاالجلال والاکرام" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو اس نے اللہ کی کن صفات کے ذریعہ دعا کی؟ اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی ہے کہ جب اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے تو اللہ قبول کرتا ہے اور جب اس کے ذریعہ سے سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ (غریب)

تشریح:۔ غلبہ رحمت کا مطلب یہ ہے کہ مغضوب علیہ پر بھی رحم ہو سکتا ہے بدون العکس۔

بابٌ

(درود و سلام کی اہمیت)

عن ابی ھریرۃ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر آیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا........ اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر ماہِ رمضان آیا پھر وہ اس کی بخشش سے پہلے چلا گیا........ اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، جس کے والدین (یا ان میں سے ایک) اس کے پاس بڑھاپے کو پہنچے اور انہوں نے (یا ایک نے) اس کو جنت میں داخل نہ کیا۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ عن علی بن ابی طالبؓ: بخیل تو وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر آیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ (حسن صحیح غریب)

بابٌ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا)

عن عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: "اللّٰھم برّد قلبی بالثلج والبَرَد والماء البارد، اللّٰھم نقّ قلبی من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس"۔ (اے اللہ! میرے دل کو ٹھنڈا کر دے برف، اولوں اور ٹھنڈے پانی سے، اے اللہ! میرے دل کو گناہوں سے ایسا صاف کر دے جیسے تو نے صاف کیا سفید کپڑے کو میل سے۔ (حسن صحیح غریب)

بابٌ

(دعا کا دروازہ کھلنے سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں)

عن ابن عمرؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھولا گیا تو اس کے لئے رحمت کے دروازے کھولے گئے، اور کوئی چیز مانگنا اللہ کو اتنی پیاری نہیں جتنی عافیت مانگنا" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دعا نفع دیتی ہے ان بلاؤں میں جو نازل ہو چکی ہیں اور ان میں جو ابھی نازل نہیں ہوئیں، سوائے اللہ کے بندو! دعا کو لازم پکڑو"۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ عن بلالؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیام اللیل کو لازم پکڑو کہ وہ تم سے پہلے والے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور قیام اللیل اللہ سے نزدیک کرنے والا، گناہوں سے روکنے والا، برائیوں کو مٹانے والا اور جسم کی بیماری کو دور کرنے والا ہے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ قولہ: "مما نزل" یعنی مصائب پر صبر اور "مما لم ینزل" سے بچاؤ۔

بابٌ

(اس امت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں)

عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے

درمیان ہیں، اور بہت کم لوگ اس سے آگے بڑھتے ہیں۔ (غریب حسن)

بابٌ

(ایک جامع دعا)

عن ابن عباسؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے: "رب اعنّی ولا تعن علیّ، وانصرنی ولاتنصُر علیّ، وامکرلی ولاتمکُر علیّ (اور میرے لئے خُفیہ تدبیر کر اور میرے خلاف خفیہ تدبیر نہ کر) واھدنی، ویسّرْ لی الھُدیٰ، وانصُرنی علی من بَغَاعلیّ، رب اجعلنی لک شکّاراً (بہت شکر کرنے والا) لک ذکّاراً، لک رھّاباً (بہت ڈرنے والا) لک مطواعاً (خوب فرمانبردار)، لک مُخبِتاً (نیازمندی سے جھکنے والا)، الیک اوّاھاً منیباً (گریہ وزاری والا..... رجوع کرنے والا)، رب! تقبّل توبتی واغسل حَوْبتی (گناہ)، واجب دعوتی، وثبت حجّتی، وسدّد لسانی، واھدِقلبی واسلُلْ سَخِیْمَۃَ صَدْرِیْ (اور میرے دل سے سیاہی (حسد) نکال دے یعنی اخلاق ذمیمہ سے محفوظ رکھ)۔ (حسن صحیح)

بابٌ

(جس نے ظالم کیلئے بددعا کی اس نے بدلہ لے لیا)

عن عائشۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اپنے ظالم کے لئے بددعا کی اس نے بدلہ لے لیا"۔ (غریب)

بابٌ

(دس بار کلمہ توحید پڑھنے کا ثواب)

عن ابی ایوب الانصاریؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دس مرتبہ کہا: "لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" تو اس کو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے دس غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔

بابٌ

(ایک جامع تسبیح)

حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میرے سامنے کھجور کی چار ہزار گٹھلیاں تھیں جن پر میں تسبیح پڑھ رہی تھی۔ تو آپؐ نے فرمایا: تم نے ان پر تسبیح گنی ہے، کیا میں تمہیں ایسی تسبیح نہ سکھاؤں جو (ثواب میں) اس سے زیادہ ہو؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، مجھے سکھائیے! تو آپؐ نے فرمایا: کہو: ''سبحان اللہ عدد خلقه''۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت جویریہ بنت الحارثؓ فرماتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے اس وقت وہ اپنی مسجد (نماز کی جگہ) میں تھیں، پھر دوپہر کے قریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ گزر ہوا، آپؐ نے ان سے پوچھا: تم ابھی تک اُسی حال پر ہو؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن کو تم کہا کرو؟: ''سبحان الله عَدَدَ خلقه، سبحان الله عَدَدَ خلقه، سبحان الله عَدَدَ خلقه، سبحان الله رضیٰ نفسه، سبحان الله رضیٰ نفسه، سبحان الله رضیٰ نفسه، سبحان الله زِنَةَ عرشه، سبحان الله زِنَةَ عرشه، سبحان الله زِنَةَ عرشه، سبحان الله مِدَادَ کلماته، سبحان الله مِدَادَ کلماته، سبحان الله مِدَادَ کلماته''۔ (حسن صحیح)

بابٌ

(اللہ تعالیٰ کسی کو نامراد واپس نہیں کرتا)

عن سلمان الفارسیؓ: نبیؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نہایت حیا والا ہے اور بہت دینے والا ہے، اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے اس سے کہ آدمی اپنے ہاتھ اس کی طرف اٹھائے اور وہ ان کو خالی اور نامراد واپس کردے۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ عن ابی ھریرۃؓ: ایک شخص (تشہد میں) دو انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک انگلی سے اشارہ کر، ایک انگلی سے اشارہ کر۔ (غریب)

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تشریحات: جلد دوم ص: ۱۰۲ ''باب ما جاء فی الاشارۃ'')

احادیث شتی من ابواب الدعوات

(دعاؤں کی متفرق حدیثیں)

حضرت ابوبکر صدیق منبر پر کھڑے ہوئے پھر رو پڑے، اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سال منبر پر کھڑے ہوئے، پھر رو پڑے، اور ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت مانگو، اس لئے کہ یقین کے بعد کسی کو عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں ملی"۔ (حسن غریب)

بابٌ

(توبہ کرنے والا مصر نہیں)

عن ابی بکرؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے گناہ پر استغفار کیا، وہ گناہ پر نہیں اڑا اگرچہ اس نے وہ گناہ ایک دن میں ستر مرتبہ کیا ہو۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت عمرؓ نے نیا لباس پہنا اور کہا: "الحمد للہ الذی کسانی ما أُوارِیْ بہ عورتی واتجمّل بہ فی حیاتی" (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے لباس پہنایا، جس کے ذریعہ میں اپنی ستر پوشی کرتا ہوں اور اپنی زندگی میں تزئین حاصل کرتا ہوں) پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ وہ فرماتے تھے: جس نے نیا لباس پہنا اور یہ دعا پڑھی: "الحمد للہ الذی کسانی ما أُوارِیْ بہ عورتی واتجمّل بہ فی حیاتی" پھر پرانے کپڑے کا قصد کیا اور اسے صدقہ کر دیا تو وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی حفاظت، پناہ اور پردے میں ہوگا۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ عن عمر بن الخطابؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا تو انہوں نے بہت سی غنیمتیں پائیں اور بہت جلد لوٹ آئے، پس لشکر میں نہ جانے والے ایک شخص نے کہا: ہم نے اس لشکر سے زیادہ جلدی لوٹنے والا اور عمدہ غنیمت پانے والا کوئی لشکر نہیں دیکھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں ایسے لوگ جو بہتر غنیمت والے اور جلد لوٹنے والے ہوں؟ وہ لوگ جو صبح کی نماز میں حاضر ہوتے ہیں پھر (مسجد میں) بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں طلوع آفتاب تک، تو یہ لوگ جلد لوٹنے والے اور عمدہ غنیمت پانے والے ہیں۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ پر جانے کی اجازت مانگی، تو آپؐ نے (اجازت دے دی اور) فرمایا: "اے میرے چھوٹے بھائی! ہمیں اپنی دعا میں شریک کرنا اور ہمیں بھول نہ جانا"۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک مکاتب آیا اور کہا: میں اپنے بدل کتابت سے عاجز ہو گیا ہوں، پس آپ میری مدد کیجئے، آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے چند کلمات نہ سکھاؤں کہ اگر تجھ پر کوہ صبیر کے برابر قرض ہو تو بھی اللہ اس کو تیری طرف سے ادا کر دے، کہہ:
"اللهم اکفِنِیْ بحلالک عن حرامک واَغْنِنِیْ بفضلک عمّن سِواک"۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: میں بیمار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اس وقت میں کہہ رہا تھا: "اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آ گیا ہے تو مجھے راحت دے (یعنی موت دے کر)، اور اگر میری موت دور ہے تو مجھے آسودگی (اور تندرستی) دے، اور اگر امتحان منظور ہے تو صبر دے" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کس طرح دعا کی؟ تو حضرت علیؓ نے دعا دہرائی۔ آپؐ نے ان کو اپنے پیر سے مارا اور فرمایا: "اللّٰهم عافه یا فرمایا: اللّٰهم اشفه" (شک امام شعبہ کو ہوا ہے)، حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "اس کے بعد پھر مجھے وہ تکلیف نہیں ہوئی"۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ عن علیؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کرتے تو فرماتے:
"اَذْهِبِ الباسَ ربّ الناس! واشف، انت الشافی، لاشفاء الاشفاء ک، شفاءً لایغادر سُقما"۔ (حسن)

قوله: "الباس" یعنی تکلیف۔ قوله: "سقماً" بفتحتین بھی صحیح ہے اور بضم اول وسکون ثانی بھی۔

(باب فی دعاء الوتر)

حدیث آخر:۔ عن علی بن ابی طالبؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وتر کی نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے: "اللهم انی اعوذ برضاک من سخطک، واعوذ بمعافاتک من عقوبتک، واعوذ بک منک، لااُحصِیْ ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک"۔ (حسن غریب)

باب فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتعوذه فی دبر کل صلوة

(نمازوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور تعوذ)

حضرت سعدؓ اپنے بیٹوں کو یہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے جس طرح معلم لڑکوں کو سکھاتا ہے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ نماز کے بعد پناہ مانگتے تھے: "اللّٰھم انی اعوذ بک من الجبن (بزدلی) واعوذبک من البخل، واعوذبک من ارذل العمر، واعوذبک من فتنة الدنیا وعذاب القبر"۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خاتون کے پاس گئے، اور ان خاتون کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں، جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں، تو آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں نہ بتاؤں اس سے آسان ..... یا فرمایا: اس سے افضل ذکر؟ "سبحان اللہ عدد ما خلق فی السماء، وسبحان اللہ عدد ما خلق فی الارض، وسبحان اللہ عدد ما بین ذالک، وسبحان اللہ عدد ما ھو خالق" اور "اللہ اکبر" لگا کر یہ چاروں جملے، اور "الحمدللہ" لگا کر یہ چاروں جملے، اور "لاحول ولا قوة الا باللہ" لگا کر یہ چاروں جملے۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ عن زبیر بن العوامؓ: کوئی صبح ایسی نہیں کہ بندہ صبح کرے مگر ایک منادی پکارتا ہے "تسبیح کرو اس بادشاہ کی جو تمام عیوب سے پاک ہے"۔ (غریب)

بابٌ فی دعاء الحفظ

(حفظِ قرآن کی دعاء)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، حضرت علیؓ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، یہ قرآن میرے سینے سے نکل جاتا ہے، اور میں اس کے حفظ پر قادر نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: اے ابوالحسن! کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن سے اللہ تعالیٰ تجھے نفع دے اور اسے بھی جس کو تم یہ کلمات سکھاؤ اور جو تم سیکھو وہ تمہارے سینے میں رہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں! اے اللہ کے رسول! مجھے سکھایئے، آپؐ نے فرمایا: جب جمعہ کی رات

ہیں اگر تمہارے بس میں ہو کہ تم رات کی آخری تہائی میں اٹھو (تو ایسا کرو) کیونکہ وہ ایسی گھڑی ہے جس میں
فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اس گھڑی میں دعا قبول کی جاتی ہے، اور میرے بھائی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے
بھی کہا: "**سوف استغفر لکم ربی**" وہ کہہ رہے تھے: جب جمعہ کی رات آئے گی (تو میں تمہارے لئے
استغفار کروں گا)۔ اور اگر یہ تمہارے بس میں نہ ہو تو آدھی رات میں اٹھو، اور اگر یہ بھی تمہارے بس میں نہ
ہو تو شروع رات میں کھڑے ہو، اور چار رکعتیں پڑھو، پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور یٰس پڑھو، دوسری رکعت
میں سورۃ الفاتحہ اور حم الدخان پڑھو، اور تیسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور الم تنزیل السجدۃ پڑھو، اور چوتھی رکعت
میں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الملک پڑھو، پھر جب تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی تعریف کرو اور بہترین حمد و ثنا کرو
اللہ کی، اور مجھ پر درود بھیجو اور اس میں خوبی پیدا کرو اور تمام نبیوں پر (درود بھیجو) اور استغفار کرو مؤمن مردوں اور
عورتوں کے لئے اور ان بھائیوں کے لئے جو تجھ سے پہلے ایمان سے مشرف ہو چکے ہیں، پھر آخر میں کہو: "**اللھم
ارحمنی بترک المعاصی ابداً ما ابقیتنی، وارحمنی ان اتکلف ما لا یعنینی، وارزقنی حسن
النظر فیما یرضیک عنی، اللھم بدیع السموات والارض ذاالجلال والاکرام، والعزۃ التی
لا ترام، اسألک یا اللہ یا رحمن بجلالک ونور وجھک ان تُلزِمَ قلبی حفظ کتابک
کما علمتنی وارزُقنی ان اَتلُوہ علی النحو الذی یرضیک عنی، اللھم بدیع السموات
والارض، ذاالجلال والاکرام والعزۃ التی لا ترام اسألک یا اللہ یا رحمن بجلالک ونور
وجھک ان تنوّر بکتابک بصری، وان تُطلِق به لسانی، وان تُفرّج به عن قلبی، وان تشرح
به صدری، وان تغسل به بَدَنی فانه لا یُعیننی علی الحق غیرک، ولا یُؤتیه الا انت ولا حول
ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**" ...... (آپ نے فرمایا:) اے ابوالحسنؓ! ایسا ہی کرو تین جمعہ یا پانچ جمعہ
یا سات جمعہ بحکمِ الٰہی تمہاری دعا قبول ہوگی، اور قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے،
اس دعا کو پڑھ کر کوئی مؤمن کبھی بھی محروم نہیں رہے گا.......... ابن عباسؓ فرماتے ہیں بخدا! پانچ یا سات جمعہ کے
بعد حضرت علیؓ اس جیسی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! پہلے
میں چار یا تقریباً چار آیتیں یاد کرتا تھا پھر جب میں ان کو اپنے دل میں پڑھتا تھا تو بھول جاتا تھا اور اب چالیس یا
تقریباً چالیس آیتیں یاد کرتا ہوں اور جب پڑھتا ہوں تو گویا قرآن میری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے (پہلے)
میں حدیث سنتا تھا پھر جب اسے دہراتا تھا تو بھول جاتا تھا، اور اب میں حدیثیں سنتا ہوں، پھر جب ان کو بیان

کرتا ہوں تو اس میں ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "رب کعبہ کی قسم! ابوالحسن! تم مؤمن ہو"۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔عن عبداللہؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کا فضل مانگو، اس لئے کہ اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ اس سے مانگا جائے، اور بہترین عبادت کشادگی کا انتظار ہے۔

حدیث آخر:۔عن زید بن ارقمؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے تھے: "اللھم انی اعوذبک من الکسل والعجز والبخل"..... اور اسی سند سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے اور عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔عن عبادۃ بن الصامتؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین پر کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ وہ اللہ سے کوئی دعا کرے مگر اللہ اسے وہ چیز دے دیتا ہے یا اس کے مانند کوئی برائی پھیر دیتا ہے، جب تک کہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے، ایک شخص نے کہا: تب تو ہم بہت دعائیں کریں گے، آپؐ نے فرمایا: اللہ اس سے زیادہ دینے والا ہے۔ (حسن غریب صحیح)

بابٌ

(سونے کے وقت کی دعا)

عن البراءؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تو سونے کا ارادہ کرے تو وضوء کر جیسے نماز کے لئے وضوء کرتا ہے پھر لیٹ داہنی کروٹ پر پھر کہہ: "اللّٰھم اسلمت وجھی الیک وفوّضت امری الیک والجأت ظھری الیک رغبةً ورھبةً الیک لاملجأ ولامنجا منک الاالیک، امنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت" پھر اگر اسی رات تمہاری موت آ گئی تو تمہاری موت فطرتِ اسلام پر ہوگی۔ (براءؓ کہتے ہیں:) میں نے وہ کلمات دہرائے تاکہ یاد ہو جائیں اور میں نے: "امنت برسولک الذی ارسلت" کہا، تو آپؐ نے فرمایا: کہہ: "امنت بنبیک الذی ارسلت"۔ (حسن صحیح)

معلوم ہوا کہ ماثور لفظ کی پابندی کرنی چاہئے۔

حدیث آخر:۔عن عبداللہ بن خبیبؓ: ہم ایک بارانی اور سخت تاریک رات میں نکلے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہے تھے تاکہ آپؐ ہمیں نماز پڑھائیں، میں نے آپؐ کو پایا، آپؐ نے فرمایا: کہو:

میں نے کچھ نہیں کہا، آپ نے پھر فرمایا: کہو، میں نے کچھ نہیں کہا، آپ نے پھر (تیسری مرتبہ) فرمایا: کہو، میں نے کہا: کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا: تین مرتبہ صبح وشام "قل ھو اللہ احد اور معوذتین" پڑھو، یہ تمہارے لئے ہر چیز سے کافی ہیں۔ (حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہؐ میرے والد کے مہمان ہوئے، ہم نے آپ کے سامنے کھانا پیش کیا جو آپ نے تناول فرمایا، پھر چھوہارے پیش کئے گئے پس آپ ان کو کھاتے تھے اور اپنی دونوں انگلیوں سے گٹھلیاں ڈالتے تھے، آپ نے کلمہ والی انگلی اور درمیانی انگلی اکٹھی کیں..... شعبہ کہتے ہیں: میرا گمان ہے اور ان شاء اللہ یہ صحیح ہے کہ آپ دو انگلیوں سے گٹھلیاں پھینکتے تھے، پھر کوئی مشروب پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو نوش فرمایا، پھر بچا ہوا مشروب اس شخص کو دیا جو آپ کے دائیں طرف تھا، عبداللہ کہتے ہیں: میرے والد نے کہا، اس وقت انہوں نے آپ کی سواری کی لگام تھام رکھی تھی: ہمارے لئے دعا فرمائیں، تو آپ نے فرمایا: "اللّٰھم بارک لھم فیما رزقتھم واغفرلھم وارحمھم"۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ حضرت زید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا: جو شخص کہے: "استغفر اللہ الذی لاالٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ" تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اگر چہ میدان جنگ سے بھاگا ہو۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ عن عثمان بن حنیف: بینائی میں نقصان رسیدہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت دے، آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں دعا کروں اور اگر چاہے تو صبر کر کہ وہ تیرے لئے بہتر ہے، اس نے کہا: آپ اللہ سے دعا فرمائیں، راوی کہتا ہے: تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضوء کرے اچھی طرح اور یہ دعا کرے: "اللّٰھم انی اسالک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبیّ الرحمۃ، انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتُقضیٰ لی، اللّٰھم فشفّعہ فیّ" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں، اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو رحمت کے نبی ہیں، بے شک میں آپ کے ذریعہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی اس حاجت میں تاکہ میری حاجت پوری کر دی جائے، اے اللہ! ان کی سفارش میرے حق میں قبول کر)۔ (حسن صحیح غریب)

تشریح:۔ حضور علیہ السلام کو اس نابینا شخص کا صبر زیادہ پسند تھا اس لئے آپ نے دعا خود نہیں فرمائی۔

قولہ: "انی توجھت بک" یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے تاکہ ان کے وسیلے سے دعا کرے

اور پھر "اللّٰھم فشفعہ فی" اللہ تبارک وتعالیٰ سے خطاب مکرر کیا تا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول کر کے دُعا کو قبول فرمائے۔

وسیلہ:۔ وسیلہ کے لغوی معنی "قُرب" کے بھی آتے ہیں اور قرب ڈھونڈنے کے ذریعہ کو بھی وسیلہ کہتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں مائدہ کی آیت ۳۵ "یاایھاالذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلة" کے تحت دونوں معنی نقل کئے ہیں، "قال سفیان الثوری عن طلحة عن عطاء عن ابن عباس ای القربة وکذاقال مجاھدالخ"..........وقال قتادة ای تقربوا الیہ بطاعته والعمل بما یرضیہ"..........وہ مزید لکھتے ہیں: "والوسیلة ھی التی یتوصل بھاالی تحصیل المقصود"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی ذریعہ بنانا وسیلہ کہلاتا ہے، پس اگر یہ ذریعہ اعمالِ صالحہ کا ہو تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ آدمی اپنے عمل ہی کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی نیک بندے کو وسیلہ بنائے تو کیا یہ بھی عمل صالح کی طرح جائز ہوگا؟ تو اس بارے میں اہلِ علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اور ان کے اتباع کا موقف یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کا وسیلہ تو جائز ہے لیکن ذواتِ فاضلہ یعنی نیک بندوں کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں بلکہ یہ شرک کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے اہلِ علم قسم اول کی طرح اس قسمِ دوم کے جواز کے بھی قائل ہیں، دونوں طرفین سے اس پر اکثر بحث ہوتی رہتی ہے اور ہر فریق اپنے اپنے موقف پر مضبوط دلائل کا دعویٰ کرتا ہے۔

المسترشد عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں طرفین سے غلو ہوا ہے اور کم تعداد میں ایسے علماء پائے جاتے ہیں جو اعتدال پر چلے ہیں چنانچہ ایک طرف اس کو شرک کا شعبہ قرار دیا گیا ہے اور دوسری جانب وسیلہ کے معنی ومطلب کو توڑ مروڑ کر قبر پرستی کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی ہے حتیٰ کہ مزارات کی ہر چیز کو مبارک قرار دے کر اس سے وسیلہ پکڑنے کے جواز کو ثابت کیا جاتا ہے، مزار کی چار دیواری کی خاک کو بھی غیر معمولی درجہ ومقام دیا جاتا ہے۔

میری ناقص رائے میں اعتدال دونوں کے درمیان ہے کہ نہ تو وسیلہ بذواتِ فاضلہ کو شرک کہنا مناسب ہے اور نہ ہی قبر کی پرستش کو وسیلہ کی شاخ بنانا جائز ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جس طرح زمان ومکان میں سے بعض اپنی اہمیت کی وجہ سے عبادات کے مفید تر ہونے کا ذریعہ ہیں جیسے رمضان، لیلۃ القدر، جمعہ، عیدین، عرفہ اور محرم وغیرہ اور مکانات میں سے جیسے مساجد اور بالخصوص مساجدِ ثلاثہ، صفِ اول، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تو ای

طرح انسانوں میں بھی بعض نیک بندوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی انعام ہوتا ہے پس جو شخص ان سے محبت کرے اور ان کی اقتداء و پیروی کرے تو عین ممکن ہے کہ اس سے اس کے اعمال میں خیر و برکت کا اضافہ ہوتا ہو جیسے بڑی اور پرانی جامع مسجد میں عالم باعمل کے پیچھے نماز کا ثواب فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں زیادہ ہے اور اہلِ اسلام پر عادل بادشاہ وخلیفہ کی وجہ سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اس لئے کسی نیک بندے کو اپنا مقتدیٰ بنانے اور اس کے وسیلہ سے دُعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نیک آدمی کو وسیلہ بنانے کا مطلب ہی اس کے عمل کو ملحوظ رکھنا ہے ورنہ فاسق کو وسیلہ بنایا جاتا خاص کر اجتماعی عبادات میں تو پیشوا کی ضرورت بھی رہتی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بخاری کی تقریر فضل الباری میں فرماتے ہیں:

"اب اس آیت ''وابتغوا الیہ الوسیلۃ'' (مائدہ: آیت: ۳۵) میں مسلمانوں کو خاص طور پر متنبہ کیا جاتا ہے کہ ہر ایک اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اَقربُ الی اللہ بننے کو نصب العین بنائے اور اجتماعی زندگی میں اَقرب الی اللہ کو تلاش کیا جائے اور اسی کو ہی امام بنایا جائے جو حق کے راستہ میں ہر طرح کی قربانی اور شہوات ورذائل سے پاک رِہ کر جہاد مع النفس کے میدان میں امامت ورہنمائی کر سکے الخ"۔ (ص: ۴۴۸ ج: اول)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''شاید یہاں کسی کو یہ سوال پیدا ہو کہ بزرگوں کے شجرہ کو تم نے ذکر میں کیوں داخل کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شجرہ کا حاصل دُعاء التوسل ہے اور دُعا ذکر کا فرد ہے تو یہ وہ شجرہ ہے جس میں بزرگوں کے واسطہ سے دُعا مانگی جائے، جیسے ہمارے حاجی صاحب کا شجرہ ہے اور ایک شجرہ دوسرا ہے کہ پیر کے نام کا وظیفہ پڑھا جائے۔ (جیسے یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ) یہ ناجائز ہے۔

اور ابن تیمیہؒ تو پہلے شجرہ کو بھی ناجائز کہتے ہیں کیونکہ توسل بالاموات کو مطلقاً منع کرتے ہیں۔ گو مسئلہ اجتہادی ہے مگر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ان کی رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ توسل کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں بزرگ کے طفیل سے ہمارے حال پر رحمت فرما۔

اب اس میں صرف اشکال یہ ہے کہ اس بزرگ کی بزرگی کو رحمتِ حق میں کیا دخل ہے اور اس سے کیا تعلق ہے؟...... تو غور سے سُنیئے کیونکہ یہ حقیقت اس عنوان سے کتابوں میں آپ کو نہ ملے گی اور اس کے یاد کر لینے سے بڑا اشکال حل ہو جائے گا وہ یہ کہ توسل بالصلحاء کی جو صورت ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر ''المرأ مع من احب'' (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) میں آپ کا وعدۂ رحمت ہے، آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں۔ پس توسل میں یہ شخص اپنی

محبت کو اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر کر کے اس محبت پر رحمت وثواب مانگتا ہے اور محبت اولیاء اللہ کا موجب رحمت وثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے۔ چنانچہ متحابین فی اللہ کے فضائل سے احادیث بھری ہوئی ہیں۔

اب یہ اشکال جاتا رہا کہ بزرگ کی بزرگی اور برکت کو رحمت حق میں کیا دخل؟ دخل یہ ہوا کہ اس بزرگ سے محبت رکھنا حُب فی اللہ کا فرد ہے اور حُب فی اللہ پر ثواب کا وعدہ ہے اس تقریر کے بعد میں ''أمّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ'' پر عمل کر کے تحدیث کے طور پر کہتا ہوں کہ ابن تیمیہؒ اگر یہ تقریر سنتے تو توسّل کے جواز کا ہرگز انکار نہ کر سکتے کیونکہ اس کے سب مقدمات صحیح ہیں۔ (خطبات حکیم الامت ج: ص: ۳۴۶ وص: ۳۴۵ وعظ اکبر الاعمال ضبط وتحریر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ)

المسترشد عرض کرتا ہے کہ بلاشبہ اللہ کے مقرب بندے کے ساتھ تعلق جوڑنا اور اس کی اتباع اختیار کرنا فائدہ سے خالی نہیں اور یہی وسیلہ کی حقیقت ہے لیکن جن لوگوں نے اس کے مفہوم میں غیر معمولی توسیع کر کے شرعی حدود کو پامال کر دیا ہے اور دائرہ اسلام میں شرک کی شجر کاری کی کوشش کی ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کسی طرح نہیں ہونی چاہئے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اوّلاً تو صلحاء کے بجائے فاسق وفاجر لوگوں کا وسیلہ پکڑتے ہیں اور ایسے لوگ بھی اولیاء اللہ گردانے جاتے ہیں جو نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے اور سنت کی روشنی میں زندگی نہیں گذارتے بلکہ اُلٹا فسق وفجور میں پڑے رہتے ہیں جیسے اکثر نام نہاد خانقاہوں اور اکثر مزارات پر ہوتا ہے، دراصل لوگوں نے ولایت کا تصور شریعت سے ہٹ کر الگ قائم کیا ہے حالانکہ ولایت وہی معتبر ہے جسے سنت کی تائید اور سند حاصل ہو۔ اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے جو اصحاب قبور اور مُردوں سے براہِ راست نام لے کر مانگتے ہیں اور اس کو وسیلہ کا نام دیتے ہیں ''کلمة حق واُرِیْدَ به الباطل'' یہ بات بالکل ناجائز اور شریعت سے خارج کر دینے والی حرکت ہے اس سے بچنا چاہئے۔

حدیث آخر:۔ عمرو بن عبسہؓ نے نبیؐ کو فرماتے ہوئے سنا: آخر شب میں رب تعالیٰ بندے سے قریب تر ہوتا ہے، پس اگر تجھ سے ہو سکے کہ اس وقت ذکر کرنے والوں میں سے ہو تو ہو۔ (حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ عن عمارة بن ذعکرة: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: بے شک میرا بندہ، کامل بندہ وہ ہے جو مجھے یاد کرتا ہے جبکہ وہ اپنے مقابل سے ملاقات کرتا ہے یعنی لڑائی کے وقت۔ (غریب)

باب فی فضل لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ

(حوقلہ کی فضیلت)

قیس بن سعد فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا، آپ کی خدمت
کے لئے، قیس کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے جبکہ میں نماز سے فارغ ہو گیا تھا، آپ نے
مجھے اپنا پیر مارا، اور فرمایا: کیا میں تجھے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: کیوں
نہیں آپ نے فرمایا: "لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ"۔ (حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ یسیرہؓ جو ہجرت کرنے والی خواتین میں سے ہیں، فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ہم خواتین سے فرمایا: تم تسبیح تہلیل اور تقدیس کو لازم پکڑو، اور انگلیوں کے پوروں سے گنو، اس لئے
کہ (قیامت کے دن) ان سے سوال کیا جائے گا اور ان کو بولنے کا حکم ہوگا اور تم غافل نہ ہو کہ بھول جاؤ رحمت کو۔
(امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر حکم نہیں لگایا ہے)۔

حدیث آخر:۔ عن انسؓ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کرتے تو یہ دعا فرماتے: "اللّٰھم انت
عضدی وانت نصیری وبک اُقَاتِل"۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین
دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے، اور میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا بہترین قول (ذکر) "لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہ
لاشریک له، له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر" ہے۔ (حسن غریب)

بابٌ

(اصلاح باطن اور مال، اہل واولاد کیلئے دعا)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا سکھائی، آپ نے فرمایا: کہو:
"اللّٰھم اجعل سَرِیْرَتِیْ (باطن) خیراً من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ، اللّٰھم انی اسالک
من صالح ماتؤتی الناس من المال والاھل والولد غیر الضَّال ولاالمُضِلّ"۔ (غریب)

بابٌ

(دل کو دین پر مضبوط رکھنے کی دعا)

عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن جده: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران اور دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھا ہوا تھا اور آپ نے اپنی انگلیاں بند کر رکھی تھیں اور شہادت کی انگلی پھیلا رکھی تھی اور آپ کہہ رہے تھے: "یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک"۔(غریب)

حدیث آخر:۔ محمد بن سالم فرماتے ہیں: ثابت بنانی نے مجھ سے کہا: اے محمد! جب تجھے درد ہو تو اپنا ہاتھ رکھ جہاں درد ہو پھر کہہ: "بسم اللہ اعوذ بعزۃ اللہ وقدرته من شر ما اجد من وجعی هذا" پھر اپنا ہاتھ اٹھا، پھر ایسا ہی کر طاق مرتبہ اس لئے کہ انسؓ بن مالکؓ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بات بیان کی ہے۔(حسن غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا سکھائی، آپ نے فرمایا: کہو: "اللّٰهم هذا استقبال لیلک واستدبار نهارِک واصوات دُعاتک وحضور صلواتک، اسالک ان تغفرلی"۔(غریب)

حدیث آخر:۔ عن ابی هریرةؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی بندہ جب بھی اخلاص کے ساتھ "لا الٰه الا اللہ" کہتا ہے تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش تک پہنچ جاتا ہے جب تک کہ وہ کبائر سے بچتا رہے۔(حسن غریب)

(یعنی جلدی قبولیت یا کامل ثواب کبائر سے اجتناب سے مشروط ہے)۔

حدیث آخر:۔ عن زیاد بن علاقة عن عمه (قطبیة بن مالک): نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: "اللّٰهم انی اعوذبک من منکرات الاخلاق والاعمال والاهواء"۔(حسن غریب)

حدیث آخر:۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: دریں اثناء کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: "اللہ اکبر کبیرا، والحمد للہ کثیرا، وسبحان اللہ بُکرۃ واَصیلا" تو آپ نے کہا یہ کلمات کس نے کہے؟ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: میں نے، اے اللہ کے

رسول!، آپؐ نے فرمایا: مجھے ان کلمات کی وجہ سے تعجب ہوا کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے تب سے میں نے یہ کلمات نہیں چھوڑے۔ (حسن صحیح غریب) ان کلمات کے متعلق بحث ابواب الصلوٰۃ میں گزری ہے۔

باب ای الکلام احب الی اللّٰہ؟

عن ابی ذرؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کی ابوذرؓ کی یا ابوذر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کی، ابوذر نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا کلام پسند ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جسے اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب کیا ہے: ''سبحان ربی وبحمدہ، سبحان ربی وبحمدہ''۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔عن انس بن مالکؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی، (صحابہؓ نے) پوچھا: ہم (اس وقت) کیا دعا کریں؟ اے اللہ کے رسول!، آپؐ نے فرمایا: اللہ سے دنیا اور آخرت کی عافیت مانگو۔ (حسن)

یعنی دنیا و آخرت کی جیسا کہ اگلی روایت میں ہے، وجہ قبولیت اس گھڑی میں بحث اذان میں گزری ہے۔

بابٌ

(اللہ کا ذکر گناہوں کا بوجھ اتار دیتا ہے)

عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تنہا (یا ہلکے) ہونے والے آگے بڑھ گئے، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! تنہا ہونے والے کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جو ذکر الٰہی میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ اللہ کا ذکر ان سے گناہوں کا بوجھ اُتار دیتا ہے، پس وہ قیامت کے دن آئیں گے ہلکے ہو کر۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر'' کا کہنا مجھے ان تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر آفتاب نکلتا ہے۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: (۱) روزہ دار کی جب وہ روزہ کھولتا ہے۔ (۲) اور امام عادل کی۔ (۳) اور مظلوم کی دعا، اللہ اس کو ابر کے

اوپر اٹھالیتا ہے، اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور رب تعالیٰ فرماتا ہے: میری عزت کی قسم! میں ضرور تیری مدد کروں گا اگر چہ ایک مدت کے بعد ہو۔ (حسن)

دعائے مظلوم کی بحث ابواب الزکوٰۃ ''کراھیۃ اخذ خیار المال فی الصدقۃ'' میں گزری ہے۔

حدیث آخر:۔عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہؐ نے دعا فرمائی: ''اللّٰھم انفعنی بما علّمتنی و علّمنی ماینفعنی وزدنی علماً ،الحمدللہ علیٰ کل حال واعوذباللہ مِن حال اھل النار''۔ (غریب)

حدیث آخر:۔عن ابی ھریرۃ اوعن ابی سعید الخدریؓ: رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے ہیں، زمین میں گھومنے والے، (یہ فرشتے) نامہ اعمال لکھنے والوں کے علاوہ ہیں، جب وہ کسی قوم کو اللہ کے ذکر میں پاتے ہیں، تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں: ادھر آؤ! اپنے مقصود کی طرف! پس وہ آتے جاتے ہیں اور ان کو گھیر لیتے ہیں آسمان دنیا تک۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کیا کام کرتے ہوئے چھوڑا ہے؟ وہ کہتے ہیں: ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ تیری تعریف کررہے تھے، تیری بزرگی بیان کررہے تھے اور تجھے یاد کررہے تھے، اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: نہیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان کا کیا حال ہوتا اگر وہ مجھے دیکھتے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ تجھے دیکھتے تو وہ اور زیادہ تعریف کرتے اور زیادہ پاکیزگی بیان کرتے اور تجھے اور زیادہ یاد کرتے... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ لوگ کیا چیز مانگ رہے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: جنت مانگ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں!، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان کا کیا حال ہوتا اگر وہ جنت کو دیکھتے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھتے تو اور زیادہ اس کو طلب کرتے اور زیادہ اس کی حرص کرتے... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ لوگ کس چیز سے پناہ مانگ رہے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: جہنم سے پناہ مانگ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے جہنم دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان کا کیا حال ہوتا اگر وہ جہنم کو دیکھتے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ جہنم کو دیکھتے تو وہ اس سے اور زیادہ بھاگتے اور اس سے اور زیادہ ڈرتے اور اس سے اور زیادہ پناہ مانگتے... پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا، فرشتے کہتے ہیں: ان میں فلاں شخص بڑا خطا کار ہے، اس نے ان کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان کے پاس کسی (دنیاوی) کام سے آیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بھی محروم نہیں ہوتا۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ اس حدیث سے ایک طرف ذکر کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی اور دوسری جانب یہ بھی معلوم ہو

کر محبت صالح کا بھی بڑا مثبت اثر ہوتا ہے۔ تاہم اس حدیث سے اجتماعی ذکر بالجہر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو یقیناً اسلاف سے اسی ہیئت کے ساتھ ثابت ہوتا۔

حدیث آخر:۔ عن ابی هریرةؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "لاحول ولاقوة الا باللہ" کثرت سے کہا کرو، اس لئے کہ یہ جنت کے خزانے میں سے ہے..... مکحول فرماتے ہیں: جو شخص کہتا ہے: "لاحــول ولاقــوة الا باللہ، ولا منجا من اللہ الا الیه" تو اللہ تعالیٰ اس سے ستر طرح کے ضرر (نقصانات) دور کرتا ہے، ان میں سے ادنیٰ فقر ہے۔

حدیث آخر:۔ عن ابی هــریرةؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہے (پس ہر نبی نے اپنی دعا مانگ لی ہے) اور میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھی ہے، اور وہ ان شاء اللہ ان میں سے ہر اس شخص کو پہنچے گی جو مرا ہو اس حال میں کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ عن ابی هریرةؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، چنانچہ اگر وہ مجھے تنہائی میں (یعنی خفیہ) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے ایک جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو ان لوگوں سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں (یعنی فرشتوں کی جماعت میں) اور اگر وہ مجھ سے ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ نزدیک ہوتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ نزدیک ہوتا ہے تو میں اس سے ایک باع (دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے بقدر) نزدیک ہوتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف لپک کر (چلنے اور دوڑنے کے درمیان کی چال) آتا ہوں۔ (حسن صحیح)

قولہ: "باعاً، هرولة اسی طرح نفسی" یہ سب الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن کے بارے میں پہلے ضابطہ گزرا ہے۔ (دیکھئے تشریحات "باب ماجاء فی نزول الرب تبارک وتعالیٰ الخ" ص: ۳۰۷ ج: دوم)

حدیث آخر:۔ عن ابی هریرةؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو جہنم کے عذاب سے، اور اللہ کی پناہ مانگو قبر کے عذاب سے، اور اللہ کی پناہ مانگو مسیح دجال کے فتنے سے، اور اللہ کی پناہ مانگو زندگی اور موت کے فتنے سے۔ (حسن صحیح)

بابٌ (ہر قسم کے شر سے حفاظت کی دعا)

عن ابی هریرةؓ: رسول اللہؐ نے فرمایا: جو شخص شام کو تین مرتبہ کہے: "اعوذ بکلمات الله التامات من شر ما خلق" تو اس رات اس کو کوئی زہر ضرر نہیں پہنچا سکے گا...(راوی) سہیل کہتے ہیں: ہمارے گھر والوں نے یہ دعا سیکھ لی تھی، چنانچہ وہ اس کو ہر رات پڑھتے تھے، پھر ان کی ایک لڑکی ڈس لی گئی تو اس کو بالکل درد نہ ہوا۔ (حسن)

قوله: "حُمة" بالتخفیف، زہر کو کہتے ہیں جبکہ تشدید میم کے ساتھ بچھو کے ڈسنے کو یعنی زہریلی چیز کو کہتے ہیں۔

بابٌ (ایک دعا جو حضرت ابوہریرہؓ ہمیشہ مانگتے تھے)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: میں کبھی نہیں چھوڑوں گا ایک دعا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (سیکھ کر) یاد کی ہے: "اللّٰهم اجعلنی أعظم شكرك، واكثر ذكرك، واتبع نصيحتك، واحفظ وصيتك"۔ (غریب)

قوله: "أعظم" باب افعال اور تفعیل دونوں سے پڑھنا صحیح ہے، اسی طرح اُکثر بھی ہے۔

بابٌ (دعا میں جلد بازی نہ کریں)

عن ابی هریرةؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی شخص اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے تو وہ قبول کرلی جاتی ہے، پھر یا تو وہ دنیا میں جلدی پوری کردی جاتی ہے یا اس کے لئے آخرت میں ذخیرہ کردی جاتی ہے یا اس سے اس کی دعا کے بقدر گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے اور جلد بازی نہ کرے۔ (صحابہ نے) کہا: اے اللہ کے رسول! وہ جلد بازی کیسے کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: وہ کہے کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی، تو اس نے میری دعا قبول نہ کی۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ عن ابی هريرةؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ ایسا نہیں جو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ اس کی بغلیں نظر آئیں، پھر وہ اللہ سے کوئی چیز مانگے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز دے دیتا ہے جب تک وہ جلد بازی نہ کرے۔ (صحابہ نے) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ جلد بازی کیسے کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ کہتا ہے کہ میں نے مانگا اور میں نے مانگا، تو مجھے کچھ نہ ملا۔

تشریح:۔ دُعا میں رفع الیدین کا مسئلہ جلد چہارم کے پہلے باب میں گزرا ہے وہاں دیکھ لیجئے!!!

بابٌ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن عمدہ عبادت ہے)

عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن عمدہ عبادت ہے۔ (غریب)

بابٌ (سوچ سمجھ کر آرزو کرے)

عن عمر بن ابی سلمۃ عن ابیہ: رسول اللہؐ نے فرمایا: ضرور دیکھے تم میں سے ہر ایک کہ وہ کیا آرزو کرتا ہے، اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کی آرزو میں سے اس کے لئے کیا لکھا جاتا ہے۔ (حسن)

بابٌ (سمع وبصر کی بقاء اور ظالم سے بدلہ لینے کی دعا)

عن ابی ھریرۃؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اللّٰھم متّعنی بسَمْعی وبصری، واجعلھما الوارث مِنّی، وانصرنی علی من یَظلمنی، وخُذمنہ بِثاری (اور اس سے میرا بدلہ لے لے)"۔ (حسن غریب)

قولہ: "واجعلھما الوارث منی" یعنی دونوں کو صحیح سالم تا حیات باقی رکھ۔

بابٌ (ہر حاجت اللہ سے مانگو)

عن انسؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاہئے کہ تم میں سے ہر شخص اپنی تمام حاجتیں اپنے رب سے مانگے یہاں تک کہ اگر اس کی چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ عن ثابت البنانی: رسول اللہؐ نے فرمایا: چاہئے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی حاجت اپنے رب سے مانگے، یہاں تک کہ نمک بھی اور یہاں تک کہ اپنی چپل کا تسمہ بھی جب وہ ٹوٹ جائے۔

تشریح:۔ یعنی مؤمن کو ہر وقت محتاج بن کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی حاجات پیش کرنی چاہئیں خواہ وہ حاجتیں معمولی ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ اگر کوئی یہ سوچے کہ اتنی معمولی چیزوں کے مانگنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ یہ تو بآسانی مل جاتی ہیں تو یہ خیال اللہ تبارک وتعالیٰ سے استغناء کا ایک تاثر ہے جو بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اور ایک قسم کی خود اعتمادی ہے کہ فلاں کام میں خود کرلوں گا اور فلاں چیز اللہ عزوجل سے مانگوں گا، سوچنا چاہئے کہ یہ خیال کس حد تک صحیح، شرک سے دور اور توحید سے کتنا ہم آہنگ ہے!!!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابواب المناقب

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

مناقب منقبۃ کی جمع ہے، نقبہ دراصل راستہ کے معنی میں آتا ہے خصوصاً پہاڑی راستہ، جبکہ منقبت خیر و بھلائی کے راستہ، مکارمِ اخلاق اور شرافت وخصائل کے طرق کو کہتے ہیں۔ یعنی ذاتی ملکات اور خوبیاں مناقب وفضائل کہلاتی ہیں۔

باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله اصطفىٰ من وُلد ابراهيم اسماعيل واصطفىٰ من وُلداسماعيل بنى كنانة واصطفىٰ من كنانة قريشاً واصطفىٰ من قريش بنى هاشم واصطفانى من بنى هاشم". (حسن صحيح)

حضرت واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے چُن لیا ہے ابراہیمؑ کی اولاد سے اسماعیل کو اور اسماعیل کی اولاد سے بنی کنانہ کو چنا ہے اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو اور مجھے بنی ہاشم میں سے چُن لیا ہے یعنی برگزیدہ فرمایا ہے۔

تشریح:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ریت کے ذرات کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں جبکہ آپ میں خامی کوئی نہیں ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچنے سے ساری خلائق یا اکثر انسانیت قاصر رہی ہے۔ آپؐ کے فضائل مُسلّم ہیں حتیٰ کہ جو لوگ آپؐ کو نبی نہیں مانتے وہ بھی آپ کو انسانیت کی اعلیٰ چوٹی پر فائز مانتے ہیں، ہیگل جیسے آدمی اور اس کے شاگرد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپؐ نے اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ عربیت اور اعلیٰ کردار کے سابقہ سارے ریکارڈ توڑ دیئے اور آئندہ کے لئے ایک ایسی مثال قائم کردی کہ جس کا توڑنا

ممکن نہیں۔ اگرچہ اس تحسین سے ان کی مراد غلط ہے، وہ اس سے آپؐ کی نبوت کی نفی کر کے آپؐ کو ایک اعلیٰ شخص اور عبقری کے طور پر ذہانت وفصاحت وغیرہ میں ترقی کا ایک نمونہ قرار دینے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں تا کہ قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کلام ثابت کر سکیں، لیکن اس سے کم از کم ان کے اقرار کا پہلو تو نکل آتا ہے۔

حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی وجہ سے آپؐ ابا عن جد جس پشت میں منتقل ہوتے گئے اس پشت کی نسل اپنے دوسرے چچازادوں سے افضل ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ آپؐ پیدا ہوئے۔

حدیث آخر: ۔عن العباس بن عبدالمطلب قال قلتُ یارسول اللّٰہ ان قریشاً جلسوا فتذاکروا احسابهم بينهم فجعلوا مَثَلَکَ مَثَلَ نخلة فی کَبْوَةٍ من الارض فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ خلق الخلق فجعلنی من خیرِ فِرَقِهم وخَیْرَ الفریقین ثم خیّر القبائل فجعلنی من خیر القبیلة ثم خَیَّرَ البیوت فجعلنی من خیر بیوتهم فانا خیرهم نفساً وخیرهم بیتاً".

(حسن)

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! قریش بیٹھ کر اپنے خاندانی خوبیوں کا ذکر کرنے لگے تو آپؐ کی مثال انہوں نے کوڑے میں اُگے ہوئے کھجور کے درخت سے بیان کی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا تو مجھے ان کے بہترین گروہ میں پیدا کیا، اور دو فرقوں (اولادِ اسحاق واولادِ اسماعیل) کو پسند کیا، پھر اللہ نے قبائل کو چنا تو مجھے بہترین قبیلہ میں سے چنا، پھر اللہ نے خاندانوں کو چنا تو مجھے ان میں سے بہترین خاندان میں پیدا کیا، تو میں ان سب سے ذات میں بھی بہتر ہوں اور گھرانے (خاندان) میں بھی ان سے اچھا ہوں (یعنی فضیلت مال میں نہیں بلکہ خون میں ہوتی ہے)۔

تشریح: ۔قولہ: "کَبْـوَةٍ" اونچی جگہ اور ٹیلہ کو بھی کہتے ہیں اور کچرہ کنڈی کو بھی کہتے ہیں، دونوں جگہوں کے نباتات عمدہ ہوتے ہیں، لیکن حضرت عباسؓ کی شکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش کی مراد کچرے کی جگہ تھی اور مقصد ان کا یہ تھا کہ آپؐ بنفس نفیس بہت اچھے ہیں لیکن آپ کا خاندان اتنا عالی نہیں، جس کی آپؐ نے تردید فرمائی۔

زمخشریؒ کہتے ہیں کہ شاید راوی سے سہو ہو گیا ہے، یہ کُبْوَة بالضم یا کبا ہے کیونکہ کبوۃ گھوڑے کی لغزش اور ٹھوکر کو کہتے ہیں جو یہاں مراد نہیں ہوسکتی۔

حدیث آخر:۔"عن ابی ھریرۃ قال قالوا یارسول اللہ متیٰ وجبت لک النبوۃ؟ قال وادم بین الروح والجسد". (حسن صحیح غریب)

صحابہؓ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی؟ آپؐ نے فرمایا: جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پہلے مجھے نبی بنایا گیا تھا جبکہ باقی انبیاء پیدائش کے بعد نبی بنتے ہیں)۔

تشریح:۔حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ میں حضرت ادمؑ کی پشت میں منتقل ہونے سے پہلے ہی نبی بن چکا تھا، یعنی میری تربیت اور تعلیم عالم ارواح میں اس وقت ہو رہی تھی جب ادمؑ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ غرض آپؐ افضل الرسل ہیں۔

باب

آپؐ سید المرسلین ہیں۔

"عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اناأول الناس خروجاً اذا بُعِثُوا وانا خطیبھم اذا وفدوا وانا مبشرھم اذا ایئسُوا لِواء الحمد یومئذ بیدی وانا اکرم وُلد ادم علی ربی ولافخر". (حسن غریب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سب لوگوں سے پہلے قبر سے نکلنے والا ہوں گا جب وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے اور میں ان کو خوشخبری سنانے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہوں گے، حمدِ الٰہی کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں ادم کی اولاد میں سب سے معزز ہوں اپنے پروردگار کے نزدیک اور کچھ فخر نہیں۔

تشریح:۔قولہ: "ولافخر" چونکہ فخر ذاتی کمالات پر ہوتا ہے تو عدمِ فخر کا مطلب یہ ہے کہ یہ کمالات وفضائل مجھے اللہ نے دیئے ہیں، یہ میں نے ازخود حاصل نہیں کئے ہیں اس لئے میں ان پر فخر نہیں کرتا، یا مطلب یہ ہے کہ جو مناقب میں نے گنے ہیں یہ باقی ملکات اور نفسانی وباطنی خوبیوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اس لئے میں ان پر فخر نہیں کرتا۔ اس مجمل حدیث کی تفصیل سورت بنی اسرائیل کے آخر میں گذری ہے۔

حدیث ابی ھریرۃؓ:۔"اناأول من تنشق عنہ الارض فاکسی الحُلّۃَ من حُلَلِ الجنۃ ثم

القوم عن یمین العرش لیس احدمن الخلائق یقوم ذالک المقام غیری". (حسن غریب صحیح)

میں پہلا شخص ہوں جس پر سے زمین کھلے گی پس مجھے پہنایا جائے گا جنت کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا، پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا، میرے سوا لوگوں میں سے کوئی بھی وہاں کھڑا نہیں ہوسکے گا (یعنی نہ کوئی ملک اور نہ ہی کوئی بشر وجن وغیرہ)۔

بابٌ

آپ علیہ السلام کا مقام سب سے بلند ہے۔

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :سلُوااللہ لِیَ الوَسِیلۃ قالوا یارسول اللہ وماالوسیلۃ ؟قال اعلیٰ درجۃ فی الجنۃ لاینالھاالارجل واحد ارجُو ان اکون اَنَا ھو". (غریب)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لئے وسیلہ کی دُعا مانگو، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وسیلہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا جنت میں ایک اعلیٰ مرتبہ (ومقام) ہے، وہ صرف ایک شخص حاصل کرے گا اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ یہ دعا اذان کے بعد پڑھی جاتی ہے جس کی تفصیل کتاب کے شروع میں اذان کی بحث کے تحت گذری ہے، وسیلہ وہی مقامِ محمود ہے جس کا تذکرہ سورت بنی اسرائیل (اسراء) کے آخر میں ہو چکا ہے۔

حدیث آخر: "عن الطفیل بن اُبی بن کعب عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَثَلی فی النّبیین کَمَثل رجل بنی داراً فَاَحْسَنَھاو اکملھاو اجملھاوترک منھا موضع لَبِنَۃٍ فجعل الناس یطوفون بالبناء ویعجبون منہ ویقولون لوتَمّ موضع تلک اللبنۃ، وانا فی النبیین موضع تلک اللّبِنَۃِ ......وبھذاالاسنادعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کان یوم القیامۃ کنتُ امام النبیین وخطیبھم وصاحب شفاعتھم غیرفخر". (حسن صحیح غریب)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری مثال انبیاء میں ایسی ہے جیسے کسی نے ایک محل بنایا پس

اسے بہت شاندار بنایا اور اسے مکمل کیا اور بہت خوبصورت بنایا تاہم اس میں ایک اینٹ کی جگہ (خالی) چھوڑ دی، پس لوگ اس محل کے گرد گھومنے لگے اور اس حویلی پر تعجب کرنے لگے (کہ کس قدر شاندار ہے) اور کہنے لگے: کاش! اگر اس ایک اینٹ کی جگہ پُر کر دی جاتی، میں انبیاء میں اس اینٹ کی جگہ (کی مانند) ہوں۔ اور اسی سند کے ساتھ آپ علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو میں انبیاء کا امام اور ان کا خطیب ہوں گا اور ان کا صاحبِ شفاعت ہوں گا اور کچھ فخر نہیں۔

عقیدۂ ختمِ نبوت جزوِ ایمان ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث کا مطلب ابواب الامثال میں بیان ہو چکا ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی ص:۵۹۴ جلد ہفتم) مزید برآں اس سے ختمِ نبوت کا عقیدہ رکھنا بھی معلوم ہوا، یہ حدیث اگرچہ خبرِ واحد ہے لیکن یہ مضمون تواتر اور اجماع سے ثابت ہے اور قرآن کی آیت ''خاتم النبیین'' بھی اس پر صریح ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کے باب ''تاسع فی احکام المرتدین'' میں ہے: ''سمعتُ بعضهم يقول اذالم يعرف الرجل ان محمداً صلى الله عليه وسلم آخر الانبياء عليهم وعلىٰ نبينا السلام فليس بمسلم''۔ (ص:۲۶۴ ج:۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

قاضی عیاضؒ الشفاء میں لکھتے ہیں: ''وكذالک (نُكَفِّرُ) من ادّعىٰ نبوة اَحَدٍ مع نبينا صلى الله عليه وسلم اوبعده . . اومن ادّعى النُبوّة لنفسه اوجوّز اكتسابها الخ فلاشکّ فی کفر هؤلاء الطوائف كلّها قطعاً اجماعاً وسمعاً''۔ (ص:۲۴۷ ج:۲)

حدیثِ آخر:۔ ''عن ابن عباس قال جلس ناس من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ينتظرونه قال فَخَرَجَ حتىٰ اذادَنَامنهم سمعهم يَتَذَاكرون فسمع حديثهم، فقال بعضهم عَجَباً ان الله اتخذ من خلقه خليلاً اتخذ ابراهيم خليلاً وقال آخر ماذا باعجب من كلام موسىٰ كلّمه تكليماً وقال آخر فعيسىٰ كلمة الله وروحه، وقال آخر ادم اصطفاه الله، فخرج عليهم فَسَلَّم وقال قدسمعتُ كلامكم وعَجَبَكم ان ابراهيم خليل الله وهو كذالک وموسىٰ نجيّ الله وهو كذالک وعيسىٰ روحه وكلمته وهو كذالک وادم اصطفاه الله وهو كذالک، اَلَا وَاَنا حبيب الله ولافخر وانا حامل لِواء الحمديومَ القيامة ولافخر وانا اوّل شافع

واوّل مُشفَّع یوم القیامة ولافخر وانا اوّل من یحرّک حِلق الجنة فیفتح اللہ لی فیدخلنیها ومعی فقراء المؤمنین ولافخر وانا اکرم الاولین والآخرین ولافخر"۔(حسن غریب)

چند صحابہ کرامؓ (مسجد میں) آپؐ کے انتظار میں بیٹھ گئے، پس آپؐ نکلے یہاں تک کہ آپؐ ان کے قریب ہوئے، آپؐ نے ان کو گفتگو کرتے ہوئے سُنا پس آپؐ نے (حجرے کی دیوار کے پیچھے سے) ان کی باتیں سُنیں، ان میں کسی نے کہا کہ تعجب ہے اللہ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو خلیل (دوست) بنایا تو ابراہیمؑ کو دوست بنایا ہے، دوسرے نے کہا کہ یہ موسیٰ کے کلام سے زیادہ تعجب خیز نہیں، اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر (براہِ راست) کلام فرمایا ہے۔ تیسرے نے کہا تو عیسیٰ کلمۃ اللہ ہیں اور اس کی طرف سے خاص روح ہیں (یعنی یہ بھی بڑا مقام ہے)، چوتھے نے کہا کہ آدم کو اللہ نے برگزیدہ کیا ہے، پس آپ ان کے پاس آئے اور سلام کیا اور فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کی بات چیت سنی اور تمہارا تعجب کرنا بھی (معلوم ہوا)، بے شک ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور وہ واقعی ایسے ہی ہیں اور موسیٰ اللہ کے ساتھ مناجات (سرگوشی) کرنے والے ہیں اور وہ بھی ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں "وھو کذالک" اور آدم کو اللہ نے مقبول بنایا اور وہ بھی ایسے ہیں "الاوانا حبیب اللہ" آگاہ رہو کہ میں اللہ کا محبوب ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمدِ الٰہی کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور کچھ فخر نہیں، اور قیامت کے دن میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں گا، اور پہلا سفارش قبول کیا ہوا ہوں گا اور کوئی فخر نہیں کرر ہا اور میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کے کنڈے (زنجیریں) ہلاؤں گا پس اللہ ان کو میرے لئے کھول دے گا اور داخل کرے گا مجھ کو جنت میں اور میرے ساتھ غریب اہلِ ایمان ہوں گے اور کچھ فخر نہیں اور میں اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں اور کچھ فخر نہیں۔

تشریح:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات کو تسلیم کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو اپنی فضیلت و برتری سے آگاہ فرمایا کہ میں ان صفات کا جامع ہوں، میری ذات میں وہ تمام صفات جمع کی گئی ہیں جو سابقہ انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر موجود تھیں گو کہ آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں لیکن جو ماں باپ سے پیدا ہوا اور صفات میں یکتا ہو تو اس کا مقام زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حبیب بنایا اور محبوب تو صفاتِ حمیدہ اور کمالاتِ عظیمہ ہی کی وجہ سے بنایا جاتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ آپؐ جامع الصفات ہیں۔

قولہ: "ولا فخر" اس کا مطلب بیان ہو چکا ہے۔ پھر جس طرح آپؐ محمد بمعنی محمود اور احمد بمعنی حامد ہیں اسی طرح آپؐ حبیب بمعنی محبوب و مُحِب ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں بنسبت خلیل اللہ کے مبالغہ معنی زیادہ ہیں جیسا کہ حاشیہ میں ہے۔

حدیث عبداللہ بن سلامؓ:۔ "قال مكتوب في التوراة صفة محمد و عيسىٰ بن مريم يُدفن معه قال فقال ابو مودود وقد بقي في البيت موضع قبر". (حسن غريب)

تورات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف لکھے ہوئے ہیں اور (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) حضرت عیسیٰ آپؐ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے۔ فرمایا کہ ابو مودود نے کہا کہ حجرہ مبارک میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

تشریح:۔ کسی صحیح مرفوع حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آنحضور علیہ السلام کے پاس دفن ہوں گے البتہ ایسا ممکن ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ دینِ اسلام کا جھنڈا دنیا پر اس طرح لہرائیں گے کہ نہ کوئی خنزیر کھائے گا اور نہ خمر پیئے گا، نہ کوئی یہودی بچے گا اور نہ کوئی نصرانی رہے گا، یہ دینِ اسلام کی اشاعت کا زرین دور ہوگا، گویا حضرت عیسیٰ تمام مذاہب باطلہ کا خاتمہ کر کے آپؐ کے پہلو میں محو استراحت ہو جائیں گے اور آپؐ کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کر کے یہ ثابت فرمائیں گے کہ سارے انبیاء علیہم السلام ایک ہی دین پر جو اللہ کا دیا ہوا دین ہے، پر متفق ہیں، وہ حیاً و میتاً ایک ہیں، ان کا مشن بھی ایک ہے اور ان کا اتحاد بھی مثالی ہے۔ ان میں فرق صرف زمانے کے تبدیل ہونے کی وجہ سے محسوس ہو رہا ہے۔

حدیث آخر:۔ عن انس بن مالك قال لَمَّا كان اليوم الذى دخل فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة اضاء منها كلُّ شئى فلما كان اليوم الذى مات فيه اظلم منها كلُّ شئى وما نَفَضْنَا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الايدى وانا لَفِي دفنه حتىٰ انكرنا قلوبَنا". (صحيح غريب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب وہ دن تھا کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تھے تو مدینہ کی ہر چیز چمک اٹھی تھی، پھر جب وہ دن آیا جس میں آپؐ کی وفات ہوئی تو مدینہ کی ہر چیز تاریک (بے نور) ہوگئی اور ہم نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (قبر مبارک کی) مٹی ہاتھوں سے نہیں جھاڑی تھی بلکہ ہم اب تک آپؐ کی تدفین میں ہی مشغول تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی پایا۔

تشریح:۔ دلوں کی یہ لکارت اور بے گانگی ایمان کے حوالے سے نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ کا ایمان

قرآن کی سند سے معیار ہے "امنوا کما امن الناس" بلکہ باعتبار انوار و تجلیات کے مراد ہے یعنی حضور علیہ السلام کے وجود میمون کی وجہ سے ہر چیز پُر نور تھی مگر آپؐ جیسے ہی اس روئے زمین سے پردہ میں ہو گئے اور آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو ان انوار و برکات میں فرق محسوس ہونے لگا جس کا واضح احساس ہم نے اپنے دلوں سے کیا۔

باب ماجاء فی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ علیہ السلام کی ولادت باسعادت

(عن قیس بن مَخْرَمة) قال (ای قیسؓ) وُلِدْتُ انا ورسول الله صلی الله علیه وسلم عام الفیل قال وسأل عثمانُ بن عفّان قُبَاث بن اَشْيَمَ اخابنی یعمر بن لیث: انت اکبر ام رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ فقال: رسول الله صلی الله علیه وسلم اکبر منی وانا اقدم منه فی المیلاد! قال ورأیت خَذْق الطیر اخضر مُحِيْلا". (حسن غریب)

حضرت قیس بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (واقعہ) فیل والے سال پیدا ہوئے ہیں (یعنی ابرہہ کے ہاتھی جس سال کعبہ کو ڈھانے آئے تھے)۔ حضرت قیسؓ فرماتے ہیں کہ عثمان بن عفانؓ نے قُباث بن اشیمؓ سے جو بنی یعمر بن لیث سے تھے، پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے (مرتبہ میں) بڑے ہیں تاہم میں ان سے پہلے پیدا ہوا ہوں، قباث کہتے ہیں اور میں نے پرندوں کی بیٹ دیکھی جو ہری بدلی ہوئی تھی۔

تشریح:۔ قولہ: "قُباث" اس میں قاف کا ضمہ مشہور ہے اور فتحہ بھی جائز ہے۔ قولہ: "خَذْق الطیر" بروزن شمس بعض نسخوں میں خذق الفیل آیا ہے۔ قولہ: "مُحِيلا" ای متغیراً، جب بیٹ پر وقت گزرتا ہے تو اس کا رنگ سبز ہو جاتا ہے جو کہ یہاں مراد ہے، جبکہ خذق الفیل سے مراد کنکریاں ہوں گی۔

آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق دوسرے اقوال بھی ہیں مثلاً آپ واقعہ ابرہہ سے دو سال قبل پیدا ہوئے تھے یا اسی سال پچپن دن پہلے وغیرہ، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ مہینہ ربیع الاول کا تھا البتہ اس کی تاریخ کون سی تھی؟ تو اس میں چار اقوال ہیں: (۱) دوسری، (۲) آٹھویں، (۳) دسویں اور (۴) بارہویں، یعنی علی الیقین تعین مشکل ہے۔ ابرہہ کا واقعہ ۵۷۱ء میں پیش آیا تھا۔

باب ماجاء فی بَدْءِ نُبُوَّةِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آغازِ نبوت سے پہلے اِرہاصات

"عن ابی موسیٰ الاشعری قال خرج ابو طالب الی الشام وخرج معه النبی صلی الله علیه وسلم فی اشیاخ من قریش فلما اشرفوا علی الراهب (بَحِیرا) هَبَطَ فحلّوا رحالهم فخرج الیهم الراهب وکانوا قبل ذالک یمرون به فلایخرج الیهم ولایلتفت، قال: فهم یحلّون رحالهم فجعل یَتَخَلَّلُهم الراهب حتیٰ جاء فاخذ بید رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: هذا سیّد العالمین هذا رسول رب العالمین یبعثه الله رحمةً لِلعالمین فقال اشیاخ من قریش: ما عِلْمُکَ فقال انکم حین اشرفتم من العَقَبَةِ لم یبق حجرٌ ولا شجرٌ اِلّاخرّ ساجداً ولایسجُدانِ اِلّالنبی وانی اعرفه بخاتم النُبوة اسفل من غضروف کَتِفِه مثل التفاحة ثم رجع فصنع طعاماً فلما اتاهم به فکان هو فی رِعْیَةِ الابل فقال اَرْسِلُوا الیه فاقبلَ وعلیه غُمَامَةٌ تُظِلُّه فلما دَنَا من القوم وجدهم قد سبقوه الی فیء الشجرة مال علیه قال فبینما هو قائم علیهم وهو یناشدهم ان لایذهبوا به الی الروم فان الروم اِن رأوه عرفوه بالصفة فیقتلونه، فالتفت فاذا بسبعة قد اقبلوا من الروم فاستقبلهم فقال ماجاء بِکُم؟ قالوا جئنا ان هذا النبی خارج فی هذا الشهر فلم یبق طریق الا بُعِث الیه بِأُناسٍ واِنّا قد اُخبِرنا خَبَره بُعِثنا الی طریقک هذا فقال: هل خلفکم احد هو خیر منکم؟ قالو اِنما اُخبِرْنا خَبَره بطریقک هذا قال اَفَرَأیتم امراً اراد الله ان یقضیه هل یستطیع احد من الناس رَدَّه؟ قالوا "لا" قال فَبَایَعُوْه واقاموا معه، قال اُنشدکم بالله ایّکم وَلِیُّه؟ قالوا ابو طالب فلم یزل یُنَاشِده حتیٰ ردّه ابو طالب وبعث معه ابوبکر بلالاً وزوّده الراهبُ مِن الکعب والزیت". (حسن غریب)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ابوطالب شام کی طرف نکلے (یعنی بغرضِ تجارت) اوران کے ہمراہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے کچھ بوڑھے لوگوں کے ساتھ نکلے، پس جب وہ (بَحِیرا) راہب کے قریب پہنچے تو ابوطالب (پڑاؤ کی غرض سے) اُترے اوران کے ساتھیوں نے اپنے اپنے کجاوے کھولے، چنانچہ راہب ان کے پاس آیا اوراس سے پہلے جب وہ اس کے قریب سے گزرتے تھے تو وہ ان کے پاس نہیں آتا تھا

اور التفات بھی نہیں کرتا تھا راوی نے کہا کہ وہ اپنے کجاوے اُتار رہے تھے کہ راہب ان کے درمیان سے چلتا ہوا آیا یہاں تک کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ یہ سب جہانوں کے لوگوں کے سردار ہیں اور یہ رب العالمین کے رسول ہیں، ان کو اللہ سب لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا تو قریش کے بڑے لوگوں نے اس سے کہا تیرے علم کی بنیاد کیا ہے؟ (یعنی تجھے کیسے پتہ چلا؟) اس نے کہا کہ جب تم لوگ ان ٹیلے کے قریب ہوئے تو ہر پتھر اور درخت سجدہ میں گر پڑا اور یہ دونوں (تعظیماً) سوائے نبی کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے ہیں۔ اور میں ان کو پہچانتا ہوں مہر نبوت سے جو سیب کی شکل میں ان کے شانے کی نرم ہڈی کے نیچے ہے۔ پھر وہ راہب گرجے میں واپس چلا گیا اور ان لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا، پس جب وہ ان کے پاس کھانا لے کر آیا تو اس وقت آپ اونٹ چرانے میں مصروف تھے، راہب نے کہا کسی کو بھیج کر ان کو بلاؤ! پس آپ آئے اس وقت آپ پر ایک بادل سایہ فگن تھا، پس جب آپ لوگوں کے قریب ہوئے تو ان کو پایا کہ وہ آپ سے پہلے ہی درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ جب آپ (ایک طرف دھوپ میں) بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا، پس راہب نے کہا دیکھو درخت کے سایہ کو کہ وہ اس (آپؐ) پر جھک گیا ہے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا درین اثنا کہ راہب ان کے پاس کھڑا ہی تھا اور ان کو قسمیں دے رہا تھا کہ وہ ان کو روم نہ لے جائیں کیونکہ اگر رومی ان کو دیکھیں گے تو ان کو پہچان لیں گے ان کے اوصاف سے، اور ان کو قتل کر ڈالیں گے کہ پھر راہب (ایک جانب) متوجہ ہوا تو دیکھا کہ سات آدمی تھے جو روم سے آئے تھے، تو راہب نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تم لوگ کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ یہ نبی (آخر الزمان) اس ماہ میں ظاہر ہونے والے ہیں۔ چنانچہ کوئی راستہ نہیں بچا ہے مگر اس پر کچھ نہ کچھ لوگ بھیجے گئے ہیں اور ہمیں بھی جب اس کی اطلاع دی گئی تو ہمیں اس راستہ کی طرف بھیجا گیا، پس راہب نے کہا: کیا تمہارے پیچھے (قوم میں) تم سے کوئی زیادہ عاقل ہے؟ (یا سب تمہاری طرح احمق ہیں جو تقدیر کا راستہ روکنا چاہتے ہیں!) انہوں نے کہا ہم کو اس کی اطلاع دی گئی ہے آپ کے راستہ کے بارے میں (کہ وہ نبی یہاں وارد ہوئے ہیں، یہ جواب اول کی طرح ہے کیونکہ ان کے پاس راہب کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا)، راہب نے کہا بھلا دیکھو تو جس کام کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرلے اس کام کو کوئی روک سکتا ہے؟ انہوں نے کہا "نہیں"۔

راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے اس کے ہاتھ (یعنی راہب سے) بیعت کر لی اور اسی کے پاس مقیم ہو گئے، راہب نے (قریش سے) کہا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں (کہ تم سچ بتاؤ) ان کا سرپرست کون ہے؟ لوگوں

نے جواب دیا کہ ابوطالب ہیں، پس وہ راہب برابر (مسلسل) ابوطالب کو قسمیں دیتا رہا حتی کہ ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس بھیجا اور ابوبکرؓ نے آپؐ کے ساتھ حضرت بلالؓ کو بھی روانہ کر دیا اور راہب نے ان کو شیرمال (یا کیک) اور روغنِ زیتون کا توشہ دیا۔

تشریح:۔ قولہ: "بحیرا" بفتح الباء وکسر الحاء والف مقصورہ، جبکہ بضم الباء وفتح الراء والف ممدودہ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔ قولہ: "هَبَطَ" ای نزل یعنی ابوطالب اور ان کے ساتھی گھاٹی سے یا اپنی سواریوں سے نیچے اُترے، اور سامان وکجاوے اُتارنا شروع کیا۔ یہ شام کے مقام بُصریٰ میں پیش آنے والا واقعہ ہے۔

قولہ: "غُضروف" بضم الغین شانے کی ہڈی کا نرم حصہ جو کمر کی جانب ہوتا ہے۔ قولہ: "کعک" فارسی لفظ ہے جو معرب بنا ہے، کیک اور میٹھی موٹی روٹی کو کہتے ہیں (جو سفر کے لئے ہوتی ہے)۔

قولہ: "وبعث معه ابوبکر بلالاً" اس آخری جملہ کی وجہ سے بعض محققین حافظ ذہبیؒ جیسے لوگوں نے اس روایت کو باطل کہا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کی عمر اس وقت نو سال یا زیادہ سے زیادہ بارہ برس کی تھی جبکہ ابوبکرؓ کی عمر آپ سے دو سال کم ہے اور ہوسکتا ہے کہ حضرت بلالؓ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے ہوں یا کم از کم ابوبکرؓ کی ملک میں نہیں تھے، کیونکہ انہوں نے بلال کو اسلام کے بعد خریدا تھا، لیکن جزری اور ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ روایت صحیح ہے اور اس کے رجال صحاح کے راوی کے ہیں لہٰذا کہا جائے گا کہ یہ آخری جملہ راوی کے وہم پر مبنی ہے اور کسی روایت میں ایک جملہ ضعیف آنے سے پوری روایت ضعیف نہیں بنتی، جیسے کسی بات سے پوری کتاب اور اہم شخصیت کا ضعف لازم نہیں آتا۔

باب ماجاء فی مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابن کم کان حین بُعِث

بعثت کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک کتنی تھی؟

"عن ابن عباسؓ قال أُنزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن اربعین فاقام بمکة ثلاثة عشر وبالمدینة عشراً وتُوفِّیَ وھو ابن ثلاث وستین". (حسن صحیح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی گئی جبکہ آپؐ چالیس سال کے تھے، پس آپؐ مکہ میں تیرہ برس تک مقیم رہے اور مدینہ میں دس سال (یعنی بعد النبوۃ) اور آپ کی وفات ہوئی

جب آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔

تشریح:۔اگلی روایت میں پینسٹھ سال اور باب کی آخری حدیث جو حضرت انسؓ سے مروی ہے اس میں ساٹھ سال آئے ہیں، یہ اس لئے کہ عرب کبھی کسر کو ساقط کرتے ہیں اور کبھی پورا کرتے ہیں لہٰذا اصل عمر ۶۳ سال تھی جبکہ کسر کو ساقط کرنے سے ۶۰ سال اور پورا گننے سے ۶۵ سال روایت کئے گئے اس لئے ان میں کوئی تعارض نہ سمجھا جائے جیسا کہ باب تحویل قبلہ میں بھی اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

حدیث ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن:۔"انه سمع انس بن مالک یقول لم یکن رسول الله صلی الله علیه وسلم بالطویل البائن ولا بالقصیر ولا بالابیض الاَمْهَقِ ولا بالأدم ولیس بالجَعْدِ القَطَطِ ولا بالسَبط بعثه الله علی اربعین سنة فاقام بمکة عشر سنین وبالمدینة عشر سنین وتوفاه الله علیٰ رأس ستین سنة ولیس فی رأسه ولحیته عشرون شعرة بیضاء". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ دراز قد نہ تھے اور نہ ٹھگنے تھے اور نہ بالکل (چونے جیسے) سفید تھے اور نہ ہی سانولے تھے (بلکہ سفید سرخی مائل تھے) اور بال نہ بالکل گھونگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے، اللہ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا، پس آپ دس سال مکہ میں مقیم رہے اور دس سال مدینہ میں اور اللہ نے آپؐ کو ساٹھ سال کی عمر میں وفات دے دی (یعنی کسر ساقط کرنے کی صورت میں)، جبکہ آپ کے سر مبارک اور ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

تشریح:۔ابواب اللباس میں امام ترمذیؒ نے ایک اور روایت ذکر فرمائی ہے اس میں آپؐ کے قد مبارک کے لئے "رَبْعَة" اور شمائل میں "مربوع" کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب درمیانہ قد (قدرے مائل بہ درازی) ہے۔ باقی تشریح ابواب اللباس میں گزری ہے۔(دیکھئے تشریحات جلد پنجم ص:۵۶۱ "باب ماجاء فی الجمۃ واتخاذ الشعر" اور ص:۵۳۵ "باب ماجاء فی الرخصۃ فی الثوب الاحمر الخ")

قولہ:"الاَمْهَق" تیز سفید کو کہتے ہیں جس میں سرخی شامل نہ ہو جیسے چونے کا رنگ، کیونکہ ایسا رنگ عیب ہے۔ قولہ:"جعد" بروزن شمس۔ قولہ:"السَبط" بفتح السین جبکہ باء پر کسرہ، فتحہ اور سکون تینوں جائز ہیں، آپؐ کے سفید بالوں کی تعداد ۱۹ ہے۔

باب ماجاء فی اٰیات نبوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وماقدخصّه الله به

ارہاصات ومعجزات اور فضائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

"عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :ان بمكة حَجَراً كان يُسَلِّمُ عَلَيَّ لَيالِيَ بُعِثْتُ اِنِّی لَاَعرفه الاٰن". (حسن غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ میں ایک پتھر ہے وہ مجھ پر سلام کرتا تھا جن دنوں مجھے نبی بنایا گیا تھا، میں اس کو اب بھی جانتا ہوں۔

تشریح:۔ قوله: "يُسَلِّمُ عَلَيَّ" یعنی وہ کہتا "السلام علیک یارسول اللہ!" شعور تو ہر چیز میں ہے البتہ بات ادراک کی ہوتی ہے، آپؐ کو اللہ نے حجر و مدر اور شجر و دواب کے احساسات کا ادراک بھی عطا فرمایا تھا، یہ ادراک بعض اوقات تیز ہوتا اور بعض اوقات نسبتاً کم ہوتا تھا۔ دعوائے نبوت سے پہلے کے خوارق کو ارہاصات کہتے ہیں اور مابعد والے کو معجزات۔

حدیث آخر:۔ "عن سمرة بن جندب قال كُنّامع النبی صلی الله علیه وسلم نتداول من قصعَةٍ من غدوة حتی اللیل تقوم عشرة وتقعدعشرة قُلنا:فماكانت تُمَدُّ؟قال من اَیِّ شئی تعجب؟ ماكانت تُمَدُّ اِلّامن هٰهُناواشاربیده الی السماء". (حسن صحیح)

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح سے رات تک ایک تھال سے کھاتے رہے (بایں طور کہ) دس آدمی اُٹھتے اور دس آدمی بیٹھتے تھے، ہم نے (یعنی ابوالعلاء اور ساتھیوں نے) پوچھا کہ اس پیالہ میں کہاں سے اضافہ ہوتا تھا؟؟ حضرت سمرہؓ نے فرمایا تمہیں کس چیز پر حیرت ہو رہی ہے؟ اضافہ نہیں ہوتا تھا مگر یہاں سے اور (اس کے ساتھ) انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا (یعنی غیب سے اور اوپر سے برکت نازل ہوتی)۔

بابٌ

"عن علی بن ابی طالب قال كنتُ مع النبی صلی الله علیه وسلم بمكة فخرجنافی بعض نواحیهافمااستقبله جبلٌ ولاشجرٌ اِلّاوهویقول :السلام علیک یارسول الله"!.(حسن

غریب)
حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا تھا چنانچہ (ایک مرتبہ) ہم مکہ کی ایک جانب نکلے پس جو بھی پہاڑ اور درخت سامنے آیا تو اس نے کہا اے اللہ کے رسول تم پر سلام ہو۔

بابٌ

(کھجور کے رونے کا قصہ)

"عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب اِلیٰ لِزْقِ جِذْعٍ واتخذوا لہ مِنبراً فخطب علیہ فَحَنّ الجذعُ حَنِینَ الناقۃ فنزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فَمَسَّہ فَسَکَتَ". (حسن صحیح غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے تنے کے پاس خطبہ دیا کرتے تھے، پھر جب صحابہ نے آپؐ کے لئے منبر بنایا تو آپؐ نے اس پر خطبہ دیا پس وہ تنا ایسا رونے لگا جیسے اونٹنی (اپنے بچے کی جدائی پر) روتی ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم (منبر سے) اُترے اور اسے (دِلاسا دینے کے لئے) ہاتھ سے چھوا تو وہ چُپ ہوا۔

تشریح:۔قولہ: "لِزْقِ جِذْعٍ" دونوں بروزن بِسَر کے ہیں، لازق متصل کو کہتے ہیں یعنی آپؐ منبر بنوانے سے پہلے اس تنے کے پاس بیٹھ کر اس سے تکیہ لگاتے اور خطبہ وغیرہ ارشاد فرماتے مگر جب منبر تیار ہوا اور آپؐ اس پر چڑھ کر خطبہ دینے لگے تو یہ جذعہ فراق کا صدمہ برداشت نہ کرسکا اور رونے لگا جس طرح اونٹنی اپنے بچے کے ساتھ چرتی چرتی جب دیکھتی ہے کہ اس کا بچہ نظر نہیں آرہا یا بہت دور چلا گیا ہے تو وہ بلبلانے لگتی ہے جو دراصل بچے کو واپس بُلانے کا طریقہ ہے پس اُس تنے نے بھی وہی حیلہ اختیار کیا جو شدتِ اشتیاق کی وجہ سے تھا۔ بخاری کی روایت میں اس رونے کی تشبیہ بچے کے رونے سے دی گئی ہے جو دراصل راوی کی تعبیر ہے اور اصل مطلب ایک ہی ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ رکھا جیسے کسی کو گلے سے لگایا جاتا ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں "فضمّھا الیہ" ہے۔

اس بارے میں کچھ باتیں ابواب الجمعہ کے "باب ماجاء فی الخطبۃ علی المنبر" میں گزری ہیں۔ پھر "الیٰ لزق جذع" میں لزق کی اضافت جذع کی طرف اضافت صفۃ الی الموصوف ہے ای الی جذع مُلصق بالجدار۔ (تدبر)

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میں کیسے جانوں کہ آپ نبی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: "ان دعوتُ هذا العِذق من هذه النخلة الخ" اگر میں اس کھجور کے اس گچھے کو بلاؤں تو پھر تو گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (گچھے) کو بلایا پس وہ کھجور کے درخت سے اُترنے لگا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گرا (زمین پر)، پھر آپؐ نے فرمایا واپس جا! چنانچہ وہ لوٹ گیا پس وہ اعرابی (بدو) مسلمان ہوئے۔ (حسن غریب صحیح)

تشریح:۔ قوله: "العِذق" بکسر العین وسکون الذال خوشہ اور گچھا۔ قوله: "تشهد" بصیغہ خطاب جیسا کہ اوپر ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے، بعض روایات میں "یشهد" بصیغہ غائب ہے یعنی اگر یہ گچھا میری نبوت کی گواہی دے دے تو پھر تم مانو گے؟؟؟۔

بابٌ

(ابوزید صحابیؓ کا ۱۲۰ سال تک بال سیاہ رہنا)

ابوزید بن اخطبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میرے چہرے پر پھیرا اور میرے لئے دُعا فرمائی، عزرہ نامی راوی کہتے ہیں کہ ابوزیدؓ ایک سو بیس سال تک زندہ رہے اور ان کے سر میں چند ہی بال سفید ہو گئے تھے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ ابوزید کا نام عمرو بن اخطب ہے مگر کنیت سے مشہور ہو گئے تھے، انصاری صحابی نزیل بصرہ ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تھی۔ اور جہاں تک آپؐ کے بالوں کے سفید ہونے کا تعلق ہے حالانکہ آپؐ کی عمر تو ۶۳ برس کی تھی تو وہ بوجہ خشیت خداوندی ہے جیسا کہ ابواب التفسیر میں گزرا ہے۔

بابٌ

(کھانے میں برکت کا حیرت انگیز واقعہ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہؓ نے ام سلیمؓ سے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کمزور سنی ہے جس میں سے میں نے بھوک محسوس کی ہے (یعنی آپؐ بھوک کی وجہ سے زور سے بولنے

تو صرف ہیں)، تو کیا تمہارے پاس (یعنی گھر میں) کچھ ہے؟ (جو میں آپؐ کو کھلا سکوں؟) تو وہ کہنے لگیں ''ہاں'' پس انہوں نے جَو کی چند روٹیاں نکالیں اور پھر اپنی ایک اوڑھنی (دوپٹا) نکالی اور روٹیوں کو اس کی ایک طرف میں لپیٹ دیا اور پھر اس کو میرے ہاتھ (بغل) کے نیچے چھپا دیا اور کچھ اوڑھنی مجھے اوڑھا دی اور پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ کر دیا۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں وہ کھانا لے کر آپؐ کے پاس پہنچا پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد (عارضی مسجد) میں پایا اور ان کے ساتھ اور لوگ بھی تھے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس آ کھڑا ہوا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا ''ہاں'' آپؐ نے فرمایا کھانے کے ساتھ؟ تو میں نے کہا ''جی ہاں'' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا جو آپ کے آس پاس تھے ''اٹھو'' پس وہ لوگ چل پڑے اور میں ان کے آگے آگے چلتا رہا یہاں تک کہ میں ابوطلحہؓ کے پاس آیا اور ان کو آگاہ کیا، پس ابوطلحہؓ نے کہا اے ام سلیم! تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کے ہمراہ تشریف لائے حالانکہ ہمارے پاس تو اتنا کھانا نہیں ہے جو ان سب کو کھلائیں، ام سلیم نے کہا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا چنانچہ ابوطلحہ (استقبال کے لئے) گئے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابوطلحہ آپؐ کے ساتھ تھے، تا آنکہ دونوں گھر میں داخل ہوئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''هَلُمِّی یَا اُمَّ سلیم مامعکِ'' اے ام سلیم! لاؤ جو تمہارے پاس ہے، پس انہوں نے وہی روٹیاں پیش کیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو وہ توڑی گئیں اور ام سلیم نے اپنی گھی والی کپی نچوڑی اور اس (چوری) کو چکنا کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پڑھا وہ جو اللہ نے چاہا کہ آپؐ اس کو پڑھیں، پھر آپؐ نے فرمایا دس آدمیوں کو بلاؤ! تو ان کو بُلایا گیا یہاں تک کہ انہوں نے شکم سیر ہو کر کھایا، پھر وہ نکلے تو آپؐ نے فرمایا دس آدمیوں کو اجازت دو! تو ان کو اجازت دی گئی، انہوں نے بھی کھایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو کر چلے گئے، آپؐ نے پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو آنے دو، تو ان کو اجازت دی گئی یہاں تک کہ انہوں نے سیر ہو کر کھایا اور پھر چلے گئے، چنانچہ سب لوگوں نے کھایا اور سیر ہو گئے، وہ لوگ ستر یا اسی نفر تھے۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ آپ علیہ السلام کی آواز میں ضعف بوجہ جسمانی کمزوری اور بھوک کے تھا کیونکہ کمزوری سے آواز پست ہو جاتی ہے۔ **قولہ:** ''ثم دسته الخ'' ان روٹیوں کو بغل میں چھپانے اور باقی چادر حضرت انسؓ پر

لپیٹنے کی وجہ یہ تھی کہ کھانا کم تھا اور لوگ زیادہ تھے کہ واقعہ غزوۂ خندق کا ہے تا کہ لوگ نہ دیکھ لیں اور حضور علیہ السلام تنہائی میں تناول فرمائیں اور یہی وجہ ہے کہ جب انسؓ وہاں پہنچے اور دیکھا کہ بہت سے لوگ بھی آپ کے ساتھ ہیں تو انسؓ خاموش کھڑے ہوگئے کیونکہ ابوطلحہؓ نے ان سے کہا تھا کہ دوسروں کو اطلاع نہیں ہونی چاہیے۔

قولہ: "فی المسجد" مراد وہ مسجد ہے جو غزوۂ احزاب میں آپ نے نماز کے لئے مختص کی تھی۔

قولہ: "ارسلک ابو طلحة؟" چونکہ آپ نے ابوطلحہ کو اپنی حالت کا مشاہدہ کرنے کے بعد گھر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا اور ان کی سخاوت وایثار بھی آپ کو معلوم تھا، پھر آپ کا لوگوں کا دعوت دینا یا تو اس بنا پر تھا کہ آپ کو معلوم نہ تھا کہ انس روٹیاں اپنے ساتھ لایا ہے یا معلوم تو تھا لیکن ان کے گھر میں ادخال برکت کے لئے وہاں تشریف لے گئے، پہلی صورت میں اجازت اسلئے نہیں لی کہ آپ کو ابوطلحہؓ پر اعتماد تھا کہ میرے ساتھ آنے والوں کو برا نہیں مانیں گے جبکہ دوسری صورت میں کھانا آپ کی ملک تھا کیونکہ ہدیہ تھا جو اگرچہ قبضہ میں نہیں لایا گیا تھا لیکن سبب ملک متحقق ہوگیا تھا کیونکہ حضرت انسؓ آپ کے خادم خاص تھے تو ان کا قبضہ آپ کے قبضہ کے مترادف ہے، واللہ اعلم۔ **قولہ: "فُتَّ"** بصیغہ مجہول فت توڑنے کو کہتے ہیں یعنی وہ روٹیاں ٹکڑے ٹکڑے توڑے گئے۔ **قولہ: "بعُكّة"** چمڑے کا برتن ہوتا ہے جس میں گھی اور زیتون رکھتے ہیں۔

بابٌ

(پانی میں برکت کا عجیب معجزہ)

"عن انس بن مالک قال رایتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحانت صلوٰة العصر والتمس الناس الوَضُوءَ فلم یجدوا فاُتِیَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بِوَضُوءٍ فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فی ذالک الاناءِ وأمَرَ الناسَ ان یتوضئوا منہ، قال فرایتُ الماء ینبعُ من تحت اصابعہ فتوضأ الناس حتیٰ توضئوا من عند اٰخرھم". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبکہ عصر کا وقت ہو چکا تھا اور لوگوں نے وضوء کا پانی ڈھونڈھا مگر ان کو نہ ملا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بقدر ایک) وضوء کا پانی لایا گیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھا اور لوگوں سے فرمایا کہ وہ اس سے وضوء

بنائیں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ پانی آپؐ کی انگلیوں کے نیچے سے پھوٹ رہا تھا، چنانچہ لوگوں نے وضوء کیا یہاں تک کہ آخری صحابی تک سب نے وضوء کرلیا۔

تشریح:۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے بھی ذکر کیا ہے "باب التماس الوَضُوء اذا حانت الصلوٰۃ" کتاب الوضوء ص:۲۹ ج:۱ میں اور اسی جلد نمبر ا میں علامات النبوۃ ص:۵۰۴ پر متعدد طرق سے اس کی تخریج فرمائی ہے، ایک میں ہے کہ یہ واقعہ زوراء (مدینہ کے بازار) میں پیش آیا اور صحابہ کی تعداد تین سو تھی جبکہ دوسرے طریق میں ستر اور ایک میں اسّی کی تعداد مروی ہے اور یہ کہ یہ واقعہ مدینہ سے باہر پیش آیا ہے جبکہ ایک طریق میں ہو بہو ترمذی کے الفاظ ہیں بغیر کسی بیان کے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے معجزات کا ظہور کئی مرتبہ ہوا ہے۔

بابٌ

(نبوت کی ابتدائی علامات)

"عن عائشة انها قالت اول ما ابْتُدِئَ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من النُّبُوَّةِ حين اراد الله كرامَتَه ورحمةَ العباد به ان لايَرى شيئاً اِلّاجاءَ ت كفَلَقِ الصبح فَمَكَث على ذالک ما شاء الله ان يمكُث وَحُبِّبَ اليه الخَلْوَةُ فلم يكن شيء احَبَّ اليه من ان يخلُوَ". (حسن صحيح غريب)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا سب سے پہلے آغاز جس چیز سے کیا گیا تھا جب اللہ نے آپؐ کی بزرگی اور آپؐ کے ذریعہ لوگوں پر مہربانی کرنا چاہی وہ یہ تھی کہ آپؐ نہیں دیکھتے تھے کوئی خواب مگر وہ روشن صبح کی طرح ظاہر ہو جاتا تھا، پس آپؐ اسی حالت پر رہے جتنا اللہ کو منظور تھا کہ آپ اس حال پر رہیں (یعنی چھ ماہ تک) اور آپؐ کے لئے تنہائی محبوب بنادی گئی، چنانچہ آپؐ کو تنہائی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ تھی۔

تشریح:۔ یہ روایت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے شروع میں ذکر فرمائی ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ تداخلِ مواسم میں ایک مختلف قسم سامنے آتی ہے جیسے موسمِ سرما اور موسمِ گرما کے درمیان ایک تیسرا موسم پیدا ہوتا ہے اسی طرح بیداری کی حالت میں نزولِ وحی کے زمانے اور چالیس سال سے پہلے کی عمر کے درمیان سچے خوابوں کی صورت حال پیدا کردی جاتی ہے کیونکہ یہ وحی کی آسانی سے قابلِ برداشت حالت ہوتی ہے اس لئے

انبیاء علیہم السلام کو پہلے سچے خواب دکھائے جاتے ہیں جو وحی کی ایک قسم ہوتی ہے لیکن وہ احکام پر مشتمل نہیں ہوتے ہیں، جب بیداری میں وحی کا نزول شروع ہو جاتا ہے تو کبھی کبھی خواب میں بھی احکام کا نزول ہوتا ہے۔

جہاں تک خلوت وتنہائی کی محبوبیت کا تعلق ہے تو یہ آسان ہے کیونکہ تنہائی سے ریاضتوں کا موقع مل جاتا ہے اور قلب قبول وسماعِ وحی کے لئے مستعد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مادی دنیا سے فارغ ہو کر عالمِ بالا کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔

اور صبح صادق سے تشبیہ میں عظیم بلاغت وحقیقت چھپی ہوئی ہے کیونکہ جب عصری ودنیوی علوم صبح کاذب کی طرح ہوتے ہیں جن کا فائدہ چند لمحات پر مشتمل ہوتا ہے اور موت کے بعد اُن علوم کی روشنی نابود ہو جاتی ہے تو وحی کی تشبیہ صبح صادق سے مناسب تھی کیونکہ اس کے بعد روشنی پھیلتی جاتی ہے اور علم میں مسلسل ابدالابد تک اضافہ ہی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بابٌ

(نشانیٔ قدرت کی اقسام)

"عن عبداللہ قال انکم تعدُّون الایات عذاباً وانّا کنا نَعُدُّھا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بَرَکۃ لقد کنا ناکل الطعام مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نسمع تسبیح الطعام قال واُتِیَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بِاناءٍ فوضع یدہ فیہ فجعل الماء ینبُعُ من بین اصابعہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیَّ علی الوَضوء المبارک والبرکۃ من السماء حتیٰ توضانا کلّنا". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم لوگ قدرت کی نشانیوں کو خوفناک تصور کرتے ہو جبکہ ہم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں برکت سمجھتے تھے، تحقیق ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور تسبیح سنتے تھے کھانے کی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برتن لایا گیا تو آپ نے اپنا ہاتھ اس میں رکھا چنانچہ پانی آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹنے لگا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ! وضوء کے مبارک پانی کی طرف اور برکت آسمان (اللہ کی طرف) سے ہے، یہاں تک کہ ہم سب نے وضوء کرلیا۔

تشریح:۔ یہاں آیات سے مراد مطلق نشانیاں ہیں کیونکہ تمام نشانیاں برابر نہیں ہوتی ہیں بلکہ بعض باعث برکت اور بعض خطرناک وخوفناک ہوتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے عہدِ مبارک میں عمومی نشانیاں باعث برکت ہوتی تھیں اگرچہ سورج گرہن اور چاند گرہن دوسری قسم میں سے ہیں، جبکہ آج کل اکثر نشانیاں برعکس ہو گئیں۔

باب كيف كان ينزل الوحي على النبي صلى الله عليه وسلم ؟

(نزولِ وحی کی کیفیت کا بیان)

"عن عائشة ان الحارث بن هشام سأل النبي صلى الله عليه وسلم كيف يَأتيكَ الوحيُ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اَحياناً يأتيني مثل صَلْصَلَةِ الجَرَسِ وهواشدُّه عليَّ وَاَحياناً يتمَثَّلُ لِيَ الملكُ رجلاً فيكلّمني فَاَعِيَ مايقول: قالت عائشةُ فَلَقَدْ رأيتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزِلُ عليه الوحيُ في اليوم الشديدالبردفَيَفْصِمُ عنه وَاِنَّ جَبِيْنَه لَيَتَفَصَّدُ عَرَقاً". (حسن صحيح)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی جھنجھناہٹ جیسی آتی ہے اور وہ میرے لئے سب سے زیادہ دشوار ہوتی ہے۔ اور کبھی فرشتہ میرے پاس انسانی شکل میں آتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے پس وہ جو کچھ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ پر سخت جاڑے کے موسم میں وحی نازل ہوتی، پس جب وحی مکمل ہو جاتی تو آپؐ کی پیشانی پر پسینہ آجاتا تھا۔

تشریح:۔ وحی کی تعریف، اقسام اور کیفیت پر الحمد للہ راقم نے "زادِ یسیر فی علوم التفسیر" میں نسبتاً تفصیل سے بحث کی ہے، یہاں انتہائی اختصار سے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے: وحی لغت میں "الاعلام فی الخفاء" کو کہتے ہیں یعنی مختصر اور پوشیدہ طریقہ سے بات کرنا، جبکہ اصطلاح میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ کتاب یا بواسطہ ملک، یا خواب میں یا الہام سے اور کبھی بلا واسطہ کلام کر کے آگاہ کرنے کو وحی کہتے ہیں۔ وحی کی طرف اتیان کی نسبت مجازی ہے، یہاں حدیث میں اس کی صرف دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی قسم جو گھنٹی کی

آواز کی طرح تھی اس لئے مشکل تھی کہ اس میں آنحضور علیہ السلام خلعتِ بشریت سے مجرد ہو کر مَلکی وصف سے متصف ہو جاتے، پھر حضرت جبرئیلؑ بھی نور اور وحی بھی نور، تو ان انوار کے اجتماع سے آپؐ پر سخت سردی میں بھی پسینہ آجاتا تھا، جبکہ دوسری قسم میں معاملہ برعکس ہوتا کہ آپؐ اپنی بشریت پر قائم و باقی رہتے اور فرشتے کو انسانی صورت اختیار کرنی پڑتی۔ پھر صَلصَلَۃ الجرس یعنی گھنٹی کی آواز سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ وحی نہیں تھی بلکہ آپؐ کو متنبہ کرنے کے لئے آواز ہوتی یا پھر فرشتوں کے پروں کی آواز تھی جبکہ وحی اس کے متصل بعد شروع ہو جاتی جیسے پہلے ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے اور پھر بات ہوتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہی وحی ہوتی تھی۔

باب ماجاء فی صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کسی لمّہ والے (جس کی زلفیں کانوں کی لو سے بڑھی ہوئی ہوں) کو سُرخ جوڑے میں رسول اللہ سے زیادہ خوبصورت، آپؐ کے بال ایسے تھے جو کندھوں سے لگتے تھے، آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان کشادگی تھی (یعنی سینہ مبارک چوڑا تھا)، آپ نہ تو کوتاہ قد تھے اور نہ (زیادہ) دراز قد تھے۔ (حسن صحیح)

اس حدیث کے الفاظ کی تشریح ابواب اللباس کے "باب ماجاء فی الرخصۃ فی الثوب الاحمر للرجال" میں گزری ہے، تشریحات: جلد پنجم ص: ۵۳۵۔

بابٌ

(آپؐ کے چہرۂ انور کی مثال)

"عن ابی اسحاق قال سأل رجل البراء: أکان وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل السیف؟ قال "لا" مثل القمر". (حسن صحیح)

حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت براء بن عازبؓ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح (طولانی چمکدار) تھا؟ انہوں نے کہا "نہیں" بلکہ چاند کی طرح (گولائی مائل حسین) تھا۔

تشریح:۔ سائل کا مقصد یا تو لمبائی سے سوال تھا یا چمک دمک کے متعلق، جبکہ حضرت براء بن عازبؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ تلوار کی طرح لمبا نہیں تھا اور نہ ہی چمکیلا تھا بلکہ گول اور جاذب نظر تھا۔ یاد رہے کہ یہاں چاند سے تشبیہ کا مطلب تدویر اور گولائی ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ سائل کے تاثر کی نفی مقصود ہے جو آپؐ کا چہرہ طولانی چہروں کی مانند سمجھ رہا تھا، اور اگر سائل کی مراد خوبصورتی میں تشبیہ تھی تو پھر اس کی نفی سے مراد یہ ہے کہ تلوار کا حسن پرکشش نہیں ہوتا جبکہ آپؐ کا جمال بے مثال تھا لہٰذا وہ تلوار سے بڑھ کر یعنی چاند کی طرح مسرت دلانے والا تھا۔

بابٌ

(آپ علیہ السلام کے اعضاء کا تناسب)

"عن علی قال لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالطویل ولا بالقصیر، شَثْنَ الکفین والقدمین ضَخمَ الکَرَادیس طویلَ المَسْرُبَۃِ اذا مشیٰ تکفأ تکفِیاً کانما ینحطُّ من صَبَبٍ لم أرَ قبلہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم". (حسن صحیح)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو (بہت) دراز قامت تھے اور نہ ہی پست قد والے تھے (بلکہ درمیانہ قد مائل بہ درازی تھے)، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُرگوشت تھے، بڑے سر والے تھے، بڑے جوڑوں والے تھے، سینہ سے ناف تک بالوں کی لمبی لکیر (دھار) تھی، آپؐ جب چلتے تو آگے کی طرف جھک کر چلتے، گویا ڈھلان میں اُتر رہے ہوں، میں نے آپؐ سے پہلے اور آپؐ کے بعد آپؐ جیسا (کوئی حسین) نہیں دیکھا، آپؐ پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔

تشریح:۔ آپ علیہ السلام کا قد مبارک درمیانہ تھا لیکن مائل بہ درازی تھا، جب لوگوں میں ہوتے تو نمایاں محسوس ہوتے اور جب تنہا ہوتے تو میانہ قد لگتے کیونکہ زیادہ طویل قد والا شخص بُرا لگتا ہے جیسا کہ کوتاہ قد شخص بھی اچھا نہیں لگتا۔ ہاتھوں اور پاؤں کے پُرگوشت ہونے سے آپؐ کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے، اور سر مبارک کا بڑا ہونا ذہین وعقیل ہونے کی دلیل ہے جبکہ سینے سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر سے آپؐ کے معتدل مزاج کا پتہ چلتا ہے کیونکہ زیادہ بالوں والے شخص پر قوت بہیمیہ کا غلبہ ہوتا ہے جبکہ بالکل خالی جسم بغیر بالوں والا قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ کی کمی کا آئینہ دار ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں عیب ہیں، پس آپؐ کا مزاج گرامی انتہائی

معتدل تھا، جب آپؐ چلتے تو آگے کی طرف مائل ہو کر چلتے جو کہ عاجزی کی بھی علامت ہے اور مراقبہ کی بھی نشانی ہے کیونکہ متفکر شخص سر جھکائے چلتا ہے۔ آپؐ چلنے میں گویا نشیب کی طرف اُترتے ہوئے محسوس ہوتے یعنی بے اختیار و بلا تکلف تیز قدموں سے چلتے جو بامقصد چلنے کا مظہر ہے۔ قولہ: "کرادیس" کردوس کی جمع ہے، جوڑوں کو کہتے ہیں، بڑے جوڑوں والا شخص پہلوان اور طاقتور ہوتا ہے، غرض آپؐ کا جسمِ مبارک ہر خوبیوں سے مالا مال تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

بابٌ

(آپؐ کا حلیہ مبارک)

حدیث ابراهیم بن محمد: "قال کان علی اذا وَصَفَ النبیّ صلی الله علیه وسلم قال لیس بالطویل المُمَغِطِ ولا بالقصیر المُتَرَدِّدِ وکان رَبْعَةً من القوم ولم یکن بالجعد القَطَطِ ولا بالسبط کان جعداً رَجلاً ولم یکن بالمُطَهَّمِ ولا بالمُکلثَم وکان فی الوجه تدویر اَبیضُ مُشرَبٌ ادعج العینین اَهْدَب الاشفار جلیل المُشاشِ والکتد اجرد ذُو مِسرَبَة شثن الکفین والقدمین اذا مشیٰ تَقَلَّعَ کانما یمشی فی صَبَبٍ واذا اِلتَفَتَ التفت معاً، بین کتفیه خاتمُ النُبُوة وهو خاتَم النبیین اجود الناس صدراً واصدق الناس لَهجَةً وَاَلیَنُهُم عریکةً واکرمُهم عشیرةً مَن رآه بدیهَةً هابَه ومن خالَطَه معرِفَةً اَحبّه یقول ناعتُه لم اَرَ قبله ولا بعده مثله صلی الله علیه وسلم". (لیس اسناده بمتصل)

حضرت علیؓ کے پوتے ابراہیم بن محمد (بن الحنفیہ) کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان فرماتے تو کہتے کہ آپؐ نہ بہت لمبے تھے اور نہ (گھسے ہوئے اعضاء والے) ٹھنگنے تھے بلکہ لوگوں میں سے میانہ قد والے تھے، آپؐ کے بال بہت گھونگھریالے بھی نہ تھے اور بالکل سیدھے بھی نہیں تھے بلکہ تھوڑے سے گھونگھریالے تھے، آپؐ نہ فربہ (موٹے) تھے اور نہ بالکل گول چہرے والے، البتہ چہرے میں کچھ گولائی تھی، رنگ سفید مخلوط بہ سرخی تھا، سیہ چشم، لمبی پلکوں والے تھے، بڑے جوڑوں والے اور بڑے شانوں والے تھے، بدن (اضافی) بالوں سے خالی تھا، سینہ سے ناف تک بالوں کی دھاری تھی، پُرگوشت ہتھیلیوں اور قدموں والے تھے، جب چلتے تو پیروں کو قوت سے اُٹھاتے گویا آپؐ نیچے اتر رہے ہیں۔ جب آپؐ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو

مکمل مُڑ جاتے (اور متوجہ ہو جاتے تواضعا)، آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مُہر نبوت تھی، اور آپؐ خاتم النبیین تھے، آپؐ سب لوگوں سے زیادہ اجود یعنی عمدہ دل تھے (جودۃ سے ہے اور اگر جُود سے ہو تو بمعنی سخی القلب کے ہوگا)، اور سب سے زیادہ سچائی والے تھے، سب سے زیادہ نرم مزاج اور سب سے زیادہ اچھی معاشرت والے تھے، جو آپؐ کو یکبارگی دیکھتا تو ڈر جاتا، اور جو آپؐ سے واقف ہو کر ملتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا، بس آپؐ کے مداح یہی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے آپؐ سے پہلے اور آپؐ کے بعد آپؐ جیسا نہیں دیکھا، صلی اللہ علیہ وسلم۔

تشریح:۔اس حدیث کی سند متصل نہیں کیونکہ ابراہیم نے اپنے دادا حضرت علیؓ سے سماع نہیں کیا ہے۔اس حدیث میں آپؐ کے حلیہ اور اخلاق کی بہترین منظر کشی کی گئی ہے۔یہ صحابہ کرامؓ کا کمال ہے جو صحیح منظر کشی کی قدرت اور مہارت رکھتے ہیں جو دراصل صداقت و دیانت کا ثمرہ ہے، سارے صحابہ شمائل نبوی ایک طرح نقل کرتے ہیں حتیٰ کہ اکثر کے بیان میں تو الفاظ بھی یکساں ہیں، دنیا میں یہ کارنامہ صرف اور صرف صحابہ کرام نے سرانجام دیا ہے باقی دنیا میں یہ چیز نہ پہلے تھی اور نہ آج ہے، چنانچہ سُقراط کے دو شاگردوں زینوفون اور افلاطون نے دو مختلف سقراط پیش کیے ہیں (فلسفہ مغرب کی تاریخ: ص: ۱۲۷) اور آج بھی جب انشاء پرداز جب کسی کی سوانح عمری قلمبند کرتے ہیں تو وہ کتابی شخصیت اصلی شخص سے مختلف چیز بن جاتی ہیں، لوگ صحیح منظر کشی نہیں کرسکتے ہیں۔مشکل الفاظ کی تشریح خود امام ترمذیؒ نے کی ہے۔

قولہ: "المُمَغِّط" "الذاهب طولاً" بصیغہ اسم فاعل یعنی لمبائی کی طرف کھچا ہوا شخص، اس پر ایک اعرابی کا قول نقل کیا ہے "تَمَغَّطَ فی نشابتہ" اس وقت کہا جاتا ہے جب کمان میں تیر رکھ کر اس کو خوب کھینچے، ای مَدَّها شدیداً۔قولہ: "المتردِّد" وہ شخص جو ٹھگنا پن کی وجہ سے ایسا لگتا ہو جیسے اس کے بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے ہوں۔قولہ: "قَطَط" زیادہ گھونگھریالے بال جبکہ سبط بالکل سیدھے بالوں کو کہتے ہیں جن میں جعودت یعنی گھونگھریالا پن بالکل نہ ہو جبکہ رَجِل جو معمولی گھونگھریالے ہوں، یہ خوبصورتی ہوتی ہے بالوں کی۔قولہ: "المُطَهَّم" موٹا شخص جس کا موٹاپا ظاہر ہو۔قولہ: "المکلثم" "المدوّر الوجه۔آپؐ مکلثم نہیں تھے یعنی چہرہ بالکل گول نہیں تھا بلکہ چہرے میں گولائی تھی۔قولہ: "مُشْرَبٌ" وہ جس کی سفیدی میں سُرخی ملی ہوئی ہو جیسے سفید گلاب ہوتا ہے۔قولہ: "ادعج" یعنی آنکھوں کا سیاہ حصہ (پتلی کا) زیادہ سیاہ ہونا جو حسن کی علامت ہے۔قولہ: "اهدب الاشفار" یعنی لمبی پلکوں والے تھے۔اس میں مضاف مقدر ماننا پڑے گا کیونکہ

اشفار اصل میں آنکھوں کے پردوں کو کہتے ہیں جس پر پلکیں اُگتی ہیں جبکہ اھداب پلکوں کو کہا جاتا ہے۔

قولہ: "والکتد" دونوں شانوں کے ملنے کی جگہ (مُلتقٰی) اس کو کاہل بھی کہتے ہیں۔

قولہ: "مسربه" کا مطلب گزرا ہے یعنی بالوں کی باریک لکیر کانہ قَضِیبٌ گویا وہ لکیر بانس (چھڑی) کی طرح باریک تھی۔ قولہ: "تقلّع" کے معنی دراصل اُکھاڑنے کے ہیں لیکن یہاں مراد طاقت سے چلنا ہے کیونکہ اُکھاڑنا گاڑنے پر موقوف ہے اور گاڑنا طاقت کی علامت ہے یعنی مضبوط قدم اُٹھاتے۔ قولہ: "صبب" نشیب۔

بابٌ

(آپؐ کے بولنے کا انداز)

"عن عائشة قالت ماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسرُدُ سَرْدَكم هذاولكنه كان يتكلم بكلام يُبَيِّنُه فصل يحفظه من جلس اليه". (حسن صحيح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح اس قدر جلدی جلدی گفتگو نہ فرماتے بلکہ آپؐ ایسی کھلی ہوئی جدا جدا باتیں کرتے تاکہ آپؐ کے پاس جو بیٹھنے والا ہو وہ اسے یاد کرلے (اور سمجھے)۔

تشریح:۔ سردکلام لگاتار بولنے کو کہتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے سرد کی نفی کر کے بیّن اور فصل کا اثبات کیا یعنی آپؐ کی بات چیت ٹھہر ٹھہر کر اور کلمات جدا جدا ہوتے تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ کر یاد کرسکیں۔

قولہ: "یُبَیِّنُه" کلام کی صفت اولیٰ ہے اور "فصل" صفتِ ثانیہ ہے۔

بابٌ

(آپؐ اہم بات تین بار دُہراتے تھے)

"عن انسؓ بن مالک قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يُعيدُ الكلمة ثلاثاً لِتُعقَلَ عنه". (حسن صحيح غريب)

(یعنی جب کوئی بات اہم ہوتی یا مضمون مشکل ہوتا یا مجمع بڑا ہوتا تو) آپؐ بات تین مرتبہ ارشاد فرماتے

تاکہ وہ اچھی طرح سمجھی جائے۔

بابٌ

(آپؐ کی مسکراہٹ کا بیان)

"عن عبدالله بن الحارث بن الجزء قال مارأيتُ احداً اكثرتَبَسُّماً من رسول الله صلى الله عليه وسلم ". (غريب)

حضرت عبداللہ بن حارث ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حدیث آخر:۔"ماكان ضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم الاتَبَسُّماً". (صحيح غريب)

حضرت عبداللہ بن حارث ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسا مسکرانا ہی تھا۔

یعنی آپؐ کا معمول شریف بس مسکراہٹ کی حد تک تھا اور شاذ و نادر ہنسنا ثابت ہے جب غیر معمولی تعجب لاحق ہو جاتا، ورنہ عام تعجبات اور لوگوں سے ملنے کے مواقع پر مسکراہٹ ہی فرماتے، کیونکہ ترک تبسم خوش اخلاقی کے خلاف ہے جبکہ ہنسی غفلت کی نشانی ہے جبکہ آپؐ ہنس مکھ ملنسار و خوش اخلاق بھی تھے اور متفکر و مراقب بھی۔

باب ماجاء فی خاتم النُبُوّة

"عن الجعدبن عبدالرحمن قال.سمعتُ السائب بن يزيديقول ذَهَبَتْ بِىْ خالتى الى النبى صلى الله عليه وسلم فقالت يارسول الله!ان ابن اُختى وَجع فَمَسَحَ براسىِ وَدَعالى بالبركة وتوضافشربتُ من وَضوءه فقُمتُ خلفَ ظهره فنَظرتُ الى الخاتم بين كتفيه فاذا هو مثل زِرِّ الحَجَلَةِ". (حسن صحيح غريب)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میری خالہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی اور کہا اے اللہ کے رسول! میرا بھانجا بیمار ہے، چنانچہ آپؐ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی اور وضو کیا تو میں نے آپؐ کے وضوء کا پانی پیا (یعنی مستعمل پانی)، پھر میں آپؐ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا تو

میں نے آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی پس وہ چھپر کھٹ گھنڈی جیسی تھی (یعنی اس کے پردے کے بٹن کی طرح)۔

تشریح:۔قولہ: "وَجِع" بصیغہ مجہول بھی پڑھ سکتے ہیں، وَجَعٌ دراصل درد کو کہتے ہیں خصوصاً سر اور پیٹ کے درد کو، آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی جو بظاہر نبوت ملتے وقت لگائی گئی تھی، جب کسی سلسلہ کا اختتام مقصود ہوتا ہے تو اس کی آخری کڑی پر مہر (سیل) لگتی ہے۔اس مہر کی صورت کیا تھی؟ اس حدیث میں اس کی تشبیہ دُلہن کے لئے مخصوص چھپر کھٹ کی گھنڈی سے دی گئی ہے۔اگلی حدیث میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ "غُدّة حمراء مثل بيضة الحمامة" یعنی وہ کبوتر کے انڈے کے مانند گوشت کے غدود تھے یعنی گوشت کا سُرخ اُبھرا ہوا ٹکڑا تھا۔

دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں کیونکہ گھنڈی کی مقدار بھی اتنی ہی ہوتی ہے۔زِرٌّ بکسر الزاء بٹن کو جبکہ حجلہ چھپر کھٹ کو کہتے ہیں، یہ روایت بتقدیم الراء مہملہ بھی منقول ہے علیٰ ہذا حجلہ سے مراد چکور اور رز سے مراد انڈا ہے یعنی چکور کے انڈے کی مانند، علیٰ ہذا یہ روایت حضرت جابرؓ کی روایت کے عین مطابق ہو جائے گی تاہم مشہور اور ما علیہ الجمہور کے مطابق یہ لفظ زِرّ یعنی بتقدیم الزاء المعجمہ ہی ہے، اور راء مہملہ تشدید کے ساتھ ہے۔پھر آپؐ نے حضرت سائبؓ کے سر کے جس اگلے حصہ پر ہاتھ مبارک رکھا تھا وہ بال کبھی سفید نہیں ہوئے تھے۔

قولہ: "غُدّة حمراء" گوشت کا سُرخی مائل ٹکڑا۔

بابٌ

(آپؐ چُست تھے)

"عن جابر بن سمرة قال كان في ساقي رسول الله صلى الله عليه وسلم حُمُوشة، و كان لايضحك الا تبسُّماً و كنتُ اذا نظرتُ اليه قلتُ اَكحَلَ العينين وليس بِاَكحَلَ صلى الله عليه وسلم". (حسن صحيح غريب)

حضرت جابر بن سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں پنڈلیوں میں باریکی (پتلا پن) تھی اور آپؐ ہنستے نہیں تھے مگر مسکراتے تھے اور میں جب آپؐ کو دیکھتا تو خیال کرتا کہ آپؐ نے دونوں آنکھوں میں سُرمہ لگایا ہے حالانکہ آپؐ نے سُرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا (بلکہ آپؐ کی آنکھیں خلقی طور پر سُرمگیں

ہیں) صلی اللہ علیہ وسلم۔

تشریح:۔ قولہ: "حُمُوشه" بضم الحاء والشین ٹانگوں کی باریکی، دقت اور پتلا پن کو کہتے ہیں، یہ آدمی کے چست ہونے کی نشانی ہوتی ہے چونکہ سُستی وکاہلی عیب ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محفوظ رکھا۔ یہی مطلب اگلے باب میں "منھوس العقب" کا بھی ہے۔

بابٌ

(آپؐ فصیح تھے)

"عن جابر بن سمرة قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضلیع الفم، اشکل العینین، منھوس العقب". (حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ منہ والے تھے، آنکھوں کے ڈورے سُرخ تھے اور ایڑیوں میں گوشت کم تھا۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے ان الفاظ کی تشریح شعبہ عن سماک کی روایت میں نقل کی ہے، تاہم حضرت شاہ صاحبؒ نے العرف الشذی میں فرمایا ہے کہ اشکل العینین کی تفسیر "طول شق العین" یعنی آنکھوں کی پھٹن کی طوالت سے کرنا غلط ہے۔ "واما ما سیجیء فی الصفحة اللاحقة التفسیر باشکل العینین فلذالک غلط محض الخ"۔ یعنی صحیح مطلب یہ ہے کہ آنکھیں سُرخی مائل تھیں جو حُسن میں اضافے کا سبب ہے۔

قولہ: "منھوس العقب" منھوس کے معنی کم گوشت ہونا، یہ چُستی کی بھی نشانی ہے جیسا کہ سابقہ باب میں گزر گیا اور مع ہذا اس سے عقلمندی پر بھی استدلال کیا جاتا ہے۔

آپؐ کا کشادہ دہن ہونا آپؐ کی فصاحت کا مظہر ہے کیونکہ کھلے منہ والا شخص فصیح ہوتا ہے چونکہ عربوں میں فصاحت بہت بڑی خوبی ہے اور ہونی بھی چاہئے اس لئے یہ حسن کی بھی علامت ہے۔

بابٌ

(آپؐ کے چلنے کا انداز)

عن ابی ھریرة قال ما رایتُ شیئاً احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانّ

الشمس تجری فی وجهه وما رأیت احداً اسرع فی مشیه من رسول الله صلی الله علیه وسلم کأنما الارض تُطوىٰ له اِنَّا لَنُجْهِدُ اَنْفُسَنَا وانه لغیر مُکْتَرِثٍ". (غریب)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی چیز کو (خواہ وہ سورج و چاند ہی کیوں نہ ہوں) نہیں دیکھا ہے گویا سورج آپؐ کے چہرے میں چلتا تھا (یعنی آپؐ کا چہرہ ہر وقت درخشاں اور تاباں تھا) اور میں نے کسی کو چلنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز نہیں دیکھا ہے، گویا آپؐ کے لئے زمین لپیٹی جاتی تھی، ہم تو اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے تھے (تاکہ آپؐ کے ساتھ چلیں) جبکہ آپؐ لاپرواہی سے (تیز) چلتے تھے۔

تشریح:۔ یعنی آپؐ کی طبعی رفتار تیز تھی اس لئے آپؐ بے پرواہی سے خود بخود تیز چلتے تھے بغیر مشقت اور بغیر اہتمام کے جبکہ ہم لوگ جب آپؐ کے ساتھ چلتے تھے تو ہمیں خود کو تھکا دینا پڑتا تھا ورنہ پیچھے رہ جاتے۔ تیز چلنا آدمی کی ذہانت کی علامت ہوتی ہے گویا آدمی کسی چیز کی تلاش میں جلدی جلدی گھوم رہا ہے اس لئے عبدالفتاح ابوغدہ نے محدث کی چار علامات بیان کی ہیں: (۱) سریع المشی۔ (۲) سریع القراءۃ۔ (۳) سریع الکتابۃ اور (۴) سریع الاکل۔ قولہ: "لَغیر مُکْتَرِثٍ" یعنی بغیر اہتمام وبغیر تکلیف کے۔

بابٌ

(آپؐ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ تر تھے)

"عن جابر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال عُرِضَ عَلَیَّ الانبیاء فاذا موسیٰ ضربٌ مِنَ الرجال کانه من رِجال شنوءةَ ورأیت عیسیٰ بن مریم فاذا اقرب الناس مَن رأیت به شَبَهاً عُروة بن مسعود ورأیت ابراهیم فاذا اقرب من رأیت به شَبَهاً صاحِبُکم یعنی نفسه ورأیت جبرئیل فاذا اقرب من رأیت به شَبَهاً دِحْیَةُ". (حسن صحیح غریب)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے (معراج میں یا خواب میں) انبیاءؑ پیش کیے گئے پس موسیٰؑ ایک چھریرے (دبلے جسم کے) تھے گویا وہ (قبیلہ) شنوءہ کے افراد میں سے ہیں اور میں نے عیسیٰ بن مریم کو دیکھا تو ان لوگوں میں سے جن کو میں نے دیکھا ہے عروہ بن مسعود ان کے ساتھ مشابہ تر تھے اور میں نے ابراہیم کو دیکھا تو ان سے مشابہت کے لحاظ سے ان لوگوں میں سے جو میں

نے دیکھے ہیں آپ کے ساتھی قریب تر تھے۔ (راوی کہتا ہے کہ) آپ کی مراد اپنی ہی ذات تھی، اور میں نے جبرئیل کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے بلحاظ مشابہت وحیہ (کلبی) ان کے قریب تر ہیں۔

تشریح:۔ انبیاء علیہم السلام سے آپؐ کی یہ ملاقات شب معراج میں مسجد اقصیٰ میں بھی ممکن ہے اور آسمانوں پر بھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ کو ان انبیاء کا ماضی متمثل کر کے دکھایا گیا ہو مــا ذالک عـلـی اللہ بعزیز۔

قولہ: "ضرب" بروزن شمس یعنی قد آور دبلے یعنی چھریرے بدن والے، چونکہ آپؐ کی ذات جامع ہے اس لئے آپؐ کی ذات بابرکات میں تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کی صفات اور ملکات جمع کر دیے گئے تھے، چنانچہ خونی رشتہ کی بناء پر آپؐ حضرت ابراہیمؑ کے مشابہ تھے، حضرت موسیٰ کی پرورش کرنے والی خاتون فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم اور حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ حضرت کلثم اور حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریمؑ جنت میں آپؐ کی ازواج مطہرات ہوں گی اور حضرت نوحؑ کا صبر، حضرت شعیبؑ کی فصاحت وبلاغت جیسی صفات وکمالات سے آپؐ مالا مال اور ان انبیاء کے ساتھ ابدی رشتوں میں منسلک ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگلے ابواب کی احادیث "باب ما جاء فی مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابن کم کان حین بُعِثَ" من ابواب المناقب میں گزری ہیں۔

حدیث معاویہؓ:۔ قولہ: "وَاَنَا ابن ثلاث وستین" یہ ان کا اظہار خواہش ہے کہ میں بھی اس وقت ۶۳ برس کا ہوں، ورنہ ان کی وفات تو تقریباً اسی برس کی عمر میں ہوئی ہے۔

مناقب ابی بکر الصدیقؓ واسمہ عبداللہ الخ

"عـن عبـداللہ قـا ل قـال رسـول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اَبرَأُ الیٰ کُلِّ خلیل من خِلِّہ ولو کنتُ مُتَّخِذاً خلیلاً لاتخذتُ ابنَ ابی قُحافَۃَ خلیلاً وان صاحبکم لخلیل اللہ". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر گہرے دوست کی دوستی سے لاتعلقی ظاہر کرتا ہوں، اگر میں کسی کو گہرا دوست بناتا تو ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکرؓ) ہی کو گہرا دوست بناتا تمہارا صاحب (آپؐ بنفسِ نفیس) یقیناً اللہ کے خلیل ہیں۔

تشریح:۔ ویسے تو سارے صحابہ کرامؓ امت کے سب سے زیادہ برگزیدہ لوگ اور بہترین افراد ہیں، انہوں نے کفر وشرک کے اندھیروں میں مشعلِ ہدایت کی حفاظت کی، اپنے جان ومال کی قربانیاں دیں، ہجرت ونصرت کی معدوم النظیر مثال قائم کی، بھوک و پیاس سے دریغ نہیں کیا، لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کی، دینِ اسلام کے باغ کی آبیاری میں اپنے عزیز واقارب کی گردنوں کی رکاوٹ آئی تو اسے ہٹادیا، اپنے خون کی ضرورت محسوس ہوئی تو پلادیا، اور سب سے بڑی بات آپؐ کا عہدِ پاک پانا اور آپؐ کے چہرۂ انور کو دیکھنا، آپؐ کے ہمسفر ہونا، آپؐ کے پیچھے نمازیں پڑھنا وغیرہ جیسی خوبیاں ہیں۔

تاہم صحابہ کرامؓ باوجود ان عظیم صفات وکمالات کے آپس میں تفاوت رکھتے ہیں کیونکہ جس نے آنحضور علیہ السلام کی قلبی شعاعیں اپنے اندر جتنی زیادہ جذب کردیں وہ اسی تناسب سے دوسروں پر فائق اور برتر ہوگیا، چنانچہ امام ترمذیؒ نے اسی افضلیت کی ترتیب سے ان حضرات کے مناقب ذکر کئے ہیں، ان میں سب سے پہلے ابوبکر صدیقؓ کا نام آتا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے، سوائے روافض کے مگر ان کے اختلاف سے حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت پر کوئی منفی اثر اس لئے نہیں پڑتا کہ چمگادڑ کا سورج کی روشنی سے انکار سورج کے روشن ہونے کی دلیل ہے۔

ابوبکرؓ کا نام عبداللہ ہے، کنیت ابوبکر اور لقب عتیق ہے، کیونکہ آپ جہنم سے آزاد ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپؓ کا اسلام سے قبل نام عبدالکعبہ تھا، والد کا نام عثمان ہے اور کنیت ابوقحافہ ہے۔

قولہ: من خِلّہ'' خِلّ بکسر الخاء اور خُلّۃ بضم الخاء، لام دونوں میں مشدد ہے، الفاظ مترادفہ ہیں، تاہم خِلّ بمعنی خلیل بھی آتا ہے، گہرے اور قلبی دوست کو کہتے ہیں۔ خَلَل سے مشتق ہے، وہ محبت جو دل کے اندر پیوست ہوکر قلب کی گہرائی میں جاکر جڑیں پکڑلے۔

حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ آپؐ کے قلب مبارک میں چونکہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت گہرائی تک پہنچی تھی اور گہرائی کے نیچے تو جگہ خالی نہیں رہتی اس لئے آپؐ نے سب کی دوستی سے معذرت فرمائی، مع ہذا فرمایا کہ اگر اس گہرائی میں کسی دوسری محبت کی گنجائش ہوتی تو میں ابوبکر کی محبت کذائی کو ضرور جگہ دیتا، لیکن چونکہ آپ کا ساتھی خلیل اللہ بن چکا ہے یعنی اس نے اپنے دل کی گہرائی میں صرف اللہ عزوجل کی محبت پیوست کی ہے اس لئے مزید کوئی گنجائش نہیں بچی ہے۔ اس میں اب نہ دنیا کی محبت سرایت کرسکتی ہے اور نہ کسی دوسری مخلوق کی، یہ ہے کمالِ توحید۔ (تدبر) یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کبھی خلیل بمعنی مطلق حبیب بھی آتا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی

ایک حدیث میں ہے "سمعت خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم الخ"۔

حدیث آخر:۔ "عن عمر بن الخطاب قال: ابوبکر سیّدنا وخیرنا وأحبُّنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم". (صحیح غریب)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ابوبکر ہمارے سردار اور ہم سب سے اچھے اور ہم سب میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے۔

حدیث عبداللہ بن شقیق:۔ "قال قلت لِعائشة: ایُّ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟قالت: "ابوبکر "قلتُ ثم من؟ قالت: "عمر" قلتُ ثم من؟قالت: "ابو عبیدہ بن الجراح "قال قلتُ ثم من؟فسکتت". (حسن صحیح)

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پیارا کون تھا؟ انہوں نے کہا "ابوبکرؓ" میں نے کہا پھر کون؟ وہ کہنے لگیں "عمرؓ" میں نے پوچھا پھر کون تھے؟ فرمایا پھر ابوعبیدہ بن جراح تھے، عبداللہ کہتے ہیں میں نے پوچھا پھر کون تھے؟ تو آپؓ خاموش ہو گئیں۔

تشریح:۔ چونکہ محبت کے متعدد اسباب ہوتے ہیں مثلاً کمال، جمال، نوال، ولاد، زواج اور قرب کے علاوہ شجاعت و بہادری اور رسوخ فی العلم والعمل وغیرہ اس لئے ان اسباب کی بناء پر مختلف لوگوں سے بیک وقت محبت ہو سکتی ہے چونکہ ابوبکرؓ میں متعدد اسباب جمع ہو گئے تھے اس لئے ابوبکرؓ سب سے زیادہ محبوب ٹھہرے، تاہم دوسرے اعتبارات سے حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ بھی محبوب سرور دو عالم ہیں، یعنی عورتوں میں یہ محبوب تھیں اور مردوں میں وہ محبوب تھے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اهل الدرجات العُلیٰ لَیَرَاهُمْ مَنْ تحتَهم کماترون النجم الطالع فی اُفق السماء وان ابابکر وعمر منهم وأنْعَمَا". (حسن)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک (جنت میں) اونچے درجوں والوں کو ان سے نیچے والے ایسے ہی دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کنارے میں نمودار ہونے والا ستارہ دیکھتے ہو اور بے شک ابوبکر و عمر ان ہی بلند درجات والوں میں سے ہیں اور دونوں خوب مزوں میں ہوں گے۔

باب

(ابوبکرؓ کا علم سارے صحابہ کے علم سے زیادہ تھا)

"عن ابن ابی المُعَلّٰی عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خطب یوماً فقال: ان رجلاً خیّره ربّه بین ان یعیش فی الدنیاماشاء ان یعیش ویاکل فی الدنیاماشاء ان یاکل وبین لِقاء ربّه فاختار لِقاء ربه قال فبکیٰ ابوبکر، فقال اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم: اَلاتعجبون من هذاالشیخ اذذَکرَرسول الله صلی الله علیه وسلم رجلاً صالحاً خیّره ربّه بین الدنیا ولِقاء ربه فاختارلِقاء ربه؟قال فکان ابوبکراعلمُهم بماقال رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال ابوبکربل نَفْدِیک بِاٰبَائِناواموالنافقال رسول الله صلی الله علیه وسلم مامِنَ الناس احدٌ اَمَنّ علینافی صُحبته وذاتِ یدِه مِن ابن ابی قُحافة ولوکنتُ متخذاً خلیلاً لاتخذتُ ابن ابی قُحافة خلیلاً ولکن وُدٌّواِخَاءُ اِیمان مرّتین اوثلاثاً وان صاحبکم خلیل اللّٰه". (غریب)

حضرت ابومُعلّٰی (اسمہ زید بن المعلی) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ ایک بندہ کو اس کے رب نے اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو رہے دنیا میں جب تک زندہ رہنا چاہے اور مرضی کے مطابق کھاتا رہے، اور اگر وہ چاہے تو اپنے رب سے ملے، تو اس نے اپنے رب کی ملاقات پسند کی، ابومعلی فرماتے ہیں کہ (یہ سن کر) ابوبکر رونے لگے، پس صحابہ نے کہا تمہیں تعجب نہیں ہوتا اس بوڑھے پر (کہ کیوں روتا ہے؟) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نیک آدمی کا تذکرہ کیا کہ اس کے رب نے اسے دنیا میں رہنے اور اللہ سے ملنے کا اختیار دیا تو اس نے اپنے رب کی ملاقات کو پسند کیا (اس میں رونے کی کیا بات ہے؟) قال: راوی کہتے ہیں (کہ ابوبکر کا رونا اس بناء پر تھا) کہ ابوبکر ان سب سے زیادہ جانتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (کے مطلب) کو۔ "فقال ابوبکر نفدیک الخ" پس ابوبکر نے فرمایا بلکہ ہم آپ پر اپنے آباء اور مال کو قربان کریں گے (یعنی آپ کی تکلیف ہم اٹھانے کو تیار ہیں) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مامِنَ الناس احدٌ اَمَنّ علینا الخ" "لوگوں میں سے کوئی آدمی میرے ساتھ زیادہ نیک برتاؤ کرنے والا حقوقِ صحبت میں اور مال خرچ کرنے میں ابن ابی قحافہ سے بڑھ کر نہیں ہے اور اگر میں کسی

کو گہرا دوست بناتا تو میں ضرور ابن ابی قحافہ کو گہرا دوست بناتا مگر (میرے اور ابوبکر کے درمیان) باہمی محبت اور ایمانی برادری (بھی بہت بڑا تعلق) ہے۔ آپؐ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمائی، اور تمہارے ساتھی اللہ کے خلیل ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جَلَسَ علی المنبر فقال: ان عبداً خیّرہ اللہ بین ان یؤتیہ الخ......... وفیہ......... فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هو المُخَیَّرُ وکان ابوبکر هو اعلمُنابه فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان مِنْ اَمَنِّ الناس علیّ الخ....... وفیه..... لاتبقینّ فی المسجد خوخة الاخوخة ابی بکر". (حسن صحیح)

یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح ہے تاہم اس میں یہ اضافہ ہے کہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اختیار دیا گیا تھا (یعنی بنفسِ نفیس) اور ابوبکر اس بات کو ہم سے زیادہ جاننے والے تھے (اس لئے وہ اس ارشاد کا مطلب فوراً سمجھ گئے اور رونے لگے اور کہا) "فدیناک یارسول اللہ اٰبآبانا واُمّھاتنا" اس روایت کے آخر میں یہ بھی اضافہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا مسجد میں کوئی کھڑکی باقی نہ رہے سوائے ابوبکر (کے گھر) کی کھڑکی کے۔

تشریح:۔ قولہ: "زھرة الدنیا" دنیا کی رونق۔ قولہ: "خوخة" کھڑکی جو دروازے کی طرح استعمال ہوتی تھی۔ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند (پانچ) دن پہلے کا ہے یعنی جمعرات کے دن کا، اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کی اطلاع صحابہ کرامؓ کو دی لیکن کنائی الفاظ ہونے کی وجہ سے صرف ابوبکر صدیقؓ ہی اس کو سمجھ گئے اور رونے لگے اور آپؐ سے اپنی وفاداری کا پرزور الفاظ میں اظہار فرمایا، جس سے حضرت ابوبکرؓ کی علمی برتری اور افضلیت معلوم ہوئی۔

دوسری بات جو آپؐ نے فرمائی وہ حضرت ابوبکرؓ کی کھڑکی کے علاوہ باقی تمام کھڑکیوں کے بند کرنے کا حکم تھا، اگرچہ امام ترمذیؒ نے آگے حضرت علیؓ کے مناقب میں بھی ایک حدیث نقل کی ہے: "عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَ بِسَدِّ الابواب الاباب علی"۔ لیکن وہ حدیث بتصریح حافظ ابن کثیرؒ باب کی حدیث کے مقابلہ میں مرجوح ہے کیونکہ یہ ترمذی کی تصحیح کے علاوہ صحیحین میں بھی مروی ہے اور ابن عباسؓ کی حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: "ھذا حدیث غریب لانعرفه الخ" پس معلوم ہوا کہ

آپؐ نے ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف واضح مثبت اشارہ فرمایا، پہلا اشارہ صرف ابوبکرؓ سمجھ سکے تھے جبکہ دوسرا زیادہ جلی اور واضح ہونے کی وجہ سے سارے صحابہ کرامؓ سمجھ گئے تھے۔

بابٌ

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مالأحدٍ عندنايدٌ الاوقد كافيناه ،ماخلا ابابكرفان له عندنايداً يكافيه الله بهايوم القيامة ومانفعني مالُ احدقطُ ما نفعني مالُ ابي بكرولو كنت متخذاًخليلاً لاتخذت ابابكرخليلاً الاوان صاحبكم خليل الله". (حسن غريب)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی کا ہم پر نیک سلوک کا حق نہیں مگر ہم نے اس کا بدلہ چکایا ہے سوائے ابوبکر کے، کیونکہ ان کے برتاؤ کا حق ہمارے ذمّے باقی ہے جو قیامت کے دن اللہ ان کو دیں گے اور مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے پہنچایا۔ الخ باقی حدیث گزری ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن حذيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اِقْتَدُوْابالَّذين من بعدى ابى بكروعمر". (حسن)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اقتداء کرو ان دونوں (شخصیتوں) کی جو میرے بعد (خلیفہ) ہوں گے، جو ابوبکر و عمر ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن حذيفة قال كناجلوساً عندالنبى صلى الله عليه وسلم فقال انى لاادرِى مابقائى فيكم فَاقْتَدُوْابالَّذِيْن من بعدى وَاَشَارَ الى ابى بكروعمر".

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، پس آپؐ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تمہارے درمیان میری موجودگی کتنے دن ہوگی پس تم پیروی کرو ان دونوں کی جو میرے بعد (خلیفہ) ہوں گے اور آپؐ نے (اس کے ساتھ) ابوبکر و عمر کی طرف اشارہ فرمایا۔

تشریح:۔ اگر یہ حدیث سند کے اعتبار سے مضبوط ہوتی تو ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں اس سے زیادہ صریح نص نہ ہوتی تاہم ایک عورت نے آپؐ سے پوچھا کہ اگر میں آپؐ کو نہ پاؤں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکر کو پاؤ گی!" "ان لم تجديني فأتي ابابكر"۔ اسی طرح مسلم کی روایت "وَيَأبى الله ورسوله الا

...بھی قریب بصریح ہے۔ عورت کی حدیث اگلے صفحہ پر آرہی ہے جو سنداً صحیح ہے۔ مگر چونکہ تمام صحابہ کرام ابوبکرؓ کی افضلیت کے قائل و معترف تھے اس لئے انہوں نے متفقہ طور پر ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا، اگر اس بارے میں کوئی دوسری رائے وقتی طور پر رونما ہوئی ہو تو وہ اس وجہ سے کہ ابوبکرؓ کے متعلق نصوص میں ذہول آیا ہوگا جواتنی بڑی آبادی میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔

بابٌ

(جنت میں شیخین کا درجہ)

"عن علی بن ابی طالب قال کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذطلع ابوبکر وعمر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :ھذان سیداکھول اھل الجنۃ من الاوّلین والاٰخرین إلّاالنبیین والمرسلین ،یاعلی لاتخبرھما". (غریب)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ ابوبکر وعمر دونوں نمودار ہوئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں اگلے پچھلے ادھیڑ عمر کے سب جنتیوں کے سردار ہوں گے سوائے انبیاء ومرسلین کے، اے علی! آپ ان کو نہ بتلائیں۔

تشریح:۔ یہ حدیث حضرت انسؓ سے بھی اس کے بعد مروی ہے اوراس کے بعد ایک دوسری سند کے ساتھ بھی امام ترمذیؒ نے روایت کی ہے۔ ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ بات اس لئے کہی تاکہ ان کے ذہن میں شیخین کی فضیلت بیٹھ جائے اوران کو بتانے سے اس لئے منع کیا تاکہ شیخین کو معلوم نہ ہوجائے کہ ان کی موت ادھیڑ عمر میں واقع ہوگی، کیونکہ کہل کہولت سے ہے جو ادھیڑ عمر کو کہتے ہیں پھر کہول کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ جنت میں بھی ان کی عمر کہولت والی ہوگی بلکہ کہولت کا زمانہ چونکہ حکمت عملی وحکمت نظری ہر اعتبار سے کمال کا دور ہوتا ہے اور جنت کے درجات تو اعمال وعقل کے بقدر ملتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ یہ حضرات تمام اہلِ جنت سے افضل ہوں گے سوائے انبیاء کے، کیونکہ جب کہول سے افضل ہوئے تو باقی سے بطریق اولیٰ افضل ٹھہرے، اگرچہ جنت میں سب جواں سال ہوں گے اور جہاں تک حضرات حسنینؓ کی افضلیت کا تعلق ہے تو وہ جوانوں پر ہے فلا تعارض۔

بابٌ

(ابوبکرؓ خلافت کے زیادہ مستحق تھے)

”عن ابی سعید الخدری قال قال ابوبکر اَلَستُ اَحَقّ الناس بها؟ اَلَستُ اَوّل من اسلم؟ اَلَستُ صاحب کذا؟ اَلَستُ صاحب کذا؟.

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے فرمایا: کیا میں سب لوگوں سے زیادہ اس (خلافت) کا حقدار نہیں ہوں؟ کیا میں نے سب (مردوں) سے پہلے اسلام قبول نہیں کیا ہے؟ کیا میں فلاں فضیلت والا نہیں ہوں؟ کیا میں فلاں فضیلت کا حامل نہیں ہوں؟۔

تشریح:۔ یہ روایت اگر چہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے لیکن جہاں تک حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا تعلق ہے تو اہل السنت والجماعۃ کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ابوبکرؓ افضل ترین ہیں اور وہی سب سے زیادہ استحقاق رکھتے تھے کہ ان کو خلیفہ بلا فصل بنایا جائے، حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت کے بارے میں صحابہ میں دوسری رائے ہرگز نہ تھی لیکن خلافت چونکہ مفضول کی بھی جائز ہے اس لئے اس بارے میں دوسری رائے ہو سکتی تھی، لیکن جب صحابہ کرامؓ نے ابوبکرؓ کی افضلیت کو دیکھا اور یہ کہ ان کی خلافت پر اتفاق بھی آسان اور یہ ہر قسم کے انتشار سے پاک بھی تھی اس لئے انہوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا، اب اس اجماع کے بعد اس پر بحث کرنا کہ یہ کس کا حق تھا؟ صحیح ہوا یا نہیں؟ نہ صرف ایک لاحاصل بحث ہے بلکہ امت کو انتشار اور فساد میں دھکیلنا ہے، چنانچہ اس بے ہودہ بحث سے اب تک امت نے جتنا نقصان اٹھایا ہے اگر اس سے ہزار گنا نقصانات مزید اٹھائے جائیں تو پھر بھی کوئی امکان نہیں کہ ابوبکرؓ کا نمبر چوتھا یا دوسرا ہو جائے اور حضرت علیؓ کو خلیفہ بلا فصل بنایا جائے۔

بابٌ

(آپؐ شیخینؓ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے)

”عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج على اصحابه من المهاجرين والانصار وهم جلوس وفيهم ابوبكر وعمر فلا يرفع اليه احد منهم بصره الا

ابوبکر وعمر فانھما کانا ینظران الیہ وینظر الیھما ویتبسمان الیہ ویتبسم الیھما". (غریب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ مہاجرین اور انصار کی طرف نکلا کرتے تھے اور وہ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، ان میں ابوبکر اور عمر بھی ہوتے تھے پس ان میں سے کوئی بھی آپؐ کی طرف نگاہ نہیں اُٹھاتا (بوجہ ہیبت کے) سوائے ابوبکر اور عمر کے، چنانچہ وہ دونوں آپؐ کی طرف (رُوبرو) دیکھتے اور مسکراتے اور آپؐ ان کی طرف دیکھتے اور مسکراتے تھے۔

تشریح:۔ مسکرانا بے تکلفی سے کنایہ بھی ہوسکتا ہے اور کمالِ محبت کی علامت بھی، بناء بر ہر تقدیر اس سے شیخین کے مقام عند خیر الانام کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کیونکہ بے تکلفی اپنے خواص سے ہوتی ہے اور احباب کا ایک دوسرے کو دیکھنے سے غیر اختیاری مُسکراہٹ ہونٹوں پر بکھر جاتی ہے۔

بابٌ

(شیخین آپؐ کے جلوۂ دوم کے بھی صاحبین ہیں)

"عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم فدخل المسجد وابوبکر وعمر احدھما عن یمینہ والآخر عن شمالہ وھو اخذ بایدیھما وقال ھکذا نبعث یوم القیامۃ". (غریب)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) نکلے اور مسجد میں داخل ہوئے اور ابوبکر وعمر میں سے ایک آپؐ کے دائیں جانب تھے اور دوسرے بائیں طرف تھے، اور آپؐ دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوتے تھے، پس آپؐ نے فرمایا اسی طرح اُٹھائے جائیں گے ہم قیامت کے دن۔

تشریح:۔ ابن عمرؓ نے اس کا تعین سامع پر چھوڑ دیا کہ کون دائیں تھے اور کون بائیں، کیونکہ یہ بات جلی اور واضح تھی اس لئے تعین کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اگر شیخین آپ کے ساتھ حجرے سے نکلے ہوں تو پھر تو یہ قبروں کی معیت کی طرف ایک واضح اشارہ ہوسکتا ہے، لیکن بظاہر شیخین کی ملاقات آپؐ سے حجرے کے باہر ہوئی ہوگی۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر: انت صاحبی علی الحوض وصاحبی فی الغار". (حسن غریب صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا آپ حوض کوثر پر میرے رفیق ہیں اور میرے یارِ غار بھی ہیں۔

تشریح:۔ یعنی ہم دونوں دنیا میں بھی ساتھ رہے ہیں اور آخرت میں خصوصاً میدانِ محشر میں بھی ساتھ ہی رہیں گے، اور غار کا تذکرہ ان کی امتیازی خصوصیت کے لئے ہے کہ جب بہت سے لوگوں نے آپؐ کا ساتھ چھوڑا تھا، کسی نے دشمنی کی بناء پر اور کسی نے کمزوری و مجبوری کی وجہ سے حتیٰ کہ اپنا خاندان بھی بے بس ہوگیا تھا تو اس وقت بھی ابوبکرؓ نے آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ "ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبه" الایۃ بالاجماع ابوبکرؓ کے بارے میں ہے اس لئے جو شخص ابوبکرؓ کے صحابی ہونے کا منکر ہوگا اس کی تکفیر کی جائے گی۔

بابٌ

(شیخین کی حیثیت سماعت و بصارت سے کم نہیں)

عن عبداللہ بن حنطب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی ابابکر و عمر فقال: هذان السمع والبصر". (مرسل)

حضرت عبداللہ بن حنطب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں سمع و بصر (کان اور آنکھ) ہیں۔

تشریح:۔ عبداللہ بن حنطب کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، امام ترمذیؒ نے ان کی حدیث کو مرسل قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ یہ ان کو تابعی مانتے ہیں تاہم ابن ابی حاتم اور ابن عبدالبر نے ان کو صحابی مانا ہے۔ شیخین کو سمع و بصر کہنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی اہمیت مسلمانوں کے لئے اتنی ہی ہے جتنی سر کے لئے آنکھوں اور کانوں کی ہوتی ہے یا پھر یہ حرص علی الحق سے کنایہ ہے۔

بابٌ

(ابوبکرؓ آپؐ کے حیات ہی میں امام بنادیئے گئے تھے)

"عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مُرُوا ابابکر فلیصلّ بالناس فقالت

عائشة یارسول اللہ اِنّ ابابکر اذاقام مقامَک لم یُسْمِع الناسَ من البُکاء فامُرْ عُمَرَ فلیصلّ بالناس فقال مُرُوا ابابکر فلیصلّ بالناس قالت عائشة فقلتُ لحفصة قولی له ان ابابکر اذاقام مقامک لم یُسْمِعِ الناسَ مِنَ البُکاء فامُرعمر فلیصلّ بالناس فَفَعَلَتْ حفصةُ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنّ کُنَّ لَانتُنّ صواحبَ یوسف مُرُوا ابابکر فلیصلّ بالناس فقالت حفصةُ لعائشة ماکنتُ لِاُصیبَ مِنکِ خیراً". (حسن صحیح)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مرضِ وفات میں) فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، عائشہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرأت نہیں سُنا سکیں گے (یعنی وہ نرم دل ہیں اور اس صدمہ کو برداشت نہیں کر سکیں گے) لہٰذا آپ عمر کو حکم دیں تا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، آپؐ نے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں! حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حفصہ سے کہا کہ تم عرض کرو آپؐ سے کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ لوگوں کو رونے کی وجہ سے قرأت نہیں سُنا سکیں گے، آپ عمر سے کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں! چنانچہ حضرت حفصہ نے عرض کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو یوسف والی عورتیں ہی ہو! کہو ابوبکر سے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں! "فقالت حفصة لِعائشة" پس حضرت حفصہ نے حضرت عائشہؓ سے کہا (یعنی بطور گلہ وشکوہ) کہ میں کبھی تم سے خیر پانے والی نہیں رہی؟

تشریح:۔ چونکہ یہ ارشاد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں فرمایا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ یہ ابوبکرؓ کی خلافت کی تیاری کا پیش خیمہ بلکہ حصہ تھا اس لئے تو خلافت وانتخاب کے وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا "نرضیٰ لِدُنیانامن رضیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لِدِیْنِنَا" ہم اپنے دنیوی معاملات (خلافت) کے لئے اسی شخص پر راضی ہیں جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین کے لئے راضی تھے۔ قوله: "اِنَّ کُنَّ لَاَنتُنَّ صواحبَ یوسف" اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ ہے کہ جس طرح عورتیں حضرت یوسفؑ کو راہِ حق سے ہٹانا چاہتی تھیں اسی طرح تم لوگ مجھے ابوبکر کے تقرر سے جو حق اور عند اللہ متحقق ہے، ہٹانا چاہتی ہو۔ (کذا فی عارضة الاحوذی والکوکب الدری)

دوسرا مطلب یہ ہے کہ صواحب اگرچہ جمع کا صیغہ ہے لیکن یہاں بمعنی واحد یعنی صاحبۃ کے ہے اور مراد حضرت عائشہؓ ہیں پس تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زلیخا نے مسندیں تیار کر کے اُمراء کی بیگمات کو بلایا اور

بظاہر ان کے اکرام اور دعوت کا تأثر دیا جبکہ اصل مقصد یہ تھا کہ وہ زلیخا کو اس عشق میں معذور سمجھیں تو مطلب کچھ اور تھا اور تأثر کچھ دوسرا دیا، اسی طرح تم ابوبکر کا امام بننا نہیں چاہتی ہو اور بہانہ رقیق القلب ہونے کا بنا رہی ہو چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بعد میں کھل کر اس کا اظہار کیا کہ میں اس لئے کہہ رہی تھی کہ لوگ ایسے شخص کو پسند نہیں کریں گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑا ہوگا، اور اگر حضرت حفصہ اس پر خوش تھیں کہ ابوبکر کے بجائے میرے والد خلیفہ بن جائیں تو پھر دونوں مراد ہوں گی۔ قولہ: "ماکنت لاصیب منک خیراً" اس میں مغافیر والے قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ تیرے مشورے سے میں پہلے بھی نادم ہوئی اور آج بھی۔

بابٌ

"عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لاینبغی لقوم فیهم ابوبکر ان یؤمّهم غیرُه". (غریب)

کسی قوم کے لئے یہ مناسب نہیں جن میں ابوبکر ہوں کہ ان کی امامت ابوبکر کے علاوہ کوئی دوسرا کرے۔

تشریح:۔ ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو عیسیٰ بن میمون کی وجہ سے موضوع قرار دیا ہے، لیکن حماد بن سلمہ نے عیسیٰ کی توثیق کی ہے اور یحییٰ مرہ نے کہا ہے لاباس به اس لئے حافظ سیوطیؒ اور بعض دوسرے محققین کے نزدیک یہ حدیث درجۂ حسن سے کم نہیں کیونکہ اس کے شواہد بھی موجود ہیں جیسا کہ اس سے سابقہ باب میں حدیث گزری ہے۔ اس حدیث سے ایک طرف ابوبکرؓ کی افضلیت کل صحابہ کرامؓ پر ثابت ہوئی اور دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوا کہ افضل کی موجودگی میں مفضول یعنی غیر افضل کی امامت مناسب نہیں اگرچہ جائز ہے، خواہ امامت صُغریٰ ہو یا کُبریٰ ہو۔

بابٌ

(ابوبکرؓ کے لئے جنت کے سارے دروازے کھولے جائیں گے)

"عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من اَنفَق زوجین فی سبیل الله نُودِیَ فی الجنة یاعبدَاللّٰه! هذاخیرٌ فمن کان مِنْ اهل الصلٰوة دُعِیَ من باب الصلٰوة ومن

كان مِن اهل الجهاد دُعِيَ مِن باب الجهاد، ومن كان مِن اهل الصدقة دُعِيَ مِن باب الصدقة، ومن كان مِن اهل الصيام دُعِيَ مِن باب الرَّيَّان فقال ابوبكر: بِأَبي انت وأُمّي ماعلىٰ مَن دُعِيَ مِن هذه الابواب مِن ضرورة فهل يُدعىٰ احدٌ مِن تلك الابواب كلها؟ قال نعم وأَرْجُوْ ان تكون منهم". (حسن صحیح)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں دو چیزیں خرچ کریں (جس کو عُرف میں جوڑا کہتے ہیں) وہ جنت میں بُلایا جائے گا (جنت کے دروازوں سے) کہ اے اللہ کے بندے یہ اچھا ہے (یعنی تم اس دروازے سے داخل ہو جاؤ کہ یہ بہت اچھا ہے) پس جو شخص نمازیوں میں سے ہوگا وہ بُلایا جائے گا نماز کے دروازے سے اور جو مجاہدین میں سے ہوگا وہ جہاد کے دروازے سے بُلایا جائے گا اور جو صدقہ دینے والوں میں سے ہوگا وہ خیرات کے دروازے سے پُکارا جائے گا اور جو روزہ داروں میں سے وہ "باب الرَّیان" سے بُلایا جائے گا، پس ابوبکر نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اس شخص کو جو ان دروازوں میں سے کسی بھی دروازے سے بُلایا جائے گا کوئی ضرورت نہیں (کہ اسے دوسرے سے بھی بُلایا جائے) مگر ایسا بھی کوئی ہوگا جو ان سب ہی دروازوں سے بُلایا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" اور مجھے امید ہے کہ آپ ان لوگوں میں سے ہوں گے۔

تشریح:۔ جنت کے دروازے تو آٹھ ہیں لیکن یہاں صرف چار کا ذکر کیا گیا ہے۔ قولہ: "زوجین" جب ایک چیز دوسری چیز سے مل جاتی ہیں تو وہ زوج کہلاتی ہے یہاں مراد دو چیزیں ہیں جیسے دو اونٹ وغیرہ۔ قولہ: "الرَّیَّان" رَیٌّ سے ہے بمعنی سیرابی کے، یعنی اس دروازے سے داخل ہونے کے بعد اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی اگرچہ التذاذ کے طور پر مشروبات پیتا رہے گا، اسی طرح بھوک بھی ختم ہوگی لیکن روزہ میں پیاس زیادہ باعث مشقت ہوتی ہے اس لئے اس دروازے کا نام شبعان نہیں رکھا بلکہ ریّان رکھا یعنی سیراب کرنے والا۔

حضرت ابوبکرؓ کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ جنتیوں میں کوئی ایسا معزز اور جامع شخص بھی ہوگا جس کو سب ہی دروازوں سے بُلایا اور پُکارا جاتا ہو؟ اور جواب واضح ہے جس سے ابوبکر صدیقؓ کا مقام اعلیٰ معلوم ہوتا ہے۔

حدیث عمر بن الخطابؓ:۔ "یقول اَمَرَنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نتصدق

وَوَافَقَ ذالک عندی مالاً، فقلتُ الیوم اَسبِقُ ابابکرانْ سَبَقْتُه یوماً قال فجئتُ بنصفِ مالی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :ماابقَیتَ لِاھلک؟قلتُ مِثلَه واَتیٰ ابوبکربکل ماعنده فقال یاابابکر ماابقیتَ لِاَھلک ؟فقال اَبْقَیتُ لھم اللہَ ورسولَه ،قلتُ لااسبِقه الیٰ شیء ابداً". (حسن صحیح)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا (یعنی جہاد کی تیاری کے موقع پر) اور اتفاق سے میرے پاس مال بھی تھا، تو میں نے (دل میں) کہا کہ اگر ابوبکر سے کسی دن میں بڑھ سکتا ہوں تو آج میں ان سے سبقت لے جاؤں گا، فرماتے ہیں کہ میں اپنا آدھا مال لے کر آیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کتنا چھوڑ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا اس کے جتنا (یعنی آدھا مال لایا اور آدھا چھوڑا) اور ابوبکر لے آئے وہ سارا جو ان کے پاس تھا، آپؐ نے فرمایا اے ابوبکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کتنا چھوڑا ہے؟ وہ کہنے لگے "ابقیت لھم اللہ ورسولہ" میں ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول (کی رضا کو) چھوڑ آیا ہوں، میں (عمر) نے کہا کہ میں ان سے کبھی بھی کسی شئی کی طرف آگے نہیں بڑھ سکوں گا۔

تشریح:۔ یعنی جب آج میں ان سے آگے نہیں ہوسکا باوجودیکہ میرے پاس بہت مال تھا تو پھر میں کبھی بھی ان پر فضائل میں برتری نہیں پاسکتا چہ جائیکہ توکل میں ہو۔

بابٌ

(ابوبکرؓ کی خلافت کا ایک واضح اشارہ)

"ان امرأة اَتَتْ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم فکَلَّمته فی شیء فامرَھا بامر فقالت ارأیتَ یارسول اللّٰه ان لم اَجِدْکَ قال ان لم تجدینی فاتی ابابکر". (صحیح)

ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپؐ سے کسی معاملہ کے بارے میں گفتگو کی (یعنی کسی چیز کا مطالبہ کیا) پس آپؐ نے اس کو کسی بات کا حکم دیا (یعنی تم پھر آجاؤ!) وہ کہنے لگی اے اللہ کے رسول! بتائیں اگر میں آپ کو نہ پاؤں (یعنی میری ملاقات آپ سے نہ ہوسکے؟؟) آپؐ نے فرمایا اگر تم مجھے نہیں پاؤ گی تو ابوبکر کے پاس چلی جاؤ!۔ (یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے اور صدیق اکبرؓ کی خلافت کا واضح اشارہ

(۴)

بابٌ

"عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَ بِسَدِّ الابواب اِلَّابابَ ابی بکر".

(غریب)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسجد کی جانب کھلنے والے) تمام دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔

تشریح:۔ بظاہر یہاں باب سے مراد خوخہ (کھڑکی) ہے اور جہاں تک حضرت علیؓ کے باب کے کھلے رہنے کی اجازت کا تعلق ہے تو اس کا جواب تو گزر گیا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ پہلے ایک بار حکم ہوا تھا کہ سب لوگ اپنے اپنے دروازے بند کردیں چونکہ حضرت علیؓ کے گھر کا دوسرا دروازہ نہیں تھا اس لئے اس کے باقی رکھنے کی اجازت دے دی گئی پھر لوگوں نے کھڑکیاں کھولیں، آپؐ نے مرضِ وفات میں تمام کھڑکیوں کے بند کرنے کا حکم دیا سوائے ابوبکرؓ کے گھر کی کھڑکی کے جو ان کی خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے، کیونکہ امامت کے لئے ان کو اس کھڑکی سے آنا آسان ہوگا۔

بابٌ

(ابوبکرؓ آگ سے آزاد ہیں)

"عن عائشة ان ابابکر دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انت عتیقُ اللہ من النار فیومئذ سُمِّیَ عتیقاً". (غریب)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابوبکر (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا آپ کو اللہ نے آزاد کردیا ہے دوزخ سے، چنانچہ اسی دن سے آپ کا نام عتیق ہوگیا۔

تشریح:۔ اس کے علاوہ بھی وجہ تسمیہ بہ عتیق مروی ہے مثلاً ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "من اراد ان ینظر الیٰ عتیق مِن النار فلینظر الی ابی بکر"۔ بعض میں ہے کہ آپ کو خوبصورتی کی

وجہ سے عتیق کہا جاتا ہے۔ ایک میں ہے کہ یہ نام آپ کی والدہ نے رکھا تھا، ہوسکتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے آپ کا پرانا لقب برقرار رکھا ہو جو لفظوں میں ایک ہے لیکن معنی میں مختلف۔ (تدبر)

بابٌ

(شیخین آپؐ کے خواص تھے)

"عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن نبی اِلّاولہ وزیران من اھل السماء وَوَزیران من اھل الارض فَاَمّاوزیرایَ من اھل السماء فجبریل ومیکائیل واَمّاوزیرایَ من اھل الارض فابوبکروعمر". (حسن غریب)

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نبی نہیں مگر اس کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں، پس آسمان والوں میں سے میرے دونوں وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں جبکہ زمین والوں میں سے میرے دونوں وزیر ابوبکر اور عمر ہیں۔

تشریح: ۔وزیر وزر سے ہے بمعنی بوجھ اٹھانے اور مدد کرنے والے کے ہے پس وزیر بمعنی موازر کے ہے یعنی حامل الوِزر اور یہ وہی شخص ہوسکتا ہے جس سے آدمی مشورہ لیتا ہو اور اس پر اعتماد کرتا ہو۔

حدیث آخر: ۔**"عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینمارجل راکب بقرة اذقالت لم اُخلَقْ لِھذاانماخُلِقتُ لِلحرث فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امنتُ بذالک آناوابوبکروعُمَرُ، قال ابوسلمة ومَاھمافی القوم یومئذٍ". (حسن صحیح)**

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران کہ ایک شخص گائے (بیل) پر سوار تھا تو اس نے کہا مجھے اس (سواری) کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے، بے شک مجھے تو فقط کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا میں اس پر ایمان لایا اور ابوبکر و عمر بھی۔

تشریح: ۔**قولہ: "انماخُلقت للحرث"** یہ قصر اضافی ہے یعنی میرا کام ہل چلانا ہے مال برداری نہیں ہے، بخاری کی روایت میں ہے کہ اس شخص نے اس کو (چابک) مارا تو اس نے یہ بات کی جبکہ مسلم کی روایت میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو صحابہ نے تعجب کیا کہ بیل بھی بولتا ہے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "امنت بذالک الخ" ارشاد فرمایا، اس حدیث سے شیخین کی قوت ایمانی کا اندازہ

باسانی لگایا جاسکتا ہے کہ نبی علیہ السلام ان کی غیر موجودگی میں ان کے ایمان کی خبر دے رہے ہیں لیکن حضرت گنگوہی عام شارحین کی اس شرح سے متفق نظر نہیں آتے چنانچہ وہ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ چونکہ آپ شیخین کا تذکرہ کثرت سے فرماتے تھے تو اس عادت کی وجہ سے آپ نے اس موقعہ پر بھی ان کا تذکرہ فرمایا۔ (تدبر)

مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

"عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اللّٰھم أعِزَّ الاسلام بِأَحَبِّ ھٰذین الرجلین الیک بابی جھل او بعمر بن الخطاب قال و کان احبھما الیہ عمر". (حسن صحیح غریب)

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! اسلام کو عزت (قوت) بخش! ان دو آدمیوں میں سے جو تجھے پسند ہو، ابو جہل سے یا عمر بن خطاب سے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کو ان میں سے عمر پسند تھے۔

تشریح:۔ حضرت عمرؓ کی کنیت ابو حفص ہے جس کے معنی شیر کے ہیں، لقب فاروق ہے کہ آپؓ کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان فرق واضح ہو گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "کان اسلام عمر عِزاً و ھجرتہ نصراً و امارتہ رحمۃً واللہِ مااستطعنا ان نُصَلِّیَ حول البیت ظاھرین حتیٰ اسلم عمر"۔ اور منافق و یہودی کا فیصلہ جو آپؓ کی تلوار سے ہوا تھا وہ بھی مشہور ہے، قریش کی شاخ بنو عدی سے تعلق کی وجہ سے آپ قریشی عدوی ہیں، آپ کی موافقات کی تعداد گیارہ تک پہنچتی ہے عارضۃ الاحوذی میں ہے: "وقد بیّنَّاانہ وافق ربّہ تِلاوۃً ومعنیً فی نحو احد عشر موضعاً"۔

بعض حضرات نے اس سے بھی زیادہ کا قول کیا ہے۔ سنہ ۱۳ھ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دو سال پانچ ماہ کے دورِ خلافت کے بعد خلیفہ بنا دیئے گئے مگر ان کو شہرت امیر المؤمنین کے لقب سے ہوئی، ان کا دور فتوحات، عدل و انصاف اور نظم و نسق کے حوالہ سے ضرب المثل ہے، بائیس لاکھ مربع میل زمین پر آپؓ کی امارت کا جھنڈا کبھی بھی بادِ مخالف کی زد میں نہیں رہا، اس کے باوجود آپؓ کی تواضع اور زہد وللہیت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی، آپؓ کے اسلام قبول کرنے اور شہادت دونوں کے واقعات عجیب و مشہور ہیں۔ ساڑھے دس

سال خلافت کر کے ۲۳ھ میں شہید کر دیئے گئے۔

قولہ:"اوبعمر بن الخطاب" یہ او تنویع کے لئے ہے، شک کے لئے نہیں ہے۔ اس دعا کے اثر سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ سے اللہ تبارک وتعالیٰ محبت کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ سے زیادہ محبت کرتے تھے جیسا کہ مناقب ابی بکر کے اوائل میں حدیث گزری ہے ، پس جو شخص یا جو فرقہ روافض وغیرہ حضرت عمرؓ سے بغض رکھتے ہیں وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں۔

حدیث آخر:۔"عن ابن عمران رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:ان الله جَعَلَ الحقّ علىٰ لسان عمروقلبِه قال وقال ابن عمرمانزل بالناس امرٌ قط فقالوافيه وقال فيه عمر او قال ابن الخطاب فيه شكّ خارجة اِلّانزل فيه القرآن علىٰ نحوماقال عمر".(حسن صحيح غريب)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے عمر کی زبان اور دل پر حق کو جاری کر دیا ہے۔ حضرت نافع نے کہا ابن عمر نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کبھی بھی مگر لوگوں نے اس میں رائے دی اور عمر نے یا فرمایا: ابن الخطاب نے ، خارجہ بن عبداللہ کو (تلفظ میں) شک ہے مگر اس بارے میں قرآن عمرؓ کی رائے کے مطابق اُترا۔

تشریح:۔ حضرت ابن عمرؓ کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ سارے صحابہ سے افضل ہیں حتیٰ کہ ابوبکر صدیقؓ سے بھی افضل ہیں کیونکہ بخاری کی روایت میں ابن عمرؓ سے بتصریح ابوبکرؓ کی افضلیت مروی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا دل قبولیت حق کے لئے اتنا مستعد تھا کہ حق کے نزول سے قبل ہی حضرت عمرؓ کو حق بھانپنے کا ملکہ عطا کیا گیا تھا جو حق وصداقت سے شدت اتصال وشدت قبولیت کی علامت ودلیل ہے۔ اس سے حضرت عمرؓ کی حضرت ابوبکرؓ پر افضلیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ جو لوگ رائے دیتے، ضروری نہیں کہ ان میں حضرت ابوبکرؓ بھی شامل ہوں اور بالفرض کبھی ایسا ہوا ہو جیسے بدری قیدیوں کے بارے میں ہوا تھا تو یہ فضیلت جزوی ہے تو جس طرح اس سے حضرت عمرؓ کی افضلیت نبی علیہ السلام پر ثابت نہیں ہوتی اسی طرح حضرت ابوبکرؓ پر بھی ثابت نہیں ہوئی، آگے مناقب میں بھی اسی ضابطہ کو ملحوظ رکھا جائے۔

بابٌ

"عن ابن عباس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: اللّٰھم أعِزَّ الاسلامَ بابی جھل بن ھشام اوبعمر بن الخطاب قال فاصبح فغدا عمر علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاسلم". (غریب)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یعنی دُعاء کی) اے اللہ! اسلام کو غلبہ عطا فرما ابوجہل بن ہشام سے یا پھر عمر بن خطاب سے (جو بھی تجھے پسند ہو!)۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں پس صبح ہوئی تو عمرؓ صبح کے وقت رسول اللہ کے پاس پہنچے اور اسلام قبول کیا۔

تشریح:۔ یہ روایت اوپر گزری ہے، ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام تھا، چونکہ عام لوگوں کی نفسیات یہ ہے کہ وہ معززین واشراف کے طرزِ عمل وطرزِ زندگی کو پسند کرتے ہیں پس آپؐ نے دعا فرمائی تاکہ عام لوگوں کا میلان بھی اسلام کی طرف پیدا ہو، نیز بہت سے عوام ابوجہل کے خوف سے اسلام قبول نہیں کرسکتے تھے پس جب ابوجہل اسلام قبول کرے گا تو لوگوں کے خوف کا ازالہ ہوجائے گا، اور اگر حضرت عمرؓ اسلام قبول کریں گے تو اس سے ابوجہل کے مظالم کا سدِ باب ہوجائے گا، لیکن ابوجہل ازلی بدبخت تھا اس لئے اللہ نے قبولیت کا یہ تاج حضرت عمرؓ کے سر پر رکھا، حضرت عمرؓ کے اسلام کی قبولیت کے بارے میں جو قصہ مشہور ہے کہ وہ تلوار لے کر نکلے اور راستہ میں بنی زہرہ کا ایک آدمی ملا، اس نے حضرت عمر کو ان کی ہمشیرہ اور بہنوئی سعید بن زید کی خبر دی کہ وہ دونوں مسلمان ہوگئے ہیں۔ جس کی بناء پر حضرت عمر ان کے پاس گئے اور سورۂ طٰہٰ سن کر راغب ہوئے، تو اگرچہ اس پر بعض حضرات نے تحفظات کا اظہار کیا ہے لیکن علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب نے یہ قصہ دارقطنی کے حوالے سے نقل کرکے اس پر سکوت کیا ہے بلکہ اس کی صحت کا عندیہ دیا ہے، نیز وہ واقعہ حدیث الباب کے منافی بھی نہیں کیونکہ قبولیت کا اصل سبب یہی دُعاء ہے۔

بابٌ

"عن جابر بن عبداللّٰہ قال قال عمر لِاَبی بکر: یاخیر الناس بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال ابوبکر اَمَا انک ان قُلتَ ذاک فلقد سمعتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ

وسلم يقول:ماطلعت الشمس على رجل خيرمن عمر". (غريب)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے (پکار کر) کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل! پس ابوبکرؓ نے فرمایا سنو! تم نے یہ بات کی تو میں نے (بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (تیری فضیلت کے بارے میں) سنا ہے، آپؐ نے فرمایا: عمر سے بہتر شخص پر (بعد الانبیاء) سورج طلوع نہیں ہوا ہے۔

تشریح:۔ یہ حدیث اتنی قوی نہیں کیونکہ اس میں عبد الرحمٰن بن اخی محمد مجہول اور عبد اللہ بن داؤد ضعیف ہیں، بصورت صحت اس سے مراد جزوی فضیلت ہے یعنی باعتبار خلافت وعدالت کے کہ ان کا دور امان کا دور ہوگا، یعنی ابوبکرؓ کے بعد جب ان کا دور آئے گا تو ان سے افضل کوئی نہ ہوگا۔

حدیث آخر:۔ "عن محمد بن سيرين قال مَاأظنُّ رجلاً ينتقص ابابكروعمريُحِبُّ النبي صلى الله عليه وسلم". (غريب حسن)

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ وہ ابوبکر وعمر کی تنقیص کرے گا۔

تشریح:۔ رجلاً موصوف اور ینتقص صفت ہے انتقاص سے ہے، بعض نسخوں میں یَنْقُصُ بمعنی تنقیص کے ہے مطلب دونوں کا ایک ہے یعنی عیب جوئی کرنا۔ "يُحِبُّ النبي صلى الله عليه وسلم الخ" صفت ثانیہ ہے رجلاً کی یعنی ایسا شخص نہیں ہوسکتا جو آپؐ سے محبت بھی کرے اور شیخین کی شان میں گستاخی بھی کرے بمعنی معانعۃ الجمع ہے۔

اوپر کی ترکیب کے مطابق ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے: "میں ابوبکر وعمر کی تنقیص کرنے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا نہیں سمجھتا ہوں"۔

بابٌ

"عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لو كان نبيٌّ بعدي لكان عمربن الخطاب". (حسن غريب)

آپؐ نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی بنتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔

تشریح:۔ چونکہ کلمہ "لو" انتفائے ثانی بسبب انتفائے اول کے لئے آتا ہے جیسے "لو كان فيهما آلهة

الاالله لفسدتا "تاہم علامہ تفتازانی "شرح عقائد" میں فرماتے ہیں: "قد یستعمل للاستدلال بانتفاء الجزاء علی انتفاء الشرط...... والآیة من هذا القبیل "۔(ص:۲۸) لہٰذا کہا جائے گا کہ یہاں اصل مقصد ختم نبوت پر استدلال پیش کرنا ہے کہ اگر نبوت ہوتی تو عمرؓ نبی ہوتے اور چونکہ عمر تو نبی نہیں تو نبوت بھی جاری نہیں رہی، حدیث کو اس صورت پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے اگر چہ اس میں بھی حضرت عمرؓ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے لیکن افضلیت علی ابی بکر معلوم نہیں ہوتی کیونکہ کلام میں کوئی ادوات حصر یا حصر کا اشارہ نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ضرور ہوتے۔ باقی لوگوں میں سے بھی کوئی نبی بنایا نہیں بنا؟ اس سے کلام ساکت ہے اور چونکہ یہاں بات ختم نبوت کی ہو رہی ہے اس لئے سکوت، بیان کا قائم مقام نہیں بنے گا۔ واللہ اعلم

بابٌ

"عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رایتُ کَاَنّی اُتِیتُ بقدح لبن فشربتُ منه فاعطیت فضلی عمر بن الخطاب ،فقالوا فما اَوّلته یارسول الله؟ قال "العلم".

(حسن صحیح غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب دیکھا جیسے مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا ہو، میں نے اس سے پیا اور اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دیا، پس صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر نکالی؟ آپؐ نے فرمایا "علم"۔ اس حدیث کی تشریح ابواب الرؤیا میں گزری ہے۔ (تشریحات: ص:۲۱۲ ج:۷)

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (شب معراج یا خواب میں) جنت میں داخل ہوا پس اچانک سونے کے ایک محل کے پاس (سے گزر رہا) تھا، میں نے پوچھا یہ حویلی کس کی ہے؟ فرشتوں نے کہا یہ ایک قریشی جوان کی ہے، میں نے گمان کیا کہ وہ میں ہی ہوں گا، تو میں نے پوچھا وہ (جوان) کون ہے؟ فرشتوں نے کہا عمر بن الخطاب ہیں۔ (حسن صحیح)

بابٌ

حضرت بُریدہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت اٹھے تو بلالؓ

کو بلایا اور پوچھا اے بلال! تم کس عمل کی بناء پر مجھ سے پہلے جنت میں پہنچ گئے؟ میں جب بھی جنت میں داخل ہوا تو تمہارے چلنے کی آواز اپنے آگے آگے سنی! چنانچہ گذشتہ رات (بھی) میں جنت میں گیا تو میں نے اپنے آگے تیرے چلنے کی آواز سنی، پھر میں سونے کے ایک بلند چوکور محل کے پاس آیا، میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا عرب کے ایک شخص کا ہے، میں نے کہا میں عربی ہوں، (بتاؤ) یہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا ایک قریشی شخص کا ہے میں نے کہا میں قریشی ہوں! یہ محل کس کا ہے؟ (بتاؤ)، انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایک شخص کا، میں نے کہا میں محمد ہوں، (بتاؤ) یہ محل کس کا ہے؟ فرشتوں نے کہا عمر بن الخطاب کا۔ پس بلالؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! (میں نے التزام کیا ہے کہ) میں جب بھی اذان دیتا ہوں تو دو رکعت نماز ضرور پڑھتا ہوں اور جب بھی مجھے حدث لاحق ہو جائے تو میں (اسی وقت) فوراً وضو کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے ذمّے اللہ کے لئے دو رکعت نماز (بطورِ شکر) ادا کرنا ہے! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بِهِمَا" انہی دو باتوں کی وجہ سے تو میرے آگے آگے چلتا ہے! یا "بهما" کا مطلب یہ ہے کہ ان دو خصلتوں کو قائم و جاری رکھو۔ (حسن صحیح غریب)

تشریح:۔ چونکہ حضرت بلالؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور خادم تو آگے چلتا ہے گو کہ بعض خدام پیچھے بھی چلتے ہیں، یہاں آپؐ نے حضرت بلالؓ کو طیب خاطر کی غرض سے آگاہ فرمایا اور سامعین کو اس عمل کی ترغیب دینا بھی مقصود تھا، رہا بعض اہلِ بدع کا اس سے استدلال کہ حضرت بلالؓ کے عمل سے بدعت کی صحت معلوم ہوئی کہ آپؐ نے ان کو اس عمل کی قبولیت کی نوید سنائی، تو یہ انتہائی جاہلانہ سوچ پر مبنی اشتباہ ہے کہ اولاً تو کسی صحابی کا عمل بدعت نہیں ہوتا، اور ثانیاً اذان واقامت کے درمیان اور وضو کے بعد نفل پڑھنے کی بہت ساری احادیث پہلے سے موجود تھیں اور حضرت بلالؓ نے انہی فضائل کا اہتمام فرمایا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس دخول سے مراد خواب میں داخل ہونا ہے، تاہم یہ بھی وحی ہے جیسا کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں "رؤیا الانبیاء وحی"۔

بابٌ

(شیطان حضرت عمرؓ سے ڈرتا تھا)

حضرت بُریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے تھے، پھر جب آپؐ واپس لوٹ آئے تو ایک سیاہ (حبشیہ) لڑکی آئی اور کہنے لگی اے اللہ کے رسول! میں نے نذر (منت) مانی

ہے کہ اگر اللہ آپ کو سلامتی کے ساتھ واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دُف بجاؤں گی اور گاؤں گی (پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اگر تو نے منت مانی ہے تو بجالو ورنہ نہیں! چنانچہ وہ بجانے لگی..... اتنے میں ابو بکرؓ آئے اور وہ بجاتی رہی...... پھر علیؓ آئے اور وہ بجاتی رہی....... پھر عثمانؓ آئے اور وہ بجاتی رہی...... پھر عمرؓ آئے تو اس نے دُف کو اپنی سرین کے نیچے رکھ دیا اور اس پر بیٹھ گئی (تا کہ حضرت عمرؓ کو نظر نہ آئے) پس رسول اللہ نے فرمایا: اے عمرؓ! یقیناً شیطان بھی تم سے ڈرتا ہے (تو یہ بچی کیوں نہ ڈرے گی)، میں بیٹھا تھا اور وہ بجاتی رہی پھر ابو بکرؓ آئے اور وہ بجاتی رہی پھر علیؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر عثمانؓ آئے اور وہ بجا رہی تھی مگر جب تم آئے تو اس نے دُف پھینک دی (یعنی چھپالی)۔ (حسن صحیح غریب)

تشریح:۔ بذاتِ خود لہو ولعب کی نذر صحیح نہیں لیکن آپؐ کی بخیریت واپسی نعمت تھی جس پر خوشی جائز تھی۔ دُف اور دیگر موسیقی کے آلات اور غناء کی شرعی حیثیت کی تفصیل تشریحات جلد چہارم ص: ۴۳۴ پر "باب ماجاء فی اعلان النکاح" من ابواب النکاح میں گزری ہے۔ وہاں یہ بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ کبھی مباح عمل استمرار کی وجہ سے اور سماع کی محفل میں شرکاء کی کثرت کی وجہ سے مباح نہیں رہتا، اور مندرجہ بالا حدیث الباب میں بھی کچھ ایسی صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی کہ جب دف بجانے کا عمل نسبتاً طویل ہوگیا اور حضرت عمرؓ کی آمد کی وجہ سے شرکاء کی تعداد بھی بڑھنے لگی تو آپؐ نے اس کی نسبت بالآخر شیطان کی طرف کردی گو کہ شروع میں یہ مباح تھا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہو کہ عمر تیری ہیبت سے شیطان بھی ڈرتا ہے تو یہ بچی کیوں نہ ڈرے گی اس لئے اس نے اپنی دف نیچے چھپالی۔ پہلی صورت میں یعنی اگر اسے شیطانی عمل قرار دیا جائے تو یہ اشکال وارد ہوگا کہ آپؐ نے اس کو شروع سے ہی کیوں نہیں روکا تو اس کا جواب ابن العربیؒ نے دیا ہے تا کہ دُف بجانے کی (مشروط ومحدود) رخصت بھی معلوم ہو جائے اور حضرت عمرؓ کی منقبت بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ نے ان میں ایک خاص تاثیر رکھی ہے، کما سیأتی۔

حدیث آخر:۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے کہ ہم نے شور وغل اور بچوں کی آوازیں سُنیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو اچانک دیکھا کہ ایک حبشیہ (عورت) اُچھلنے کودنے میں مصروف تھی اور اس کے اردگرد بچے تھے، پس آپؐ نے فرمایا: اے عائشہؓ آؤ! اور دیکھو! چنانچہ میں آئی اور میں نے اپنے جبڑے (ٹھوڑی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے پر رکھ دیئے اور آپ کو مونڈھے اور سر کے درمیان سے اس عورت کو دیکھنے لگی، پس آپ نے فرمایا کیا تمہارا جی نہیں بھرا؟

(پھر فرمایا) اَمَاشبعتِ؟ تیرا جی نہیں بھرا؟ میں کہتی رہی کہ نہیں (میرا جواب عورت کو دیکھنے کی خواہش کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا) تاکہ میں آپؐ کے نزدیک اپنی حیثیت ومحبت معلوم کرلوں (کہ آپؐ میری ناز کس حد تک ملحوظ رکھتے ہیں؟) اتنے میں عمرؓ نمودار ہوئے ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ لوگ اس عورت کے پاس سے منتشر ہوگئے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنّی وانسی شیطانوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عمرؓ کے خوف سے بھاگ رہے ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پھر میں لوٹ گئی۔ (حسن صحیح غریب)

تشریح:۔قولہ: "لَغطاً" شور وغل کو کہتے ہیں۔**قولہ:** "تزفن" بہت سے اہلِ علم نے اس کا ترجمہ ناچنے سے کیا ہے حالانکہ اس کے اصل معنی حرکت کے ہیں۔**قولہ:** "ناقة زافنة" اس اونٹنی کے لئے بولا جاتا ہے جو لنگڑاتی ہے، چونکہ یہ عورت باقاعدہ رقّاصہ نہیں تھی اس لئے ہم نے اوپر ترجمہ اُچھلنے کودنے سے کیا ہے۔ **قولہ:** "فارفضّ" اِرفضاض سے بمعنی متفرق ومنتشر ہونے کے ہے، یعنی حضرت عمرؓ کو دیکھ کر لوگ تتر بتر ہوگئے۔

اس حدیث سے ایک طرف یہ معلوم ہوا کہ کچھ دیر کے لئے کھیل کا تماشا دیکھنا جائز ہے۔دوسری جانب یہ معلوم ہوا ایسی محفلوں میں کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہوتی ہے ورنہ وہاں شیطان کیوں آتے؟ نیز حضرت عمرؓ کی بڑی منقبت بھی معلوم ہوئی تو جس طرح کسی گھر میں گھوڑے کی موجودگی کی وجہ سے اس گھر میں شیاطین الجن نہیں آسکتے ہیں اسی طرح جہاں عمرؓ ہوتے یا جہاں سے گزرتے تو وہاں سے شیاطین غائب ہوجاتے شاید یہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں گھوڑوں کی کثرت اور فتوحات میں شاندار کامیابیوں کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح میدانِ جنگ میں جہادی گھوڑے آگے بڑھتے رہتے ہیں اور شیاطین الجن والانس بھاگتے رہتے ہیں اسی طرح حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں گھوڑوں کی فراوانی ہوگئی جیسا کہ سائمہ گھوڑوں کی زکوٰۃ میں گزرا ہے اور پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔شیاطین الجن ومردۃ الانس بھاگتے چلے گئے یہاں تک کہ اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر انسانی سیلاب کی شکل میں چاروں طرف پھیلتا گیا تا آنکہ حضرت عمرؓ شہید ہوگئے رضی اللہ عنہ۔

پھر اس کھیل میں شیاطین کے اجتماع سے اس کھیل کی حرمت پر استدلال صحیح نہیں ورنہ نبی علیہ السلام اس کو دیکھتے بلکہ یہ اس لئے جمع ہوتے تھے تاکہ لوگوں کو مزید ایسے کھیل میں مبتلا کردیں جو حرام ہو یا اسی کھیل کو مزید طول دے دیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ العرف الشذی میں فرماتے ہیں:**قولہ:** "فاذاحبشية تزفن والصبيان الخ

فی ظنی ان هذا وهمٌ فان اللاعبین کانوا الحبشة لا نسوالهم کما فی الصحیحین" یعنی ترمذی کی روایت میں حبشی عورت کا ذکر راوی کا وہم ہے دراصل یہ حبشی مرد تھے جو کھیل رہے تھے۔علیٰ ہذا اس روایت کو صحیحین کی روایت کے تناظر میں دیکھنا چاہئے پس اس سے ناچنا ثابت نہ ہوا۔

بابٌ

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پہلا شخص ہوں جس سے (قیامت کے دن) زمین (قبر) کھلے گی، پھر ابوبکر کی اور پھر عمر کی، پھر میں بقیع (قبرستان) والوں کے پاس آؤں گا تو وہ میرے ساتھ جمع کر دیئے جائیں گے، پھر میں مکہ والوں کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ میں (ان کے ساتھ) حرمین (مکہ ومدینہ) کے درمیان جمع کیا جاؤں گا۔(حسن غریب)

تشریح:۔ یہ حشر کی بالکل ابتدائی صورت ہے اس کے بعد میدانِ محشر (شام) میں پہنچ کر جنتیوں کے درجات الگ الگ ہوں گے جیسا کہ جنت میں بھی متفاوت ہوں گے۔

بابٌ

(حضرت عمرؓ مُحدَّث تھے)

"عن عائشةؓ قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد کان یکون فی الامم مُحَدَّثُونَ فان یکن فی امتی احد فعمر بن الخطاب".(حسن صحیح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پچھلی امتوں میں محدّث ہوا کرتے تھے پس میری امت میں اگر کوئی محدّث ہے تو عمر بن خطاب ہیں۔

تشریح:۔ مُحدَّث بتشدیدِ دال مفتوحہ یعنی بصیغہ اسم مفعول، وہ شخص جس کو الہام ہوتا ہے اور کبھی کبھار آواز بھی سُنائی دیتی ہے۔ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقام قلب کی صفائی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے جس سے لوحِ محفوظ پر اطلاع حاصل ہو جاتی ہے تو یہ بات صحیح نہیں کیونکہ پھر تو آدمی (صافی القلب) کو ہر چیز سے باخبر ہونا چاہئے تھا بلکہ دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ صاف قلب میں فرشتے کے القاء کی وساطت سے الفاظ پیدا کرتا ہے، جیسا کہ شیطان کاہن کے دل میں القاء کرتا ہے اور کبھی وہ الفاظ سُنے بھی جاتے

ہیں جیسے حضرت عمرؓ نے ساریہ ؓ کو پہاڑ کی طرف سے خطرے کی اطلاع دی اور حضرت ساریہؓ نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی، "وهذا منزلة عظيمة و كرامة ظاهرة"۔ تاہم اگر الہام حکم شرع کے خلاف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں اور ویسے بھی یہ مفید للیقین نہیں جیسا کہ شرح عقائد میں ہے۔

بابٌ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تم پر جنتیوں میں سے ایک شخص نمودار ہوگا، پس ابوبکر نمودار ہوئے، پھر آپؐ نے فرمایا: "يطلع عليكم رجل من اهل الجنة فاطلع عمر" نمودار ہوگا تم پر ایک شخص جنت والوں میں سے، چنانچہ عمر نمودار ہوئے۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دوران کہ ایک آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ اتنے میں ایک بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو پکڑ لیا پس بکری کا مالک آیا اور بکری کو بھیڑیے سے چھڑا لیا تو بھیڑیے نے کہا: "كيف تصنعُ بها يوم السبُع يوم لا راعِيَ لها غيري؟" تم ان بکریوں کا درندوں کے زمانہ میں کیا (تحفظ) کرو گے جبکہ میرے علاوہ ان کا کوئی چرواہا نہیں ہوگا؟ (اس واقعہ پر صحابہؓ نے تعجب کیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فآمنتُ بذالك اَنَا و ابوبكر و عمر" ابوسلمہ کہتے ہیں کہ اس وقت وہ دونوں حاضر مجلس نہیں تھے (لیکن اس کے باوجود آپؐ نے فرمایا میں اس پر ایمان لایا اور ابوبکر وعمر)۔

تشریح:۔ قوله: "يو م السبُع" بروزن عضُد درندوں کے دن سے مراد فتنوں کا دور اور زمانہ ہے یعنی آج تو مجھ سے تم نے یہ بکری چھڑا لی لیکن جب ایسے فتنوں کا ہجوم ہوگا کہ لوگ اپنے جانور بھول جائیں گے تو اس کو کون چھڑائے گا؟ اور "لا راعي لها غيري" کہ جب میرے سوا کوئی ان کا چرواہا نہیں ہوگا، کا مطلب یہ ہے کہ ان بکریوں اور درندوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی بس یہ ہوں گی اور ہم ہوں گے، تاہم ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ سَبع باء کے سکون کے ساتھ ہے بروزن عبد، مراد اس سے فتنے بھی ہو سکتے ہیں اور قیامت کی شروعات بھی۔ کذا فی العارضۃ۔

حدیث قتادةؒ:۔ "ان انس بن مالك حدثهم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صعد اُحُد وابوبكر وعمر وعثمان فرجف بهم فقال نبي الله صلى الله عليه وسلم اُثبت اُحد

فانما علیک نبی و صدیق و شهیدان". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور (ان کے ساتھ) ابوبکر وعمر اور عثمان (بھی تھے) پس احد لرزنے لگا پس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُحد! تھم جا! تیرے اوپر ایک عظیم نبی ہیں اور صدیق اور دو شہید ہیں۔

تشریح:۔ نبی اور صدیق کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ اُحد کا ہلنا ان حضرات کی تعظیم کے طور پر تھا اور یہ کوئی معمول کا زلزلہ نہ تھا بلکہ ایک معجزانہ جنبش تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و صعود کی وجہ سے اللہ نے پیدا فرمائی اور حضرت صدیق اور دو شہیدوں کی کرامت تھی۔

اگلی روایت میں حراء کے صخرہ کا بھی ذکر ہے ابن العربیؒ عارضہ میں فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دونوں جگہوں میں پیش آیا ہے اور آپ کا اس کو سکون کا حکم دینا ان حضرات صحابہ کرامؓ کی عظمت کو اُجاگر کرنے کے لئے تھا۔

مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان ذوالنورین تیسرے خلیفہ راشد ہیں، اغنیاء صحابہ کرامؓ میں سرفہرست ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں میں بھی سب سے اوّل ہیں، جامع القرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے شوہر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا نکاح بھی عثمان سے کرتا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: "وله كنيتان....... ابو عمرو..... و ابو عبد الله" ابوعمرو جاہلی کنیت تھی، صاحب ہجرتین حبشہ و مدینہ ہیں، السابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے داماد ہونے کا ڈبل شرف حاصل کرنے کی وجہ سے آپؓ کا لقب ذوالنورین ہے، ۲۳ھ میں خلیفہ بنادیئے گئے اور بارہ سال کے بعد دس ذوالحجہ کو شہید کردیئے گئے۔ رضی اللہ عنہ

حافظ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ آپؓ کی پیدائش واقعہ فیل کے چھٹے سال کی ہے اور حضرت ابوبکر کی دعوت پر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف القرشی الاموی کے مناقب بہت زیادہ ہیں، تاہم عبداللہ بن سوداالیہودی نے ان کے خلاف سازش کرکے تحت پروپیگنڈا کیا اور کچھ اعتراضات بنا کر لوگوں کو مشتعل کیا اور کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ سے چار ہزار

کا لشکر لاکر حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا جس کی تفصیل تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے، ابن العربیؒ نے عارضہ میں لکھا ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں چالیس ہزار لوگ تھے، سب آپؓ کے ساتھ تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے مدینۃ الرسول میں لڑائی سے بچنے کے لئے مظلومیت کو ترجیح دے کر جام شہادت نوش فرمایا کہ آپؐ نے شہادت کی خوشخبری سُنائی تھی، عارضۃ الاحوذی میں ان پر کئے جانے والے تمام اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں، فمن شاء الاطلاع فلیراجع۔

"عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان على حِراء هو وابوبكر وعمر وعثمان وعلى وطلحه والزبير فتحرّكت الصخرة فقال النبى صلى الله عليه وسلم: اِهْدَأْ فماعليك اِلّانبى اوصديق اوشهيد". (صحيح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حراء کی چٹان پر تھے، آپؐ اور ابو بکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ اور زبیر، پس چٹان ہلی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھم جا! تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید ہی ہیں۔

تشریح:۔قوله: "اِهْدَأْ" ای اُسکن۔قوله: "اوصديق اوشهيد" او شک کے لئے نہیں بلکہ تنویع کے لئے ہے یا پھر بمعنی واؤ کے ہے۔ پھر یہ سب مشہود لھم بالشھادۃ شہید ہوگئے، حدیث کی باقی تشریح سابقہ باب کی آخری حدیث میں گزری ہے۔

بابٌ

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لكل نبى رفيق، ورفيقى يعنى فى الجنة عثمان"۔ (غریب منقطع)

ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق یعنی جنت میں عثمان ہیں۔

تشریح:۔قوله: "يعنى فى الجنة" راوی کی تفسیر ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ مرفوع حدیث کا حصہ ہو۔ اس حدیث سے حضرت عثمانؓ کی نمایاں فضیلت ثابت ہوئی اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت سارے رفقاء ہیں اور بتصریح ترمذی یہ حدیث منقطع بھی ہے۔

بابٌ

حضرت عبدالرحمٰن السلمی کہتے ہیں کہ جب عثمانؓ (کے گھر) کا محاصرہ کیا گیا تو آپؓ نے گھر کے اوپر (چھت) سے جھانک کر کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ حراء جس وقت ہلا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ٹھہر جا حراء! تیرے اوپر نبی ہیں، صدیق ہیں اور شہید ہیں! بلوائیوں نے کہا "ہاں" (یعنی ہمیں اس کا پتہ ہے)۔ آپؓ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں (کہ تم بتاؤ!) کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فی جیش العُسرة مَن ینفق نفقة متقبلة؟" تنگی کے لشکر (غزوۂ تبوک کی تیاری) کے موقعہ پر کہ کون قبول شدہ صدقہ دے گا؟ جبکہ لوگ جہد و مشقت اور فقر و فاقہ کا شکار تھے تو میں نے اس لشکر کے سامانِ سفر کا انتظام کیا؟ بلوائیوں نے جواب دیا "جی ہاں" (یعنی یہ بھی معلوم ہے)، آپؓ نے پھر فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں (کہ تم سچ بولو!) کیا تم جانتے ہو کہ بیر رومہ سے کوئی شخص قیمت ادا کئے بغیر پانی نہیں پی سکتا تھا، تو میں نے اسے خرید کر اس کو مالدار، فقیر اور مسافر کے لئے وقف کر دیا تھا؟ بلوائیوں نے کہا "اللّٰھم نعم" بخدا ہم جانتے ہیں۔ (حسن صحیح غریب)

تشریح:۔ قولہ: "جیش العُسرة" اس سے مراد غزوۂ تبوک پر جانے والا لشکر ہے چونکہ غزوۂ تبوک پھلوں کے پکنے اور نئی فصل کی آمد کے وقت پیش آیا تھا اور ایسے وقت میں سابقہ غلّے کا اسٹاک ختم ہو چکا ہوتا ہے، موسم گرم ہوتا ہے اور پھل و فصل کو چھوڑ کر سفر پر جانا ناپسندیدہ ہوتا ہے اس لئے اس غزوہ کا نام جیش العُسرہ رکھا گیا چنانچہ "والناس مجهدون معسرون" کا یہی مطلب ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس لشکر کے لئے کتنا انتظام کیا تھا یہ اگلی روایت میں آ رہا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن عبدالرحمن بن خَبّاب قال شهدتُ النبی صلی الله علیه وسلم وهو یَحُث علیٰ جیش العسرة فقام عثمان بن عفان فقال یارسول الله! عَلَیَّ مائة بعیر بأحلابها وأقتابها فی سبیل الله ثم حَضّ علی الجیش فقام عثمان فقال یارسول الله! عَلَیَّ مائتا بعیر باحلاسها واقتابها فی سبیل الله ثم حضّ علی الجیش فقام عثمان فقال عَلَیَّ ثلاث مائة بعیر باحلاسها واقتابها فی سبیل الله فانا رأیت رسول الله ینزل عَنِ المنبر وهو یقول: ما علی عثمان مَا عَمِلَ بعد هذه، ما علی عثمان ما عمل بعد هذه". (غریب)

حضرت عبدالرحمٰن بن خبابؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جبکہ آپؐ جیش العسرۃ کے لئے تیاری کے انتظام کی ترغیب دے رہے تھے، پس عثمان بن عفانؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے ذمے ٹاٹوں اور کجاوں سمیت سو (۱۰۰) اونٹ ہوئے، آپؐ نے پھر لشکر کو تیار کرنے پر زور دیا، تو عثمان پھر کھڑے ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول! میرے ذمے ٹاٹوں اور پالانوں سمیت دوسو (۲۰۰) اونٹ ہیں (مزید) اللہ کی راہ میں، آپؐ نے پھر لشکر کی تیاری کی ترغیب دی تو عثمانؓ کھڑے ہوئے اور کہا میرے ذمے (مزید) تین سو (۳۰۰) اونٹ ٹاٹوں اور کجاوں کے ساتھ ہیں اللہ کی راہ میں، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر سے اُترتے ہوئے دیکھا کہ آپؐ فرما رہے تھے "**ماعلیٰ عثمان ماعمل بعد ھذہ**" اس کے بعد عثمان پر کوئی (گناہ) نہیں خواہ وہ کچھ بھی کریں۔

تشریح:۔قولہ: "ماعلیٰ عثمان ماعمل بعدھذہ" اسی طرح اگلی روایت میں ہے "**ماضرّ عثمان ماعمل بعدالیوم**" آپؐ نے یہ ارشاد دومرتبہ فرمایا، اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو سورۃ ممتحنہ کی پہلی حدیث میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے حوالہ سے اس جملہ کے تحت بیان ہوا ہے "**لعل اللہ اطلع علیٰ اھل بدر فقال اعملو اماشئتم فقدغفرتُ لکم**"۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان کی اس نیکی سے ان کی زندگی بھر کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے لہٰذا اگر وہ آئندہ کوئی گناہ کریں بھی (بالفرض) تو اس پر کچھ مؤاخذہ نہیں ہوگا کہ اس نیکی نے ان کو پہلے سے مٹادیا۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد عثمان پر مزید تبرعات کا کوئی بوجھ نہیں رہا۔ بلاشبہ حضرت عثمانؓ کا اِنفاق فی سبیل اللہ ایک بڑا کارنامہ ہے اور یہ خوبی ان کی دائمی تھی، ہر مشکل وقت میں انہوں نے مسلمانوں کی تنگی دور کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی کئی مثالیں ہیں تاہم غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آپؓ نے کتنے اونٹ دیئے ہیں تو اس پر اتفاق ہے کہ سینکڑوں کی تعداد میں دیئے البتہ صحیح تعداد معلوم کرنا مشکل ہے کیونکہ اس بارے میں روایات میں کچھ تعارض پایا جاتا ہے۔

اگلی روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہزار دینار لائے، حسن بن واقع راوی کہتے ہیں کہ میری کتاب میں ایک جگہ "**فی کُمّہٖ**" ہے یعنی اپنی آستین (کی جیب) میں لائے۔ جب وہ جیش العُسرۃ کو بھیجنے کا سامان تیار کر رہے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دینار اپنی گود میں پھیلا دیئے

عبدالرحمن بن سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ ان کو اپنی گود (دامن) میں پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے: "ماضرّ عثمان ماعمل بعدالیوم مرتین" یعنی آپؐ نے یہ بات دو مرتبہ ارشاد فرمائی۔ (حسن غریب)

حدیث آخر: "عن انس بن مالک قال لمّاامررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببیعة الرضوان کان عثمان بن عفان رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اهل مکة قال فبایع الناسَ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان عثمان فی حاجة اللہ وحاجة رسوله فضرب باحدی یدیه علی الاُخری؛ فکانت یدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعثمان خیراً من ایدیهم لِاَنْفُسِهِمْ". (حسن صحیح غریب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعۃ الرضوان کا حکم دیا...... عثمان بن عفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مکہ والوں کی طرف قاصد تھے پس لوگوں سے آپؐ نے بیعت لی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان اللہ کے کام سے گئے ہیں اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہیں ، پس آپؐ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا (اور بیعت کی) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ حضرت عثمان کے لئے بنسبت لوگوں کے ہاتھوں کے اپنے لئے بہتر تھا۔

تشریح: ۶ھ میں جب حدیبیہ کا مشہور واقعہ پیش آیا تھا، یہ بیعت اس موقعہ پر ہوئی تھی جس کی تفصیل مغازی و سیر میں دیکھی جاسکتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت مکہ فتح نہیں ہوا تھا، آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو حدیبیہ سے مکہ بھیجا تا کہ اہلِ مکہ پر واضح کر دیا جائے کہ ہم لوگ صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لیکن اہلِ مکہ نے طواف و عمرہ کی اجازت نہیں دی، دوسری طرف یہ افواہ اُڑگئی کہ مکہ والوں نے عثمانؓ کو شہید کر دیا، چنانچہ آپؐ ببول کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے بیعت علی القتال لی مگر پھر صلح ہوگئی اور جنگ ٹل گئی۔

حدیث آخر: ثمامہ بن حزن القشیری فرماتے ہیں کہ میں (حضرت عثمان کے) گھر پر حاضر ہوا جب عثمانؓ نے گھر کے اوپر جھانکا تھا، چنانچہ آپؓ نے فرمایا اپنے ان دونوں ساتھیوں کو میرے سامنے لاؤ جنہوں نے تم کو میرے خلاف یکجا کیا ہے، چنانچہ وہ دونوں لائے گئے گویا وہ دو اونٹ تھے یا کہا کہ دو گدھے تھے (یعنی سیرت و صورت سے انسان نہیں لگ رہے تھے) پس حضرت عثمانؓ نے گھر کے اوپر سے لوگوں کو جھانک

کر کہا: میں تمہیں اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں (کہ سچ بولو گے) کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے اور یہاں پر بیر رُومہ کے علاوہ کوئی میٹھا پانی پینے کو نہیں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ جو بیر رومہ خرید لے، پھر اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ (مساوی) کر دے (یعنی وقف کر کے پانی بھرنے کی کھلے عام اجازت دے) اس سے بہتر صلہ کے عوض جو اس کو جنت میں دیا جائے گا، تو میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خریدا جبکہ تم آج مجھے اس کا پانی پینے سے روکتے ہو! یہاں تک کہ میں سمندر کا (کھارا) پانی پی رہا ہوں! انہوں نے کہا "اللّٰھم نعم" حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں تمہیں خدا کا اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب مسجد (نبوی) لوگوں پر تنگ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو خرید ے فلاں خاندان کی زمین، اور اسے مسجد میں شامل کر کے (مسجد کو) کشادہ کرے اس سے بہتر صلہ کے عوض جو اسے جنت میں ملے گا؟ پس میں نے اپنے ذاتی مال سے خریدا، اور آج تم لوگ مجھے اس میں دوگانہ پڑھنے سے روکتے ہو! "قالوا اللّٰھم نعم"، آپؓ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں نے جیش العسرۃ کی رخصتی کا سامان کیا تھا؟ "قالوا اللّٰھم نعم" آپؓ نے پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں کہ (بتاؤ) کیا تم جانتے ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ثبیر (نامی پہاڑ) پر تھے اور آپ کے ساتھ ابوبکر وعمر تھے اور میں تھا، تو پہاڑ ہلنے لگا یہاں تک کہ اس کے کچھ پتھر کھائی میں گر گئے تو آپؐ نے اس کو لات ماری اور فرمایا ثبیر ٹھہر ا رہ! کہ تیرے اوپر صرف نبی، صدیق اور دو شہید ہی تو ہیں "قالوا اللّٰھم نعم"۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا "اللہ اکبر شھدوا لی وربِ الکعبۃ انی شھید ثلاثاً" اللہ اکبر! انہوں نے میرے لئے گواہی دی، رب کعبہ کی قسم ہے! میں شہید ہوں، تین مرتبہ فرمایا۔

قولہ: "الحضیض" بروزن امیر، پہاڑ کا دامن اور ڈھلان یعنی نشیبی حصہ، یہ روایت بعض طرق میں مزید اضافہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی الاشعث الصنعانی ان خُطباء قامت بالشام وفیھم رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقام آخرھم رجل یقال لہ مُرّۃ بن کعب فقال لولاحدیث سمعتُہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماقُمتُ وذکَرَ الفتنَ فقرّبھافمَرَّ رجلٌ مُقنّعٌ فی ثوب فقال: ھذایومئذٍ علی الھُدیٰ فقمتُ الیہ فاذاھو عثمان بن عفان فاقبلتُ الیہ بوجھہ فقلتُ ھذا؟ قال نعم". (حسن صحیح)

حضرت ابوالاشعث صنعانی " فرماتے ہیں کہ شام کے ملک میں بہت سے خطیب (شہادت عثمان کے بعد) کھڑے ہوئے (یعنی انہوں نے باری باری خطاب کیا)، ان میں کچھ صحابہ کرامؓ بھی تھے، ان کے آخر میں ایک شخص (خطبہ کے لئے) کھڑا ہوا جسے مُرّہ بن کعب کہا جاتا ہے، حضرت مرہ بن کعبؓ نے فرمایا کہ اگر میں ایک حدیث (جو آرہی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سُن چکا ہوتا تو میں تقریر کرنے کھڑا نہ ہوتا، (وہ حدیث یہ ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا تذکرہ فرمایا اور ان کو نزدیک کیا (یعنی فرمایا کہ یہ فتنے بہت جلد رونما ہوں گے)، چنانچہ (اس دوران وہاں سے) ایک شخص کپڑا منہ پر ڈالے ہوئے گزرے، آپؐ نے فرمایا یہ شخص اس وقت ہدایت پر ہوگا، (حضرت مُرّہؓ کہتے ہیں کہ) میں اس شخص کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ عثمانؓ تھے، پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا یہ شخص ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔

بابٌ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یا عثمان انه لَعَلَّ الله يُقَمِّصُكَ قميصاً فان ارادوكَ على خَلْعِه فلا تَخْلَعه لهم......... وفي الحديث قصة طويلة "۔ (حسن غریب)

اے عثمان! امید رکھو کہ اللہ تجھے ایک قمیص پہنائے گا پس اگر لوگ اس کو اتارنے کا مطالبہ تم سے کریں تو تم اس کو ہرگز نہ اتارنا۔

تشریح:۔ اس قمیص سے مراد بظاہر خلافت کی ذمہ داری ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بعض اعتراضات اور بلوائیوں کے مطالبہ کے باوجود استعفیٰ نہیں دیا تا آنکہ شہید ہوئے۔ امام ترمذیؒ نے جس قصہ طویلہ کا حوالہ دیا ہے اس کا تعین تو مشکل ہے البتہ حضرت عثمانؓ کے مناقب کی آخری حدیث جو اگلے صفحہ پر ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم عهد اِلَيَّ عهداً " الخ۔ یہ روایت مسند احمد میں نسبتاً مفصل ہے، شاید یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم

بابٌ

"عن ابن عمر قال كُنّا نقول ورسول الله صلى الله عليه وسلم حَيٌّ: ابوبكر وعمر

وعثمان". (حسن صحیح غریب)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات تھے اور ہم لوگ کہا کرتے تھے ابو بکر اور عمر اور عثمان۔

یعنی خلفاء کی یہ ترتیب بہت پرانی ہے حتیٰ کہ ہم لوگ نبی علیہ السلام کی حیات طیبہ میں بھی ان حضرات کا تذکرہ سب سے پہلے اور اسی ترتیب سے کیا کرتے تھے۔

اس حدیث سے حضرت عثمانؓ کی حضرت علیؓ سے افضلیت معلوم ہوئی اور یہی جمہور کی رائے ہے البتہ اگر کوئی حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل سمجھے تو وہ مبتدع نہیں کہلائے گا اگرچہ اس کی رائے کو رد کیا جائے گا۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمر قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتنۃ فقال: یُقْتَلُ ھذا فیھا مظلوماً لِعثمان". (حسن غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا تو حضرت عثمانؓ کے بارے میں فرمایا یہ اس فتنہ میں مظلوم قتل کیا جائے گا۔

بابٌ

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب سے روایت ہے کہ ایک مصری آدمی نے بیت اللہ کا حج کیا تو اس نے کچھ لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھا، اس نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا قریش ہیں، اس نے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ حضرت عبداللہ بن عمر ہیں، چنانچہ وہ ان کے پاس آیا اور کہا میں آپ سے ایک چیز کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں "اَنشُدک بحرمۃ ھذا البیت؟" اس گھر کی حرمت کا واسطہ تمہیں دیتا ہوں کہ مجھے جواب دو گے! قال: "اَتعلم ان عثمان فَرّ یوم اُحُد؟" کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ جنگ احد میں بھاگ گئے تھے؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "ہاں" قال: "اتعلم اَنّہ تغیّب عن بیعۃ الرضوان فلم یشھدھا؟" کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت الرضوان سے غائب رہے تھے اس لئے بیعت میں شریک نہ ہوئے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا "ہاں" اس نے تیسرا سوال پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان بدر سے بھی غائب تھے اور اس میں شریک نہیں رہے تھے؟ قال "نعم" فقال "اللہ اکبر!" اس شخص نے خوشی میں تکبیر کا نعرہ لگایا، پس

ابن عمرؓ نے اس سے کہا آؤ! تاکہ میں تیرے اعتراضات کی وجوہات تجھے بتاؤں! جہاں تک جنگ احد سے عثمان
کے بھاگنے کا سوال ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ نے ان کو معاف فرمایا ہے (کیونکہ اللہ نے احد کے
موقع کے بارے میں معاف فرمایا ہے "ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم") رہا ان کا جنگ بدر سے
غیر حاضر رہنا تو چونکہ ان کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھی (اور وہ بیمار تھی) لہٰذا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا (کہ تم گھر ہی پر رہو تاکہ ان کی تیمارداری کرو اور) تمہارے لئے بدری
صحابی کا سا اجر اور اس کے برابر حصہ ہے گا۔ اور رہی بیعت الرضوان سے ان کی غیر حاضری تو اگر بطن مکہ (وادی مکہ)
میں کوئی شخص عثمان سے زیادہ معزز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو بھیجتے (کیونکہ صلح معززین کے ذریعہ ہی
ہو سکتی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کو مکہ بھیجا جبکہ بیعت الرضوان عثمان کے مکہ جانے کے بعد ہوئی
تھی ابن عمرؓ نے فرمایا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے "وضرب
بھا علی یدہ" اور اس کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا "ھذہ لعثمان" یہ (بیعت) ہوئی عثمان کی طرف سے
"قال لہ اذھب بھذا الآن معک!" اب یہ باتیں اپنے ساتھ لے کر جاؤ! (حسن صحیح)

تشریح:۔ چونکہ مصر میں عبداللہ بن سبا (ابن سوداء) کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ
حضرت عثمانؓ کے متعلق بدظنیوں کا شکار ہو گئے اس لئے یہ مصری شخص انہی لوگوں میں سے ہونے کی وجہ سے ابن
عمرؓ کے سامنے وہ اعتراضات دہرانے لگا تاکہ حضرت عثمان کی شان کم کر سکے، جب ابن عمرؓ اس کے مقصد کو سمجھ
گئے تو ان اعتراضات کے جوابات میں ایک ایک کر کے اسباب بتا دیئے اور پھر فرمایا کہ یہ اپنے ساتھ لے جاؤ
(یعنی مصر)۔ جنگ بدر کے وقت حضرت رقیہؓ علیل تھی نبی علیہ السلام نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ حضرت اسامہ
کو بھی ان کی تیمارداری پر مقرر فرمایا تھا پھر جب بدر کی فتح کی خوشخبری دی گئی تو حضرت رقیہ کی وفات ۲۲
سال کی عمر میں ہوئی۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام نے حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا۔

بابٌ

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپؐ اس کی
نماز پڑھائیں لیکن آپؐ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھایا پس عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! ہم نے اس سے پہلے
آپ کو نہیں دیکھا کہ آپؐ نے کسی کی نماز جنازہ چھوڑی ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا تھا اس

لئے اللہ نے اس کو ناپسند کیا۔ (غریب) "ومحمد بن زیاد ضعیف جداً "۔ امام ترمذیؒ نے وضاحت فرمائی کہ محمد بن زیاد جو ابوھریرہؓ کے شاگرد ہیں وہ ثقہ ہیں جبکہ باب کی روایت دوسرے محمد بن زیاد سے مروی ہے جو کہ ضعیف ہیں۔

بابٌ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا، چنانچہ آپؐ انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے وہاں حاجت سے فراغت فرمائی، اور مجھ سے فرمانے لگے: اے ابوموسیٰ! دروازے پر رہو! تاکہ میرے پاس میری اجازت کے بغیر کوئی داخل نہ ہونے پائے، چنانچہ ایک شخص آیا اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا ابوبکر! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ ابوبکر آئے ہیں اور (اندر آنے کی) اجازت چاہتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ان کو اجازت دو اور جنت کی خوشخبری ان کو سُناؤ! پس وہ داخل ہوئے۔ ایک اور آدمی آیا، اس نے دروازے پر دستک دی، میں نے کہا کون؟ اس نے کہا عمر، تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ عمر آئے ہیں اور اجازت مانگ رہے ہیں، آپؐ نے فرمایا ان کے لئے دروازہ کھولو اور ان کو بھی جنت کی نوید سُناؤ! چنانچہ میں نے دروازہ کھولا وہ اندر آئے اور میں نے ان کو بھی جنت کی خوشخبری دی، پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا عثمان، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ عثمان ہیں اجازت طلب کررہے ہیں، آپؐ نے فرمایا اس کے لئے دروازہ کھول اور اسے جنت کی خوشخبری دو ایک مصیبت کے ساتھ جو ان کو پہنچے گی۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ "عن قیس ثنی ابوسھلة قال قال لی عثمان یوم الدار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدعھد الیّٰ عھداً فانا صابر علیہ". (حسن صحیح)

حضرت عثمانؓ نے گھر کے محاصرہ کے وقت فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک بات کا عہد لیا ہے پس میں اس پر صبر کرنے والا ہوں۔

تشریح:۔ اس عہد سے مراد قمیص والا عہد ہے جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

مناقب علی بن ابی طالبؓ

یقال وله کنیتان ابوتراب وابوالحسن.

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور سابقہ تینوں خلفاء کے بعد سارے صحابہ سے افضل ہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھی ہیں اور داماد بھی۔ آپؓ عثمانؓ کی شہادت کے بعد متفقہ طور پر خلیفہ بنا گئے تھے تاہم جہاں تک ان کی حضرت معاویہؓ یا حضرت عائشہؓ سے اختلافات اور جنگ وجدال کا تعلق ہے تو وہ خلافت کی بناء پر نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں ایک اجتہادی مسئلہ تھا، حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ حالاً باغیوں کی تعداد زیادہ ہے اس لئے قصاص میں مشکلات بڑھ سکتی ہیں جبکہ دوسرا فریق فوری قصاص لینے پر مُصر تھا۔

حضرت علیؓ بعثت سے دس سال قبل پیدا ہوئے اور ۴۰ھ میں شہید کر دیے گئے، عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی نے آپ کو شہید کر دیا تھا جبکہ مدتِ خلافت میں پانچ سال گزرے تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت علیؓ کے مناقب بلاشبہ بہت زیادہ ہیں لیکن بہت سارے فضائل بے سند بھی ہیں، اس کی ایک وجہ تو روافض کی منطق ہے جو اپنے مقصد کے لئے جھوٹ بولنا بھی عبادت سمجھتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ عباسیہ کے دورِ خلافت میں دربار میں بلندی اور قرب حاصل کرنے کی غرض سے اہلِ بیت کے متعلق موضوع احادیث بنانے کا ایک رواج سا ہو گیا تھا اس لئے اہلِ بیت کے فضائل بیان کرتے وقت ان دونوں نکتوں کو سامنے رکھنا لازمی ہے۔

"عن عمران بن حُصین قال بَعَث رسول الله صلى الله عليه وسلم جيشاًالخ".

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر حضرت علیؓ کو عامل (کمانڈر) مقرر کیا چنانچہ وہ اس لشکر میں چلے گئے "فَاَصَابَ جاریةً" پس حضرت علیؓ نے ایک باندی (مالِ غنیمت میں سے) لی (یا مطلب یہ ہے کہ اس سے مجامعت کی) پس لوگوں نے اسے بُرا جانا، چار صحابہ نے باہم طے کیا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں گے تو آپؐ کو اطلاع دیں گے علیؓ کے اس اقدام کی، اور مسلمانوں کا معمول تھا کہ جب سفر سے لوٹتے تھے تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہو کر سلام پیش کرتے تھے پھر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے، چنانچہ جب لشکر لوٹ کر آیا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، "فقام احدُ الاربعة فقال یارسول اللّٰه! اَلَمْ تَرَ الی علی بن ابی طالب صَنَعَ کذا و کذا" تو ان چاروں میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ کے رسول! آپ نے نہیں دیکھا علی بن ابی طالب کو جنہوں نے ایسا ویسا کیا؟ (یعنی وہ باتیں بتادیں) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مُنہ پھیرلیا، پھر دوسرا کھڑا ہوا، اس نے بھی پہلے والے کی طرح بات کی، آپؐ نے اس سے بھی مُنہ موڑا، پھر تیسرا اُٹھا "فقام مثل مقالته فاعرض عنه ثم قام الرابع فقال مثل ماقالوا"......(غرض تینوں نے ایک ہی بات کی لیکن آپؐ نے توجہ نہیں دی) "فاقبل الیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم والغضب یُعرف فی وجهه" (یعنی جب چوتھے نے وہ بات کی) تو آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ آپؐ کے چہرۂ انور سے غصہ معلوم ہو رہا تھا، آپؐ نے فرمایا تم علی سے کیا چاہتے ہو؟......تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو؟......"ماتریدون من علی؟"....(تین دفعہ فرمایا)......."اِنَّ علیاً منی وانامنه وهوولی کل مؤمن من بعدی"۔(غریب)

تشریح:۔اس حدیث سے حضرت علیؓ کی بڑی منقبت معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صحابہ کرامؓ کی حضرت علیؓ کے بارے میں بدگمانی درست نہیں تھی اگرچہ ان صحابہ کی طرف سے یہ عذر موجود ہے کہ انہوں نے تقسیم غنائم سے پہلے کسی لونڈی کو اپنے لئے مختص کرنا حضورؐ کے لئے مخصوص حکم تصور کیا ہوگا جس کی اجتہاد میں گنجائش ہے لیکن پھر سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ آپؐ پھر ان پر کیوں غصہ ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ کا غصہ ان کے اجتہاد پر نہ تھا ورنہ آپؐ پہلے ہی شخص پر غصہ کرتے بلکہ ان کے اصرار پر تھا یا سب کی موجودگی میں برملا اظہار پر تھا۔

قولہ:"ان علیاً منی وانامنه" یعنی میں نے ان کو امیر مقرر کیا ہے اور وہ اُولی القربیٰ میں سے بھی ہیں لہٰذا ان کا حکم نافذ اور اپنے لئے حصہ مختص کرنا صحیح ہے پس ان پر اعتراض کا حق کسی کو نہیں۔قولہ:"وهوولیّ کل مؤمن بعدی" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ میرے بعد خلیفہ بلافصل ہیں جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے تصرفات میں وہ اور میں دونوں برابر ہیں یعنی دونوں کے تصرفات نافذ ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے بھی بحیثیت اُولی القُربیٰ مالِ غنیمت میں سے حصہ مختص کیا ہے پس جب میں نے ان کو امیر بنایا تو ان کا تصرف سب کے لئے قابل قبول ہونا چاہئے جیسا کہ میرا حکم سب پر نافذ ہوتا ہے اور وہ میرے غیر موجودگی میں یعنی اس لشکر والوں کے صاحب تصرف ہیں، علیٰ ھذا یہاں استغراق عرفی ہے کیونکہ یہاں خلافت کی بات نہیں

ہورہی ہے بلکہ ایک لشکر کی ہورہی ہے۔

حدیث آخر: "مَنْ كنتُ مولاه فعليٌّ مولاه". (حسن غریب)

جس کا میں مولا ہوں تو علی بھی اس کا مولیٰ ہیں۔

تشریح:۔ مولیٰ کے کئی معانی ہیں، شیعہ یہاں مولیٰ بمعنی متصرف کے لیتے ہیں جبکہ اہل السنۃ بمعنی دوست کے، اور اگر بمعنی متصرف کے ہو تو پھر تصرف سے مراد امامت نہیں بلکہ بعض تصرفات ہیں جیسا کہ سابقہ حدیث میں گزر گیا، چونکہ یہ ارشاد آپؐ نے حضرت اُسامہؓ کی اس بات کے جواب میں فرمایا تھا جب انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا تھا: "لَستَ مولايَ انما مولايَ رسول الله صلى الله عليه وسلم" اس لئے مراد اس سے سیّد وآقا ہے کیونکہ حضرت اُسامہؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُعْتَق کے صاحبزادہ تھے تو حضرت علیؓ بھی ان کے مولیٰ ہوئے کہ وہ آپؐ کے چچازاد ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن علي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رحم الله ابابكر زوّجني ابنة وحَمَلَنِيْ إلىٰ دار الهجرة واعتق بلالاً من ماله، رحم الله عمر يقول الحق وان كانَ مُرًّا..... تركه الحق وماله صديق.... رحم الله عثمان تستحيه الملائكة...... رحم الله عليًا اللّهم اَدِرِ الحق معه حيث دَارَ". (غریب)

اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے انہوں نے اپنی بیٹی سے میرا نکاح کیا اور مجھے دارالہجرۃ (مدینہ) لے آئے اور اپنے مال سے بلال کو آزاد کیا، اللہ عمر پر رحم فرمائے وہ حق بات کہتے ہیں اگرچہ کسی کو ناگوار گزرے، حق گوئی نے ان کو الگ تھلگ کیا کہ نہ رہا ان کا کوئی دوست، اللہ عثمان پر رحم کرے، فرشتے بھی ان سے شرماتے ہیں، اللہ علی پر رحم فرمائے، اے اللہ! حق کو ان کے ساتھ منسلک فرما! خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔

تشریح:۔ قوله: "وان كان مُرًّا" اس کا ایک مطلب اوپر ترجمہ میں بیان ہوا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ حق بولنا اگرچہ بڑی مشقت کی چیز اور کڑوا ہے لیکن عمرؓ حق گوئی کسی صورت میں نہیں چھوڑتے۔

قوله: "تركه الحق" الخ۔ اسناد مجازی ہے یعنی حق گوئی کی وجہ سے لوگ ان سے ڈرتے ہیں اور قرب سے بچتے ہیں۔ اور "ماله من صديق" حق کی کڑواہٹ کی مثال اور بیان ہے کہ حق گو شخص معاشرہ میں الگ تھلگ ہو جاتا ہے جیسا کہ عمرؓ سے عام لوگ اجتناب کرتے ہیں۔

تنبیہ:۔ حضرت علیؓ کی خلافت کا چوتھے نمبر پر ہونا حقیقت کے مطابق اور اجماع وسنت کے موافق ہے

لیکن اہلِ تشیع نے اس مسئلہ کو غیر معمولی متنازعہ بنایا ہے چونکہ اس موضوع پر تفصیلی کتابیں موجود ہیں اس لئے یہاں شیعہ کے استدلالات اور جوابات اور اہلِ حق کے موقف کی ترجمانی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی بلکہ اختصار کے پیشِ نظر صرف احادیث کی ضروری تشریح کی گئی ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ربعی بن حراش فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رَحْبَہْ (مقام) میں ہمیں بیان کیا کہ بروزِ حدیبیہ ہمارے پاس چند مشرکین آئے، جن میں سُہیل بن عمرو اور کچھ دوسرے سردارانِ مشرکین تھے، پس انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہمارے بیٹوں، بھائیوں اور غلاموں میں سے کچھ افراد آپ کی طرف نکلے ہیں حالانکہ ان کو دین کی کوئی سمجھ بوجھ حاصل نہیں، بس وہ صرف ہمارے مال اور جائیداد (کی محنت) سے بچنے کے لئے بھاگے ہیں، پس آپ ان کو ہماری طرف لوٹادیں (یعنی ہمارے سپرد کردیں) کہ اگر انہیں دین کی سمجھ نہیں تو ہم ان کو سمجھادیں گے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے قریش کے گروہ! تم اپنی نفسانیت سے باز آؤ! ورنہ اللہ تم پر ایسا شخص مسلط کردے گا جو تلوار سے تمہاری گردنیں مارے گا (وہ امیر ہوگا) ایسے لوگوں پر "اِمتحن الله قلوبهم علی الایمان" "جن کے دلوں کو اللہ نے ایمان کی کسوٹی پر جانچ لیا ہے (یا ایمان کے لئے نرم کیا ہے)، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ کون ہے؟ ابوبکرؓ نے بھی آپؐ سے پوچھا وہ کون ہے اے اللہ کے رسول؟ اور حضرت عمرؓ نے بھی عرض کیا "مَنْ هو یارسول الله؟ قال هو خاصف النّعل" "آپؐ نے فرمایا وہ چپل ٹانکنے والا ہے، آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی چپل گانٹھنے کے لئے دی تھی، حضرت علیؓ اس کو درست فرمارہے تھے، (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) حضرت علیؓ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من کذب عَلیَّ متعمّداً فلیتبوأمقعده من النار"۔ (حسن صحیح غریب)

قوله: "ولیس لهم فقه فی الدین" یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جو صحیح اور باطل مذہب کی تمیز سے عاری ہیں اس لئے اپنا دین چھوڑ گئے۔ **قوله:** "علی الذین قدامتحن الله" الخ. ای امیراً علی الذین الخ۔

قوله: "من کذب علیّ" الخ حدیث کا یہ حصہ ابواب العلم میں گزرا ہے۔

بابٌ

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: "اِن کُنّا لَنعرف المنافقین نحن معشر الانصار ببغضهم

علی بن ابی طالب"۔ (غریب وقد تکلم شعبۃ فی ابی ھارون العبدی)

ہم انصار لوگ منافقین کو ان کے حضرت علیؓ سے بغض رکھنے کی وجہ سے پہچانتے تھے۔ (اس حدیث کی وجہ اگلی حدیث میں آرہی ہے)۔

بابٌ

"عن المساور الحِمْيَرِیُّ عن اُمّہ قالت دخلتُ علی ام سلمۃ فسمعتُھاتقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لایُحِبُّ علیاً منافق ولایبغضہ مؤمن"۔ (حسن غریب)

مساور حمیری اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئی تو میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کوئی منافق علی سے محبت نہیں کرتا اور کوئی مؤمن ان سے نفرت نہیں کرتا۔

تشریح:۔ اس حدیث کے دونوں راوی یعنی مساور اور ان کی والدہ اگرچہ مجہول ہیں مگر پھر بھی امام ترمذی نے اس کو حسن کہا کیونکہ یہ مضمون مسلم وغیرہ میں بھی مروی ہے۔

بابٌ

حضرت بریدۃ بن الحصیبؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان اللہ امرنی بحُبِّ اربعۃ واخبرنی انہ یُحبُّھم" "اللہ نے مجھے چار شخصوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے آگاہ فرمایا ہے کہ اللہ ان کو پسند کرتا ہے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! ہمیں ان کے نام بتادیں "قال علی منھم" "آپ نے فرمایا حضرت علیؓ (بھی) ان میں سے ہیں۔ آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ (باقی حضرات یہ ہیں)" وابو ذر والمقداد وسلمان" "اور اللہ نے مجھے ان سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو پسند کرتا ہے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ معلوم ہوا کہ ان صحابہ سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق اہم ہے اگرچہ سارے صحابہ کرامؓ محبوب ہیں اور ان کی محبت از روئے شرع وایمان مطلوب ہے مگر مذکورہ بالا چار اصحاب سے کوئی ایسا کام صادر ہوا ہوگا جس پر فوراً یہ خوشخبری نازل ہوئی اور اس لئے صحابہ نے نام معلوم کئے تاکہ وہ بھی

ان سے محبت کریں۔

بابٌ

حضرت حُبشی بن جُنادہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عَلِيٌّ مِنِّي وانامن علي، ولايُؤدِّيْ عني الاانااوعلي"۔ (حسن غریب صحیح)

علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور میری طرف سے معاہدہ کی تنسیخ وترمیم کا اعلان سوائے میرے اور علی کے کوئی نہیں کرے گا۔

تشریح:۔ یہ ارشاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتِ براءت کے نزول کے بعد سنہ ۹ھ میں اس وقت فرمایا جب آپؐ حضرت ابوبکرؓ کو موسمِ حج کا امیر مقرر کر کے روانہ کر چکے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مؤذنین بھی روانہ کر چکے تھے جن میں سے ایک حضرت ابوہریرہؓ تھے تاکہ وہ مشرکین کو حج کے موسم میں سورتِ توبہ کی ابتدائی آیات سے آگاہ کردیں کہ ان کا معاہدہ اب دائمی نہ رہا، مگر چونکہ عربوں میں دستور تھا کہ معاہدہ کی ترمیم واضافہ یا تنسیخ کا مجاز صرف قبیلہ کا سردار یا اس کے خاندان کا کوئی مرد ہوگا، اس لئے نبی علیہ السلام کو بعد میں یہ دستور یاد آیا۔ (کمافی عارضۃ الاحوذی) اور حضرت علیؓ کو قصواء اُونٹنی پر بھیجا تاکہ وہ اعلان کریں اور عربوں کو حیلے بہانے تلاش کرنے کا موقعہ نہ ملے، باقی احکام حج میں حضرت علیؓ مامور اور حضرت ابوبکرؓ بدستور امیر تھے جیسا کہ تفصیلی روایات میں اس کی تصریح ہے، علیٰ ہذا "عَلِيٌّ مِنّي وانامن عَلِي" کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا خون ایک ہے اور خاندان بھی ایک ہے اور ہم دونوں چچازاد بھائی بھی ہیں۔

حدیث ابن عمرؓ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے مابین بھائی بندی کی، پس حضرت علیؓ آئے آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا حالانکہ میرے اور کسی دوسرے صحابی کے درمیان کوئی مواخات نہیں فرمائی؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "انت اخي في الدنيا والآخرة" آپ دنیا وآخرت میں میرے بھائی ہیں۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ چونکہ "العم صنو اَبِيْهِ" کے طور پر چچازاد بھی بھائی ہوتا ہے لیکن جس طرح کسی کے باپ، بیٹا یا چچا ہونے سے افضلیت علی الکل لازم نہیں آتی اسی طرح حضرت علیؓ باوجودیکہ نبی علیہ السلام کے چچازاد

بھائی تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تمام صحابہ کرامؓ سے افضل ہوں۔

بابٌ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (پکا ہوا یا بھنا ہوا) پرندہ تھا، آپ نے دعا فرمائی: "اللّٰهم ائتِنِیْ بِاَحبِّ خلقک الیک یاکل معی هذا الطیر" "اے اللہ! میرے پاس اس شخص کو بھیج! جو تجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ پسند ہو، تا کہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے (کیونکہ لایاکل طعامکَ الاتقی) چنانچہ حضرت علیؓ آئے اور آپؐ کے ساتھ وہ پرندہ تناول فرمایا۔ (غریب)

تشریح:۔ حضرت شاہ صاحبؒ العرف الشذی میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف مشہور ہے، کوئی صحیح کہتا ہے تو کوئی ضعیف و موضوع صححه الحاکم فی مستدرکه وحکم ابن الجوزی بوضعه "محمد بن سعید نے اس پر مستقل جلد لکھی ہے، علیٰ ھذا اس بارے میں وثوق سے کہنا مشکل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ حاشیہ تو ت بھی لوٹ ہو ہاں البتہ اگر ہم "بِاَحبِّ خلقک الیک" کا مطلب یہ لے لیں کہ اپنی محبوب مخلوق کا کوئی آدمی میرے پاس لائیں تو پھر کوئی اشکال نہیں رہے گا کیونکہ اس میں محبوب ترین کی بات نہیں ہوگی بلکہ صرف محبوب کی ہوگی، اس طرح روایات جمع بھی ہو جائیں گی اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ اس حدیث سے تو حضرت علیؓ انبیاء علیہم السلام اور نبی علیہ السلام سے بھی محبوب تر ہو گئے۔

حدیث عبداللہ بن عمرو بن ھند:۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگتا تو آپ وہ چیز مجھے عنایت فرماتے اور جب چپ رہتا تب بھی "ابتدانی" آپؐ مجھے از خود پہلے دیتے۔ (حسن غریب)

بابٌ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انا دار الحکمة وعلی بابها"۔ (غریب و منکر حدیث ہے)

میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

تشریح:۔ حافظ سیوطیؒ نے "الدُّرَرُ المُنتَثِرَۃُ فی الاحادیث المشھورۃ" میں اس حدیث کے حسن ہونے کو ترجیح دی ہے اور ابن حجر اور ابو سعید العلائی سے بھی یہی نقل کیا ہے اگر چہ حافظ ذہبی، یحییٰ بن معین، ابو حاتم، دار قطنی، ابن دقیق العید اور امام بخاری سمیت ابن الجوزی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے گو کہ سب نے لفظ موضوع کی تصریح نہیں کی ہے۔ بصورت صحت وثبوت مراد اس سے علم باطن ہے تا کہ دوسری احادیث سے تعارض نہ آئے مثلاً مناقب ابو بکرؓ میں صحیح حدیث گزری ہے "فکان ابو بکر اعلمھم" دوسری حدیث میں ہے "وکان ابو بکر ھو اعلمنابہ" اور حضرت زید بن ثابتؓ کو اعلم بالفرائض کہا ہے اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو اعلم بالحلال والحرام کہا ہے اور حضرت اُبی بن کعبؓ کو اَقرأ کہا ہے۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ تصوف کے سلاسل بواسطہ حسن بصریؒ حضرت علیؓ تک پہنچتے ہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے سعد کو (یعنی مجھے کسی شہر کا) امیر بنایا (ترمذی کے نسخہ میں امّر تشدید المیم ہے) پس حضرت معاویہؓ نے حضرت سعدؓ سے پوچھا: ابوتراب (علیؓ) کو بُرا بھلا کہنے سے تجھے کیا چیز روکتی ہے؟ سعدؓ نے فرمایا: "**اما ما ذکرت ثلاثاً قالھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلن اسبّہ**" کیونکہ میں جب وہ تین باتیں یاد کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں تو میں ان کو بُرا بھلا ہرگز نہیں کہہ سکتا، اگر ان تینوں میں سے میرے لئے ایک بھی ہوتی تو وہ مجھے سُرخ اونٹوں (کے گلہ) سے بھی زیادہ پسند ہوتی: (۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؓ سے فرماتے ہوئے سُنا ہے جب آپ نے ایک غزوہ (تبوک) میں ان کو (اہل وعیال کی دیکھ بھال کرنے پر) اپنا نائب بنایا تھا "**فقال لہ علی یارسول اللہ! تخلفنی مع النساء والصبیان؟**" اے اللہ کے رسول! آپ مجھے پیچھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "**اما ترضی ان تکون منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لانبوۃ بعدی**" کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ میرے لئے ایسے ہوں جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے، البتہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔ (۲) اور میں نے جنگ خیبر میں آپ سے سُنا ہے آپ نے فرمایا "**لأعطین الرایۃ رجلاً یحبّ اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ**" میں ضرور یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں "**فتطاولنا لھا**" تو ہم اس جھنڈے کو لینے کے لئے پنجوں کے بل کھڑے ہوئے لیکن آپ نے فرمایا علی کو میرے پاس بُلالاؤ! حضرت سعدؓ کہتے ہیں: "**فاتاہ وبہ رمد فبصق فی عینہ**

ليعطى الراية اليه فتح الله " حضرت علیؓ آپ کے پاس آئے جبکہ انہیں آشوب چشم تھا پس آپ نے ان کی آنکھ میں تھوکا (تو وہ ٹھیک ہوگئے) پھر آپ نے وہ جھنڈا ان کو دیا پس اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ (۳) جب یہ آیت نازل ہوئی: "ندع ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم " تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ، فاطمہؓ اور حسنؓ وحسینؓ کو بلایا اور فرمایا "اللھم ھؤلاء اهلی " اے اللہ! یہ میرا خاندان ہے۔ (حسن غریب صحیح)

تشریح:۔ قوله: "امر معاوية بن ابی سفیان سعداً" عام شارحین نے اس کو میم کی تخفیف کے ساتھ ذکر کیا ہے حالانکہ ہمارے پاس ترمذی کے نسخہ میں یہ لفظ امّر بتشدید المیم ہے یعنی تامیر سے جیسا کہ اوپر ترجمہ میں گزرا ہے بہرحال امَرَ مجرد کا صیغہ ہو یا مزید کا، حکمران اہم لوگوں سے اپنی وفاداری کا اطمینان چاہتے ہیں، شرح عقائد میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو کچھ مشاجرات یعنی اختلافات تھے اس پر لب کشائی ممنوع ہے چونکہ منافقین نے حضرت علیؓ کو عار دلائی تھی کہ آپ کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑا گیا اس لئے آپؓ نے اس کا تذکرہ نبی علیہ السلام سے کیا، آپؐ نے فرمایا "اَمَا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ " چونکہ حضرت موسیٰ جب سفر پر جاتے تو حضرت ہارونؑ کو اپنا نائب بناتے، یہاں بھی تشبیہ فقط اس حد تک مراد ہے نہ کہ خلافت بلافصل کیونکہ حضرت ہارونؑ کی وفات حضرت موسیٰ سے پہلے ہوئی تھی اور وفات کے بعد حضرت یوشع بن نونؑ خلیفہ بن گئے تھے نیز حضرت ہارونؑ نبی تھے جبکہ حضرت علیؓ امتی تھے، نبی نہیں تھے۔ تاہم اس حدیث سے حضرت علیؓ کی منقبت جلیلہ نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہے۔

بابٌ

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لشکر روانہ کئے ان میں سے ایک پر حضرت علیؓ کو امیر مقرر کیا اور دوسرے پر خالد بن ولید کو، اور فرمایا جب جنگ کی نوبت آئے تو علیؓ امیر ہوں گے (گویا خالد بن ولید نائب امیر تھے) حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس (غنیمت) میں سے ایک باندی اپنے لئے لی، پس انہوں (خالد) نے ایک خط لکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میرے ہاتھ پر بھیجا "یشی به " اس میں حضرت علیؓ کی کچھ شکایت کرنا چاہتے تھے چنانچہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے خط پڑھوایا اور آپؐ کا رنگ متغیر ہوا (یعنی آپ کو غصہ آیا) پھر آپؐ نے فرمایا:

"ماتری فی رجل یحبّ اللہَ ورسولہ ویحبہ اللہُ ورسولہ؟" حضرت براءؓ فرماتے ہیں میں نے کہا"اعوذباللہ من غضب اللہ ومن غضب رسولہ" (میرا کیا قصور ہے؟) "انما انا رسول" میں تو صرف قاصد (ڈاکیہ) ہوں، تو آپ خاموش ہوگئے (یعنی آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا)۔ (حسن غریب)

یہ حدیث تشریحات ص:۵۱۸ج:۵ پر گزری ہے۔اس حدیث کا مضمون بعینہ اسی حدیث کی طرح ہے جو مناقب علی میں سب سے پہلے نمبر پر گزری ہے فلیتذکر۔اس حدیث سے بھی حضرت علیؓ کی بڑی منقبت معلوم ہوئی۔

بابٌ

"عن جابر قال دَعَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیاً یوم الطائف فانتجاہ فقال الناس لقدطال نجواہ مع ابن عمہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماانتجیتُہ ولکن اللہ انتجاہ". (حسن غریب)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ طائف میں حضرت علیؓ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی تو کچھ لوگوں نے کہا کہ آپؐ نے اپنے چچازاد سے طویل سرگوشی فرمائی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے (اپنے طور پر) ان سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ (کے حکم سے میں) نے ان سے سرگوشی کی ہے۔

تشریح:۔قولہ: "فانتجاہ" ای خصہ بمناجاتہ، مناجات سرگوشی اور راز بتانے کو کہتے ہیں۔

بابٌ

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: "یاعلی! لایحل لاحدان یُجْنِبَ فی ھذاالمسجدغیری وغیرک"۔ (حسن غریب)

اے علی! میرے اور تیرے سوا کسی کو روا نہیں کہ اس مسجد میں جنابت کی حالت میں رہے۔

تشریح:۔یہ وہ دوسری حدیث ہے جس کا حوالہ مقدمہ تشریحات میں حالاتِ امام ترمذیؒ میں گزرا ہے، جو امام بخاریؒ نے امام ترمذیؒ سے سُنی ہے۔تشریحات:ص:۴۰ج:۱

امام ترمذیؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے لیکن بہت سے محدثین نے اس پر تعجب کیا ہے جیسا کہ حاشیہ قوت میں ہے کیونکہ اس میں سالم بن ابی حفصہ اور عطیۃ العوفی دونوں شیعہ ہیں اور ضرار بن صُرد بھی متہم بالکذب ہے، پھر یہ کیسے حسن ہوئی؟ بنا بر صحت چونکہ حضرت علیؓ کے گھر کا دروازہ مسجد کی طرف تھا اور پانی لینے کے لئے مسجد سے گزرنا پڑتا تھا اس لئے آپؐ نے اس کی اجازت دی جیسا کہ " ھذا المسجد " کی تخصیص سے نمایاں ہے۔

بابٌ

"عن انس بن مالک قال بُعِثَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین وصلّٰی علیؓ یوم الثلاثاء". (غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن مبعوث ہوئے اور حضرت علیؓ نے منگل کو نماز پڑھی۔

تشریح:۔ یہ روایت نقلاً بھی صحیح نہیں اور عقلاً بھی۔ نقلاً تو اس لئے کہ اس میں عابس اور مسلم دونوں ضعیف ہیں اور عقلاً اس لئے صحیح نہیں کہ نماز کی فرضیت کافی بعد میں ہوئی تھی کیونکہ پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ کے لئے وحی کا نزول بند کیا گیا تھا تو صرف ایک رات کے وقفہ کے بعد حضرت علیؓ نے کیسے نماز پڑھی؟ پھر جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء ص ۲۶ پر لکھا ہے کہ اول المسلمین کون ہے؟ ان روایات میں سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ نے تطبیق دی ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے ابوبکرؓ نے لڑکوں میں اولاً حضرت علیؓ نے اور خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا ہے، امام ترمذیؒ نے بھی اگلے باب سے پیوستہ باب میں یہی بات نقل کی ہے "وقال بعض اھل العلم اوّل من اسلم من الرجال ابوبکر" الخ۔ سیوطیؒ کی مندرجہ بالا تصریح کے مطابق یہ تطبیق امام ابوحنیفہؒ کی ہے۔ باب کی اگلی دونوں روایتیں پیچھے گزر چکی ہیں، حضرت سعدؓ کی حدیث میں ملاحظہ ہو۔

بابٌ

"عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَ بِسَدِّ الابواب اِلّا باب علیّ".

(غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے دروازے کے سوا تمام دروازوں کو بند رکھنے کا حکم دیا۔

تشریح: ۔مناقب ابی بکرؓ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہیں بلکہ ابن الجوزیؒ نے تو اس کو موضوع قرار دیا ہے، ابن کثیرؒ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ اس کے مقابلہ میں صحیحین کی روایت زیادہ صحیح ہے، بصورت صحت اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شروع میں نبی علیہ السلام نے ان تمام دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا جو مسجد کی جانب نکالے گئے تھے علاوہ باب علیؓ کے کیونکہ ان کے دروازے کے لئے متبادل راستہ نہیں ہوگا مگر وفات سے دو تین پہلے آپؐ نے ساری کھڑکیوں کو بند کرنے کا حکم دیا سوائے خوخۃ ابی بکر کے فلا تعارض۔

حدیث آخر: ۔حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے حسن وحسین کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا: "**من اَحَبّنِیْ وَاَحَبَّ هٰذین وَاَبَاهما واُمّهما کان معی فی درجتی یوم القیامة**" جو مجھ سے محبت کرے اور ان دونوں سے محبت کرے اور ان کے والد اور ان کی والدہ سے محبت کرے، وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا۔ (حسن غریب)

بابٌ

"**عن ابن عباسؓ قال اوّل من صلّٰی عَلِیّ**"۔ (غریب)

سب سے پہلے نماز حضرت علیؓ نے پڑھی ہے۔

تشریح: ۔حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ یہ راوی (ابن عباسؓ) کے علم کے مطابق ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ عموماً اپنا ایمان اور نماز چھپاتے تھے۔ان روایات میں امام ابوحنیفہؒ کی تطبیق پیچھے تاریخ الخلفاء کے حوالے سے گزری ہے، فلیتذکر۔

تاریخ الخلفاء میں ابونعیم کی ایک روایت نقل کی گئی ہے جس میں ہے کہ میمون بن مہران فرماتے ہیں ابوبکر نبی علیہ السلام پر اس وقت ایمان لائے تھے جب آپؐ (قبل النبوۃ) بحیرا اور راہب کے پاس سے گزرے تھے (یہ روایت پیچھے تفصیلاً گزری ہے) پھر ابوبکرؓ نبی علیہ السلام اور حضرت خدیجہؓ کے درمیان رابطہ کا کام کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا نکاح آپؐ سے کردیا۔ (ص:۲۶)

امام ترمذیؒ نے ابراہیم نخعی سے بھی نقل کیا ہے "**اول من اسلم ابوبکر الصدیق**" (حسن صحیح) چونکہ اس وقت اسلام لانا اور نماز پڑھنا معاً تھے اس لئے گویا تعبیر کا فرق ہے۔کسی نے **اول من اسلم** کہا اور کسی

لے اول من صلّی کہا ہے۔

بابٌ

"عن علی قال لقدعھدالیّ النبی صلی اللہ علیه وسلم النبیُّ الاُمیُّ انه لایحبّک الاّ مؤمن ولایبغضک الامنافق". (حسن صحیح)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبیؐ جو نبی امی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیدا کہا ہے کہ تجھ سے مؤمن ہی محبت کرے گا اور تجھ سے منافق ہی نفرت کرے گا۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے عدی بن ثابت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں اس قرن کا آدمی ہوں جس کے لیے نبیؐ نے دُعا فرمائی ہے، اس سے غرض ان کی توثیق ہے، بلاشبہ حضرت علیؓ سے محبت جزوایمان ہے اور ان سے بغض وعداوت علامت نفاق ہے تاہم محبت سے مراد یہ نہیں کہ ان کو الٰہ مانا جائے یا دوسرے صحابہؓ کو برا بھلا کہا جائے، یہ تو جنون ہے۔

حدیث آخر:۔ "بعث النبی صلی اللہ علیه وسلم جیشاً فیھم علیٌّ قالت فسمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وھو رافع یدیه یقول :"اللّٰھم لا تُمتنیُ حتی تُرِیَنیُ علیاً".
(غریب حسن)

حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا ان میں علیؓ بھی تھے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا جبکہ آپؐ ہاتھوں کو اُٹھائے ہوئے تھے اور دُعا فرمارہے تھے اے اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک مجھے علیؓ نہ دکھادے۔

تشریح:۔ اس روایت میں ابوالجراح مجہول ہیں، ام شراحیل کے حال کا بھی پتہ نہیں چلتا۔

مناقب ابی محمد طلحة بن عبیداللہ رضی اللہ عنه

امام ترمذیؒ نے صحابہ کرامؓ کے مناقب خلافت یا عمر کے اعتبار سے مرتب نہیں کئے ہیں بلکہ الافضل فالافضل کی ترتیب کو سامنے رکھا ہے، لیکن یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرات خلفائے اربعہ یعنی شیخین اور ختنین کے مابین افضلیت کی ترتیب صحابہ کرامؓ سے ماثور ومنقول ہے جبکہ حضرت علیؓ کے بعد کون افضل ہے؟ تو یہ

باتیں محض اجتہادی ہیں، کسی کے نزدیک ایک افضل ہے اور کسی کے نزدیک دوسرا، اس لئے مصنفین نے مابعد کی ترتیب میں اختلاف کیا ہے، امام ترمذیؒ نے حضرت طلحہؓ کو پانچواں نمبر دیا ہے، واللہ اعلم۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی القرشی کی ولادت ہجرت سے ۲۸ سال پہلے کی ہے، عشرہ مبشرہ اور حضرت عمرؓ کی منتخب چھ رکنی شوریٰ میں سے ایک ہیں، ۳۶ ھ میں جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ کے لشکر میں سب سے پہلے شہید ہوئے تھے۔

"عن الزبیر قال کان علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد درعان فَنَهَضَ الی الصخرۃ فلم یستطع فَاَقْعَدَ تحتہ طلحۃ فصَعِدَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ استویٰ علی الصخرۃ قال فسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اَوْجَبَ طلحۃُ". (حسن صحیح غریب)

حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن دو زرہیں زیب تن کئے ہوئے تھے پس آپؐ ایک چٹان پر چڑھنے لگے مگر نہ چڑھ سکے تو آپؐ نے طلحہ کو نیچے بٹھا کر (ان کے کندھوں پر قدم رکھ کر) چٹان کے اوپر تک چڑھ گئے حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا "**اَوْجَبَ طلحۃ**" طلحہ نے اپنے لئے جنت یقینی بنالی۔

حدیث آخر:۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "**مَن سَرَّہ ان ینظر الی شھید یمشی علیٰ وجہ الارض فلینظر الیٰ طلحۃ بن عبید اللہ**" جس کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ وہ کسی ایسے شہید کو دیکھے جو زمین پر چل رہا ہے تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھے۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ "حضرت علیؓ فرماتے ہیں میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "**طلحۃ والزبیر جارَایَ فی الجنۃ**" طلحہ اور زبیر دونوں جنت میں میرے پڑوسی ہیں۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت موسیٰ بن طلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا "**اَلا اُبَشِّرُکَ؟**" کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سُناؤں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے "**طلحۃ مِمَّنْ قضیٰ نحبہ**" طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کرلی ہے۔ (غریب)

یہ حدیث اور اس کے بعد آنے والی حدیث دونوں سورۃ الاحزاب کے شروع میں گزری ہیں، مِنَ

ابواب التفسیر، فلیراجع۔

مناقب الزبیر ابن العوّام رضی اللہ عنہ

زبیر بن العوام بن خویلد القرشی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا، ۳۶ھ میں غزوۂ جمل میں اس وقت شہید کردیئے گئے جب جنگ چھوڑ کر واپس روانہ ہوئے، یہ بھی حضرت عمرؓ کی منتخب چھ رکنی شوریٰ میں تھے۔

"عن الزبیر قال جمع لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابویہ یوم قُریظة فقال: بِاَبِیْ وَاُمِّیْ". (حسن صحیح)

حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بنو قریظہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے اپنے ماں باپ کو (فدیہ کہنے میں) جمع کیا تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔

تشریح:۔ فدیہ اصل میں کسی کو عوض کے بدلہ میں چھڑانے کو کہتے ہیں، اگر کوئی شخص بہت زیادہ اہم ہو تو اس کا فدیہ بھی زیادہ ہوتا ہے، کسی کے لئے ماں باپ کو فدیہ بنانے اور پیش کرنے کا مطلب اس کی انتہائی اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے پس نبی علیہ السلام کا کسی کے لئے "بابی انت وامی" کہنے کا مطلب اس شخص کا انتہائی اعزاز ہے جو اس کی اہمیت اور قدر کو اُجاگر کرتا ہے۔ اس حدیث سے ان الفاظ کے کہنے کا جواز معلوم ہوا اور یہی جمہور کا مذہب ہے اگرچہ ابن عمرؓ اور حسن بصریؒ کراہیت کے قائل ہیں۔

بابٌ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان لِکُلِّ نبیٍّ حَوَارِیًا وَاِن حَوَارِیَّ الزبیر ابن العوّام". (حسن) ویقال الحواری الناصر"۔

ہر نبی کا ایک مددگار و معاون ہوتا ہے اور میرے ہمکار زبیر بن العوام ہیں۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے حواری بمعنی ناصر نقل کیا ہے یعنی مخلص دوست اور معاون۔ یہی روایت اگلے باب میں حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے تاہم اس پر یہ اضافہ ہے...... "وزاد ابو نُعیم فیہ یوم الاحزاب قال مَنْ یاتینا بِخبر القوم؟ قال الزبیر انَا........ قالها ثلاثاً .... قال الزبیر انَا"۔ یعنی ابونعیم

راوی کہتے ہیں کہ یہ ارشاد آپؐ نے جنگِ احزاب میں اس وقت فرمایا تھا جب آپؐ نے تین مرتبہ پوچھا کون ہے جو ہمیں دشمن کی خبر (یعنی خندق سے اس پار جاکر) لے آئے؟ حضرت زبیرؓ نے فرمایا میں ہوں۔ اس سے یہ اشکال دور ہوا کہ سارے صحابہ کرامؓ حواری وانصارِ نبی ہیں پس حضرت زبیرؓ کی تخصیص کیوں کی گئی؟ تو ابونعیم نے اس کا ازالہ کیا کہ یہ ایک خاص موقعہ پر کہا گیا تھا، بہرحال اس سے حضرت زبیرؓ کی منقبتِ کبریٰ معلوم ہوئی جنہوں نے سخت ٹھنڈ میں اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے دشمن کی فوج میں جاکر خبر گیری فرمائی، جزاہ اللہ عنا، تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بابٌ

"عن هشام بن عروة قال اوصىٰ الزُّبيرالىٰ ابنه عبدالله صبيحة الجمل فقال مامِنّي عُضوالا وقدجُرِحَ مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتىٰ انتهى ذالك الى فرجه". (حسن غريب)

حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ جنگِ جمل کی صبح زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت کی تو (اس میں) فرمایا میرا کوئی عضو ایسا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (غزوات میں شرکت کی وجہ سے) زخمی نہ ہوا ہو، (عبداللہ کہتے ہیں) حتیٰ کہ ان کی شرمگاہ تک زخموں کا اثر پہنچا تھا۔

تشریح:۔ غزوۂ جمل وہ مشہور لڑائی ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور ان کے انصار اور حضرت علیؓ اور ان کے اتباع کے درمیان بابِ بصرہ کے نزدیک لڑی گئی تھی جس کی وجہ معلوم ومعروف ہے، آپؓ چونکہ اونٹ پر سوار تھیں اس لئے اس کو غزوۂ جمل کہتے ہیں۔

مناقب عبدالرحمن بن عوف بن عبدعوف الزهریؓ

جاہلی نام عبدعمرو تھا، زہری قرشی ہیں، عشرہ مبشرہ اور اصحابِ شوریٰ میں سے ہیں، حبشہ کی طرف دومرتبہ ہجرت فرمائی، تمام غزوات میں شریک رہے، جنگِ اُحد میں نبی علیہ السلام کے ساتھ ثابت قدم رہے، غزوۂ تبوک کے سفر میں ایک دن فجر کی نماز میں امامت کی جس کی دوسری رکعت میں آپؐ نے بھی شرکت فرمائی کما رواہ مغیرۃ بن شعبہ۔ "وقال ماقُبِضَ نبی حتیٰ یصلی خلف رجل صالح من اُمته" ۳۲ھ میں وفات

پائی اور بقیع میں تدفین پائی، امیر واغنیائے صحابہ میں سے تھے، فیاض اور سخی تھے۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر جنت میں ہیں، عمر بھی جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں اور ابوعبیدہ بن جراح جنت میں ہیں۔

تشریح:۔ یہ روایت مسند احمد میں بھی ہے، عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنا نام آخر میں اس لئے ذکر نہیں کیا اگرچہ تواضع کا تقاضا یہی بنتا ہے، تا کہ آپؐ کے ارشاد میں ذکر کردہ ترتیب تبدیل نہ ہو جائے، نیز عشرہ مبشرہ کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان دس صحابہ کرامؓ کو جنت کی خوشخبری دنیا میں ملی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک ہی نشست میں آپؐ نے اجتماعاً جن حضرات کو خوشخبری سنائی ہے وہ مندرجہ بالا دس حضرات ہیں ورنہ مزید ایسے صحابہ کرامؓ بھی ہیں جن کو فرداً فرداً آپؐ نے جنت کی خوشخبری دی۔ قولہ: "ابوبکر فی الجنة" الخ یہ حکم اصول بلاغت کے مطابق ہے کیونکہ جو چیز قطعی اور یقینی ہوتی ہے اسے اخبار کے ہر صیغہ سے ذکر کیا جاسکتا ہے خواہ ماضی ہو یا مضارع، یہ حضرات ابھی دنیا میں تھے لیکن قطعیت کی وجہ سے گویا جنت میں ہیں۔

اگلی روایت جو سعید بن زیدؓ سے مروی ہے میں ہے کہ انہوں عشرہ مبشرہ میں سے نو کا ذکر کیا لیکن اپنا نام ظاہر نہیں کیا پس لوگوں نے (یعنی حاضرین نے) ان کو قسم دی کہ اے ابوالاعور! وہ دسواں کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا جب تم لوگوں نے مجھے قسم دی (تو سنو!) ''ابو الاعور فی الجنة'' ابوالاعور (یعنی سعید بن زید) جنت میں ہیں۔ یہ حدیث بھی متعدد کتب میں ہے۔

بابٌ

"عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: إِنَّ أَمْرَكُنَّ لَمِمَّا يُهِمُّنِي بعدي وَلَن يصبِر عليكُنَّ الا الصابرون قال ثم تقول عائشةُ فَسَقَى اللهُ أَبَاكَ من سَلْسَبِيْلِ الجنة........تريد عبدالرحمن بن عوف وقد كان وَصَلَ ازواجَ النبي صلى الله عليه وسلم بِمَالٍ بيعت باربعين الفاً". (حسن صحيح غريب)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے صاحبزادے ابوسلمہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے (ازواج مطہرات سے) کہ تمہارا معاملہ یقیناً ایسا ہے جس نے مجھے بعد

الوفات کے بارے میں فکرمند کیا ہے (کیونکہ آپؐ نے ان کے لئے میراث نہیں چھوڑی تھی) اور ہرگز صبر نہیں کریں گے تم (کو پہنچنے والی تکلیفات) پر مگر صرف صبر والے (یعنی ہمت والے ہی تمہاری خبر گیری کریں گے)۔
ابو سلمہ فرماتے ہیں پھر حضرت عائشہؓ فرماتیں: پس اللہ تیرے ابا کو، ان کی مراد عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے تھی، جنت کی سلسبیل چشمہ (دودھ) سے سیراب فرمائے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو ایسی جائیداد بطور صلہ دی تھی جو چالیس ہزار میں فروخت کی گئی تھی۔

اگلی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اُمہات المؤمنین کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو چار لاکھ (۴۰۰۰۰۰) میں فروخت کیا گیا تھا۔ (غریب)

تشریح:۔ بظاہر یہ باغ وہی مال ہے جس کا تذکرہ سابقہ حدیث میں مال کے نام سے ہوا ہے۔ علیٰ ہٰذا دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ چالیس ہزار دینار تھے جو پہلی حدیث میں ہیں اور چار لاکھ درہم تھے جو دوسری حدیث میں ہیں، فلا تعارض۔

مناقب ابی اسحاق سعدبن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعدؓ زہری قرشی کے والد کا نام مالک بن وھیب ہے، ولادت ہجرت سے ۲۳ سال پہلے کی ہے، منجملہ عشرہ مبشرہ اور اصحابِ شوریٰ ہیں، فاتحِ قادسیہ ہیں اور ابواب الوصایا کی پہلی حدیث میں آپؐ کا ان کے لئے یہ ارشاد گزرا ہے "وَلَعَلَّکَ اَنْ تُخَلَّفَ حتّیٰ ینتفع بک اقوامٌ ویضربک آخرون"۔ (تشریحات: ص: ۴۳۶ ج: ۴) یہ ان کی طوفانی فتوحات کی پیشن گوئی تھی جو برحق ثابت ہوئی۔

"عن سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللّٰھم استجِبْ لِسعد اذا دعاک"۔

اے اللہ! سعد کی دُعا کو قبول فرما جب بھی تجھ سے دُعا مانگیں۔

بابٌ

عن جابر بن عبداللہ قال اَقْبَلَ سعد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ھذا خالی فلیُرِنی اِمرؤٌ خالَہ"۔ (حسن غریب)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سعد آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں، بھلا کوئی

دکھائے مجھے اپنا ماموں (جو میرے ماموں جیسا ہو، یہ امر برائے تعجیز ہے)۔
امام ترمذیؒ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بنی زُہرہ سے تھیں جو حضرت سعدؓ کی قوم ہے اس لئے آپؐ نے فرمایا "ھذا خالی"۔

بابٌ

"قال علیٌ ماجَمَعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اباہ وامہ لِاَحَدٍ الا لِسعدٍ قال لہ یوم احد: اِرْمِ فداک ابی واُمّی اِرْمِ ایھا الغلام الحَزَوَّرُ". (حسن صحیح)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع نہیں کیا ہے اپنے ماں باپ کو کسی ایک کے لئے سوائے سعد کے، جنگِ اُحد میں آپؐ نے ان سے فرمایا مارو! تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہیں۔ پھینک! اے طاقتور لڑکے!۔

تشریح:۔ تفدیہ کا مطلب مناقب زبیر بن العوام میں گزرا ہے، یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے کلام میں حصر کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ زبیر میں میرے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کیا تھا (یعنی فداک ابی وامی کہا تھا) یہ اشکال جیسا کہ گزشتہ صفحہ پر ہے، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ کہنا اپنے علم کے مطابق ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حصر اضافی ہے یعنی جنگِ احد میں آپؐ نے یہ اعزاز کسی اور کو نہیں دیا تھا، حضرت سعدؓ کی آنے والی حدیث میں بھی یہی مضمون ہے۔ قولہ: "الحزوّر بتشدید الواؤ من قارب بلوغاً وجمعہٗ حزاورۃ یعنی وہ لڑکا جو اپنی جوانی کے قریب ہو جیسا کہ حاشیہ قوت میں اور بین السطور لکھا ہے، قاموس نے مضبوط اور طاقتور کو کہا ہے جس کو اوپر ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔

بابٌ

"ان عائشۃ قالت سَہِرَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَقْدَمَہ المدینۃَ لیلۃً فقال لیت رجلاً صالحاً یَحرُسُنِیَ اللیلۃ قالت فبینمانحن کذالک اِذْ سمعنا خشخشۃ السلاح فقال: مَنْ ھذا؟ فقال: سعد بن ابی وقاص! فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ماجاءَ بک؟ فقال

سعدٌ: وقع في نفسي على رسول الله صلى الله عليه وسلم فجئتُ أحرُسُه فدعاله رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم نام". (حسن صحيح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کسی غزوہ سے واپسی پر (یا ابتداء ہجرت میں) ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ نہ لگی پس آپؐ نے فرمایا کاش! کوئی مردِ صالح ہوتا جو آج رات کو میری پہرا داری کرتا، فرماتی ہیں کہ ہم اسی خیال میں تھے کہ اچانک ہم نے ہتھیار کی جھنکار سُنی پس آپؐ نے پوچھا یہ کون (آیا) ہے؟ انہوں نے کہا: سعد بن ابی وقاص ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں آئے ہو؟ سعد نے جواب دیا کہ میں نے اپنے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ محسوس کیا اس لئے حاضر ہوا تا کہ پہرا دوں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دُعا فرمائی پھر آپ سو گئے۔

تشریح:۔قولہ: "سَہِرَ" بروزن سمع یعنی آپؐ نہیں سوئے، آپؐ کو نیند نہیں آئی۔قولہ: "مقدمه المدينة" مصدر میمی ہے اور وقت مقدر کا مضاف الیہ ہے اى وقت قُدومه المدينة من بعض الغزوات۔

اس حدیث سے پہرا داری اور چوکیداری کا جواز ثابت ہوا کہ جس طرح اپنے لئے ہتھیار رکھنا جائز ہے اسی طرح اہم شخصیت کے تحفظ کا انتظام بھی جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں ہے۔قولہ: "وقع في نفسي" خوف شاید لفظ خوف نفسی کے بعد کاتب کے قلم سے ساقط ہو گیا ہے اور اگر اصل روایت میں خوف نہ ہو تو اس کو مقدر مانا جائے گا۔

مناقبُ ابی الاعور واسمه سعیدبن زید بن عمروبن نُفَیلؓ

حضرت سعید بن زید عدوی قرشی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمرؓ کے بہنوئی ہیں، حضرت فاطمہ بنت الخطاب اور حضرت سعید دونوں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا سبب بنے تھے اگرچہ اصل سبب نبی علیہ السلام کی دُعا تھی کما مر۔حضرت عمرؓ اور ان کی بہن اور بہنوئی کا واقعہ مشہور ہے رضی اللہ عنہم، وفات ۵۱ھ ہے۔

"عن سعيدبن زيد بن عمرو بن نُفيل انه قال اشهد على التسعة انهم في الجنة" ولو شهدتُ على العاشر لم آثم "الخ.

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ فرماتے ہیں کہ میں نو آدمیوں کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جنت میں ہیں (یعنی جنتی ہیں) اور اگر میں دسویں کے بارے میں گواہی دوں تو گناہ گار نہیں ہوں گا، عرض

کیا گیا: وہ کیسے؟ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حراء پر تھے (تو وہ ہلنے لگا) پس آپ نے فرمایا: حراء! تھم جا! کیونکہ تجھ پر نبی وصدیق اور شہید ہی تو ہیں۔ "قیل وَمَنْ هم؟ قال:" الخ عرض کیا گیا وہ جنتی لوگ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحة والزبیر وسعد وعبدالرحمن بن عوف قیل فمن العاشر ؟ پوچھا گیا دسواں کون ہے؟ فرمایا میں ہوں۔
(حسن صحیح)

تشریح:۔ اس حدیث کے متن میں گڑبڑ ہوئی ہے جو کسی راوی کا سہو ہے کیونکہ ایک تو اس میں دو حدیثوں کو ملایا گیا ہے حالانکہ حراء کی حدیث مستقل سند کے ساتھ پہلے گزری ہے اور عشرہ مبشرہ کی حدیث بھی پہلے الگ گزری ہے۔ دوم اس میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کو ذکر نہیں کیا گیا جبکہ نبی علیہ السلام کا نام اس میں شامل کیا گیا ہے، اگر اس کو تبرک کے لئے بھی مانیں تب بھی تعداد کا مسئلہ اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔

مناقبُ ابی عُبیدة بن عامر الجرّاح رضی اللّٰه عنه

ان کے کچھ مناقب آگے حضرت معاذ بن جبل ؓ کے مناقب میں مذکور ہیں اس لئے ترمذی کے بعض نسخوں میں مناقب ابی عبیدہ ؓ کا مستقل عنوان نہیں ہے۔

"عن حذیفة بن الیمان قال جاء العاقب والسید الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالا ابعث مَعَنَا امینک قال فانی سَاَبعَث معکم اَمیناً حق امین فاشرف لها الناس فبعث اباعبیدة". (حسن صحیح)

حضرت حذیفہ بن یمان ؓ فرماتے ہیں کہ عاقب اور سید، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دونوں نے کہا آپ ہمارے ساتھ اپنا امانت دار آدمی بھیجئے! آپ ؐ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک امین بھیجتا ہوں جو واقعی امین ہے، تو لوگ اس عہدہ کے لئے آرزومند ہوئے (تاکہ وہ امین کا مصداق بنیں) پس آپ ؐ نے ابوعبیدہ ؓ کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔

تشریح:۔ عاقب اور سید کا قصہ سورتِ آل عمران کی حدیث عامر بن سعد عن ابیہ میں آیتِ مباہلہ "ندع ابناء نا وابناء کم" الخ میں گزرا ہے، فلیراجع۔ یہ دراصل نجران کے نصاریٰ کے وفد کے سرکردہ آدمی تھے، عاقب کا نام عبدالمسیح تھا اور سیّد کا نام اَیْہَم تھا، انہوں نے مباہلہ سے انکار کیا اور جزیہ قبول کرکے واپس چلے

گئے، آپؐ سے امین مانگا، آپؐ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ امین ھذہ الامۃ کو ان کے ساتھ بھیجا۔

امام ترمذیؒ نے ابواسحاق سے نقل کیا ہے کہ وہ جب اپنے استاذ صلہ بن زفر کی سند سے اس حدیث کو نقل کرتے تو فرماتے ''سمعتہ منذ ستین سنۃ'' یہ حدیث میں نے صلہ سے ساٹھ سال سے سُنی ہے۔ ابواسحاق نے صلہ بن زفر کے شیخ حضرت حذیفہ بن الیمانؒ سے بھی صلہ کی زوردار تعریف وتوثیق نقل کی ہے، ''قال حذیفۃ قلتُ صلہ بن زفر من ذھب'' میں کہتا ہوں کہ صلہ بن زفر سونے کا آدمی ہے یعنی بہت قیمتی شخص ہے، تاہم بعض نسخوں میں قلتُ کے بجائے ''قلبُ صلہ'' ہے یعنی صلہ کا دل سونے کا ہے یعنی منور اور صاف ستھرا ہے، یہ تعدیل کے اعلیٰ الفاظ ہیں۔

حدیث آخر:۔ ''لکل امۃ امین وامین ھذہ الامۃ ابوعبیدۃ بن الجراح''.

ہر امت کا (بطور خاص) ایک امانت دار ہوتا ہے جبکہ اس امت کا امین ابوعبیدہ ہیں۔ عبداللہ بن شقیق کی حدیث عن عائشہؓ، مناقب ابی بکرؓ کے شروع میں گزری ہے۔

حدیث آخر:۔ ''عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم الرجل ابوبکر، نعم الرجل عمر، نعم الرجل ابوعبیدۃ بن الجراح''. (حسن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھے آدمی ہیں ابوبکر، بہت خوب آدمی ہیں عمر، بہت زبردست آدمی ہیں ابوعبیدۃ بن الجراح۔ یہ حدیث کچھ دوسرے ناموں کے اضافہ کے ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ کے مناقب میں آئے گی۔

مناقبُ ابی الفضل عَمِّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وھو العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

حضرت عباسؓ عمر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین سال بڑے ہیں، وفات حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت ۳۲ھ میں ہوئی، بدر میں گرفتار ہوئے پھر مکہ میں فتح تک رہے تھے۔ تاہم جب آپ فتح مکہ کے سفر پر تھے تو حضرت عباسؓ بمع اہل وعیال ہجرت کی غرض سے جحفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے اور اس لئے آپ نے حضرت عباسؓ کو آخری مہاجر قرار دیا۔

"النبی عبدالمطلب بن ربیعة بن الحارث بن عبدالمطلب...ان العباس بن عبد المطلب دَخَلَ علی رسول الله صلی الله علیه وسلم مُغْضَباً واناعنده فقال مااَغْضَبَکَ؟قال یا رسول اللّٰہ امالناولقریش اذا تلا قوا بینهم،تلاقوا بوجوهٍ مُبْشِرة واذالَقُونا،لَقُونابغیر ذالک قال فغضب رسول الله صلی الله علیه وسلم حتیٰ احمَرَّ وجهُه ثم قال:والذی نفسی بیده لایدخل قلبَ رجل الایمانُ حتیٰ یُحِبّکم لِله ولِرسوله ثم قال ایهاالناس امن اذی عَمِّیْ فقداذانی فانماعَمُّ الرجل صِنْوُاَبِیْه".(حسن)

حضرت عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ربیعہؓ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غصہ کی حالت میں آئے اور میں بھی آپؐ کے پاس تھا،آپؐ نے پوچھا آپ کو کس نے غُصّہ دلایا ہے؟انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول!قریش کو ہم سے کیا پڑی ہے کہ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو اور طرح سے ملتے ہیں(تو آخر یہ کیوں مجھ رہتے ہیں؟)فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے یہاں تک کہ آپ کا چہرۂ انور سُرخ ہوگیا پھر آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کسی آدمی کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تم سے محبت نہ کرے،پھر آپؐ نے فرمایا اے لوگو! جس نے میرے چچا کو اذیت دی تو اس نے مجھے اذیت دی (یہ صغریٰ ہے اور کبریٰ محذوف ہے) بے شک آدمی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے۔

تشریح: قولہ:"صِنْوٌ" بروزن سدر،مثل کو کہتے ہیں،دراصل صنو کھجور کی جڑ سے نکلنے والے دو درختوں کو کہتے ہیں،جمع صنوان آتی ہے یعنی عباس کے اور میرے والد کی جڑ(عبدالمطلب)ایک ہے،بظاہر یہ کی دور کا واقعہ لگتا ہے جب ابوجہل ہاشمیوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں سرگرم عمل تھا۔

اگلے باب میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے"عَمُّ الرجل صنوابیه اومن صنوابیه" راوی کے شک کے ساتھ مذکور ہے،ایک نسخہ میں ہے"العباس مِنی وانامنه"(حسن صحیح)اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ہماری جڑ اور خمیر ایک ہے۔

اگلے باب میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کے متعلق حضرت عمرؓ سے کہا:"ان عَمّ الرجل صنوابیه وکان عمرُ کَلَّمه فی صدقته" کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کے

شل ہوتا ہے (یہ ارشاد آپؐ نے اس وقت فرمایا تھا جب) عمرؓ نے آپؐ سے حضرت عباسؓ کی زکوٰۃ کے متعلق بات کی تھی۔ (حسن)

تشریح:۔ "باب ماجاء فی تعجیل الزکاۃ" تشریحات جلد سوم ص: ۱۷۷ پر یہ بحث گزری ہے کہ حضرت عمرؓ صدقات کی وصولی پر مقرر تھے تو انہوں نے واپسی پر نبی علیہ السلام سے تین آدمیوں کے متعلق بات کی کہ انہوں نے زکوٰۃ نہیں دی: (۱) ابن جمیل (۲) خالد بن ولید اور (۳) حضرت عباسؓ۔ فلیراجع۔

حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ عباسؓ کی حیثیت عام صحابہ کی طرح نہیں ہے لہٰذا ان کے بارے میں کوئی بات ہو تو پورے آداب کا خیال رکھ کر کی جائے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ سے فرمایا جب پیر کی صبح ہو تو میرے پاس آپ بھی آئیں اور اپنی اولاد کو بھی میرے پاس لائیں تاکہ میں ان کے لئے ایسی دُعا کروں جس سے اللہ آپ کو اور آپ کی اولاد کو نفع دے، چنانچہ وہ اور ہم ان کے ساتھ صبح کو گئے، پس آپؐ نے ہمیں ایک کمبل اوڑھایا اور پھر دُعا فرمائی "**اللّٰھم اغفر للعباس وَولدہ مغفرۃً ظاھرۃً وباطنۃً لاتُغادر ذنباً، اللّٰھم احفظہ فی ولدہ**"۔ اے اللہ! عباس کی اور ان کی اولاد کی ظاہری و باطنی ایسی مغفرت فرما جو کوئی گناہ (ان کا) نہ چھوڑے، اے اللہ! ان کی اپنی اولاد کے حوالے سے حفاظت فرما (تاکہ وہ اولاد کے حقوق اور تعلیم و تربیت میں کوتاہی کرنے سے محفوظ رہے)۔ (حسن غریب)

حاشیہ میں رزین کی روایت کا یہ اضافہ نقل کیا گیا ہے "**واجعل الخلافۃ باقیۃ فی عقبہ**" ان کی نسل میں خلافت کو باقی رکھ! چنانچہ اس دعا کی برکت نمایاں طور پر محسوس کی گئی حضرت ابن عباسؓ رئیس المفسرین بن گئے اور عباسیہ بنو امیہ پر غالب رہے جبکہ بنو امیہ کا جواب مشکل تھا۔

مناقبُ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت جعفرؓ اپنے بھائی حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے، مشہور غزوہ مُوتہ میں شہید ہو گئے تھے، دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے، اللہ نے ان کے عوض جنت میں دو پر عطاء کئے جن سے جنت میں اُڑتے ہیں، اس لئے آپؓ کا لقب ذوالجناحین اور طیّار رہے، حضور علیہ السلام ان کو ابوالمساکین کہتے جیسا کہ آگے روایت میں آرہا ہے۔

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت جعفراً يطير في الجنة مع الملائكة". (غريب)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جعفر کو (خواب میں) دیکھا جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑ رہے تھے، حضرت گنگوہیؒ الکوکب الدری میں فرماتے ہیں کہ یہ طیران بجسدہ ہے بخلاف عام شہداء کے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی هريرة قال ما احتذى النعال ولا انتعل ولا ركب المطايا ولا ركب الكور بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل من جعفر". (حسن صحيح غريب)

نہ چپل پہنے کسی نے اور نہ جوتے، نہ سوار ہوا کوئی سواری کے جانور پر اور نہ کجاوے پر بیٹھا کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (یعنی علاوہ) جو جعفر سے افضل ہو۔

تشریح:۔ قوله: "احتذی" بمعنی چپل پہننا۔ "انتعل" بمعنی جوتا پہننا۔ "المطية" سواری کا جانور اور "الكور" بروزن خوروخوت، اونٹ کا کجاوہ، اگر مراد یہ ہو کہ جس طرح آپ مساکین کا خیال رکھتے ہیں اسی طرح حضرت جعفرؓ بھی رکھتے تو پھر یہ ان کے ساتھ خاص ہو سکتا ہے اور اگر افضل علی العموم ہو تو پھر جس طرح اس سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں اسی طرح خلفائے راشدین بھی مستثنیٰ ہوں گے۔

حدیث آخر:۔ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب سے فرمایا "أشبهت خلقي و خلقي"۔ (حسن صحیح) آپ میری صورت (حلیہ) اور سیرت دونوں میں مجھ سے مل رہے ہیں۔ قوله: "وفي الحديث قصة" اس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں عمرۃ القضاء کے باب میں ذکر کیا ہے جو حضرت حمزہؓ کی بچی کے بارے میں حضانت و پرورش کے تنازعہ پر مشتمل ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی شخص سے قرآن کی آیتوں کے بارے میں پوچھا کرتا تھا جن کے متعلق میں اس سے زیادہ بہتر جانتا تھا، میں اس لئے نہیں پوچھتا (کہ وہ مجھے مطلب بتائے) بلکہ اس لئے تاکہ وہ مجھے کچھ کھلائے (کیونکہ اصحاب صفہ میں سے تھے) پس میں جب جعفر بن ابی طالب سے پوچھتا تو وہ مجھے جواب نہیں دیتے یہاں تک کہ مجھے اپنے گھر لے جا کر اپنی بیوی سے کہتے: اسماء! ہمیں کھانا کھلاؤ! پس جب وہ ہمیں کھلاتی تب آپؓ مجھے جواب دیتے اور حضرت جعفرؓ غریبوں کو پسند کرتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے اور وہ لوگ بھی ان سے

گفتگو کرتے پس (اس لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ابوالمساکین کے نام سے یاد فرماتے تھے۔
(غریب)

مناقبُ ابی محمدالحسن بن علی بن ابی طالب والحسین بن علی رضی اللہ عنہما

حضرات حسنینؓ دونوں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے صاحبزادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں، سارے لوگوں کا نسب اپنے باپ کے تابع ہوتا ہے لیکن حضرت فاطمہؓ کے عظیم مرتبہ کی وجہ سے حسنینؓ کا نسب ماں کے تابع ہے، حضرت حسنؓ ۳ھ میں اور حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے، حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ بن گئے لیکن چھ ماہ کے بعد وہ حضرت معاویہؓ کے حق میں از خود دست بردار ہوئے، ان کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی جبکہ حضرت معاویہؓ کے بعد یزید کو خلیفہ بنادیا گیا تو اس پر بہت سے لوگوں نے اعتراض کیا، حضرت حسینؓ ایسے لوگوں کی قیادت کرنے کوفہ تشریف لے گئے جس کی تحریک بھی اہلِ کوفہ کی طرف سے چلائی گئی تھی، آپ نے اپنے چچازاد حضرت مسلم بن عقیلؓ کو اپنے سے آگے بھیجا لیکن اہلِ کوفہ میں سے اکثریت پیچھے ہٹ گئی اور یزیدی حمایتیوں سے لڑائی میں مسلم شہید ہو گئے اور پھر مقامِ کربلا میں حضرت حسینؓ مع بہت سے ساتھیوں اور اہلِ خاندان کے بھی جامِ شہادت نوش فرماگئے، یہ ۶۱ھ دس محرم کا دن تھا، آج اہلِ تشیع اس دن کو بطورِ سوگ مناتے ہیں معلوم نہیں یہ لوگ اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ کسی کے لئے مُردے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا بتصریحِ حدیث حرام ہے جس کی تفصیل جنائز میں گزری ہے۔

"عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة". (حسن صحیح)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حسن اور حسین دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

تشریح:۔ یعنی اس وقت جتنے نوجوان، اور جواں سال اہلِ جنت دنیا میں ہیں ان کے سردار حسنین ہیں، علیٰ ھذا انبیاء علیہم السلام اور خلفائے راشدین پر افضلیت ثابت نہ ہوئی، چونکہ اس ارشاد کے وقت یہ حضرات کم سن تھے جبکہ ایسا ہی ارشاد حضرات شیخین کے بارے میں بھی ہے لیکن وہ ارشاد کے وقت اُدھیڑ عمر کے

تھا اس لئے آپ نے ان کو کہول اہل جنت کا سردار قرار دیا فلا تعارض۔ (کذا فی عارضۃ الاحوذی وغیرہ)

حدیث اسامہ بن زید:۔ "قال طرقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فی بعض الحاجۃ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو مشتمل علی شیء لاادری ماھو؟ فلما فرغت من حاجتی قلت ماھذا الذی انت مشتمل علیہ؟ فکشفہ فاذا حسن وحسین علی وَرِکیہ فقال ھذان ابنای وابنا ابنتی اللّٰھم انی اُحِبُّھما فاَحِبَّھما واَحِبَّ من یُحِبُّھما". (حسن غریب)

حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات کسی کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے جبکہ آپؐ کسی چیز کو اپنے کپڑے (چادر) میں لپیٹے ہوئے تھے، میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا ہے؟ پس جب میں اپنے مقصد سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا یہ کیا ہے جس کو آپ اپنے کپڑے میں لئے ہوئے ہیں؟ پس آپؐ نے وہ کپڑا کھولا تو (میں نے) اچانک (دیکھا) کہ وہ حسن اور حسین تھے آپؐ کے دونوں کولہوں پر، پس آپؐ نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اپس تو بھی ان سے محبت فرما اور ہر اس شخص سے محبت فرما جو ان دونوں سے محبت کرے۔

حدیث عبدالرحمٰن بن ابی نعم:۔ "ان رجلاً من اھل العراق سَأَلَ ابن عمر عن دم البعوض یصیب الثوب". (صحیح)

ایک عراقی نے حضرت ابن عمرؓ سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھا جو کپڑے پر لگ جائے (کہ آیا کپڑا نجس ہو جاتا ہے؟) فقال ابن عمر: تو ابن عمرؓ نے فرمایا دیکھو اس کو، مچھر کے خون کے بارے میں پوچھتا ہے جبکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کیا ہے (ان لوگوں کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے) حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے: "ان الحسن والحسین ھما ریحانتای من الدنیا" بے شک حسن اور حسین دونوں دنیا میں میری خوشبو ہیں۔

تشریح:۔ قولہ: "یصیب الثوب" بخاری کی روایت میں ہے "سالہ رجل عن المحرم یقتل الذباب" حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ہو سکتا ہے کہ دونوں کے بارے میں سوالات پوچھے گئے ہوں۔

قولہ: "ریحانتایَ" عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ ریحان ریح سے ہے یعنی خوشبو اور خوشبودار چیز جبکہ روحان روح سے بمعنی استراحت کے ہے "والریحان مایُشَم" یعنی ریحان سونگھنے کی چیز کو کہتے ہیں البتہ قرآن میں ریحان بمعنی رزق کے ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنین کو گلے لگاتے اور سونگھتے

"فاناأسریح بشمھما وضمھما" جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

حدیث سلمٰی:۔"قالت دخلت علی ام سلمة وھی تبکی فقلت مایبکیک قالت: رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی فی المنام وعلیٰ راسہ ولحیتہ التراب، فقلت مالک یارسول اللہ؟قال شھدت قتل الحسین انفاً".(غریب)

سلمٰی کہتی ہیں میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئی، وہ رورہی تھیں تو میں نے پوچھا آپ کیوں رورہی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یعنی خواب میں کہ آپ کے سر اور داڑھی پر مٹی لگی ہوئی تھی، میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آپ کا یہ حال کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں ابھی ابھی حسین کے قتل (کے مقام) میں حاضر ہوا تھا۔

تشریح:۔سلمٰی مجہولہ ہیں، مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ ملاعلی قاری ؒ کو یہاں پر وہم ہوا ہے جنہوں نے اس کو ابورافعؓ کی بیوی اور حضرت ابراہیم کی قابلہ قرار دیا ہے۔اگر یہ روایت صحیح بھی مانیں تو حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ خواب دراصل تخیل ہوتا ہے لہٰذا یہاں کوئی حقیقی خاک نہیں تھی جو آپؐ کے سر مبارک اور داڑھی پر لگی ہو بلکہ حضرت ام سلمہؓ کو صورت خیالی نظر آئی۔(تدبر)

حدیث آخر:۔حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:"أیّ أھل بیتک أحبُّ الیک؟" آپ کو اپنے گھر والوں میں کون زیادہ پیارا ہے؟قال الحسن والحسین، آپؐ نے فرمایا حسن اور حسین، اور آپؐ حضرت فاطمہؓ سے فرماتے:"ادعی لِیَ ابنَیَّ" میرے لئے میرے دونوں بیٹے (نواسے) بلاؤ"فیشمّھما ویضمّھما الیہ" چنانچہ آپؐ ان دونوں کو سونگھتے تھے اور اپنے کلیجے سے لگاتے تھے۔(غریب)

حدیث ابی بکرة:"قال صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فقال:إنّ ابنی ھذا سیّدٌ یُصلِحُ اللہ وعلیٰ یدیہ بین فئتین".(حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور فرمایا میرا یہ بیٹا (نواسا) سردار ہے (یعنی حضرت حسنؓ) اللہ اس کے ہاتھوں سے دو گروہوں میں صلح کرے گا۔

تشریح:۔بخاری کی روایت میں ہے کہ دوران خطبہ حضرت حسنؓ آئے تو آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا، چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد رمضان ۴۰ھ میں آپؓ خلیفہ بنے اور چالیس ہزار لوگوں کی بیعت کے

پھر آپ حضرت معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہوئے۔

(۱۲۷) حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں: "یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطبنا اذجاء الحسن والحسین علیہما قمیصان احمران یمشیان ویعثران فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر فحملهما ووضعهما بین یدیه ثم قال صدق اللہ: "انما اموالکم واولادکم فتنة" نظرت الی هذین الصبیین یمشیان ویعثران فلم اصبر حتی قطعت حدیثی ورفعتهما". (حسن غریب)

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے خطاب فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت حسن اور حضرت حسین آ گئے، دونوں سرخ قمیص زیب تن کئے ہوئے تھے، وہ دونوں چلتے تھے اور گر پڑتے تھے (یعنی کمسنی کی وجہ سے)، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھایا، پھر آپ نے فرمایا اللہ نے سچ فرمایا ہے "انما اموالکم واولادکم فتنة" (تغابن: ۱۵) کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں، چنانچہ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے تو میں صبر نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات کاٹی اور دونوں کو اٹھالیا۔

تشریح:۔ سرخ لباس پہننے کا مسئلہ ابواب اللباس میں گزرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات حسنین کو اٹھانا بھی دوسرے مصالح پر مبنی تھا کیونکہ صحابہ کرامؓ ان کو دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو رہے تھے تو آپ نے اس تشویش کو رفع فرمایا لیکن پھر بھی آپ نے اس موقعہ پر یہ آیت پڑھ لی تا کہ ایک عام حکم معلوم ہو جائے اور جہاں تک اموال و اولاد کا فتنہ ہونے کی بات ہے تو چونکہ یہ دو چیزیں بسا اوقات باری تعالیٰ اور سلوک میں آڑے آتی ہیں تاکہ بعض لوگ تو ان کی وجہ سے عبادات و احکام باری تعالیٰ تک نظر انداز کرتے ہیں اس سے بڑھ کر فتنہ کیا ہو سکتا ہے؟

حدیث آٹھ:۔ حضرت یعلیٰ بن مرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حسینٌ منی وانا من حسین، احبّ اللہ من احبّ حسیناً حسین سبط من الاسباط" حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے، اللہ اس شخص سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرتا ہے، حسین امتوں میں سے ایک امت (قبیلہ) ہیں۔ (حسن)

یعنی ان کی اولاد بڑی قوم و امت بنے گی۔ "حسین منی" الخ کا مطلب گزر چکا ہے۔

حدیث انسؓ:۔ "قال لم یکن احدمنهم أشبه برسول الله صلی الله علیه وسلم من الحَسَنِ بن علی". (حسن صحیح)

اہل بیت میں سے حسن بن علیؓ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تر کوئی نہ تھا۔ اسی طرح کی روایت اس کے بعد حضرت ابو جُحَیفہؓ سے بھی مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا "لکان الحسنُ بن علی یُشبهه" حسن بن علیؓ آپؐ کے مشابہ تھے۔ (حسن صحیح)

لیکن اس کے بعد حضرت انسؓ کی ایک اور روایت ہے:

"قال کنت عندابن زیادفجیء برأس الحُسین فجعل یقول بقضیب فی انفه ویقول مارأیت مثل هذاحُسناً لِمَ یُذکر؟ قال قلتُ أمَااِنه کان من اشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم". (حسن صحیح غریب)

میں (عبیداللہ) بن زیاد کے پاس بیٹھا تھا تو وہاں حضرت حسینؓ کا سر لایا گیا تو وہ ان کی ناک میں چھڑی مارتا تھا اور کہتا تھا (بطور طنز) میں نے ایسا حُسن نہیں دیکھا ہے، یہ بات کیوں مشہور کی گئی ہے (کہ حسین بہت حسین و خوبصورت تھے، لیکن حکام لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے پروپیگنڈے کا سہارا لیتے ہیں، اس کا خیال یہ تھا کہ میں منفی پروپیگنڈا کرلوں گا تو لوگ بھی ان سے بدظن ہوجائیں گے) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: سنو! یہ تو اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، (تو اس کے بعد بھی ان کے حُسن پر انگلی اٹھائی جاسکتی ہے؟)

بظاہر حضرت انسؓ کی دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ مذکور الصدر روایت میں حضرت حَسَنؓ کو اَشبہ کہا ہے جبکہ آخر الذکر میں حضرت حُسینؓ کو اَشبہ قرار دیا ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جب حضرت حسینؓ موجود تھے تو ان کو مشابہ تر کہتے تھے اور جب وہ شہید کردیئے گئے تو ان کے بعد پھر حضرت حسنؓ کو اشبہ کہتے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دونوں آپؐ کے مشابہ تھے جیسا کہ اس کے بعد حضرت علیؓ کی حدیث میں آرہا ہے کہ حسنؓ سینے سے سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ تھے جبکہ حضرت حسینؓ سینے سے نیچے باقی جسم میں آپؐ کے مشابہ تر تھے (جبکہ نفسِ مشابہت دونوں میں تھی)۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ عمارہ بن عُمیر کہتے تھے کہ جب عبیداللہ بن زیاد (قاتلِ حسین) اور اس کے ساتھیوں کے سر لائے گئے "نُضِدَتْ فی المسجدفی الرَّحْبَةِ فانتهیتُ الیهم وهم یقولون: قدجاءت قد

جاءت فاذاحية قدجاءت تتخلل الرءوس حتى دخلت في منخري عبيدالله ابن زياد، فمكثت هنيئة ثم خرجت فذهبت، حتى تغيبت ثم قالوا: قدجاءت قدجاءت ففعلت ذالک مرتين او ثلاثا" اور رحبہ (مقام) کی مسجد میں (جو کوفہ میں تھی) ایک دوسرے کے اوپر ترتیب سے رکھے گئے تو میں ان کے پاس گیا جبکہ لوگ کہہ رہے تھے آ گیا، آ گیا، پس اچانک دیکھا کہ ایک سانپ آ گیا، سروں کے درمیان سے ہوتا ہوا (اوپر والے سر جو) عبیداللہ بن زیاد (کا تھا) کے دونوں نتھنوں میں داخل ہو گیا اور کچھ دیر اندر ہی رہا پھر نکلا اور چلا گیا یہاں تک کہ غائب ہو گیا، لوگوں نے پھر (شور مچاتے ہوئے) کہا آ گیا، آ گیا، سانپ نے دو یا تین مرتبہ ایسا کیا۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ یہ مکافات عمل تھی، چونکہ عبیداللہ بن زیاد بن ابی سفیان امیر کوفہ نے حضرت حسینؓ کی بعد از شہادت ناک کی بے حرمتی کی تھی تو اللہ نے دنیا ہی میں اہل دنیا کو دکھایا کہ ابن زیاد سزا کا مستحق ٹھہرا ہے، ایک روایت میں ہے کہ یہ ایک پتلا سا سانپ تھا جو منہ سے داخل ہوتا اور ناک سے نکلتا اور کبھی ناک میں داخل ہوتا اور منہ سے نکلتا تھا تفصیل تاریخ کی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حاشیہ کوکب میں ہے کہ زیاد ولد الزنا تھا۔

بابٌ

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے (ایک دن) مجھ سے پوچھا کہ تجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے ہوئے کتنے دن ہو گئے؟ میں نے کہا کہ میں تو اتنے، اتنے دنوں سے نہیں ملا ہوں (یعنی حاضری کے لئے کوئی دن مقرر نہیں) تو انہوں نے مجھے کافی برا بھلا کہا، میں نے کہا اچھا ابھی معاف کیجئے (آئندہ ایسا نہیں کروں گا) میں (ابھی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتا ہوں "فاُصلي معه المغرب واسأله ان يستغفرلي ولک" اور آپؐ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتا ہوں اور آپؐ سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے لئے اور آپ کے لئے دعائے مغفرت کریں، چنانچہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور آپ کے ساتھ میں نے مغرب پڑھی، پس آپؐ (مسجد میں) نماز (نوافل) پڑھتے رہے یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھ چکے پھر آپؐ لوٹے تو میں بھی آپؐ کے پیچھے چلنے لگا، پس آپؐ نے میری (چلنے کی) آواز سنی، اور پوچھا من هذا؟ حذيفة؟ یہ کون ہے؟ حذیفہ ہے؟ میں نے کہا "ہاں" آپؐ نے فرمایا "ماحاجتک غفر الله لک ولامک" تمہارا کیا کام ہے؟ اللہ تم کو اور تمہاری ماں کو بخشے، "هذا ملک لم ينزل الارض قط قبل هذه الليلة

اِستاذَنَ رَبَّہ ان یُسَلِّم عَلَیَّ ویُبَشِّرَنی بان فاطمۃ سیدۃ نساء اہل الجنۃ وان الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ "یہ ایک ایسا فرشتہ (حاضر ہوا) ہے جو آج رات سے پہلے کبھی بھی زمین پر نہیں اترا ہے، اس نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ وہ مجھے سلام پیش کرے اور مجھے خوشخبری سُنائے کہ فاطمہؓ جنت کی خواتین کی سردار ہیں اور حسن و حسین دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ (حسن غریب)

حضرت براء بن عازبؓ کی آئندہ حدیث کی ہم معنی حدیث پہلے گزری ہے۔

حدیث آخر:۔"عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حامل الحسن بن علی، علیٰ عاتِقِہٖ، فقال رجل: نِعْمَ المرکبُ رَکِبتَ یاغلام فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ونِعْمَ الراکبُ ھو". (غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن بن علیؓ کو کندھے پر اُٹھائے ہوئے تھے پس ایک شخص نے کہا اے لڑکے! تو نے بہترین سواری پائی ہے! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وہ بھی بہترین سوار ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جو حسن بن علیؓ کو کندھے پر اُٹھائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے: "اَللّٰھم اِنّی اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ" اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے محبت فرما۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ ان احادیث سے حضرات حسنینؓ کی بڑی منقبت و فضیلت ثابت ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے، اور اللہ سے دُعا مانگتے تاکہ اللہ بھی ان سے محبت فرمائے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان میں محبوبیت رکھی۔ حضرت حذیفہؓ کی حدیث سے آپؐ کا اسی عشاء تک نفل پڑھنا ثابت ہوا، مسئلہ ابواب الصلوٰۃ میں گزر رہا ہے۔

مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابواب التفسیر میں سورت احزاب کی عمر بن ابی سلمہؓ کی حدیث کی تشریح جلد ہشتم میں اور جلد سوم میں "باب ما جاء فی کراھیۃ الصدقۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم واھل بیتہ وموالیہ" من ابواب الزکوٰۃ میں، اہلِ بیت کے مصداق کے بارے میں عرض کیا جاچکا ہے، فلیراجع، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امہات المؤمنین اہلِ بیت ہیں گو صدقات کے حکم سے وہ مستثنیٰ ہیں۔ تاہم خلفائے راشدین اربعہ کے بعد افضل کون ہیں، آیا باقی عشرہ مبشرہ

ہیں یا اہل بیت؟ تو امام ترمذیؒ کی رائے میں عشرہ مبشرہ کے باقی چھ صحابہ کرامؓ افضل ہیں اور اسی بناء پر انہوں نے ان کا ذکر اہل بیت پر مقدم کیا ہے جبکہ امام مسلم کے نزدیک خلفائے اربعہ کے بعد اہل بیت سب صحابہ سے افضل ہیں، ابن العربیؒ "عارضۃ الاحوذی" میں لکھتے ہیں:

"ولقد اختلف الناس فی تقدیم اهل البیت علیٰ باقی العشرة بعد الاربعة، فمذهب مسلم تقدیمهم ومذهب الترمذی تاخیرهم عنهم، وبه اقول وأمّا جعفر فقد قال ابوهریرة انه افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم". (عارضۃ الاحوذی ص:۱۴۸ ج:۱۳)

خود ابن العربیؒ آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے، خلفائے اربعہ کے بعد افضل کا تعین مشکل ہے۔

"عن جابر بن عبدالله قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجته یوم عرفة وهو علیٰ ناقته القصواء یخطب فسمعته یقول یاایها الناس انی ترکت فیکم من إن أخذتم به لن تضلوا کتاب الله وعترتی اهل بیتی". (حسن غریب)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج میں عرفہ کے دن دیکھا آپ اپنی قصواء اونٹنی پر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے پس میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: اے لوگو! میں تمہارے لئے ان کو چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان کو پکڑے رہوگے (یعنی جب تک ان کی پیروی اور اتباع کرتے رہو گے) تو ہرگز گمراہ نہیں ہوں گے (۱) اللہ کی کتاب (۲) اور میری عترت (یعنی) میرے اہل بیت۔

تشریح:۔ قولہ: "إن أخذتم به" أخذ بالقرآن یہ ہے کہ اس کے اوامر پر عمل کیا جائے اور نواہی سے بچا جائے یعنی قرآن کو اپنا نصب العین اور مشعلِ راہ بنایا جائے، جبکہ اہل بیت کے متعلق اخذ کا مطلب ان سے محبت کرنا، ان کی عزت اور ان کی روایات پر عمل کرنا ہے، سید جلال الدینؒ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ روایت ایمان کے خلاف نہ ہو لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جو حقیقی عترت میں سے ہوگا اس کا طور وطریقہ شریعت کے خلاف نہیں ہوگا لہٰذا تقیید کی ضرورت نہیں۔

اس سے یہ اشکال بھی ختم ہوگیا کہ ایک روایت میں عترت کے بجائے سنت کا لفظ ہے اور رفع اشکال اس طرح ہے کہ عترت کے ذکر سے مقصود بھی سنت ہی ہے مگر چونکہ سنت اور اہل بیت کی سیرت لازم وملزوم ہیں اس لئے کبھی ایک کا ذکر فرمایا اور کبھی دوسرے کا، اور چونکہ اصل مقصد تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے کہ

اہلِ بیت کو یہ اعزاز اسی کے طفیل ملا ہے لہٰذا اگر اہلِ بیت کے علاوہ کسی دوسرے سے سنت کی راہنمائی ملتی ہو تو اس روایت میں اس کی نفی ہرگز نہیں ہوتی ہے لقولہ تعالیٰ: "فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون" اسی پر امت کا تعامل رہا ہے، علی ھذا اگر خدانخواستہ عترت کا کوئی عمل یا قول شریعت کے خلاف ہو تو وہ متروک ہوگا۔

قولہ: "اهل بیتی" چونکہ عترت کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے اس لئے آپؐ نے اہلِ بیتی سے اس کی وضاحت فرمائی کہ عترت سے مراد آپؐ کی نسل اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔

حضرت عُمر بن ابی سلمہؓ کی روایت بمع ضروری تشریح کے سورتِ احزاب میں گزری ہے۔

حدیث زید بن ارقمؓ:۔ "قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :انّی تارک فیکم مَاإن تَمَسَّکتُم به "الخ. (حسن غریب)

یہ روایت حضرت جابرؓ کی مندرج بالا حدیث کے ہم معنی ہے البتہ صرف چند ایک الفاظ میں فرق ہے وہاں "ترکت فیکم من" ہے یہاں لفظ "ما" ہے اگرچہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے بعض طرق میں بھی لفظ "ما" مروی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ یہاں "احدهما اعظم من الآخر" کا اضافہ ہے یعنی ان دو میں سے ہرایک اہمیت کے اعتبار سے دوسرے سے کسی طرح کم نہیں ہے لہٰذا ہر دو کا پورا پورا اہتمام کرنا لازمی ہے "کتاب الله حبلٌ ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی ولن یتفرّقا حتیٰ یردا علیّ الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیهما"؟ (۱) اللہ کی کتاب جو آسمان سے زمین تک لمبی کی ہوئی رسی ہے (یعنی اللہ سے ملنے اور رسائی کا ذریعہ ہے)۔ (۲) اور میرا کنبہ یعنی میرے گھر والے، اور یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے تا آنکہ دونوں حوضِ کوثر پر مجھ سے آملیں پس دیکھو تم ان دونوں میں میری جانشینی کیسے کرتے ہو؟

یاد رہے کہ حضرت علیؓ کے مناقب میں متنبہ کیا جاچکا ہے کہ اہلِ بیت کے بارے میں شیعوں کی تلبیس کو کبھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے چنانچہ مذکورہ تینوں احادیث سند کے اعتبار سے کمزور ہیں حتیٰ کہ عمر بن ابی سلمہ کی حدیث کو تو موضوع بھی کہا گیا ہے جیسا کہ سورتِ احزاب میں بتایا جاچکا ہے، بصورت صحت جو مطلب اصولِ دین اور اجماع کے مطابق ہے وہ بیان کیا گیا ہے لہٰذا شیعوں کے منفی پروپیگنڈے کا شکار نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ وہ اہلِ بیت کی محبت کی آڑ میں بُغضِ صحابہ کا راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

حدیث المُسَیَّب بن نجبۃ:۔ "قال علیٌّ بن ابی طالب قال النبی صلی الله علیه وسلم انّ کل نبی اُعْطِیَ سبعة نجباء رُفَقَاءَ اوقال رُقَبَاءَ واُعْطِیْتُ انا اربعة عَشَر، قُلنامن هم؟ قال: انا

وابنای وجعفر وحمزۃ "الخ.(حسن غریب)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کو سات شریف ساتھی یا فرمایا کہ نگران دیئے گئے ہیں اور مجھے چودہ (۱۴) دیئے گئے ہیں، ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا میں (۱) میں (۲) (۳) میرے دو بیٹے (حسنین) (۴) جعفر (۵) حمزہ (۶) ابوبکر (۷) عمر (۸) مصعب بن عُمیر (۹) بلال (۱۰) سلمان (۱۱) عمار (۱۲) مقداد (۱۳) حذیفہ اور (۱۴) عبداللہ بن مسعود ہیں۔

تشریح:۔قولہ: "نُجَبَاء" نجیب کی جمع ہے جیسا کہ رُفَقَاء، رفیق کی جمع ہے۔راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے کون سا لفظ ارشاد فرمایا؟ نجیب نجابت سے ہے بمعنی عمدگی کے، اصیل کو بھی کہتے ہیں جو اعلیٰ نسب والا ہو اور اچھی صفات کے حامل اور اپنی نوع میں امتیازی شان رکھنے والے کو بھی کہتے ہیں جبکہ رُقَبَاء، رقیب کی جمع ہے بمعنی ہم کار اور آدمی کے امور کا خیال رکھنے والا رقیب کہلاتا ہے۔قولہ: "قال انا" قال کا فاعل کون ہے؟ تو اس میں دونوں قول ہیں: ایک یہ کہ نبی علیہ السلام ہیں جبکہ انا کا مصداق حضرت علیؓ ہیں۔دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔

حدیث آخر:۔"عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یغذوکم من نِعَمِہ واَحِبُّونی بِحُبِّ اللہِ وَاَحِبُّوا اھل بیتی بِحُبِّی".(حسن غریب)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں میں سے کھلاتا ہے اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کی وجہ سے اور میرے خاندان سے محبت کرو میری محبت کی وجہ سے۔

تشریح:۔اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کی وجہ اس کے عظیم احسانات ہیں "فان الانسان عبد الاحسان" اور چونکہ "فَاِنّ محبوب المحبوب محبوبٌ" اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرو کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں اور اہلِ بیت آپؐ کے محبوب ہیں۔

مناقب معاذبن جَبَلؓ وزیدبن ثابت واُبیّ بن کعب وابی عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہم

"عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ارحَمُ امتی باُمّتی

ابوبکر واشدھم فی امر اللہ عمر واصدقھم حیاء عثمان بن عفان واعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل وافرضھم زید بن ثابت واقرؤھم اُبیّ بن کعب ولکل امۃ امین وامین ھذہ الامۃ ابوعبیدۃ بن الجرّاح"۔ (غریب)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ شفقت کرنے والے ابوبکر ہیں اور دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ مضبوط عمر ہیں اور حیاء کے حوالے سے سب سے زیادہ سچے (پکے) عثمان بن عفان ہیں اور حلال وحرام (کے احکام) جاننے والے ان میں سے سب سے بڑھ کر معاذ بن جبل ہیں اور ان میں علمِ میراث سے زیادہ واقف زید بن ثابت ہیں اور ان میں سب سے بڑے قاری اُبی بن کعب ہیں اور ہر اُمت کا (بطورِ خاص) ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔

انسانی مَلَکات کی تعداد بہت زیادہ ہے، مجموعی طور پر ہر انسان میں تقریباً تمام خوبیاں ہوتی ہیں لیکن یہ تمام خوبیاں برابری کی سطح پر سب لوگوں میں نہیں پائی جاتی ہیں کسی میں ایک خوبی نمایاں ہوتی ہے اور کسی میں دوسری، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو جامع الملکات والصفات تھی لیکن صحابہ کرامؓ میں ان خوبیوں کے لحاظ سے تفاوت پایا جاتا ہے پس جس میں جو خوبی نمایاں تھی اس حدیث میں ان کا ذکر ہے۔ اس کا مشاہدہ ہر زمانہ کے انسانوں میں کیا جاسکتا ہے چنانچہ سب بھائی یکساں خوبیوں کے حامل کبھی نہیں ہوسکتے ہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ سے ایک اور حدیث مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی بن کعب سے فرمایا: "ان اللہ اَمَرَنی اَنْ اَقرأ علیک لم یکن الذین کفروا" "اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں لم یکن الخ (یعنی سورۃ بیّنہ) سناؤں قال وَسَمّانی؟ قال: نعم فبکی، انہوں نے پوچھا کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" تو وہ (اُبی بن کعب) رونے لگے۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ اس سے حضرت اُبی بن کعبؓ کی منقبت معلوم ہوئی اور "لم یکن" پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اہلِ کتاب کا ذکر ہے، اور حضرت اُبی کا رونا خوشی کی وجہ سے تھا، اس حدیث سے قرأت علی التلمیذ اور دوسرے کے سامنے قراءت ثابت ہوئی۔

حدیث آخر:۔ "عن انس بن مالک قال جَمَعَ القرآن علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ، کلُّھم من الانصار (ای الخزرج) اُبیّ بن کعب ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت

وابو زید، قلتُ لِانس مَنْ ابو زید؟ قال اَحَدُ عُمومَتِیْ". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چار شخصوں نے قرآن کو جمع کیا تھا، وہ سارے انصار (خزرج) میں سے تھے: (۱) اُبیؓ بن کعب (۲) معاذ بن جبل (۳) زید بن ثابت (۴) اور ابو زید (حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ) میں نے انسؓ سے پوچھا ابو زید کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میرے چچاؤں میں سے ایک ہیں۔

تشریح:۔ چونکہ یہ بات تواتر سے معلوم ہے کہ ان چار حضرات کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ حفاظ قرآن اور کاتبینِ قرآن تھے اس لئے کہا جائے گا کہ حضرت انسؓ نے یہ بات یا تو اپنے علم کے مطابق فرمائی ہے، یا پھر ان کی مراد اپنے قبیلے کے لوگ ہیں کہ ہمارے قبیلے یعنی خزرج میں سے چار افراد ایسے تھے جنہوں نے پورا کا پورا قرآن حفظ کیا تھا اور اپنے پاس لکھ کر محفوظ بھی رکھا تھا، لہٰذا اس سے دوسرے صحابہ کرامؓ کی کتابت یا حفظ کی نفی مراد نہیں، فَلْیُتَنَبَّہ۔

اگلی دونوں حدیثیں حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے مناقب میں گزری ہیں البتہ ابوہریرہؓ کی حدیث وہاں مختصر ہے یہاں اس پر حضرت اُسید بن حُضیر، ثابت بن قیس، معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرو بن جموح کا اضافہ ہے۔

مناقب سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسیؓ کی عمر کے حوالہ سے بہت سی باتیں مشہور ہیں لیکن کوئی صحیح اور صریح روایت کا ملنا مشکل ہے بہرحال آپؓ فارسی النسل ہیں، باپ ان کا مجوسی زمیندار تھا، آپؓ گھر سے طلب حق میں بھاگے، ایران سے شام پہنچے اور متعدد راہبوں کے پاس خوشی سے رہے، جب ایک فوت ہو جاتا تو دوسرے کے پاس جاتے یہاں تک آخری راہب نے آنحضور علیہ السلام کی طرف راہنمائی کی چنانچہ وہاں سے مدینہ کے لئے نکلے لیکن راستہ میں غلام بنا دیئے گئے جس کا قصہ مشہور ہے۔

"عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان الجنة تشتاق اِلیٰ ثلاثة علیّ وعمّار وسلمان". (حسن غریب)

جنت تین شخصوں کی مشتاق ہیں، علی وعمار اور سلمان کی۔

مناقب عمّار بن یاسر و کنیتُه ابو الیقظان رضی اللّٰہ عنہ

حضرت عمار بن یاسر اپنے والد حضرت یاسر اور والدہ حضرت سُمیّہ سمیت اسلام کے ان اوّلین جانثاروں میں سے ہیں جن کی قربانیوں کو مسلمانوں نے ہمیشہ یاد رکھا ہے، ان کی والدہ اسلام کی پہلی شہیدہ اور والد پہلے شہید ہیں، ابوجہل نے ان پر مظالم کے ایسے پہاڑ توڑے تھے جس کی مثال نہیں ملتی۔ رضی اللہ عنہم۔

حضرت عمار صفین میں ۳۷ھ میں شہید ہوئے جس کا تذکرہ مناقب کی آخری حدیث میں ہے "تقتله الفئة الباغية"۔

"عن علی قال جاء عمّار بن یاسر یستأذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال إئذنوا له طیّباً مرحباً لِطیّب المطیّب". (حسن صحیح)

حضرت عمار حاضر ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی اجازت طلب کر رہے تھے آپؐ نے فرمایا ان کو اجازت دو (اور آپؐ نے فرمایا) خوش آمدید پاکیزہ ذات، پاکیزہ صفات والے کو۔

تشریح:۔ طیب کے معنی طاہر کے اور مُطیّب کے معنی مُطہّر کے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ طیب سے مراد ذات کی پاکیزگی ہو اور مطیّب سے مراد وہ پاکیزگی ہو جو شریعت پر چلنے سے حاصل ہوتی ہے یعنی ذات پہلے ہی سے اچھی تھی پھر جب اسلام قبول کیا تو مزید پاکیزگی حاصل کی پس نور علیٰ نور ہوگیا جیسے مسلم کی روایت میں ہے "الناس معادن کمعادن الذهب والفضة خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا"۔

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ماخُیّر عمّار بین امرین الا اختار اَرْشَدَهما" اختیار نہ دیا گیا عمار کو دو باتوں کا مگر انہوں نے ان میں سے بہتر کو اختیار کیا۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ قوله: "ارشدهما" یہ لفظ ترمذی کے دوسرے نسخہ میں صرف دال مشدد کے ساتھ ہے یعنی اشَدّهما" اس کے مطابق پھر امرین سے مراد طاعات لیں گے یعنی عمار کو جب بھی اختیار دیا جاتا تو "اصعب" یعنی اپنے لئے مشکل پہلو کو پسند کرتے بلند ہمتی کی وجہ سے۔ ایک نسخہ میں "اسَدّ هما" ای اَصْوَبَهما اور ایک میں "ایسرهما" ہے یعنی امت کے لئے آسان کو پسند فرماتے۔

حدیث آخر:۔"عن حذیفۃ قال کُنّا جلوساً عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی وَاَشَارَ الی ابی بکر وعمر، واهتدوا بهدی عمار وما حدثکم ابن مسعود فصَدِّقوه". (حسن)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو آپؐ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تمہارے درمیان میرا جینا کب تک مقدر ہے؟ پس تم لوگ پیروی کروان دونوں کی جو میرے بعد (خلیفہ) ہوں گے اور اس کے ساتھ آپؐ نے ابوبکر وعمر کی طرف اشارہ کیا اور عمار کی چال (سیرت) کی پیروی کرو اور ابن مسعود تم سے جو کچھ بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔

تشریح:۔ حدیث کا پہلا حصہ جو شیخین کے بارے میں ہے پہلے بھی گزرا ہے جبکہ آخری حصہ میں حضرت عمارؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی منقبت کا ذکر ہے، یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے۔ اس سے ایک طرف حضرت علیؓ کے حق پر ہونے کی پیشن گوئی ثابت ہوئی کیونکہ جنگِ صفین میں حضرت عمار حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ دوسری جانب اس سے فقہ حنفی کی بھی تائید ہوئی کیونکہ کوفہ کے فقہاء زیادہ تر حضرت ابن مسعودؓ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ تلامذہ ہیں۔

حدیث آخر:۔"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَبْشِرْ یا عَمّار تقتلک الفئۃُ الباغیۃ". (حسن صحیح غریب)

عمار! تجھے بشارت ہو، تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔

تشریح:۔ یہ روایت بھی حضرت علیؓ کے برحق ہونے کی صریح دلیل ہے کیونکہ حضرت عمار حضرت معاویہؓ کے لشکر کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے تھے، حضرت معاویہؓ بذاتِ خود بھی جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کے ساتھ بھی صحابہ کی بڑی تعداد تھی تو سوال یہ ہے کہ وہ کیوں بغاوت پر تلے ہوئے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "الباغیۃ" بغاوت سے نہیں بلکہ بُغاء سے مشتق ہے جیسا کہ ابواب الصوم کے پہلے باب میں "یاباغی الخیر" کی تحقیق گزری ہے کہ باغی یا تو بُغاء سے ہے یا بُغایۃ سے، فلیراجع۔

پس یہاں بھی باغیۃ بمعنی طالبۃ کے ہے چونکہ صحابہ کرامؓ کی ہر دو جماعتیں اپنے اپنے اجتہاد میں حق کی متلاشی تھیں اور ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں اگرچہ موافقت ہو سکتی ہے اس لئے معاویہؓ کے گروہ کے حضرات شرعاً معذور ہیں جیسا کہ خود حضرت معاویہؓ بھی معذور ہیں، تاہم اس حدیث کی روشنی میں ہم کہہ

سکتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اپنے اجتہاد میں غلطی پر تھے اگر چہ اس میں ان کو کوئی گناہ نہیں۔ یہاں تک تو بات آسان ہے لیکن بخاری کی روایت میں یہ اضافہ ہے "یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار" کہ عماران کو جنت کی طرف بلائیں گے جبکہ وہ عمار کو دوزخ کی جانب بُلائیں گے، اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ نے دیا ہے کہ جنت اور نار سے مراد ان کے اسباب ہیں یعنی عماران کو حضرت علیؓ کی اطاعت کی طرف بلائیں گے جو امام برحق ہیں اور وہ لوگ عمار کو ترکِ اطاعت واجبی کی طرف بُلائیں گے، مگر وہ لوگ اپنے اجتہاد کی وجہ سے معذور ہیں **لالَوْمَ علیهم۔**

ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں: "ای الطالبة لِغیر الحق" یعنی وہ جماعت عمار سے ناحق یعنی دنیا کا مطالبہ کرے گی "وانما کانت تَطْلَبُ الدنیاولکن باجتهاد" یعنی حضرت علیؓ کے ہوتے ہوئے حضرت معاویہؓ کا اقتدار پر رہنایا اس کا استدعاء کرنا مناسب نہ تھا لیکن وہ اس کو محض اقتدار برائے اقتدار نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ وہ اس کو خلافت اور اپنا حق سمجھ رہے تھے اگر چہ وہ اس میں اجتہادی غلطی پر تھے۔ المسترشد پہلے عرض کر چکا ہے کہ اصل اختلاف حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں تھا۔ فلیتذکر۔

مناقب ابی ذر الغفاری رضی اللّٰہ عنہ

حضرت ابوذرؓ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بخاری میں تفصیل سے مروی ہے، آپ کا نام جُندب بن جُنادہ ہے، زہد اور ترکِ دنیا میں انبیاء کے بعد شاید ان کی کوئی مثال نہیں مل سکتی، مقام ربذہ میں وفات پائی جس کا واقعہ بھی عجیب ہے، یہ ۳۲ھ کی بات ہے۔

"عن عبداللّٰہ بن عمرو قال سمعتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلمْ یقول: ماأَظَلَّتِ الخَضْراءُ وَلااَقَلَّتِ الغَبْراء اَصْدَقَ من ابی ذر". (حسن)

آسمان نے کسی پر سایہ نہیں کیا اور زمین نے کسی کو نہ اٹھایا جو زیادہ سچا ہو ابوذر سے۔

تشریح:۔ قوله: "اَظَلّت" سایہ فگن ہوا۔ **قوله:** "الخضراء" ای السماء۔ **قوله:** "اَقَلّتُ" اقلال کے معنی اُٹھانے کے ہیں۔ **قوله:** "الغبراء" زمین۔ **قوله:** "اصدق" کا صیغہ مبالغہ کے لئے ہے۔ لہٰذا اس سے حضرت ابوذرؓ کا حضرت ابوبکرؓ اور باقی کبار صحابہ سے زیادہ سچا ہونے کا مطلب نکالنا صحیح نہیں، جیسے اللہ اکبر میں اکبر مبالغہ اور تاکید کے لئے ہے۔

غرض یہاں اسم تفضیل معنی تفضیلی کے بجائے مبالغہ پر حمل کرنا زیادہ اولیٰ ہے، اور اگر اسم تفضیل اپنے معنی پر ہو تو پھر جس طرح اس سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں اسی طرح ابوبکرؓ بھی مستثنیٰ ہوں گے، بہر حال اس حدیث سے حضرت ابوذرؓ کی بڑی منقبت معلوم ہوئی۔

اگلی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے "وَلَا اقلّت الغبراء من ذی لهجة اصدق ولا اوفیٰ من ابی ذر شبه عیسیٰ بن مریم فقال عمر بن الخطاب کالحاسد: یارسول الله اَفَنَعرف ذالکَ له؟ قال: نعم فاعرفوه"۔ (حسن غریب)

اور نہیں اٹھایا زمین نے کسی کو جو بولنے (زبان) میں زیادہ سچا اور وعدے کا زیادہ پکا ہوا ابوذر سے، (عیسیٰ بن مریم کے بہت مشابہ ہیں (پس شِبه بمعنی شبیہ کے ہے اور تشبیہ زُہد و تواضع میں ہے) پس حضرت عمرؓ نے پوچھا جیسے کسی کو رشک آتا ہے: اے اللہ کے رسول کیا آپ ان کے لئے (ان میں) یہ بات جانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اور تم بھی جان لو! (گویا اَفَنَعرف اعتراف سے ہے)۔

حدیث آخر:۔ "ابو ذر یمشی فی الارض بِزهد عیسیٰ بن مریم"۔

ابوذر زمین پر عیسیٰ بن مریم کے زہد کے ساتھ چلتے ہیں یعنی ان کی طرح زاہد ہیں۔

مناقب عبداللّٰہ بن سلام رضی اللّٰہ عنہ

حضرت عبداللہ بن سلامؓ مشہور صحابی ہیں، بڑی منقبت والے ہیں، پہلے یہودی تھے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کے زیور سے آراستہ پیراستہ فرمایا۔ طبرانی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "الذین اتیناهم الکتاب من قبله اولئک یؤتون اجرهم مرّتین"۔ یہ آیت حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

"عن ابن اخی عبدالله بن سلام قال لَمّا ارید قتل عثمان جاء عبدالله بن سلام فقال له عثمانُ: ماجاء بک؟ قال جئتُ فی نصرک قال اُخرُج الی الناس فاطرُدهم عنّی فانک خارجاً خیرلی منک داخلاً فخرَجَ عبدالله اِلی الناس، فقال ایها الناس انه کان اسمی فی الجاهلیّة فلان (الحصین) فسمانی رسول الله صلی الله علیه وسلم عبدالله ونزلت فِیَّ اٰیات

من کتاب اللہ نزلت فِیَّ: وَشَھِدَ شاھد من بنی اسرائیل علیٰ مِثلہ فاٰمن واستکبرتم ان اللہ لایھدی القوم الظالمین..... ونزل: قل کفیٰ باللہ شھیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب، ان لِلّٰہ سیفاً مغموداً عنکم وان الملائکۃ قدجاورتکم فی بلدکم ھذاالذی نزل فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فَاللّٰہُ اللّٰہَ فی ھذاالرجل ان تقتلوہ فواللہ لَان قتلتموہ لَتَطْرُدَنّ جیرانکم الملائکۃَ ولَتَسلّنّ سیف اللہ المغمود عنکم فلا یُغْمَدُ الیٰ یوم القیامۃ قالوا اقتلوا الیھودی واقتلوا عثمان". (غریب)

یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ ابواب التفسیر کی سورتِ احقاف میں گزری ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن یزید بن عُمیرۃ قال لَمّاحضر معاذبن جبل الموتُ قیل لہ: یا ابا عبد الرحمن اوصِنا قال اجلسونی فقال ان العلم والایمان مکانھمامن ابتغاھما وجدھما یقول ذالک ثلاث مراتٍ والتَمِسوا العلم عند اربعۃ رھطٍ عند عویمر ابی الدرداء وعند سلمان الفارسی، وعندعبداللہ بن مسعود وعندعبداللہ بن سلام الذی کان یھودیاً فاسلَمَ فانی سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: انہ عاشرعشرۃٍ فی الجنۃ". (حسن غریب)

یزید بن عویمر کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ سے عرض کیا گیا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہمیں وصیت (ونصیحت) فرمایئے، آپؓ نے فرمایا (اچھا تو) مجھے بٹھاؤ! (چنانچہ انہیں بٹھایا گیا) پس انہوں نے فرمایا بے شک علم اور ایمان اپنی جگہ پر ہیں (یعنی ان کے لئے ایک مقام مختص ہیں جہاں سے ان کو حاصل کیا جاسکتا ہے، خود چل کر دونوں آدمی کے پاس نہیں آتے ہیں) جو ان کو طلب کرے گا ان کو پائے گا، یہ بات انہوں نے تین مرتبہ فرمائی، اور علم چار شخصوں کے پاس تلاش کرو (۱) عویمر ابودرداءؓ کے پاس (۲) سلمان فارسیؓ کے پاس (۳) عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس (۴) اور عبداللہ بن سلام کے پاس جو پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوگئے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ وہ جنت میں دس میں سے ایک ہیں (یعنی ان کا مرتبہ بھی عشرہ مبشرہ جتنا بلند ہے)۔

مناقب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بن غافل الھذلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور معتمد خاص تھے،

صاحب النعلین کہلاتے ہیں، دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی ہے جیسا کہ کلام فی الصلوٰۃ میں بتایا جا چکا ہے، ان کے والد تو زمانہ اسلام نہ پا سکے لیکن والدہ ام عبد مشرف باسلام ہوئیں، بدر سے لے کر تمام غزوات میں شریک رہے اور علم و فقاہت میں امتیاز رکھتے ہیں، ۳۲ھ میں وفات پائی، رضی اللہ عنہ۔

"عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر و عمر و اھتدوا بھدی عَمّار و تَمَسَّکوا بِعَھْدِ ابن مسعود". (غریب)

حدیث کا پہلا حصہ حضرت عمار بن یاسرؓ کے مناقب میں گزرا ہے اور تمسکوا بعھد ابن مسعود کا حصہ اس حدیث سے مختلف ہے، سند کے اعتبار سے (حذیفہ ؓ کی) وہ حدیث زیر بحث حدیث سے زیادہ صحیح ہے لیکن علامہ تورپشتی شارح مشکوٰۃ نے ان دونوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عہد سے مراد خلافت کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ کی وصیت اور نصیحت ہے پس ترجمہ یوں ہوگا کہ ابن مسعودؓ کی وصیت کو (امر خلافت کے بارے میں) مضبوط تھامو، اس کی دلیل تورپشتی نے یہ دی ہے کہ اس حدیث کے اول میں شیخین کی خلافت کا ذکر ہے اور آخر میں ابن مسعود ؓ کی تلقین ماننے کا تذکرہ ہے اور ابن مسعودؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر ؓ کی خلافت پر استدلال پیش کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "لانؤخر من قدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اَلاَ نرضیٰ لِدُنْیانا من ارتضاہ لِدیننا؟" پس دونوں کا مضمون ایک ہوا۔

حدیث آخر:۔ "عن الاسود بن یزید انہ سمع اباموسیٰ یقول: لقد قَدِمتُ انا واخی مِن الیمن وَمَانُریٰ حِیناً الا ان عبداللہ بن مسعود رجل من اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لِمَا نَرَیٰ مِنْ دخولہ و دخول اُمِّہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم". (حسن صحیح)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے تھے کہ میں اور میرا بھائی دونوں یمن سے آئے، ایک عرصہ تک ہم یہی سمجھتے تھے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے آدمی ہیں کیونکہ ہم ان کا اور ان کی والدہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آنا جانا دیکھتے تھے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے حضرت ابن مسعود ؓ کی خصوصیت و منقبت معلوم ہوئی کہ آپؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اس طرح آزادانہ داخل ہوتے کہ دیکھنے والے کو یہی تاثر ملتا کہ یہ گھر کا کوئی فرد ہے، ظاہر ہے کہ یہ آزادی خاص الخاص شخص کو ہی نصیب ہو سکتی۔

حدیث آخر:۔ "عن عبدالرحمن بن یزید قال اَتینا حذیفۃ فقلنا: حَدِّثنا باقرب الناس

مِنْ رسول الله صلى الله عليه وسلم هَدْياً وَدَلاًّ فَنَاخذعنه ونسمع منه افقال: كان اقرب الناس هـدياً ودَلاًّ وَسمتاً برسول الله صلى الله عليه وسلم ابن مسعود حتىٰ يتوارىٰ مِنَّافي بيته، ولقد علم المحفوظون من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ابن ام عبدهومِنْ اقربهم الى الله زُلفاً". (حسن صحيح)

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم حذیفہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے کہ آپ ہمیں ایسے شخص کے بارے میں بتائیں جو صحابہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرت اور چال چلن میں قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے دین کا اخذ (استفادہ) کریں اور اس سے احادیث سُنیں! حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ سیرت اور چال چلن اور کردار میں لوگوں کی بنسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ابن مسعودؓ ہیں، یہاں تک کہ وہ آپؐ کے گھر میں ہم سے اوجھل ہو جاتے تھے اور بخدا اکابر صحابہ جانتے تھے کہ ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) صحابہ میں سے اللہ کا قریبی درجہ رکھتے تھے۔

حدیث آخر:۔"عن علي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كنتُ مُؤمِّراً احداً منهم من غيرمشورة لَاَمّرتُ عليهم ابن ام عبد".

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں ان (صحابہؓ) میں سے کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو ابن ام عبد (ابن مسعودؓ) کو بناتا۔

تشریح:۔مراد اس سے خلافت نہیں بلکہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں کسی اہم کام مثلاً لشکر کی امارت وغیرہ مراد ہے تا کہ ان احادیث سے تعارض نہ آئے جو قریش کی اور خصوصاً ابوبکرؓ کی خلافت پر ناطق ہیں۔

حدیث آخر:۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن چار شخصوں سے پڑھ لیا کرو، ابن مسعودؓ سے، اُبَیّ بن کعب سے، معاذ بن جبل سے اور ابوحذیفہ کے مولی سالم سے۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔یعنی ان چار حضرات نے قرآن کے لئے اپنے آپ کو جس طرح وقف کر کے اس میں پوری مہارت حاصل کی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ان کو استاذ بنایا جائے، یہ مطلب نہیں کہ دوسرے صحابہ کا قرآن پر عبور نہیں تھا یا دوسرے حفاظ نہیں تھے بلکہ یہاں صرف ان چاروں کی اعلیٰ صلاحیت کو اُجاگر کرنا مقصود ہے۔

حدیث آخر:۔"عن خيثمة بن ابي سَبرة قال اَتيتُ المدينة فَسَالت الله اَنْ يُيَسّرلي

جلیساً صالحاً فیسّر لی اباھریرۃ فجلستُ الیہ فقلتُ لہ انی سالتُ اللّٰہ ان یُیسّر لی جلیساً صالحاً فوُفِّقتَ لی فقال مِنْ این اَنْتَ؟ قلت من اھل الکوفۃ جئتُ اَلتمِسُ الخیر واطلبہ فقال الیس فیکم سعدبن مالک مجاب الدعوۃ؟ وابن مسعود صاحبُ طھورِ رسول اللہ ونعلیہ؟ وحذیفۃ صاحبُ سِرِّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ وعمّار الذی اَجارہ اللہ من الشیطان علیٰ لسان نبیّہ؟ وسلمان صاحب الکتابین؟ قال القتادۃ والکتابان الانجیل والقرآن "۔(حسن غریب صحیح)

حضرت خیثمہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو میں نے اللہ سے دُعاء کی کہ مجھے اچھا ہم نشین (استاذ) نصیب فرمائے، پس اللہ نے مجھے حضرت ابوہریرہؓ میسر فرمایا (چنانچہ میں نے مسجد نبوی میں انہی کے پاس بیٹھنے کا فیصلہ کرلیا) میں ان کے پاس (حلقہ میں) بیٹھ گیا، پس میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ سے دُعاء کی تھی کہ مجھے کوئی ہم نشین میسر فرمائے تو مجھے آپ کی توفیق ملی (یعنی مجھے آپ ملے) تو ابوہریرہؓ نے فرمایا تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا میں کوفی ہوں اور خیر حاصل کرنے کی تلاش وطلب کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، پس انہوں نے کہا کیا تم میں سعد بن مالک (ابن ابی وقاص) جو مستجاب الدعوات ہیں نہیں ہیں؟ اور ابن مسعودؓ نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا پانی اور نعلین اُٹھانے والے ہیں؟ اور حذیفہ نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار ہیں اور عمار نہیں ہیں جن کو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان (دعاء) کی بدولت شیطان سے محفوظ رکھا ہے؟ اور کیا سلمان نہیں ہیں جو دو کتابوں والے ہیں؟ قتادہ کہتے ہیں کہ دو کتابوں سے مراد انجیل اور قرآن ہیں۔

تشریح:۔ اس روایت سے ان صحابہ کرامؓ کی عظیم منقبت معلوم ہوئی کہ ابوہریرہ خیثمہ سے کہہ رہے ہیں کہ ایسے بڑے بڑے رجال علم کے ہوتے ہوئے تم یہاں آئے ہو؟ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا معمول تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چپل اُتار کر تشریف رکھتے تو آپؐ کے نعلین اس طرح لے کر کھڑے ہوتے کہ ایک نعل ایک بازو میں ہوتی اور دوسری دوسرے میں۔ اور آپؐ کے لئے وضوء کا پانی اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرتے۔ حضرت عمارؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے شیطان کی پہنچ سے پناہ میں رکھنے کا مطلب کیا ہے؟ تو اس بارے میں حتمی بات کہنا تو مشکل ہے کہ آیا اس سے مراد دُعاء ہے یا کوئی بشارت؟ اس لئے اوپر ترجمہ میں دُعا کا مطلب اختیار کیا گیا جبکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد یہ حدیث ہو "ویح عمار یدعوھم الی

المجنة " جیسا کہ ان کے مناقب میں گزرا ہے یا جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی مرفوع حدیث گزری ہے "ما خیر عمّار بین امرین الا اختار ارشدھما"۔

مناقب حذیفة بن الیمان رضی اللہ عنہ

حضرت حذیفہ بن الیمان العبسی اصلاً یمن سے تعلق رکھتے ہیں تاہم انصار مدینہ کے قبیلہ عبد الاشہل کے حلیف تھے، ان کی ایک بڑی منقبت سابقہ روایت میں گزر گئی کہ نبی علیہ السلام نے ان کو منافقین کے نام بتائے تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے کچھ دن بعد ۳۶ھ میں وفات پائی، رضی اللہ عنہ۔

"عن حذیفة قال قالوا: یارسول الله صلی الله علیه وسلم لو استخلفت قال: إن استخلفتُ علیکم فعصیتموه عُذِّبْتُمْ ولکن مَا حَدَّثکم حذیفةُ فصدقوه وَمَا أَقْرأکم عبدالله فاقرء وه". (حسن)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کاش آپ اپنا خلیفہ مقرر فرماتے، آپؐ نے فرمایا اگر میں تم پر کسی کو خلیفہ مقرر کردوں اور پھر تم اس کی نافرمانی کرو تو تمہیں عذاب دیا جائے گا البتہ حذیفہؓ تمہیں جو کچھ بیان کریں تو اس کی تصدیق کرو اور عبداللہ (ابن مسعودؓ) تمہیں جو پڑھائیں اس کو پڑھو (یعنی خلافت کے متعلق ان کی بتائی ہوئی حدیث پر عمل کرو!)

تشریح:۔ اس حدیث کا آخری حصہ جو ابن مسعودؓ سے متعلق ہے پہلے گزرا ہے۔ یہاں سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ آپؐ نے جان بوجھ کر اپنا خلیفہ متعین نہیں فرمایا اور دوسری یہ کہ آپؐ نے حضرت حذیفہؓ کو راز کی باتیں اور فتنوں کی نسبتاً زیادہ تفصیل بتائی تھی۔ قوله: "قال عبدالله فقلت لإسحاق" الخ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کے استاذ عبداللہ نے اسحاق بن عیسیٰ سے پوچھا کہ محدثین کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ سے روایت کرنے والے ابو وائل شقیق بن سلمہ ہیں! اسحاق نے کہا نہیں بلکہ یہ زاذان عن حذیفہ ہے۔

مناقب زید بن حارثة رضی اللہ عنہ

حضرت زیدؓ کے بارے میں سورت احزاب میں کچھ تذکرہ گزر چکا ہے، ان کی منقبت کے لئے یہ بات کافی وشافی ہے کہ آپؐ نے ان کو اپنا متبنّٰی بنایا تھا اگرچہ سورت احزاب میں یہ حکم منسوخ کردیا گیا، آپؐ غزوۂ

موتہ میں ۸ھ میں شہید ہوئے، ان سے حضور علیہ السلام کی محبت کا عالم یہ تھا کہ ان کی شہادت کے بعد آپ نے اُسامہ سے اتنی محبت کی کہ وہ حِبُّ رسول اللہ کے نام سے مُلقّب ہو گئے۔

"عن عمر انه فَرَضَ لِأُسامة فى ثلاثة الآف وخمسمائة وفَرَضَ لِعبداللّٰہ بن عمر فى ثلاثة الآف، فقال عبداللّٰہ بن عمر لابيه لِمَ فَضَّلتَ اُسامة عَلَيَّ فواللّٰہ ماسَبَقَني الىٰ مشهدٍ قال: لِاَنَّ زيداً كان اَحَبَّ الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم مِنْ اَبِيْكَ وكان اُسامة احبَّ الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم مِنكَ!!! فاثرتُ حِبَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم علىٰ حُبِّي". (حسن غريب)

حضرت عمرؓ نے اسامہ کے لئے ساڑھے تین ہزار کا وظیفہ مقرر کیا (یعنی بیت المال میں سے) اور عبداللہ بن عمر کا تین ہزار، پس عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد سے پوچھا: آپ نے اُسامہ کو میرے اوپر کس بناء پر ترجیح دی حالانکہ بخدا!! انہوں نے تو کسی بھی غزوہ میں مجھ سے سبقت نہیں کی ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس لئے کہ زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور اُسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ محبوب تھے، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو اپنے محبوب پر ترجیح دی ہے۔

تشریح:۔ حضرت ابن عمرؓ کا اپنے والد سے استفسار اُسامہ کے زائد وظیفہ پر حرص ولالچ یا حسد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ چونکہ وظیفہ کے تقرر میں دینی شرافت کو ملحوظ رکھتے تھے، اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے وہ وجہ معلوم کرنے کی غرض سے پوچھا تا کہ اگر کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو اسے دور کیا جائے، اور حضرت عمرؓ کی نظر صحیحین کی اس مرفوع روایت پر تھی جسے حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں "لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیه مِنْ والده وَوَلَدِه والناس اجمعین" اور اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو اپنی مرضی پر غالب کر دیا جائے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد ہی کہا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی "اُدعوهم لِاٰبائهم هو اقسط عندالله" (صحیح) جیسا کہ سورت احزاب میں گزرا ہے۔

حدیث آخر:۔ جَبَلَہ بن حارثہ (حضرت زید کے بھائی) کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے بھائی زید کو میرے ساتھ بھیجئے! آپ نے فرمایا وہ یہ

ہیں، اگر جانا چاہے آپ کے ساتھ تو میں ان کو نہیں روکتا، زید نے کہا اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ جبلہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (بعد میں جب میں مسلمان ہوا) جان لیا کہ میرے بھائی کی رائے میری رائے سے زیادہ بہتر تھی۔ (حسن غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر اُسامہ بن زید کو امیر مقرر کیا پس کچھ لوگوں نے ان کو امیر بنانے پر اعتراض سا کیا، تو آپؐ نے فرمایا: ''اِنْ تطعَنُوا فی اِمْرَتِه فقد کنتم تطعنُوْنَ فی اِمْرَ ۃ ابیه '' الخ۔ اگر تم ان کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے قبل (غزوہ موتہ میں) ان کے والد کی امارت کے بارے میں بھی چہ مہ گویاں کر چکے ہو!'' وایم اللہ اِنْ کان لَخلیقاً لِلامارۃ واِنْ کان من اَحَبِّ الناس اِلَیَّ واِنَّ ھذامن اَحَبِّ الناس اِلَیَّ بعدہ'' حالانکہ بخدا وہ امارت کے اہل تھے اور بخدا وہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے اور بے شک یہ (اُسامہ) بھی مجھے سب لوگوں سے زیادہ دلعزیز ہیں۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قوله: ''اِمْرَته'' بکسر الهمزة وسکون المیم ای فی اِمارته۔ قوله: ''مِنْ قبل'' اس سے پہلے یعنی غزوۂ مُوتہ کے موقع پر۔ قوله: ''اِنْ کان'' اِنْ مُخَفَّفٌ مِنَ المثقله ہے اور ضمیر شان مقدر اس کا اسم ہے ای انه کان الخ۔ یہ تشکیل آپؐ کی حیات طیبہ کے آخری ایام میں ہوئی تھی جو شام کی طرف لشکر روانہ کرتے وقت آپؐ نے حضرت اُسامہ کو اس کا امیر بنایا تھا چونکہ حضرات شیخین بھی اس لشکر میں موجود تھے اس لئے بعض لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کو بنایا جائے، لیکن اس کی حکمت بہت جلد رونما ہوئی کہ آپؐ بیمار ہو گئے اور لشکر انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد اس کو روانہ کیا جس کا قصہ مشہور ہے۔ اَحبُّ الناس کون ہے؟ اس بارے میں پہلے ضابطہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بعض اعتبارات سے ایک محبوب تر ہوتا ہے اور بعض دیگر وجوہات سے دوسرا محبوب تر ہو سکتا ہے۔

مناقب اسامة بن زيد رضى الله عنه

''عن محمد بن اسامة بن زيد عن ابيه قال: لَمّاثَقُل رسول الله صلى الله عليه وسلم هَبَطْتُ وهَبَطَ الناسُ المدينةَ فدخلتُ على رسول الله صلى الله عليه وسلم وقداُصْمِتَ فلم يتكلم فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع يديه عَلَيَّ ويرفعهمافَاعرِفُ انه يدعُوْ لي''۔

(حسن غریب)

حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (شدت مرض کی وجہ سے) بوجھل ہوگئے تو میں (عوالی سے) اُتر آیا اور لوگ بھی اُترے پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوا جبکہ آپ کی زبان بند ہوگئی تھی پس آپ بول تو نہ سکے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو میرے اوپر رکھتے تھے اور ان کو اُٹھاتے تھے تو میں سمجھ گیا کہ آپؐ میرے لئے دُعا کرتے ہیں۔

تشریح:۔ جیسا کہ سابقہ حدیث میں بیان کیا جاچکا ہے کہ آپؐ نے اپنے آخری ایام میں شامی لشکر پر حضرت اسامہ کو امیر مقرر کیا تھا، یہ لشکر نکلنے والا ہی تھا کہ آپؐ علیل ہوگئے چونکہ روانگی کے لئے مجاہدین جرف نامی مقام پر مجتمع ہوگئے تھے تاہم آپؐ کی بیماری کی شدت کو دیکھتے ہوئے حضرت اسامہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام آپؐ کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہ ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اسامہ کی رینٹ (ناک) کو پونچھیں تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا "دَعْنِىْ حَتّٰى اكون انا الذى افعل" آپ مجھے چھوڑ دیں کہ میں پونچھ دیتی ہوں! قال یاعائشة اَحِبِّيه فانى اُحِبُّه آپؐ نے فرمایا اے عائشہ! اس سے محبت کرو کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ یعنی جب حضرت اُسامہؓ چھوٹے بچے تھے اور بمشکل سات آٹھ سال کے تھے تو آپؐ نے ان کی ناک صاف کرنے کا ارادہ فرمایا۔ قولہ: "ان ينحّي" بتشديد الحاء المكسورة اى يزيل۔ اس سے حضور علیہ السلام کی اسامہ سے پیار و محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کیونکہ ایسا کرنا اپنے بچوں یا انتہائی دلعزیز بچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں علی و عباس آئے اور دونوں اجازت مانگ رہے تھے انہوں نے کہا اے اسامہ! ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت لو! چنانچہ میں نے کہا یارسول اللہ! علی والعباس يستاذن حضرت علی اور حضرت عباسؓ اجازت چاہ رہے ہیں! آپؐ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیوں آئے ہیں؟ میں نے کہا نہیں فقال لكنى ادرى لیکن میں جانتا ہوں، دونوں کو اجازت دو، چنانچہ وہ دونوں داخل ہوئے فقالا یارسول الله! جئناك نسالك اىّ اهلك احبّ اليك ؟ دونوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ

آپ سے دریافت کریں کہ آپ کو اپنے خاندان میں کون زیادہ پسند ہے؟ قال فاطمة بنت محمد آپؐ نے فرمایا کہ فاطمہ بنت محمد مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے قالا ماجئناک نسالک عن اهلک وہ دونوں کہنے لگے کہ ہم آپ سے آپ کی اولاد کے متعلق پوچھنے نہیں آئے ہیں! (بلکہ اولاد وازواج کے علاوہ دیگر عزیز و اقارب اور متعلقین کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں) قال احبُّ اهلی اِلَیَّ مَنْ قد انعم الله علیه وانعمتُ علیه اُسامة بن زید، آپؐ نے فرمایا میرے اہل میں مجھے سب سے زیادہ وہ شخص پسند ہے جس پر اللہ نے (اسلام کا) انعام کیا ہے اور میں نے (ترتیب و پرورش اور تبنّی) کا انعام کیا ہے وہ اسامہ بن زید ہیں! انہوں نے کہا پھر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا پھر علی بن ابی طالب ہیں!!! فقال العباس: یارسول الله اجعلتَ عَمّک آخِرَهم؟ پس حضرت عباسؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنا چچا کو ان سے موخر کر دیا، قال "ان علیاً سبقک بالهجرة" آپؐ نے فرمایا کہ علی ہجرت میں آپ پر سبقت لے گئے ہیں۔ (حسن)

تشریح:۔ قوله: "کنت جالسا" یعنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا چونکہ لفظ اہل کا مفہوم کافی عام ہے اور حضور علیہ السلام سے زیادہ سوال سمجھنے والا کوئی نہیں ہو سکتا لیکن پھر بھی آپؐ نے لفظ اہل کو پہلے اولاد پر محمول کیا تاکہ دونوں میں کسی کو کسی پر ترجیح کی نوبت نہ آنے پائے لیکن جب ان حضرات نے اصرار کیا تو آپؐ نے وضاحت فرمادی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسامہ کے والد حضرت زید کو آزاد کر کے متبنّیٰ بنادیا تھا لیکن چونکہ اس کا مصداق اسامہ بھی ہیں اس لئے سورۃ احزاب کی آیت سے اقتباس لینا صحیح ہوا۔

مناقب جریر بن عبداللہ البَجَلی رضی اللہ عنہ

"عن جریر بن عبدالله قال مَاحَجَبَنِیْ رسول الله صلی الله علیه وسلم مُنذ اسلمتُ ولارآنی الا ضحِک". (حسن صحیح)

حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے (ملاقات سے) نہیں روکا جب سے میں مسلمان ہوا ہوں اور جب بھی مجھے دیکھا تو آپؐ مسکرائے۔

تشریح:۔ قوله "مَاحَجَبَنِی" یعنی مجھے کبھی محروم نہیں کیا ہے میں نے جب بھی ملاقات کی درخواست کی ہے تو آپؐ نے فوراً قبول فرمائی اور اِکراماً آپؐ نے ہمیشہ مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا جیسا کہ اگلی روایت میں "ضَحِکَ" کے بجائے تبسّم کا لفظ ہے۔ امام ترمذیؒ نے "باب المسح علی الخفین" میں حضرت جریر بن عبداللہ کی

حدیث نقل کر کے لکھا ہے: "وکان یعجبھم حدیث جریر لان اسلامہ کان بعد نزول المائدۃ" چونکہ حضرت جریر بن عبداللہ بجیلہ قبیلہ کے سردار تھے اور خوشی سے ایمان لائے تھے اس لئے آپؐ حضرت جریر کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔

مناقب عبداللہ بن العباس رضی اللہ عنہما

رئیس المفسرین شائقینِ علوم کے سردار حضرت عبداللہ بن عباس کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپؓ کی خصوصیات اور فضائل اہلِ علم سے کسی طرح مخفی نہیں، بچپن سے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں علم کا ایسا شوق ودیعت فرمایا تھا کہ کبھی آپؐ کے رات کے معمولات دیکھنے کی غرض سے اپنی خالہ کے گھر جاتے اور جب آپؐ کی وفات ہوئی تو کبار صحابہ کے دروازوں پر ڈیرا ڈالتے رہے یہاں تک کہ حبر الامت بن گئے۔ آپؓ کی وفات کے وقت تیرہویں سال میں داخل ہو گئے تھے، ۶۸ھ کو طائف میں انتقال ہوا۔ بعض روایات کے مطابق وفات کے وقت اس آیت کی تلاوت سُنی گئی "یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک" الخ۔

"عن ابن عباس انہ رأی جبرئیل مرتین ودعالہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرّتین".

(مرسل)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے دومرتبہ حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دومرتبہ دُعا فرمائی ہے۔ (یہ روایت مرسل بمعنی منقطع ہے کہ ابو جھضم لم یدرک ابن عباس)

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس قال دَعَالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یؤتینی اللہ الحُکمَ (الحکمۃ) مرتین". (حسن غریب)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے دومرتبہ دُعا فرمائی ہے کہ اللہ مجھے حکم (حکمت) عطا فرمائے۔

تشریح:۔ حُکم اور حکمت دونوں ایک ہیں، مراد فقاہت اور سمجھ بوجھ ہے، ایک مرتبہ آپؐ نے ان کو سینے سے لگا کر دُعا مانگی "اللّٰھم علّمہ الحکمۃ" جیسا کہ اگلی صحیح روایت میں مصرح ہے اور دوسری مرتبہ جب حضرت میمونہؓ کے گھر میں حضرت ابن عباسؓ نے بیت الخلاء کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی رکھ کر

فاصلے پر کھڑے ہوگئے جب آپؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے دُعا دی اور دو مرتبہ حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا، اصلی حلیہ میں مراد نہیں بلکہ انسانی روپ میں دیکھنا مراد ہے، ایک مرتبہ حدیث جبرئیلؑ کے مطابق جب حضرت جبرئیلؑ نے مسجد نبوی میں آ کر آپؐ سے چند سوالات پوچھتے تھے، اور دوسری مرتبہ جب ان کے والد حضرت عباسؓ نے کسی کام سے ان کو حضور علیہ السلام کے پاس بھیجا اور جب ابن عباسؓ وہاں آئے تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام کے پاس کوئی شخص تھا اس لئے لوٹ آئے اور اپنے والد سے اس کا تذکرہ کیا چنانچہ جب حضرت عباسؓ خود تشریف لائے تو وہاں کوئی آدمی نظر نہیں آیا انہوں نے آپؐ سے ابن عباسؓ کی بات کا تذکرہ کیا (کہ یہاں پہلے کوئی آدمی تھا؟) تو آپؐ نے فرمایا وہ جبرئیلؑ تھے۔

مناقب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

جامع ترمذی کی سب سے پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے وہاں تشریحات میں ان کا مختصر ڈیڑھ سطر کا تعارف گزرا ہے، مزید یہ کہ آپ کی عمر بدر کی جنگ میں تیرہ سال کی تھی، حجاج بن یوسف کا زہر آلود تیر پاؤں میں لگنے سے وفات پائی۔

"عن ابن عمر قال رأيتُ في المنام كأنّما بيدي قطعة استبرق ولا أُشير بها الىٰ موضع مِنَ الجنة الا طارت بي اليه فقصصتُها علىٰ حفصة فقصّتها حفصة على النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ان اخاك رجل صالح، اوان عبدالله رجل صالح". (حسن صحيح)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا جیسے میرے ہاتھ میں ریشم کا ٹکڑا ہے، میں جنت میں اسے جس جگہ کی نشاندہی کرتا ہوں تو وہ مجھے اُڑا کر وہاں لے جاتا ہے، پس میں نے یہ خواب (اپنی ہمشیرہ) حضرت حفصہؓ سے ذکر کیا اور حفصہ نے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا تیرا بھائی نیک آدمی ہے، یا فرمایا عبداللہ مرد صالح ہیں۔

تشریح:۔ خواب میں جنت دیکھنا اور اس میں داخل ہونا بھی نیک شگون ہے اور ریشم دیکھنا ابن سیرینؒ کی تصریح کے مطابق بھی اس جہاں کی خیر وصلاح اور دین ودنیا کی عزت اور مرتبہ پانے کا اشارہ ہے چنانچہ آپؐ نے ابن عمرؓ کو رجل صالح قرار دیا اور یقیناً آپؓ اتبع للسنة تھے۔ **قولہ: "الا طارت بی"** اس میں باء تعدیہ کے لئے ہے یعنی وہ ریشم مجھے ایسا اُڑا کر لے جاتا ہے جیسے پرندہ اپنے پروں کے ذریعہ اُڑتا ہے۔

مناقب عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن زبیر ان چار صحابہ کرامؓ میں سے تھے جنہوں نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تھا اس کی تفصیل تشریحات جلد سوم میں ابواب الحج کے پہلے باب میں گزری ہے۔

"عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم رای فی بیت الزُّبیر مصباحاً فقال: یا عائشةُ مَااُری اسماء الا قدنُفِسَتْ ، فلا تُسَمُّوه حتیٰ اُسَمِّیَه فَسَمَّاه عبدالله وحنکه بتمره".
(حسن غریب)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر (بن العوام) کے گھر میں (رات کو) چراغ (کا اُجالا) دیکھا تو فرمایا اے عائشہ! میں سمجھتا ہوں کہ اسماء کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے پس تم لوگ اس کا نام مت رکھو تا کہ میں خود ہی اس کا نام رکھوں، چنانچہ آپؐ نے ان کا نام عبداللہ رکھا اور کھجور سے ان کی تحنیک کی (یعنی کھجور منہ میں نرم کر کے جبڑے سے چپکا دی)۔

مناقب انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انسؓ کا مختصر تعارف "باب مایقول اذا دخل الخلاء" میں گزرا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت ان کی عمر دس سال کی تھی پھر پورے دس سال تک آپؐ کے خادمِ خاص رہے ہیں۔

"عن انس بن مالک قال مَرَّ رسول الله صلی الله علیه وسلم فَسَمِعت اُمِّی اُمُّ سُلیم صوتَه فقالت: بِأَبِیْ وأُمِّیْ یارسول الله اُنیس!!!قال فدعالی رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاث دعوات قدرأیتُ منهن اثنتین فی الدنیاو اناارجو الثالثة فی الآخرة". (حسن صحیح غریب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو میری والدہ اُم سُلیم نے آپؐ کی آواز سُنی پس وہ کہنے لگیں اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ چھوٹا انس ہے (اس کے لئے دُعا فرمائیں) حضرت انسؓ فرماتے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں تین دعائیں کیں ان میں سے دو کو تو میں نے دنیا میں دیکھ لیا ہے (یعنی مال واولاد کی کثرت) اور تیسری کا (جو مغفرت کی ہے) میں

آخرت میں ملنے کا اُمیدوار ہوں۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اُم سُلیم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول انس آپ کا خادم ہے اس کے لئے دُعا فرمائیں اقال اللھم اکثر مالہ وَوَلدہ وبارک لہ فیما اَعطیتہ ،آپؐ نے دعا فرمائی اے اللہ! اس کے مال اور اولاد کو زیادہ فرما اور جو کچھ اس کو دے اس میں برکت عطا فرما۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔"عن انسٍ قال کنّانِیْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بِبَقْلَۃٍ کنتُ اَجْتَنِیْھا". (غریب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت رکھی ایک ساگ (سبزی) کے ساتھ.....(یعنی ابوحمزہ)........جس کو میں چُنا کرتا تھا۔

تشریح:۔بقلہ تو مطلق ترکاری اور سبزی کو کہتے ہیں لیکن حضرت انسؓ کھیت سے جو ساگ چُن کر لایا کرتے تھے اس کو حمزہ کہتے ہیں جس کی تیزی اور تُرشی کی وجہ سے مُنہ میں جلن سی ہوتی ہے وہ زبان کو چرچراتا ہے، اس لئے آپؐ نے ان کی کنیت اُبوحمزہ رکھی، یاد رہے کہ حمزہ اسد (شیر) کو بھی کہتے ہیں لیکن یہاں مراد سبزی ہی ہے جیسا کہ حضرت انسؓ نے ببقلۃ کی تصریح کی ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ثابت بُنانی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے مجھ سے کہا: یاثابت ا خُذعنی فانک لن تاخُذ عن احداوثق مِنّی انی اخذتُہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،واخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن جبرئیل،واخذہ جبرئیل عن اللہ عزوجل"۔(غریب)

مجھ سے علمِ دین حاصل کرو! کہ تم مجھ سے زیادہ بااعتماد شخص سے حاصل نہیں کرسکو گے کیونکہ میں نے یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت جبرئیل سے لیا ہے اور حضرت جبرئیل سے اسے اللہ عزوجل سے اخذ کیا ہے۔

تشریح:۔ چونکہ حضرت انسؓ بصرہ میں وفات پانے والے صحابہ کرامؓ میں سب سے آخری صحابی ہیں جو ۹۳ھ میں انتقال فرماگئے اس لئے یہ کہا تشویق کے لئے کہ مجھ سے زیادہ معتمد آدمی سے تمہیں قرآن وسنت کا علم نہیں ملے گا اور یہ امر واقعی بھی تھا۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کبھی کبھار فرماتے:"یاذا الاُذُنین" اے دو کان والے!۔ ابواُسامہ کہتے ہیں کہ یہ کہنا بطورِ مزاح کے تھا۔(حسن غریب صحیح)

یہ حدیث تشریحات جلد ششم ص: ۲۶۴ پر "باب ماجاء فی المزاح" من ابواب البر والصلۃ میں گزری

حدیث آخر:۔ ابوخَلدۃ کہتے ہیں میں نے ابوالعالیہ سے پوچھا کیا انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سُنی ہیں (یا انس اس وقت بہت چھوٹے تھے؟) قال: ابوالعالیہ نے کہا "خدمہ عشر سنین ودعا له النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان له بستان یحمل فی السنة الفاکهة مرّتین وکان فیهما ریحان یجدمنه ریح المسک" (سُنا کیا بلکہ) انہوں نے آپؐ کی دس سال تک خدمت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دُعا فرمائی ہے، چنانچہ ان کا ایک باغ تھا وہ سال میں دو مرتبہ پھل اُگاتا تھا (یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت تھی) اور اُس میں ایک خوشبودار پودا تھا اس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ (حسن غریب)

قوله: "یحمل" ای یثمر ۔قوله: "یجد" ای یجد واجدٌ یا یَجِدُمنه انسٌ رِیحَ المِسکِ ایک نسخہ میں یجی ہے۔

مناقب ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه

حضرت ابوہریرہؓ کا تفصیلی تعارف کتاب کے شروع میں "باب ماجاء فی فضل الطهور" میں گزرا ہے۔ تشریحات جلد نمبر اص: ۶۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

"عن ابی هریرة قال قلتُ یارسول اللّٰہ اسمع منک اشیاء فلا اَحفَظُها قال ابسُط رداء ک فبَسطتُه فحدّث حدیثاً کثیراً فمانَسِیتُ شیئاً حدّثنی به". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں آپ سے بہت حدیثیں سنتا ہوں تاہم میں انہیں یاد نہیں کرسکتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم چادر پھیلا دو! (بچھاؤ) تو میں نے پھیلائی اپنی چادر، پس آپ نے بہت حدیثیں ارشاد فرمائیں، میں ان احادیث میں سے جو آپ نے بیان فرمائی تھیں کچھ نہیں بھولا۔

اگلی حدیث میں ہے کہ "فبسطتُ ثوبی عنده ثم اَخذَه فجمعه علی قلبی فمانسیتُ بعده" یعنی میں نے اپنا کپڑا آپؐ کے پاس پھیلا دیا پھر آپؐ نے اس کو لیا اور اس کو میرے دل (سینہ) پر جمع کردیا پس میں اس کے بعد کچھ نہیں بھولا۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ چادر بچھانے اور سینہ سے لگانے کا یہ عمل کوئی تحصیل علم کا طریقہ معروف نہیں ہے بلکہ محض ایک علامت کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ الٰہی سے حضرت ابو ہریرہؓ کو آگاہ فرمایا کہ اس کے بعد آپ کچھ بھی سنیں تو یاد رہے گا، عارضۃ الاحوذی میں ہے "ھذہ خصیصۃ عینھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم امارۃ علیٰ وَعْیِہ وعلامۃ علیٰ حِفظہ من غیر ان تکون بینھا وبین ذالک مناسبۃ معروفۃ عادۃً او بدلیل وانما ذالک امر الٰھی اُلقِیَ اِلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعَمِلَ بہ "لہٰذا یہ دوسروں کے لئے مفید نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے کہا اے ابو ہریرہ! آپ ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگے رہنے والے تھے! اور ہم سے زیادہ حدیثیں یاد رکھنے والے تھے۔

تشریح:۔ یہ ایسا ہے جیسے دعویٰ مع الدلیل یعنی آپ کو احادیث اس لئے زیادہ یاد ہیں کہ آپ ہر وقت حضور علیہ السلام کے ساتھ لگے رہتے تھے اور آپ کا حافظہ بھی قوی تھا اس لئے احادیث بھی زیادہ سنیں اور جو کچھ سنا اسے یاد بھی رکھا۔

حدیث آخر:۔ مالک بن ابی عامر کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو محمد! بتائیں کہ یہ یمنی (شخص) یعنی ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو آپ حضرات سے زیادہ جاننے والا ہے؟ کہ ہم اس سے بہت سی ایسی احادیث سنتے ہیں جو ہم آپ حضرات سے نہیں سنتے یا پھر (کہیں ایسا تو نہیں کہ) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتا ہے جو آپؐ نے نہیں فرمائیں؟ قال اَمّا ان یکون سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالم نسمع عنہ.... (فھو جدیر بہ).... وذالک انہ کان مسکیناً لاشیء لہ ضیفاً لِرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ مع ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنا اھل بیوتاتٍ وغِنیً.... وکُنّا نأتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طَرَفَیِ النھار" الخ۔

حضرت طلحہؓ نے فرمایا (نہیں) بے شک اس نے (اگر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت احادیث سنی ہیں جو ہم آپؐ سے نہ سُن سکے ہیں (تو وہ اس کے حقدار ہیں) کیونکہ وہ نادار آدمی تھے، ان کے پاس کچھ نہیں تھا بس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے، ان کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے ساتھ تھا

(یعنی وہ ہر حال میں آپؐ کے ساتھ لگے رہتے تھے حتیٰ کہ کھانا بھی بسا اوقات ایک ساتھ کھاتے تھے)" وکنا نحن اهل بیوتات وغنی "" اور ہم لوگ گھر بار والے اور مالدار تھے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح اور شام حاضری دیتے تھے، پس میں بالیقین کہتا ہوں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ باتیں سُنی ہیں جو ہم نے نہیں سُنیں اور تم نہیں پاؤ گے کسی بھی شخص کو جس میں خیر و بھلائی ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ سائل کے سوال کا منشاء یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بھی دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح ایک صحابی ہیں پھر وہ اتنی زیادہ احادیث کیونکر بیان کرتے ہیں جبکہ باقی صحابہ یا تو وہ احادیث بیان ہی نہیں کرتے یا بہت کم روایت کرتے ہیں۔ لیکن حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کے جواب سے اس کا اشکال یکسر ختم ہوا کیونکہ جواب میں تصریح کی گئی کہ ابو ہریرہؓ نے خود کو احادیث کے لئے وقف فرمایا تھا، یہ اصحاب صفہ میں سے تھے تو جس طرح دورۂ حدیث کے طالب علم اور ایک عام نمازی کے درمیان احادیث کے حوالہ سے فرق ہوتا ہے اس کے قریب قریب تناسب گویا یہاں پایا جاتا ہے اور جب اس کے ساتھ سابقہ احادیث کو ضم کیا جائے تو اشکال جڑ سے اُکھڑ جائے گا۔ قولہ: "أمّا ان یکون " بظاہر ہمزہ مفتوح اور میم مشدد ہے اور أن مصدریہ ہے یہ کل ملا کر مبتداء متضمن معنیٰ شرط کے ہے اور جواب مقدر ہے یعنی "فهو جدیر بذالک یا یلیق بالحفظ " وغیرہ۔ قولہ: "وَلَا اَشُکُّ الا انه" اس میں کلمہ "الا" زائد ہے جیسا کہ بخاری نے تاریخ میں نقل کیا ہے "فقال واللہ ما نشک انه سمع" الخ۔ قولہ: "ولا تجدا احداً فیه خیراً " الخ یعنی فکیف تزعم بابی هریرة هذا وهو من کبار الصحابة رضی اللہ عنهم ۔ یعنی یہ گمان تو عام اہلِ خیر کے بارے میں بھی نہیں ہونا چاہئے جبکہ ابو ہریرہؓ کی شان تو بہت اونچی ہے رضی اللہ عنہ۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی هریرة قال: قال لی النبی صلی اللہ علیه وسلم :ممّن انت؟ قلت من دوس! قال: ما کنتُ أریٰ ان فی دوس احداً فیه خیر". (غریب صحیح)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں دوس سے ہوں، آپؐ نے فرمایا میرا خیال نہیں تھا کہ دوس میں کوئی ایسا بھی ہے، جس میں خیر ہو۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند کھجوریں لایا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے لئے ان میں برکت کی دُعا فرمائیں! چنانچہ آپؐ نے ان کو یکجا کیا اور پھر

میرے لئے ان میں برکت کی دُعا فرمائی "کُلَّما اردتَ خُذْهُنَّ فاجعلهن فی مِزْوَدِکَ هذا..... اوفی هذا المِزْوَدِ کُلَّما اردتَ ان تاخذمنه شیئاً فَاَدْخِل یَدَکَ فیه فخُذه ولاتنثره نثراً" پس آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اِن کو لو! اور ان کو اپنے اس توشہ دان میں رکھ لو! یا اس توشہ دان میں اور جب بھی تم ان میں سے کچھ لینا چاہو تو اس میں ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو (اور باہر نکال کر) ان کو بکھیر و مت! (یعنی توشہ دان کو مت جھاڑو!) پس میں نے ان کھجوروں سے اتنے اتنے وَسْق (ٹوکرے) راہِ خدا میں خرچ بھی کئے اور ہم اس میں سے خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے "وکان لایفارق حَقْوِی" اور وہ توشہ دان میری کمر سے جُدا نہ ہوتا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کا دن آیا تو وہ توشہ دان گر گیا۔

تشریح:۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ عہدِ نبوی سے دُوری برکات کی کمی کا ایک سبب ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار چیزوں کا انعدام وفقدان بھی برکات کی کمی کا ذریعہ ہے، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن وہ برکت ختم ہوگئی۔

حدیث آخر:۔ "عن عبداللّٰہ بن رافع قال قلتُ لِابی هریرة لِمَ کُنِّیتَ اباهریرة؟ قال اَمَا تفرَقُ منّی؟ قلتُ بلیٰ واللّٰہ انّی لَاَهَابُکَ! قال کنتُ ارعیٰ غَنَمَ اهلی وکانت لی هُریرة صغیرة فکنتُ اَضَعُهَا باللیل فی شجرةٍ فاذا کان النهار ذهبتُ بهامعی فَلَعِبتُ بهافکنّونی اباهریرة".

(حسن غریب)

عبداللہ بن رافع کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ کی کنیت ابوہریرہ کیوں پڑی؟ انہوں نے فرمایا کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے ہو (کہ ایسی بے تکلفی کرتے ہو؟) میں نے کہا کیوں نہیں بخُدا میں آپ سے یقیناً ڈرتا ہوں (مگر ایک تجسُّس رہتا ہے) آپؓ نے فرمایا میں اپنے گھر والوں کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا اور میری ایک چھوٹی سی بلّی تھی، میں رات کو اسے درخت میں رکھتا تھا اور جب دن ہوتا تو اسے اپنے ہمراہ لے جا کر اس سے کھیلتا تھا اس لئے لوگوں نے میری کنیت ابوہریرہ (بلّی والا) رکھی۔

تشریح:۔ قوله: "هریرة" هِرّة کی تصغیر ہے۔ قوله: "تفرَق" فرق اگر سمع باب سے ہو تو بمعنی ڈرنے کے آتا ہے اور ضرب سے ہو تو بمعنی علیٰحدگی کے آتا ہے، یہاں سمع سے ہے۔ آخری حدیث ابواب العلم میں گزری ہے۔

مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ بن ابی سفیان خال المؤمنین رضی اللہ عنہ المتوفی ۶۰ھ کاتبین وحی میں سے ہیں، اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک سارے صحابہ کرامؓ عدول ہیں، اوران کے درمیان جو کچھ اختلاف ومشاجرات رونما ہوئے ہیں اس بارے میں لب کشائی اور طرف داری جائز نہیں جیسا کہ عقائد نسفی وشرح عقائد میں مصرح ہے۔

ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ سے جو بعض امور صادر ہوئے ہیں یعنی حضرت علیؓ کے ساتھ لڑائی اور جھگڑے تو ان کے صحیح محامل بھی ہیں اوران کو غلط رنگ بھی دیا جاسکتا ہے چنانچہ اہل بدع مؤرخین نے صحابہ کرامؓ سے لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے ان واقعات کو غلط رنگ دے کر پیش کیا "لیغیروا قلوب الناس علی الصحابۃ" حالانکہ اس لڑائی کی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ جو حضرت عثمانؓ کے ولی تھے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے جبکہ حضرت علیؓ کا موقف یہ تھا کہ آپ عدالت میں پیش ہوکر دعویٰ دائر کریں "فوجہ توقف معاویۃ عن البیعۃ انہ قال ینصف عثمان وحینئذٍ یکون ذالک "یعنی پہلے آپ قصاص لیں پھر میں بیعت کروں گا!" وکان علی یقول ادخل فی البیعۃ واحضر مجلس الحُکم واطلُب الحق للّٰہ" اور حضرت علیؓ کہہ رہے تھے کہ آئیے بیعت ہوجائیں اور اپنا حق طلب کریں تو آپ کو مل جائے گا۔

دوسری وجہ وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے یعنی حضرت علیؓ کا اجتہاد یہ تھا کہ ابھی صبر کریں خالات نازک ہیں، چنانچہ ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں" وقدقال علماؤنا انّ علیاً انّما ترکھم لأن اخذ القصاص منھم کان یُخاف ان ینشر فتنۃ وینشیء عصبیّۃ ویقتضی خروجاً وفتنۃ فقال: اترکہ حتی تجتمع الکلمۃ اویرفع الخلاف فَیَھوّن اخذھم عندذالک "جیسا کہ پیچھے عرض کیا جاچکا ہے کہ اس اختلاف واجتہاد میں حضرت علیؓ حق بجانب تھے تاہم بالآخر غلبہ حضرت معاویہؓ کو حاصل ہوا گو کہ وہ غلبہ حضرت علیؓ کی شکست کی صورت میں ہرگز نہیں تھا لیکن ان کی شہادت جو کہ اہل بدع کے ہاتھوں ہوئی تھی، کے بعد حضرت حسنؓ نے چھ ماہ کے بعد بخوشی سارا اقتدار حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کیا، اور یہ وہ امر تھا جس کی پیش گوئی حبر اللامت رئیس المفسرین نے سورت اسراء کی آیت نمبر ۳۳ کی روشنی میں فرمائی تھی وفیھا...... "وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطَاناً فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوراً"۔ اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار (غلبہ وحق) دیا ہے تو وہ قتل میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرے،

بے شک وہ شخص طرف داری کے قائل ہے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں معجم طبرانی سے زھدم جرمی کی روایت نقل کی ہے۔

"قال : کنا فی سمر ابن عباس فقال انی محدثکم بحدیث لیس بسِرٍّ ولا علانیۃ انہ لما کان من امر ھذا الرجل ما کان یعنی عثمان قلت لِعَلیٍّ: اعتزل فلو کنت فی جُحرٍ طُلِبْتَ حتیٰ تُستخرج فعصانی وایم اللہ لیتأمرن علیکم معاویۃ وذالک ان اللہ یقول: ومن قُتِلَ مظلوماً "الخ. (ص:۳۹ ج:۳ قدیمی کتب خانہ)

یعنی ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو لڑائی سے روکا تھا کہ غلبہ حضرت معاویہؓ ہی کو حاصل ہوگا کہ وہ ولی المقتول ہیں۔

"عن عبدالرحمن بن ابی عُمیرۃ وکان من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لِمعاویۃ :اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً واھدبہ".(حسن غریب)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عُمیرہ جو صحابہ کرامؓ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں فرمایا اے اللہ! معاویہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ کردے! اوران کے ذریعہ (لوگوں کو) ہدایت فرما۔

حدیث آخر:۔"عن ابی ادریس الخولانی قال لمّاعَزَلَ عمرُ بن الخطاب عُمیربن سعدعن حِمص ولّی معاویۃ،فقال الناس عَزَل عمیراً وَ وَلیّٰ معاویۃ فقال عُمیر! لاتذکروامعاویۃ الا بخیرفانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اللھم اھدبہ".

ابوادریس خولانی فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت عُمیر بن سعد کو حمص کی گورنری سے معزول کر کے حضرت معاویہؓ کو گورنر مقرر کیا تو لوگوں نے کہا کہ عمیر کو برخاست کیا اور معاویہ کو حاکم بنایا تو حضرت عمیر کہنے لگے کہ معاویہ کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے اے اللہ! معاویہ سے لوگوں کو ہدایت دے!!! (امام ترمذیؒ نے اس حدیث کا درجہ ظاہر نہیں کیا ہے تاہم اس میں عمرو بن واقد دمشقی ضعیف ہیں)۔

مناقب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

"عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اسلم الناس وامن عمرو بن العاص". (غريب)

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لائے۔

تشریح:۔ الناس کا الف لام عہد کے لئے ہے مراد وہ اہل مکہ ہیں جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ اور اسلام وایمان اگرچہ مترادف الفاظ ہیں لیکن کبھی کبھار اسلام کا اطلاق معنی لغوی پر یعنی محض سلامتی اور ظاہری اسلام پر بھی ہوتا ہے یہاں یہی لغوی معنی اسلام کے مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ تو بزور طاقت مسلمان ہوئے گو کہ وہ اسلام بھی معتبر ہے بشرطیکہ اس میں خلوص آجائے جبکہ عمرو بن العاص اپنی رضا ورغبت سے فتح مکہ سے ایک دو سال پہلے ہجرت کر کے مدینہ آکر مسلمان ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے جب نجاشی (شاہ حبشہ) سے آپ کی تصدیق سنی تو اسی وقت ان کے دل میں اسلام کی طرف میلان وخلوص نیت پیدا ہو گیا تھا۔ ہاں جو اہل مکہ زبردستی مسلمان ہو گئے تھے تو ان کی اکثریت بھی پھر رغبتہً اسلام پر قائم رہی، یہ بھی ممکن ہے کہ تقریباً سب کو اللہ نے حسن خاتمہ کی توفیق دی ہو۔ اسی اخلاص کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ کو غزوہ ذات السلاسل کا امیر بنایا اور آپ فاتح مصر کا اعزاز بھی حاصل کر چکے، وفات ۴۳ھ میں ہوئی رضی اللہ عنہ۔

حدیث آخر:۔ "ان عمرو بن العاص من صالحی قریش".

بے شک عمرو بن العاص قریش کے نیک لوگوں میں سے ہیں یعنی قیام وصیام اور فرائض وغیرہ کے پابند ہیں۔ (اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے)

مناقب خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ المخزومی فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے آپ کی اقامت اسلام کی اپنی منفرد تاریخ ہے۔ اگلی حدیث میں آپ نے ان کو سیف اللہ کے لقب سے نوازا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا عورتیں خالد جیسا جننے سے قاصر ہیں۔ جہاد کے میدانوں میں اپنی بہادری کے بے مثال

جوہر دکھانے والے جبل شجاعت کی وفات ۲۱ھ میں اپنے بستر پر ہوئی۔

"عن ابی هريرة قال نزلنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم منزلاً فجعل الناس يمرّون فيقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَنْ هذا يا ابا هريرة؟ فاقول فلان فيقول نعم عبدالله هذا.... ويقول: مَنْ هذا؟ فاقول فلان فيقول بئس عبدالله هذا.... حتىٰ مَرَّ خالد بن الوليد فقال من هذا؟ قلتُ خالد بن الوليد قال: نِعْمَ عبدالله خالد بن الوليد سيف من سيوف الله". (غریب)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اُترے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی منزل میں، پس لوگ گزرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پوچھتے جاتے کہ ابوہریرہ یہ کون ہے؟ تو میں کہتا یہ فلان ہے تو آپؐ فرماتے یہ اللہ کا اچھا بندہ ہے، اور آپؐ پوچھتے یہ کون ہے؟ میں جواب دیتا کہ یہ فلان ہے، تو آپؐ فرماتے یہ اللہ کا بُرا بندہ ہے.... یہاں تک کہ خالد بن ولید گزرے تو آپؐ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا خالد بن ولید ہیں آپؐ نے فرمایا خالد بن ولید اللہ کے اچھے بندے ہیں اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔

تشریح:۔ یہ روایت اگرچہ منقطع ہے تاہم حضرت خالد بن ولیدؓ کا لقب سیف اللہ مشہور ہے اور سیف کی اضافت اللہ کی طرف تشریف کے لئے ہے جیسے ناقۃ اللہ اور ان کو تلوار کہنا ان کی بے دریغ پیش قدمی سے کنایہ ہے کہ جس طرح تلوار کے اندر خوف کا کوئی پہلو نہیں اسی طرح خالد بھی خوف نام کی چیز سے پاک ہیں۔

مناقب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن معاذ اوسیؓ انصار کے مشہور قبیلہ اوس کے سردار تھے جبکہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ تھے، حضرت سعدؓ نے مصعب بن عُمیرؓ کے ہاتھ پر اس وقت اسلام قبول کیا تھا جب آپؐ نے قبل الہجرت ان کو مدینہ بھیجا تھا تا کہ وہ مدینہ کے اہل ایمان کو تعلیمات نبوی سے آراستہ فرمائیں، جب حضرت سعدؓ مسلمان ہوئے تو اپنے قبیلہ والوں سے کہنے لگے کہ تمہارے سب مَردوں اور عورتوں کی باتیں مجھ پر اس وقت تک حرام ہیں جب تک تم سب مسلمان نہیں ہو جاتے چنانچہ وہ سب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، ۵ھ میں غزوۂ خندق میں زخمی ہو گئے اور بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشمی کپڑا ہدیہ کیا گیا (جو اکیدر نامی نے بھیجا تھا) پس لوگ اس کی نرمی ونزاکت سے تعجب کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو جبکہ جنت میں سعد بن معاذؓ کے منادیل (رومال) اس سے زیادہ اچھے ہیں۔ (حسن صحیح)

اس حدیث کی تشریح ابواب اللباس کے تیسرے باب (بلاترجمہ) میں گزری ہے۔ (دیکھئے تقریرات: ص:۵۳۴ ج:۵)۔

حدیث ابی الزبیرؓ۔ "انه سمع جابر بن عبدالله يقول سمعتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول وجنازة سعد بن معاذ بين ايديهم: اِهْتَزَّ له عرشُ الرحمن". (صحیح)

حضرت ابوزبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے جبکہ حضرت سعد بن معاذؓ کا جنازہ لوگوں کے آگے تھا "اللہ کا عرش سعد کے لئے (مارے خوشی کے) ہل گیا"۔

تشریح:۔ ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ جو حضرات عرش کا ترجمہ چارپائی سے کرتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں عرش کی اضافت رحمٰن کی طرف کی گئی ہے جس سے عرش کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ اور ہلنے سے مراد عرش کے اجزاء کی حرکت نہیں بلکہ اس کے فوائد کا ظہور ہے جیسے زمین کے بارے میں آتا ہے "اِهْتَـــزَّت وَرَبَـــت" حالانکہ یہاں زمین کے قطعات حرکت نہیں کرتے ہیں بلکہ زمین کے فوائد کا ظاہر ہونا مراد ہے لہٰذا، گویا اہل السمٰوات وحاملین عرش نے حضرت سعدؓ کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا (کیونکہ نیک لوگوں کی ارواح علیین میں جاتی ہیں) البتہ اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ مراد نفسِ عرش کا سرور ہے اور عرش کے اندر ادراک وتمیز کا ہونا کوئی مستبعد نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے کہا "ما اَخف جنازتَه وذالک لِحُکمه في بني قريظة" اس کا جنازہ کس قدر ہلکا ہے؟ یہ بات حضرت سعدؓ کے بنو قریظہ کے بارے میں فیصلے کی وجہ سے کی گئی، چنانچہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی "فـقـــال: ان الملائكة كانت تحمله" تو آپؐ نے فرمایا کہ (دراصل) فرشتے ان کے جنازے کو اُٹھائے ہوئے تھے۔ (صحیح غریب)

تشریح:۔ منافقین نے یہ بات حضرت سعدؓ کی شان کم کرنے کی غرض سے کی تھی تاکہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ حضرت سعدؓ نے بنو قریظہ کے خلاف جو فیصلہ کیا ہے کہ ان کے لڑاکو ہلاک کر دیے جائیں اور باقی کو باندی بنا دیے جائیں وہ فیصلہ ظالمانہ تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آگاہ فرمایا کہ فیصلہ تو اللہ اور رسول کی منشاء ورضا کے مطابق تھا مگر جنازہ اس لئے ہلکا محسوس ہو رہا ہے کہ اسے فرشتوں نے اٹھایا ہے۔

مناقب قیس بن سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ

"عن انس قال کان قیس بن سعد من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلة صاحب الشُرَط من الامیر، قال الانصاری یعنی بمّا یلی من اموره". (حسن غریب)

حضرت سعد بن عبادہؓ (جن کا تذکرہ سابقہ پیراگراف میں ہوا) کے صاحبزادے حضرت قیس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بمنزلہ کوتوال امیر کے تھے، انصاری (راوی) کہتے ہیں یعنی حضرت قیس آپؐ کے (سرکاری) اُمور کو سرانجام دیتے تھے (یعنی آپ کے سیکریٹری تھے) ان کا ذکر ابواب اللباس میں گزرا ہے۔

مناقب جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

"عن جابر بن عبداللہ قال جاء نی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس براکب بغل ولا بِرْ ذَوْنٍ". (صحیح)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے درانحالیکہ نہ آپؐ کسی خچر پر سوار تھے اور نہ ترکی گھوڑے پر (حالانکہ میرے گھر تک کافی فاصلہ تھا)۔

تشریح:۔ یعنی آپؐ پیدل تشریف لائے اور یہ آمد عیادت کے لئے تھی جیسا کہ ابواب الفرائض میں حضرت جابرؓ کی حدیث گزری ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن جابر قال استغفرلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلة البعیر خمساً وعشرین مرةً". (حسن غریب صحیح)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے اُونٹ والی رات پچیس مرتبہ دُعائے مغفرت فرمائی (یعنی اثنائے گفتگو میں)۔ اونٹ والی رات کا مطلب کیا ہے؟ تو امام ترمذیؒ نے ان دو

وضاحت فرمائی ہے اور تشریحات جلد پنجم ص: ۱۸۴ پر "باب ماجاء فی اشتراط ظہر الدابۃ عند البیع" میں گزری ہے۔

مناقب مصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ

حضرت مصعب بن عُمیر قرشی عدوی السابقون الاوّلون صحابہ کرامؓ میں سے ہیں، ہجرت حبشہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہلِ مدینہ کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا، علیٰ ھذا یہ مدینہ کے اوّلین مہاجر ہیں جیسا کہ آپ حبشہ کے بھی پہلے مہاجر ہیں، چالیس سال کی عمر میں غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے۔

"عن خبّابٍ قال هاجرنا مع النبی صلی الله علیه وسلم نبتغی وجهَ الله فوقع اجرُنا علی الله فمنّا من مات لم یأکل من اَجره شیئاً ومِنّا من اَینَعَتْ له ثمرَتُه فهو یَهدِبُها، وان مصعب بن عُمیر مات ولم یترک الا ثوباً کانوا اذا غطّوا به رأسَه خرجت رجلاه واذا غطّوا به رجلیه خرج رأسه، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: غَطّوا رأسه واجعلوا علی رجلیه الاِذخر".

(حسن صحیح)

حضرت خبّاب بن اَرَتؓ فرماتے ہیں ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، ہم اللہ کی خوشنودی طلب کرتے تھے، پس اللہ کے یہاں ہمارا ثواب حاصل ہوگیا، پس ہم میں سے بعض ایسے تھے جو انتقال کرگئے اور انہوں نے اپنے اجر میں سے کچھ بھی نہیں کھایا، اور بعض ہم میں سے ایسے ہیں جن کا پھل پک گیا پس وہ اسے توڑ رہے ہیں (یعنی حاصل کر رہے ہیں) اور مصعب بن عمیرؓ نے وفات پائی جبکہ انہوں نے سوائے ایک کپڑے کے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا، جب اس سے صحابہ ان کا سر ڈھانکتے (یعنی بطور کفن) تو پیر کھل جاتے اور جب پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے سر کو ڈھانکو اور ان کے پیروں پر اذخر گھاس ڈال دو۔

تشریح:۔ قولہ: "لم یاکل من اجرہ" یعنی وہ فتوحات کا زمانہ پا نہ سکے اس لئے ان کو غنائم اور بعد کے تجارتی فوائد نہیں ملے اس لئے وہ اپنا پورا اجر آخرت کے لئے ذخیرہ کرنے میں کامیاب ہوگئے، تاہم جن صحابہ کرامؓ نے بعد میں غنائم حاصل کئے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا اجر کم ہوا بلکہ مقصد یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کا مزہ بھی چکھ لیا جبکہ فقیر امیروں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے تفصیل ابواب الزھد میں گزری ہے۔

قولہ: "اَینَعَتْ له ثمرته" بفتح الھمزۃ وسکون الیاء وفتح نون یعنی حاصل کیا اپنا پھل اور اس کا پھل پک گیا۔

قولہ: "فھو یَھدِبُھا" بکسر الدال وضمہا ای یقطعھا یعنی وہ اپنا پھل توڑ رہا ہے یعنی حاصل کر رہا ہے جو فتوحات وغنائم اور تجارت کی شکل میں مل رہا ہے۔ تاہم کافی صحابہ دیر تک بقید حیات رہنے کے باوجود دولت سے دور رہے۔

مناقب براء بن مالک رضی اللہ عنہ

"عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم مِنْ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذی طمرَیْن لایُؤْبَهُ لَهُ، لواقسم علی اللہ لَاَبَرَّهُ منھم البراء بن مالک". (حسن غریب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے پراگندہ (منتشر) بال، گرد آلود پُرانے کپڑوں والے جن کی طرف التفات نہیں کیا جاتا ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم سچی کرے، ان میں سے براء بن مالک (بھی) ہیں۔

تشریح:۔ قولہ": اشعث" پراگندہ ومنتشر یعنی بکھرے ہوئے بالوں والا۔ قولہ: "اغبر" غُبار سے ہے بمعنی گرد آلود ہونا۔ قولہ: "طمرین" طمر بوسیدہ کپڑا۔ قولہ: "لایُؤبہ" بضم الیاء وسکون الواو، واؤ کو ہمزہ سے بدلنا بھی جائز ہے وبفتح الباء، آخر میں ھاء ہے ای لایبالی بہ یعنی اس کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے اور لوگ اسے اہمیت نہیں دیتے لیکن ایسے لوگوں میں کچھ مردانِ خدا ایسے ہیں کہ اللہ ان کی قسم کو پورا کرتا ہے، ان میں سے ایک براء بن مالک ہیں، جو حضرت انس بن مالکؓ کے بھائی ہیں۔

مناقبُ ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ

"عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: یاابا موسیٰ لقد اُعْطِیْتَ مِزمارًا مِنْ مزامیر آل داؤد" (غریب حسن صحیح)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوموسیٰ! آپ کو آل داؤد کی خوش الحانی میں سے خوش الحانی دی گئی ہے۔

تشریح:۔ یہ روایت یہاں مختصر ہے، بعض طرق (مسند ابی یعلیٰ) میں ہے کہ رات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے گھر کے پاس سے گزرے جبکہ ابوموسیٰؓ اپنے گھر میں

تلاوت کر رہے تھے، دونوں ان کی قرأت سن کر تشریف لے گئے پھر صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مذکورہ ارشاد فرمایا۔ حضرت ابوموسیٰؓ اصلاً یمنی تھے مکہ میں اسلام قبول کیا تھا پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی اور ۷ھ میں اہل سفینہ کے ساتھ مدینہ آئے، پھر حضرت عمرؓ نے ان کو ۲۰ھ میں بصرہ کا گورنر مقرر کیا اور اہواز کے فاتح رہے، پھر حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں کوفہ کے گورنر رہے اور حضرت علیؓ کی تحکیم کے بعد مکہ یا کوفہ کو مستقل قرار گاہ بنایا یہاں تک کہ ۵۲ھ میں وفات پائی، نام عبداللہ بن قیس ہے۔

مناقب سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

"عن سهل بن سعد قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يحفر الخندق ونحن ننقل التراب فيمر بنا فقال: اللهم لا عيش الا عيش الآخرة، فاغفر الانصار والمهاجرة". (حسن صحيح غريب)

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپؐ خندق کھود رہے تھے (یا کھدوا رہے تھے) اور ہم لوگ مٹی منتقل کرتے پس آپؐ ہمارے پاس سے گزرتے اور فرماتے: اے اللہ زندگی نہیں مگر آخرت کی، پس تو بخش دے انصار اور مہاجرین کو۔

تشریح:۔ اگلی حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے اس میں فاغفر کے بجائے فاکرم ہے، چونکہ حضرت سہل عموم انصار میں داخل ہیں اس سے ان کی فضیلت معلوم ہوئی۔

باب فی فضل من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے "لا تمس النار مسلماً رآنی او رای من رآنی" دوزخ کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہے، یا اس نے ایسا شخص دیکھا جس نے مجھے دیکھا ہے۔ راوی حدیث طلحہ بن خراش کہتے ہیں بے شک میں نے جابر بن عبداللہؓ کو دیکھا ہے اور موسیٰ بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے طلحہ کو دیکھا ہے (یعنی میں تبع تابعی ہوں) اور یحییٰ (شیخ الترمذی) کہتے ہیں کہ موسیٰ نے مجھ سے کہا کہ "وقد رأيتني ونحن نرجوا الله" تم نے مجھے دیکھا ہے، اور ہم اللہ سے (بخشش کی) اُمید رکھتے ہیں۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ چونکہ یہاں حکم "مسلما" یعنی مشتق پر لگا ہے اس لئے مطلب یہ ہوا کہ جو شخص بحیثیت مسلم آپ کو دیکھے اور بحیثیت مسلمان وفات پائے تو وہ دوزخ سے محفوظ ہوگا۔ یہ حکم اگرچہ عام ہے لیکن قرون ثلاثہ مشہود لھا بالخیر یہ اس فضیلت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اور یہاں یہی تخصیص مراد ہے۔

باب کی اگلی حدیث مع الشرح ابواب الفتن میں گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات جلد ہفتم ص ۳۸ "باب ماجاء فی القرن الثالث")

قوله:"تسبق ایمانهم شهاداتهم "الخ جن کی قسمیں شہادتوں سے آگے بڑھیں گی اور گواہیاں قسموں سے آگے بڑھیں گی۔ یعنی ان کی لاپرواہی اور دین کے معاملہ میں لاأبالی پن کا حال یہ ہوگا کہ ان کو قسم کھانے اور گواہی دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوگی۔

باب ماجاء فی فضل من بایع تحت الشجرة

"عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :لایدخل النار احد ممّن بایع تحت الشجرة".(حسن صحیح)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں داخل نہیں ہوگا کوئی ایک شخص ان میں سے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔

تشریح:۔ صلح حدیبیہ کی بیعت مراد ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اس میں صحابہ کی تعداد چودہ سو تھی۔

فِیْ من سَبَّ اصحابَ النبی صلی الله علیه وسلم

"عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :لاتسبُّوا اصحابی فوالذی نفسی بیده لوان احدکم انفق مثل اُحدذهباً ماادرک مُدّ احدهم ولانصیفه" (حسن صحیح)ومعنی قوله نصیفه یعنی نصف مُدّه.

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے میرے صحابہ کو برا مت کہو! قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی ایک اُحد (پہاڑ) کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو وہ ان (صحابہ) میں سے کسی ایک کے مُد (تقریباً ایک کلو) کو نہیں پہنچے گا اور نہ آدھے مد کو پہنچ

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ نصیف سے مراد آدھا مُد ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے صحابہ کرامؓ کی بڑی فضیلت ثابت ہوئی اور ان کے صدقات اور نفقات کے ثواب کا یہ عالم اس لئے ہے کہ ان صدقات کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے اور عمارت جتنی بلندی پر بھی جائے تو اس میں بنیاد کا کردار کسی طرح کم نہیں ہوتا ہے بلکہ پوری عمارت کا وزن اور دارومدار بنیاد ہی پر ہوتا ہے۔

آج کل روشن خیالی اور اسلام دشمنی بھی زوروں پر ہے اور دوسری جانب ارباب اختیار کے غیر ذمہ دارانہ رویوں کی وجہ سے لوگوں کی بے باکی بڑھنے لگی ہے اس لئے صحابہ کرامؓ کے بارے میں گستاخیاں بڑھ رہی ہے لہٰذا ضرورت اس کی ہے کہ اس کا مختصر حکم معلوم کیا جائے۔

علامہ زین العابدین شامیؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے بنام "تنبیہ الوُلاۃ والحُکّام علیٰ احکام شاتم خیر الانام واحدِ اصحابہ الکرام علیہ وعلیہم السلام"۔ علامہ شامیؒ نے اس رسالہ کے باب ثانی میں ائمہ اربعہ سے نقل کیا ہے کہ جو آدمی کسی صحابی کو گالی دینا جائز سمجھ کر کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اسی طرح جو بُرائی ایسی ہو جو نص قطعی کے خلاف ہو مثلاً حضرت عائشہؓ پر تہمت تو اس کی بھی تکفیر کی جائے گی، مگر جو جائز نہ سمجھتا ہو تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ تو امام مالکؒ فرماتے ہیں اس کی تادیب کی جائے گی البتہ اگر کوئی ازواج مطہراتؓ کو گالی دے تو ایک قول یہ ہے کہ اُسے قاذف عائشہؓ کی طرح قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی ہے لہٰذا ایسا شخص اِرتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے علاوہ باقی ازواجِ مطہرات کا حکم بھی عام صحابہ کی طرح ہے، ابن تیمیہؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ اُمہات المؤمنین کا حکم بھی حضرت عائشہؓ کی طرح ہے اور اس پر انہوں نے اجماع نقل کیا ہے یعنی بلا خلاف اس کی تکفیر کی جائے گی جبکہ باقی صحابہ اور اہلِ بیت کو بُرا کہنے والے کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسے سخت مارا پیٹا جائے گا البتہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور تکفیر بھی نہیں کی جائے گی "وقال ابن المنذر لا اعلم احداً یوجب قتل من سَبَّ مِنْ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔

ابن حجر المکی فرماتے ہیں کہ خلفائے اربعہ کا حکم بھی سبِّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے (یعنی قتل تکفیر) "ھذا خلاصۃ مافی المسئلۃ لِائمۃ المذاھب الثلاثۃ"۔ پھر احناف کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو شخص حضرت عائشہؓ کو تہمت کا نشانہ بنائے تو وہ کافر ہے جبکہ باقی ازواجِ مطہرات کے قاذف کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ علامہ شامیؒ نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ جو لوگ صحابہ میں سے جیسے حضرت مسطح وحسان

رضی اللہ عنہا واقعہ افک میں ملوث رہے تو ان کی تکفیر نہیں ہوئی بلکہ حضرت صدیق ؓ کو مسطح ؓ پر خرچ نہ کرنے پر عتاب نازل ہوا، تاہم اب اگر کوئی حضرت عائشہ ؓ پر تہمت باندھے گا تو وہ کافر ہوگا کیونکہ اس میں قرآن کی تکذیب ہے۔

علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ اہل مذاہب کے بہت سے علماء سے تکفیر کے بہت سارے اقوال ہیں لیکن وہ فقہائے مجتہدین نہیں تھے اس لئے ان اقوال کا اعتبار نہیں۔ لفظہ "لعم یقع فی کلام اھل المذاھب تکفیر کثیر ولکن لیس من کلام الفقهاء الذین هم المجتهدون بل منْ غیرهم ولاعبرة بغیر الفقهاء والمنقول عن المجتهدین ماذکرناوابن المنذراعرف بنقل کلام المجتهدین" ۔الخ اور رسالہ کے آخر میں والحاصل کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: "ان الحکم علی سابّ الشیخین او غیرهما من الصحابة مطلقاً قول ضعیف لاینبغی الافتاء به ولاالتعویل علیه الخ " ہاں ایسے لوگوں کی تکفیر کی جائے گی جو سارے صحابہ کی تکفیر کرتا ہو یا امت کی تضلیل کرتا ہو خواہ بالواسطہ کیوں نہ ہو قال: "وکذا وقع الاجماع علیٰ تکفیر کل مَنْ دافع نص الکتاب اِلیٰ ان قال وکذالک یقطع بتکفیر کل قائل قال قَولاً یُتوصل الی تضلیل الامة وتکفیر جمیع الصحابة الخ"۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن مُغَفَّل ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللّٰہَ اللّٰہَ فی اصحابی الاتتخذوهم غَرَضاً بعدی افمن اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهم ومن ابغضهم فَبِبُغْضی ابغضهم ومن اٰذاهم فقداٰذانی، ومن اٰذانی فقداٰذی اللّٰہ ومن اٰذی اللّٰہ یوشک ان یأخذہ"۔

اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد ان کو نشانہ (تنقید) نہ بناؤ کہ جو ان سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کی وجہ سے ان محبت کرے گا اور جو ان سے نفرت کرے گا تو وہ مجھ سے نفرت کی وجہ سے ان سے نفرت کرے گا، اور جس نے ان کو ایذاء دی تو اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی اور جس نے اللہ کو ایذاء دی قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑ لے۔ (غریب)

تشریح:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ایذاء نہیں پہنچائی جاسکتی ہے لیکن اللہ کو ناراض کیا جاسکتا ہے یہاں بھی یہی معنی مراد ہیں یعنی صحابہ کو ستانا آپ ؐ کو ستانے کا سبب ہے اور آپ ؐ کو ستانا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی کا سبب

حدیث آخر:۔ "لَیَدْخُلَنَّ الجنة من بایع تحت الشجرة الا صاحب الجمل الاحمر"۔

(حسن غریب)

یہ حدیث اسی باب کے شروع میں گزری ہے لیکن اس میں استثنیٰ نہیں تھا یہاں سُرخ اونٹ والے کو اس فضیلت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ یہ جد بن قیس منافق تھا جس نے بیعت نہیں کی بلکہ اپنے گم شدہ اونٹ کی تلاش میں جا رہا تھا اور باوجود صحابہؓ کے بلانے کے بیعت کرنے نہیں آیا۔ علیٰ ہذا یہ استثناء منقطع ہے اور حضرت عثمانؓ بیعت اور خوشخبری میں داخل ہیں کیونکہ ان کی طرف سے آنحضور علیہ السلام نے اپنے ہی دست مبارک سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی تھی جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن جابر ان عبداً لِحَاطب جاء الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یشکو حاطباً، فقال یارسول اللّٰہ ألیدخلنّ حاطب النار فقال: کذبت! لا یدخلها فانه شهد بدراً والحدیبیة". (حسن صحیح)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حاطبؓ کا غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت حاطبؓ کی شکایت کرنے لگا اور کہا اے اللہ کے رسول! حاطب ضرور دوزخ میں داخل ہوگا! پس آپؐ نے فرمایا تم نے جھوٹ کہا، وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک رہے ہیں (یہ صغریٰ ہے اور کبریٰ محذوف ہے و من شهدهما لا یدخلها)۔

حدیث آخر:۔ حضرت بُریدہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مامِنْ احدٍ من اصحابی یموت بارض اِلّابُعِث قائداً ونوراً لهم یوم القیامة" میرے صحابہ میں سے کوئی ایک ایسا نہیں جو کسی زمین میں فوت ہو جائے مگر قیامت کے دن ان کا قائد اور (مُجَسّمہ) نور ہو کر اُٹھایا جائے گا۔ (غریب)

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذا رایتم الذین یسبّون اصحابی فقولوا لعنة اللّٰہ علیٰ شرِّکم" جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا کہتے ہیں تو کہو کہ اللہ کی لعنت ہے تم میں سے بُرے پر۔ (منکر)

تشریح:۔ قوله: "لعنة اللّٰہ علی شرکم" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ ان حاضرین میں سے جو بُرا ہے یعنی شاتم، اس پر لعنت ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ شاتم اور مشتوم میں سے جو بُرا ہے یعنی شاتم۔

باب ماجاء فی فضل فاطمة رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری صاجزادی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتی تھیں، آپؐ کی بعثت سے قبل ان کی ولادت ہوئی تھی اور سنہ ۲ھ میں حضرت علیؓ سے شادی ہوئی اور سنہ ۱۱ھ میں آپؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد چوبیس سال کی عمر میں وفات پائی، حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور ام کلثوم وزینب رضی اللہ عنہما ان کی اولاد ہیں۔

"عن المسور بن مخرمة قال سمعتُ النبی صلی الله علیه وسلم یقول: وهو علی المنبر: إنَّ بنی هشام بن المغیرة استأذنونی ان ینکحوا ابنتهم علی بن ابی طالب فَلَا آذَنُ ثم لا آذنُ ثم لا آذان الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق اِبنتی وینکح ابنتهم فانها بَضعة مِنّی یریبنی ما اَرابها ویؤذینی ما اٰذاها". (حسن صحیح)

حضرت مسور بن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جبکہ آپؐ منبر پر تھے، آپ نے فرمایا کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت چاہی کہ وہ اپنی بیٹی (ابو جہل کی بیٹی) کا نکاح علی بن ابی طالب سے کریں، پس میں اجازت نہیں دیتا، میں پھر اجازت نہیں دیتا، میں پھر اجازت نہیں دیتا! مگر یہ کہ ابن ابی طالب اگر میری بیٹی کو طلاق دینا چاہیں اور ان کی بیٹی سے نکاح کر دیں (تو یہ ان پر منحصر ہے) اس لئے کہ یہ (فاطمہ) میرا ٹکڑا ہے مجھے بُرا لگتا ہے وہ جو اُسے بُرا لگے اور مجھے ایذاء دے گی وہ بات جو اسے ایذاء دے گی۔

تشریح:۔ ایک حدیث کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حدیث آرہی ہے جس میں ہے کہ حضرت علیؓ نے بذاتِ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا اظہار کیا تھا لیکن آپؐ نے منع فرمایا کہ "اِنّما فاطمة بَضعة مِنّی یؤذینی ما اٰذاها ویُنصِبُنی ما اَنصَبَها" یعنی مجھے تکلیف پہنچائے گی وہ بات جو فاطمہ کو تکلیف دے اور مجھے تھکائے گی وہ بات جو فاطمہؓ کو تھکائے گی۔ (حسن صحیح) (پس حضرت علیؓ نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا)

دوسرا نکاح امر مباح ہے لیکن فطری وطبعی طور پر دوسری شادی سے پہلی بیوی کو تکلیف پہنچتی ہے اور پھر اس کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو بھی تکلیف پہنچتی ہے لیکن عام حکم یہ ہے کہ اگر امرِ مباح سے کسی کو تکلیف پہنچے تو اس کے ارتکاب کی پھر بھی گنجائش ہے لیکن آپؐ کو تھوڑی سی تکلیف دینا بھی جائز نہیں اس لئے یہ حکم آپؐ کے ساتھ خاص ہوا، خصوصاً جبکہ دوسری شادی بھی اللہ کے دشمن ابو جہل کی بیٹی سے ہونی تھی جن کا نام جویریہ

یا اور یا جمیلہ تھا۔

حدیث آخر:۔ حضرت بُریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں میں سے سب سے زیادہ فاطمہؓ محبوب تھیں اور مَردوں میں حضرت علیؓ تھے۔ (حسن غریب)

شیخ الترمذی حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ مراد اہلِ بیت ہیں، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ محبت کی مختلف جہات ہوتی ہیں، فلیتذکر۔

حدیث آخر:۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی وفاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا میں لڑنے والا ہوں اس سے جس سے تم لڑو! اور ملنے والا (مصالح ودوست) ہوں اس سے جس سے تم ملو۔ (غریب)

تشریح:۔قولہ: "حرب" بمعنی محارب ہے، مصدر کا اطلاق برائے مبالغہ ہے اسی طرح "سِلم" بکسر السین وفتحہا بمعنی مسالم ومصالح۔ ہے۔

اگلی حدیث جو حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے سورتِ احزاب میں گزری ہے۔ **قولہ:** "وحَامّتِی" بمعنی خواص کے۔

حدیث آخر:۔ "عن عائشة ام المؤمنين قالت مارأيت احداً اشبه سَمْتاً وَدَلاً وهَدْياً برسول الله في قيامها وقعودها من فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم".

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے نہیں دیکھا کسی کو وضع قطع اور چال چلن اور سیرت و عادت میں زیادہ مشابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اپنے اُٹھنے بیٹھنے میں، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی تو آپؐ ان کے خاطر کھڑے ہو جاتے اور ان کا بوسہ لیتے (ابوداؤد میں "فَاَخَذَبِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا" ہے) اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھتیں اور آپ (کے ہاتھ) کا بوسہ لیتیں اور آپ کو اپنی جگہ میں بٹھاتیں، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو فاطمہؓ آئیں اور آپؐ پر گر پڑیں اور آپؐ کو چوما پھر اپنا سر اُٹھایا اور روئیں، پھر آپؐ پر گر پڑیں، پھر اپنا سر اٹھایا اور ہنس پڑیں، پس میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ میں تو یہی سمجھی تھی کہ یہ فاطمہ ہم سب عورتوں میں زیادہ عقلمند ہیں (مگر ان کے ہنسنے سے معلوم ہوا کہ

یہ تو عام عورتوں کی طرح ہیں پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا بتائیں جب آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکی تھیں اور پھر آپ سر اُٹھا کر رونے لگیں، اور پھر آپؐ پر جھکی تھیں اور سر اُٹھا کر ہنسنے لگیں "ماحَمَلکِ علیٰ ذالک؟" آپ کو کس چیز نے اس پر آمادہ کیا تھا؟ قالت انی اذاً لَبَذِرَۃ انہوں نے کہا (اگر اس وقت بتاتی) تب تو میں راز فاش کرنے والی ہوتی.... دراصل آپؐ نے مجھے بتایا کہ میں اپنی اس بیماری میں وفات پانے والا ہوں تو میں رونے لگی، پھر آپؐ نے (جب میں دوسری بار آپؐ پر گر پڑی) بتلایا کہ میں (فاطمہؓ) آپؐ کے خاندان میں سب پہلے (وفات پا کر) ملنے والی ہوں تو اس پر میں (خوشی سے) ہنسی۔ (حسن غریب) یہ حدیث آگے بھی آرہی ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "سمتاً و دلاً وھدیاً" الفاظ مترادفہ یا قریب المعنی ہیں۔ سمت بمعنی خشوع و تواضع۔ اور دلٌ باعتبار شمائل اور بول چال کے۔ اور ھدی بمعنی سکینہ اور وقار کے آتا ہے۔ قولہ: "لَبَذِرَۃ" بذر کی تانیث ہے بروزن کَتِفٌ راز کی باتیں افشاء کرنے والے کو کہتے ہیں، چونکہ حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پوچھا تھا کہ بتلائیں.... تو حضرت فاطمہؓ نے راز سمجھ کر نہیں بتایا اور جب اس دفعہ پوچھا تو عذر کر کے بتایا۔

حدیث آخر:۔ جُمیع بن عُمیر التیمی کہتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے پاس گیا تو حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں کون زیادہ پیارا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "فاطمہ" پھر پوچھا گیا کہ مَردوں میں سے کون تھا؟ فرمانے لگیں ان کا شوہر (حضرت علیؓ) "اِنْ کانَ ما علمتُ صَوّاماً قوّاماً" بے شک (میں جانتی تھی کہ) وہ کثرت سے روزے رکھنے والے تہجد گذار تھے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ قولہ: "ان کان" ان مخفف من المثقلہ ہے یعنی اِنّہ کان الخ۔ اس روایت میں ابو الجحّاف غالی شیعہ ہیں اور جُمیع بھی شیعہ ہیں۔

من فضل عائشة رضی اللہ عنہا

"عن عائشة قالت کان الناس یَتَحَرَّوْنَ بِھَدَایَاھم یوم عائشة قالت: فاجتمع صواحباتی الیٰ اُمّ سلمة فقلن: یاامّ سلمة ان الناس یَتَحَرَّوْن بِھدایاھم یوم عائشة وانّا نُرید

الخیر کما تریدعائشة فقولي لرسول الله صلى الله عليه وسلم يامر الناس يهدون اليه اين ما كان! فذكرت ذالك ام سلمة فاعرض عنها ثم عاد اليها فاعادت الكلام فقالت يا رسول الله! ان صواحباتي قد ذكرن ان الناس يتحرون بهداياهم يوم عائشة فأمر الناس يهدون اين ما كنت! فلما كانت الثالثة قالت ذالك، قال يا ام سلمة الاتؤذيني في عائشة فانه ما انزل عليّ الوحي وانا في لحاف امرأة منكن غيرها". (غریب)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ لوگ اپنے ہدایا (بھیجنے) کے لئے عائشہؓ کی باری کا ہم ڈھونڈتے تھے (یعنی انتظار کرتے تھے)، فرماتی ہیں کہ میری سَوتیں سب جمع ہوئیں ام سلمہ کے پاس اور کہنے لگیں اے ام سلمہ لوگ اپنے ہدایا (بھیجنے) کے لئے عائشہ کی باری ڈھونڈتے ہیں اور ہم بھی خیر کا اسی طرح ارادہ رکھتے ہیں جس طرح عائشہ چاہتی ہیں، تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیں کہ آپؐ لوگوں کو حکم کریں کہ وہ اپنے ہدایا آپؐ کے پاس بھیجا کریں خواہ آپؐ کہیں بھی ہوں، چنانچہ ام سلمہ نے یہ بات ذکر کی تاہم آپؐ نے کچھ توجہ نہیں دی، پھر جب آپؐ دوبارہ (اگلی دفعہ) ام سلمہ کے پاس لوٹے تو ام سلمہ نے دوبارہ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری سَوتیں ذکر کرتی ہیں کہ لوگ اپنے ہدیے عائشہ کی باری میں ہی بھیجتے ہیں تو آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ہدیے بھیجا کریں آپ جہاں بھی ہوں (لیکن آپؐ نے اس مرتبہ بھی کچھ نہیں کہا) پھر جب تیسری باری آئی تو انہوں نے یہ بات (پھر) کہی، آپؐ نے فرمایا اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں مت ستاؤ! اس لئے کہ مجھ پر کبھی وحی نازل نہیں ہوئی درآنحالیکہ میں تم میں سے کسی عورت کے لحاف میں ہوں سوائے عائشہ کے۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے غریب کہا ہے مگر بخاری نے بھی یہ الجامع الصحیح فی فضل عائشہ میں ذکر کی ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منقبت وفضیلت معلوم ہوئی اور دوسری جانب یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات تمام صحابہ کرامؓ کے علم میں تھی اور حضور علیہ السلام کا حضرت ام سلمہؓ کی پہلی اور دوسری درخواست پر سکوت کریمانہ اخلاق کی وجہ سے تھا، ممکن ہے کہ آپؐ بھی چاہتے ہوں کہ لوگ یہ تخصیص نہ کریں لیکن مع ھذا آپؐ نے ان کو حکم نہیں کیا کیونکہ ہدایا تبرعات ہیں اور تبرعات میں آدمی آزاد ہوتا ہے اس پر کسی قسم کی قید اور شرط لگانا آپؐ پسند نہیں فرماتے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ میری تصویر سبز ریشم کے ٹکڑے میں نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور کہا: "هذه زوجتک فی الدنیا والآخرة" یہ دنیا و آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔ (حسن غریب) یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔

تشریح:۔ چونکہ تصویر کی ممانعت کا تعلق حضرت جبرئیلؑ سے نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہمارے لئے ہے اس لئے کسی قسم کا اشکال پیدا نہیں ہوتا ہے۔

اس حدیث سے بھی حضرت عائشہؓ کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی کہ ان کا نکاح غیب کے اشارے اور حضرت جبرئیلؑ کی ترغیب سے ہوا ہے۔ بلکہ حضرت جبرئیلؑ اس مقصد کے لئے دو مرتبہ آپؐ کے پاس تشریف لائے ہیں جو حکم الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں آپ کو سلام کہتے ہیں، فرماتی ہیں میں نے کہا: "وعلیه السلام ورحمة الله وبرکاته، تریٰ مالا نَریٰ" آپ دیکھتے ہیں وہ (فرشتے وغیرہ مخلوق) جو ہم نہیں دیکھ پاتے۔ (حسن صحیح)

غائب کے سلام کے جواب کی تفصیل ابواب الاستیذان میں گزری ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی موسیٰ قال مااشکل علینا اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیث قطُّ فَسَالنا عائشة إلّا وجدنا عندها منه علماً". (حسن صحیح غریب)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی کوئی حدیث مشتبہ نہیں ہوئی کہ ہم نے اس بارے میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا ہو مگر ہم نے ان کے پاس اس کا علم پایا۔

تشریح:۔ یعنی جب بھی کسی حدیث کے متعلق ہمیں کوئی مشکل پیش آتی کہ اس حدیث کا صحیح مطلب سمجھ میں نہ آتا ہو، یا کوئی تعارض نظر آتا ہو وغیرہ تو ہم اس کے حل کے لئے حضرت عائشہؓ کے پاس جاتے اور وہ اس کا حل پیش کرتیں خواہ کسی دوسری حدیث کے ذریعہ ہو یا صحیح تاویل کی بناء پر مثلاً جلد اول میں اِلتقاء الختانین کا مسئلہ گزرا ہے جو حضرت عائشہؓ کی طرف مراجعت سے حل ہوا۔ اس سے حضرت عائشہؓ کی فقاہت اور اعلیٰ علمیت عیاں ہوتی ہے۔

حدیث آخر:۔ عن موسیٰ بن طلحة قال "مارأیت احداً افصح من عائشة"۔

موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح کو نہیں دیکھا۔ (حسن صحیح غریب)

حدیث آخر:۔ "عن عمرو بن العاص ان رسول الله صلی الله علیه وسلم استعمله علیٰ

جیش ذات السلاسل قال فأتیته فقلت: یارسول اللہ ای الناس احب الیک؟ قال عائشۃ قلت من الرجال؟ قال ابوھا". (حسن صحیح)

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (عمرو کو) غزوہ ذات السلاسل پر امیر مقرر کیا، فرماتے ہیں کہ میں (غزوہ سے واپس) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کو لوگوں میں کون زیادہ پیارا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "عائشہؓ" میں نے پوچھا مردوں میں سے (کون؟) آپؐ نے فرمایا ان کے والد۔

تشریح:۔ حضرت عمرو بن العاصؓ سیاست وقیادت میں قدم راسخ رکھتے تھے، اس مصلحت کے پیش نظر آپؐ نے ان کو اس غزوہ کا امیر بنایا حالانکہ اس میں شیخین بھی تھے، چنانچہ جب یہ وہاں پہنچے تو مجاہدین کو سخت سردی کے باوجود آگ جلانے سے منع کر دیا، حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت حضرت ابوبکرؓ سے کی تو انہوں نے فرمایا کہ آپؐ نے ان کو امیر مقرر کیا ہے لہٰذا ان کی اطاعت لازمی ہے مگر جب رات کے آخری حصہ میں حضرت عمروؓ نے حملہ کا حکم دیا اور شہر فتح ہوا، تب انہوں نے حضرت عمرؓ سے عذر کر کے آگ نہ جلانے کی حکمت بیان کی یعنی اس طرح دشمن آسانی سے دھر لیا گیا۔ چنانچہ اس امارت کی وجہ سے ان کے ذہن میں یہ خوش فہمی گردش کرنے لگی کہ شیخین کی موجودگی میں مجھے امیر بنانا شاید میری محبوبیت کی وجہ سے ہو، اس خیال نے ان کو پوچھنے پر آمادہ بلکہ مجبور کیا اور جب آپؐ نے حضرت عائشہؓ کا ذکر فرمایا تو ان کی اُمید پھر بھی باقی رہی اور پوچھا مردوں میں سے کون ہے؟ تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کا تعین فرمایا، بخاری میں تیسرا سوال بھی مذکور ہے مگر اس کا جواب حضرت عمرؓ کے تعین سے دیا گیا اس طرح حضرت عمرو بن العاصؓ کو یقین آ گیا کہ مجھے امیر مقرر کرنا کسی دوسری مصلحت کے پیش نظر تھا افضلیت کی بنا پر نہ تھا۔ اگلی روایت اور آخر میں حضرت انسؓ کی حدیث میں بھی یہی مضمون ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام" عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی دوسرے کھانوں پر ہے۔

تشریح:۔ یہ حدیث ابواب الاطعمہ کے "باب ماجاء فی فضل الثرید" میں تشریحات جلد ششم ص: ۸۰ پر گزری ہے، فلیراجع۔ مزید یہ کہ ثرید سے تشبیہ دینے میں حضرت عائشہؓ کے خصائل حمیدہ اور فوائد کثیرہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حاشیہ پر مجمع البحار کے حوالہ سے مذکور ہے کہ جس طرح ثرید غذا بھی ہے اور لذیذ بھی اسی طرح

حضرت عائشہؓ حسنِ اخلاق اور حلاوۃ گفتار سے موصوف تھیں، آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک کے عین مطابق چلتی تھیں، اور ہر بات میں آپؐ کی سہولت اور خواہش کا بھرپور خیال رکھتی تھیں، مع ہذا آپ حسن سیرت وصورت، فصاحت وبلاغت اور متانت رائے وقول وعقل میں اپنی مثال آپ تھیں اس لئے آپ غیر اختیاری طور پر ان سے زیادہ محبت فرماتے تھے اور اسی کی برکت سے آپؓ فقاہت اور علمیت کا اعلیٰ نمونہ ثابت ہوئیں، رضی اللہ عنہا۔

حدیث آخر: "عن عمرو بن غالب ان رجلاً نال من عائشةؓ عند عمار بن یاسر فقال اَغرِب مقبوحاً منبوحاً اتؤذی حبیبة رسول اللّٰہ؟" (حسن صحیح)

عمرو بن غالب کہتے ہیں کہ کسی آدمی نے حضرت عمار بن یاسرؓ کے سامنے حضرت عائشہؓ پر تنقید کی تو حضرت عمارؓ نے فرمایا: دفع ہو جاؤ! بدتر، مردود، کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ کو ایذا دیتا ہے؟

تشریح: یہ بات غزوۂ جمل میں پیش آئی چونکہ حضرت عمارؓ اس جنگ میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے تو شاید اس آدمی کے ذہن میں یہ تأثر تھا کہ حضرت عائشہؓ پر تنقید سے حضرت عمارؓ خوش ہوں گے حالانکہ حضرت عمارؓ کے دل میں حضرت عائشہؓ کا جو احترام تھا وہ ان کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ **قوله:** "اَغرِب" باب افعال سے امر کا صیغہ ہے یعنی دور ہو جاؤ۔ **قوله:** "مقبوحاً" قباحت سے ہے یعنی ہر بھلائی سے دور، اور **قوله:** "منبوحاً" نبح سے ہے کتے کو بھونکتے وقت دھتکارنے کو کہتے ہیں۔ یہ دونوں اَغرِب کی ضمیرات سے حال ہیں۔

فضل خديجة رضى الله عنها

اولین ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ پہلے ابو ہالہ کے نکاح میں تھیں، پھر عتیق بن عائذ سے عقدِ نکاح ہوا، اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقدِ نکاح میں منسلک ہوئیں، قریش کے بڑے بڑے اشراف نے ان سے نکاح کی بھرپور خواہش ظاہر کی تھی لیکن انہوں نے انکار کیا تھا پھر حضور علیہ السلام سے نکاح کرنے کی از خود فرمائش کی جبکہ ان کی عمر چالیس برس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی، آپؐ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت انہوں نے آپ کو جو خراج تحسین پیش کیا ہے دنیا کے بڑے بڑے ادیب اور انشاء پرداز بھی ایسے جامع الفاظ لانے سے قاصر رہے ہیں، آپ نے حضرت خدیجہؓ کے ہوتے ہوئے کوئی

دوسرا نکاح نہیں کیا، آپؐ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم صرف حضرت ماریہؓ کے بطن سے ہیں باقی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہے، قاسم، عبداللہ ملقب بہ طیب وطاہر بناء بر اختلاف اور زینب رقیہ ام کلثوم اور فاطمہؓ۔ ہجرت سے تین سال قبل سنہ ۱۰ نبوی میں ان کا انتقال ہوا رضی اللہ عنہا۔

"عن عائشة قالت ماغِرْتُ علیٰ احدٍ من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماغرت علیٰ خدیجة ومَابِیْ ان اکون ادرکتُها وماذالک اِلّالِکثرة ذکررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لها، وان کان لَیَذْبح الشاةَ فَیَتَتَبَّعُ بها صدائق خدیجة فیُهدیها لهن"۔(حسن صحیح غریب)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے مجھے کسی پر اتنی غیرت (رشک) نہیں آتی تھی جتنی غیرت مجھے حضرت خدیجہؓ پر آتی اور نہ معلوم میرا کیا حال ہوتا اگر میں ان کو پالیتی اور یہ غیرت صرف اس بناء پر تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بکثرت یاد فرماتے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح فرمالیتے تو خدیجہؓ کی سہیلیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کو بکری (کا گوشت) ہدیہ فرماتے۔

ملحوظ:۔ اس حدیث کی تشریح ابواب البر والصلة کے باب ماجاء فی حُسن العهد میں گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات: جلد ششم ص: ۲۹۷) پر وہاں ترجمہ میں عام شارحین کے ترجمہ ومطلب سے احتراز کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔

اگلی حدیث میں رشک کی علت جنت کی بشارت بتائی گئی ہے لیکن ان دونوں علتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ کثرت سے تذکرہ اور یاد کرنا بھی باعثِ رشک ہے اور یہ بھی "وذالک ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم بَشّرَها بِبَیْتٍ فی الجنة من قَصَبٍ لاصَخَبَ فیه ولانَصَبَ" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت میں ایک موتی سے بنے ہوئے گھر کی خوشخبری دی تھی جس میں نہ شور ہے اور نہ تھکان (تکلیف)۔(حسن صحیح)

یہاں حسد سے مراد غبطہ یعنی رشک ہے۔ چونکہ یہ دونوں امرین اس پر ناطق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ سے شدید محبت فرماتے اس لئے حضرت عائشہؓ کو اُن پر رشک آتا تھا۔

حدیث آخر:۔ "عن عبداللہ بن جعفر قال سمعتُ علی بن ابی طالب یقول سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خیرنساء ها خدیجة بنت خُویلد وخیرنساء ها مریم

بنت عمران ". (حسن صحیح)

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب فرماتے ہیں میں نے حضرت علی بن ابی طالب سے سُنا ہے جو فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے اس (امتِ محمدیہ) کی بہترین عورت خدیجہ بنت خویلد ہیں اور اُس (اُمتِ عیسوی) کی بہترین خاتون مریم بنت عمران ہیں۔

حدیث آخر:۔"عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حسبُکَ من نساء العالمین مریم بنت عمران و خدیجة بنت خُویلد و فاطمة بنت محمد و اٰسیة امرأة فرعون". (صحیح)

کافی ہے تیرے لئے (اُسوۂ وتذکرہ) جہاں کی عورتوں میں سے مریم بنت عمران وخدیجہ بنت خویلد وفاطمہ بنت محمد اور اٰسیہ فرعون کی بیوی۔

تشریح:۔ پہلی حدیث میں "خیر نساء ھا" کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں ہے مگر مراد اس سے دنیا یا عالم ہے یہ امام قرطبیؒ کی رائے ہے جبکہ طیبی کی رائے کے مطابق ضمیر اُمت کی طرف عائد ہے اسی کو اوپر ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے، بعض حضرات نے زمانہ کی طرف عائد کی ہے علیٰ ھذا مطلب یہ ہوگا کہ اس زمانہ میں حضرت خدیجہ بہترین ہیں اور اُس زمانہ میں حضرت مریم بہترین تھیں۔ قولہ: "حسبک" بمعنی یکفیک خطاب عام ہے یعنی تیرے لئے باعتبارِ کمال تک رسائی کے مندرجہ بالا عورتوں کی معرفت کافی ہے کیونکہ ان کے محاسن ومناقب اور ترکِ دنیا اور اقبال علی العقبیٰ میں کوئی عورت ان کے مقام تک نہیں پہنچی ہے۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ ؓ کا ذکر نہیں ہے جس سے بظاہر ان کا مفضول ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن ان کے فضائل ومناقب میں بھی بہت ساری صریح وصحیح احادیث مروی ہیں جیسا کہ سابقہ صفحات میں "فضل عائشة رضی اللہ عنھا" میں گزر گئیں اور امام ترمذیؒ نے حضرت عائشہ ؓ کا تذکرہ مقدم کر کے ان کی افضلیت کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ افضل کون ہے؟ اس مسئلہ پر کچھ بحث تشریحات جلد ششم ص:۸۱ پر گزری ہے۔ دیکھئے باب ماجاء فی فضل الثرید، من ابواب الاطعمة، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ ظنیات میں سے ہے کیونکہ اس میں دلائل بظاہر متعارض ہیں اس لئے اہل السنة والجماعت کے علماء میں سے کسی نے ایک جانب کو ترجیح دی ہے اور کسی نے دوسری جانب کو، لہٰذا یہ اختلاف عقیدہ کے لئے مضر نہیں ہے لیکن میری رائے کے مطابق بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس پر سکوت اختیار کیا جائے یا ترجیح ظن کے درجہ تک محدود رکھی

جائے کیونکہ تعارض کے وقت یقین کا دعوی دلیلِ قطعی سے خالی ہوتا ہے تو یقین کہاں سے حاصل ہوگا؟ بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح قرآن کے موضوع کو متعین کرنا ایک مشکل کام ہے اور بارش کے پہلے حصہ اور آخری حصہ میں خیر و برکت کی ترجیح ایک پیچیدہ امر ہے، اسی طرح یہاں بھی صورتحال کچھ اس طرح ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائے نبوت میں بھرپور ساتھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بچے جنے، غار حراء تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کا سامان لی جاتیں تو اسی طرح حضرت عائشہؓ کے حاقنہ و ذاقنہ کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، آپؐ کے مشن کو آگے بڑھایا کہ بہت ساری احادیث دنیا میں پھیلائیں اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقعہ پر بہت سے صحابہ نے ان کی طرف مراجعت فرمائی تاکہ اس مشکل کو حل کر سکے، جبکہ حضرت فاطمہؓ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ٹکڑا قرار دیا ہے اس لئے کوئی فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے، شاید یہی وجہ ہو کہ اسلاف سے اس بارے میں کوئی وضاحت مروی نہیں ہے۔

فی فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"عن عكرمة قال قيل لابن عباس بعد صلوٰة الصبح ماتتْ فلانةُ لبعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فَسَجَدَ قیل له اَتسجدُ هذه الساعة؟ فقال: اَلیس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم اٰیةً فاسجدوا فاَیّ اٰیة اعظم من ذهاب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم". (حسن غریب)

عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں اہلیہ کا انتقال ہو گیا، تو انہوں نے سجدہ کیا ان سے کہا گیا کہ آپ اس وقتِ (مکروہ) میں سجدہ کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے کہ جب تم کوئی (خوفناک) نشانی دیکھو تو سجدہ کرو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا دنیا سے چلے جانے سے زیادہ (خوفناک) نشانی کیا ہو سکتی ہے؟

تشریح:۔ آیت سے مراد ڈرانے والی نشانی ہے جیسے کسوف وخسوف اور زلزلہ، چونکہ دنیا کا امن انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً سید النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے، آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہ کرامؓ اور بالخصوص امہات المؤمنین سے وابستہ تھا لہذا ان ہستیوں کے جانے سے امن تباہ ہوگا جیسا کہ ہوا، زمانہ کی دوری اس کا شاہد عدل ہے علی ھذا امہات المؤمنین میں سے کسی کا فوت ہو جانا خطرے کی آمد کی گھنٹی ہے اس لئے سجدہ

کرنا چاہئے۔ یہ کون ام المؤمنین تھیں؟ اس میں تین قول ہیں: صفیہ، سودا اور حفصہ رضی اللہ عنہن۔

ابن عباسؓ کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ عصر کے بعد نفلی نماز کی ممانعت ہے لیکن اگر کوئی سبب رونما ہو جائے تو پھر ممانعت نہیں ہے جیسے نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت وغیرہ پھر اس سجدہ سے مراد صرف سجدہ بھی ہوسکتا ہے اور دوگانہ بھی، تفصیل ابواب الصلوٰۃ میں گزری ہے۔

حدیث آخر: ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حُیَیؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھے حفصہ اور عائشہ کی جانب سے ایک بات پہنچی تھی، پس میں نے اس کا تذکرہ آپؐ سے کیا، "فقال الاقلت و کیف تکونان خیراً منّی؟ وزوجی محمد وابی ھارون وعمّی موسیٰ" آپؐ نے فرمایا تم نے کیوں نہ کہا کہ تم دونوں مجھ سے کیونکر بہتر ہو جبکہ میرے شوہر محمد ہیں اور میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ ہیں۔ اور جو بات حضرت حفصہؓ کو پہنچی تھی یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک صفیہ سے زیادہ معزز ہیں اور (مزید یہ) کہا تھا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور آپؐ کے چچا کی بیٹیاں ہیں۔

تشریح: آپ علیہ السلام کا حضرت صفیہ کو یہ جواب سمجھانا ان کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کی تنقیص کی تردید کے لئے تھا کہ اگر وہ تمہیں یہود یہ کہتی ہیں جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے تو یہ کوئی بُری بات نہیں ہے۔ اگر وہ آباؤ اجداد پر فخر کرنا چاہتی ہیں تو تیرے آباؤ اجداد میں تو ایسے بڑے بڑے انبیاء گزرے ہیں جبکہ ازواج النبی کی فضیلت میں تم سب برابر ہو تو پھر برتری کس بات پر؟ جیسا کہ اگلی روایت میں مصرّح ہے۔

حدیث آخر: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ کو یہ خبر پہنچی کہ حفصہ کہتی ہیں کہ "یہودی کی بیٹی" (یعنی صفیہ کے بارے میں) پس حضرت صفیہ رونے لگیں، اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور وہ رو رہی تھیں، پس آپؐ نے پوچھا کیوں روتی ہو؟ کہا کہ حفصہ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں یہودی کی بیٹی ہوں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً تم نبی کی بیٹی ہو اور بلاشبہ تیرا چچا نبی تھے اور تم نبی کے نکاح میں ہو تو وہ کن باتوں کی بناء پر تم پر فخر کرتی ہیں پھر آپؐ نے فرمایا اے حفصہ! اللہ سے ڈرو! (اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دو!)

حدیث آخر: حضرت ام سلمہؓ نے عبداللہ بن وہب کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ

والے سال حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں، آپؐ نے پھر ان سے کوئی بات کی تو وہ ہنسنے لگیں، حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو میں نے ان سے ان کے رونے اور ہنسنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ (پہلی بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ آپؐ کی وفات ہونے والی ہے تو میں روئی پھر آپ نے (دوسری بار) مجھے بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے علاوہ جنتی عورتوں کی سردار ہوں تو میں ہنس پڑی۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ آپؐ نے ازواج کو اپنی وفات کی خبر نہ دی تا کہ وہ پریشان نہ ہوں یہ ان کی مصلحت تھی اس روایت میں کسی راوی سے وہم ہوا ہے کیونکہ آپؐ نے یہ اطلاع حضرت فاطمہؓ کو مرض وفات میں دی تھی نہ کہ فتح مکہ والے سال جیسا کہ مناقب (فضل) فاطمہؓ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں گزرا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی واذامات صاحبکم فدعوہ"۔ (حسن صحیح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہو (یعنی حسن سلوک کرتا ہو) اور تم میں سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا میں ہوں اور جب تمہارا کوئی ساتھی (یعنی میاں بیوی میں سے ایک) مر جائے تو اسے چھوڑ دو۔

تشریح:۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ آدمی کے اصل اخلاق کا پتہ اس کے گھر کے رویہ سے چلتا ہے کیونکہ بیرون خانہ اخلاق بسا اوقات بناوٹی بھی ہوتے ہیں۔ قولہ: "واذامات صاحبکم" اس کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر ترجمہ میں لیا گیا ہے یعنی اگر کسی عورت کا شوہر یا آدمی کی بیوی فوت ہو جائے تو اس کی برائی بیان نہ کرے، یا اسے بھولنے کی کوشش کرے اور زیادہ رونا دھونا نہ کرے تا کہ عبادات متاثر نہ ہوں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ صاحب سے مراد آپؐ کی ذات ہے کہ جب آپؐ نے فرمایا "وانا خیرکم لاھلی" تو ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میری وفات کے بعد واویلا اور زیادہ جزع فزع مت کرو یا مطلب یہ ہے کہ میرے اہل بیت و اہل خانہ و خاندان کو میرے بعد ایذا مت دو۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایک مجھے میرے کسی بھی صحابی کے بارے میں برائی نہ پہنچائے (تا کہ دل میں کوئی میل پیدا نہ ہو) کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ ان کی طرف (گھر سے) نکلوں اور میرا سینہ (سب کے لئے) محفوظ ہو (یعنی ہر قسم کی بدگمانی اور

گلے شکوے وغیرہ سے)۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال لایا گیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تقسیم کیا تو میں دو شخصوں کے پاس گیا وہ بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کہہ رہے تھے بخدا محمد نے جو تقسیم کی ہے اس سے آپؐ نے اللہ کی خوشنودی کے حصول اور آخرت کے ثواب کا کوئی ارادہ نہیں کیا ہے ''فَنَثَیتُ حین سمعتُها'' تو جب میں نے یہ بات سُنی تو اسے پھیلا دیا (اور اگر نسخہ ''فَتَشَبَّثُ'' تاء اور باء موحدہ کے ساتھ ہو تو ترجمہ ہوگا کہ میں نے اس کو بُرا جانا، قاموس) پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کو اس کی اطلاع کردی تو آپؐ کا چہرہ (غصہ سے) سُرخ ہوا'' وقال دَعْنِیْ عنک فقد اُوذی موسیٰ باکثر من هذا فصبر '' مجھے جانے دو اس لئے کہ موسیٰ کو اس سے زیادہ ستایا گیا پھر بھی انہوں نے صبر کیا۔ (غریب)

تشریح:۔ اس حدیث سے ازواج مطہرات کی فضیلت اس طرح ثابت ہوئی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام لوگوں کے لئے یہ حال تھا تو ازواج مطہرات سے تو آپؐ بطریقِ اولیٰ راضی تھے، اور جس سے اللہ کے نبی راضی ہوں اس سے اللہ راضی ہوتے ہیں اور جس سے اللہ راضی ہو جائے تو اس کی فضیلت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

فضل اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت اُبیّ بن کعبؓ کا کچھ تذکرہ مناقب معاذ بن جبلؓ میں بھی گزرا ہے، آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے ہے، اور کاتبینِ وحی میں سے ہیں، آپؐ نے ان کو سید الانصار کہا تھا، ۱۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی، رضی اللہ عنہ۔

حضرت اُبیّ بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں! چنانچہ آپؐ نے ان کو سورتِ بیّنہ پڑھ کر سنائی ''وقرا فیها'' آپؐ نے اس میں پڑھا ''ان الدین عند اللہ الحنیفیّة المسلمة لَا الیهودیة و لا النصرانیة و لا المجوسیة'' بے شک (حق) دینِ اللہ کے نزدیک خالص توحید و اطاعت (کا نام) ہے..... نہ یہودیت..... نہ نصرانیت اور نہ مجوسیت (ان میں کوئی حق نہیں ہے بلکہ آخر الذکر تو مجموعہ شرک ہے جبکہ مذکور الصدر دونوں منسوخ ہو گئی ہیں مع

بذاو شرک سے اب خالص نہیں رہیں)..........''من یعمل خیراً فلن یُکْفَرَہ'' اور جو شخص نیکی کرے گا تو وہ ردنہیں کی جائے گی (یعنی اس کا بدلہ پائے گا)..........''وقرا علیه......لوان لابن ادم وادیاً من مال لابتغی الیه ثانیاً.........ولو کان له ثانیاً لابتغی الیه ثالثاً ولا یملأ جوف ابن ادم الا التراب ویتوب الله علی من تاب'' اور آپؐ نے پڑھا ان کے سامنے: اگر آدمی کے پاس مال کی ایک وادی (بھری ہوئی) ہو تو وہ اس کے ساتھ دوسری تلاش کرے گا اور اگر اس کو دوسری مل جائے تو وہ تیسری طلب کرے گا اور آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی ہے اور اللہ توبہ قبول کرتا ہے جو توبہ کرے۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ حدیث کا آخری حصہ ابواب الزہد میں گزرا ہے جبکہ پہلا حصہ مناقب معاذؓ حضرت انسؓ کی حدیث میں گزرا ہے جبکہ ''وقرأفیها.....فلن یُکْفَرَہُ'' تک صرف اس مذکورہ حدیث میں مروی ہے، بظاہر یہاں سے آخر تک ساری حدیث وحی جلی یعنی قرآن کا حصہ ہے لیکن اول تو یہ خبر واحد ہے جس سے قرآنیت ثابت نہیں ہوتی۔ دوم اگر یہ متلو تھا تو پھر یہ منسوخ التلاوت ہے۔

فضل الانصار وقریش

حارثہ کے بیٹے اوس اور خزرج مدینہ کے دو بڑے قبیلوں کے دادا ہیں اور انہی کی طرف یہ قبیلے منسوب ہیں، حضور علیہ السلام نے ان کو اور ان کے حلفاء کو مہاجرین کی بے مثال مدد وایثار کی بناء پر انصار کے پیارے نام سے موسوم فرمایا جو جمع ہے نصیر کی جیسے شریف کی جمع اشراف ہے۔

قبیلہ قریش دراصل فہر کی طرف منسوب ہے جو فہر کا اسم محضہ ہے، جمہور نے نضر کا نام قریش قرار دیا ہے، ایک قول قُصَی کے بارے میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ نے یہاں قریش کے کچھ زیادہ فضائل نقل نہیں کئے ہیں لیکن ان کی فضیلت کے لئے اتنی سی بات بھی سندِ محکم ہے کہ آنحضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت قریش ہی میں ہوئی ہے اور اللہ کے آخری نبی کا کسی قبیلہ میں پیدا ہونا اس قبیلہ کے بہترین ہونے کا بیّن ثبوت ہے کہ انبیاء اعلیٰ ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لولا الهجرة لکنتُ امرأ من الانصار''..........وقال علیه السلام لوسَلَکَ الانصار وادیاً اوشِعْباً لکنت مع الانصار''۔ (حسن)

اگر ہجرت (کی اعلیٰ فضیلت مانع) نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا..... اور اسی سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ اگر انصار کسی وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا۔

تشریح:۔ ان ارشادات میں آپؐ انصار کی رفاقت ومحبت کا اظہار فرمانا چاہتے ہیں کہ جب ہجرت کے بعد تم لوگوں نے میری تصدیق کی اور میرے مہمانوں مہاجرین کو خوشی سے بلکہ جذبہ ایثار کے تحت جگہ دی اور دینِ اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے جان ومال کی قربانیاں دیں تو مجھے بھی تم لوگ دور نہیں دیکھو گے۔ جہاں تم ہوں گے وہاں میں ہوں گا کہ "وهل جزاء الاحسان الا الاحسان" ہاں البتہ میں خود کو انصاری نہیں کہہ سکتا کیونکہ ہجرت، نصرت کے درجہ سے بہت اعلیٰ ہے اور کوئی دانا اعلیٰ کو اَدنیٰ سے تبدیل کرنا پسند نہیں کرتا۔

یہ ارشاد آپؐ نے ہوازن کے اموالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد فرمایا تھا جس کا ذکر اگلی حدیث سے پیوستہ حضرت انسؓ کی حدیث میں آرہا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے "او قال النبي صلى الله عليه وسلم في الانصار: لايحبهم اِلّامؤمن ولايبغضهم اِلّا منافق من اَحبّهم فَاَحَبّه الله ومن ابغضهم فابغضه الله، فقلناله انت سمعتَه من البراء؟ فقال اِيّاى حَــــدّث" یا فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں فرمایا کہ ان سے محبت نہیں کرتا مگر مؤمن اور بغض نہیں رکھتا ان سے مگر منافق، اور جو ان سے محبت کرتا ہے تو اس سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو ان سے نفرت کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے نفرت کرتا ہے (شعبہ کہتے ہیں) ہم نے عدی بن ثابت (راوی) سے پوچھا: آپ نے یہ حدیث براءؓ سے سُنی ہے؟؟؟ تو اُنہوں نے کہا کہ براءؓ نے مجھ ہی سے بیان کی ہے۔ (صحیح)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انصار اللہ تبارک وتعالیٰ کے خواص میں سے ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن انس قال جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم ناساً من الانصار فقال هَلُمّ اهل فيكم احدمن غير كم ؟ فقالوا "لا" اِلّاابن اخت لنا، فقال ابن اخت القوم منهم لم قال : ان قُريشاً حديث عهدهم بجاهِلِيّةٍ ومصيبةٍ وانى اردت ان اَجْبُرهم اَمَا تَرضون ان يرجع الناس بالدُنيا وترجعون برسول الله صلى الله عليه وسلم إلىٰ بيوتكم ؟ قالوا بلىٰ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لوسلك الناس وادياً اوشِعباً وسلكتِ الانصار وادياً اوشِعباً لَسَلكتُ وادى الانصار وشِعْبَهُمْ". (صحيح)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے چند لوگوں کو (ایک خیمہ میں) جمع کر کے فرمایا آ جاؤ! کیا تمہارے اندر کوئی غیر بھی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں مگر ایک بھانجا ہمارا ہے! آپؐ نے فرمایا قوم کا بھانجا ان ہی میں سے ہوتا ہے.... پھر آپؐ نے فرمایا بے شک قریش اپنے جاہلی دور سے نئے نئے نکلے ہیں (یعنی نو مسلم ہیں) اور ان کی (شکست والی) مصیبت بھی تازہ ترین ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ان کا کچھ مداوا کروں اور ان کی تالیف (قلبی) کروں (یعنی ان کو مال غنیمت دے کر ان کو خوش کروں اور مسلمانوں اور اسلام سے ان کو جوڑوں) تو کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ لوگ دنیا لے کر لوٹ جائیں اور تم اللہ کے رسول کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹو؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! (ہم راضی ہیں) آپؐ نے فرمایا "لو سلک الناس وادیاً" الخ اگر لوگ کسی وادی یا گھاٹی میں چلیں گے اور انصار دوسری وادی یا گھاٹی میں چلیں گے تو میں انصار کی وادی اور گھاٹی میں چلوں گا۔

تشریح:۔ اس حدیث کی زیادہ تفصیل بخاری میں ہے کہ جب آپؐ نے ہوازن کا مال تقسیم فرمایا اور بعض قریشی سرداروں کو سو اونٹ دیئے تو بعض انصار نے کہا "یغفر اللہ لرسول اللہ یعطی قریشاً ویترکنا وسیوفنا تقطر من دمائهم" یعنی جنگ تو ہم لڑیں گے اور ثمرات قریش کو دیئے جائیں، جب یہ خبر آپؐ کو پہنچی تو انصار کو ایک خیمہ میں جمع کر کے مذکورہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک خوددار قوم کے لئے شکست سے بڑی کوئی مصیبت نہیں ہوتی پھر خصوصاً جب وہ مذہب تبدیل کرنے پر مجبور ہو جائیں تو غم ڈبل ہو جاتا ہے، میں نے ان کی مصیبت کم کرنے اور اسلام کو ان کی نظروں میں مرغوب بنانے کے لئے ایسا کیا ہے جو بحیثیت نبی میری ذمہ داری ہے "فقال فقهاء الانصار اَمّا رؤساؤنا یا رسول اللہ فلم یقولوا شیئاً واَمّا اناس مِنّا حدیثةٌ اَسنانهم فقالوا یغفر اللہ لرسول اللہ" الخ انصار نے جواب میں کہا کہ ہم میں سے عمر رسیدہ اور سنجیدہ لوگوں نے یہ بات نہیں کہی ہے تو یہ کچھ نوجوانوں کی باتیں ہیں۔

حدیث زید بن ارقمؓ:۔ "انه کتب الی انس بن مالک یُعَزّیه فیمن اُصِیبَ من اهله وبنی عمّه یوم الحرّة فکتب الیه اَلَا اُبَشِّرکَ بِبُشری من اللہ انی سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: اللّٰهُمَّ اغفر للانصار، وَلِذراریّ الانصار، ولذراری ذراریهم". (حسن صحیح)

حضرت زید بن ارقمؓ نے حضرت انسؓ کو خط لکھا، وہ انسؓ سے ان کے خاندان اور چچازادوں کی

تعزیت کرنا چاہتے تھے جو حرّہ کی جنگ میں شہید کر دیئے گئے تھے، آپؓ نے ان کو لکھا کہ میں آپ کو اللہ کی طرف سے ایک خوشخبری سناتا ہوں بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپؐ نے فرمایا: اے اللہ! انصار کو بخش دے اور انصار کی اولاد کو اور ان کی اولاد کی اولاد کو۔

تشریح:۔ حرہ وہ مشہور لڑائی ہے جو یزید کے لشکر نے مدینہ والوں پر چڑھائی کر کے مسلم بن عقبہؓ کے زیر کمان لڑی تھی، یہ ذی الحجہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے، حرہ مدینہ کے مضافات میں ایک پتھریلی زمین کا نام ہے جہاں اس جنگ میں بہت زیادہ انصار شہید ہو گئے تھے، حضرت انسؓ اس وقت بصرہ میں تھے، حضرت زید بن ارقمؓ نے یہ خط بطورِ تعزیت حضرت انسؓ کو لکھا تھا۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "اِقْرء قومکَ السلام فانهم مَاعَلِمتُ اَعِفَّةٌ صُبُرٌ" اپنی قوم کو میرا اسلام کو کہہ دو! کیونکہ میں ان کو پرہیزگار اور صابر جانتا ہوں۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قولہ: "ماعلمتُ" ما موصولہ ہے یعنی میرے علم کے مطابق۔ قولہ: "اَعِفَّةٌ" بروزن اَجِنَّةٌ عفیف کی جمع ہے جیسے اَجِنَّة جنین کی جمع ہے۔ اور صُبُرٌ بضمتین صابر کی جمع ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اَلَاۤاِنَّ عَیْبَتِیَ الَّتی اٰوِی الیها اهلُ بیتی واِنَّ کَرِشی الانصار فاعفوا عن مُسِیئهم واقبلوا من محسنهم". (حسن)

آگاہ ہو کہ میرے خواص جن کی طرف میں لوٹ کر آتا ہوں میرے اہلِ بیت ہیں اور میرے رازدار انصار ہیں پس ان کی بُرائیوں کو معاف کرو اور ان کی اچھائیوں کو قبول کرو۔

تشریح:۔ مُسِیئهم اور مُحسنهم دونوں کے ضمائر اہلِ بیت اور انصار دونوں فریقین کی طرف عائد ہیں۔ عیبہ اور کَرِش دونوں پوشیدہ مقام اور با اعتماد کو کہتے ہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الانصار کرشی وعَیْبَتِی وان الناس سیکثرون ویقلّون فاقبلوا من مُحسِنهم وتجاوَزُوا عن مُسِیئهم"۔ (حسن صحیح)

انصار میرا کرش اور عیبہ ہیں اور بے شک لوگ بڑھیں گے اور (انصار) کم ہوں گے پس ان کے نیکوکاروں سے قبول کرو اور ان کی بُرائی سے درگزر کرو۔

تشریح:۔ اس حدیث میں انصار پر عَیْبَۃ اور کَرِش دونوں کا اطلاق فرمایا عیبۃ دراصل صندوق کو کہتے ہیں جس میں کپڑے محفوظ رہتے ہیں۔ اور کرش جگالی کرنے والے جانور کی اوجھڑی کو کہتے ہیں یعنی معدہ یعنی جس طرح آدمی اپنا خاص سامان وکاغذات وغیرہ اپنے بکس میں محفوظ سمجھ کر رکھتا ہے اور معدہ غذا کو جمع کر کے سارے بدن کو نفع پہنچاتا ہے اسی طرح درجہ وحیثیت انصار کی بھی ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حدیث آخر:۔ "عن محمد بن سعد عن ابیه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من یُرِد هَوَان قریش اَهَانه اللّٰه". (غریب)

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ارادہ کرے قریش کی ذلت کا تو اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لی: لایبغض الانصار رجل یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر". (حسن صحیح)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ انصار سے بغض نہیں کرتا۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللّٰهم اَذَقْتَ اَوَّلَ قُریش نکالاً فَاَذِق آخِرَهُمْ نَوَالاً" "اے اللہ! تو نے قریش کے اگلے لوگوں کو عذاب چکھایا تو ان کے پچھلے لوگوں کو انعام (کا مزا) عنایت فرما!(حسن صحیح غریب)

اور حضرت انسؓ سے جو اگلی حدیث مروی ہے اس مضمون کی حدیث عنقریب حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث میں گزری ہے جو انہوں نے حضرت انسؓ کو خط کے ذریعہ لکھ بھیجی تھی، فتذکر۔

باب ماجاء فی اَیِّ دُوْرِ الانصار خیر؟

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "الا اُخبِرُکم بخیر دُوْرِ الانصار او بِخیر الانصار؟ قالوا: "بلیٰ یارسول اللّٰه" قال: بنو النجار ثم الذین یلونهم بنو عبد الاشهل ثم الذین یلونهم بنو الحارث ابن الخزرج ثم الذین یلونهم بنو ساعدة ثم قال بیدیه فَقَبَضَ اَصابعه ثم بَسَطَهن کالرامی بِیدیه قال وفی دور الانصار کلها خیر"۔

کیا میں تمہیں انصار کے اچھے قبیلے یا فرمایا کہ اچھے انصار کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (بتلائیں) آپؐ نے فرمایا: بنونجار (اچھے ہیں) پھر جو ان کے قریب ہیں (یعنی) بنوعبدالاشہل، پھر جو ان کے قریب ہیں (یعنی) بنوالحارث بن الخزرج پھر جو ان (بنوحارث) کے قریب ہیں (یعنی) بنوساعدہ، پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا چنانچہ آپؐ نے اپنی انگلیوں کو بند کیا اور پھر ان کو کھولا جیسے کوئی اپنے ہاتھوں سے پھینکنے والا ہو، اور فرمایا انصار کے سب ہی قبائل (بطون) میں خیر (بھلائی) ہے۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر: ۔ حضرت ابواُسید الساعدی (مالک بن ربیعہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار کے قبیلوں (بطون) میں سے بنونجار والے اچھے ہیں پھر بنی عبدالاشہل والے اچھے ہیں پھر بنی حارث بن الخزرج ہیں پھر بنی ساعدہ ہیں اور انصار کے سب ہی قبیلوں میں خیر ہے، پس حضرت سعد بن عبادہؓ (جو بنی ساعدہ کے رئیس ہیں) نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر (تین بطون کو) فضیلت دے دی، تو ان سے کہا گیا کہ تم کو بھی بہت سے لوگوں (اور قبیلوں) پر فضیلت دی ہے۔ (حسن صحیح)

تشریح: ۔ اگلی روایت میں صرف بنونجار کا ذکر ہے اور اس کے بعد حضرت جابرؓ کی حدیث میں بنوعبدالاشہل کو خیر الانصار قرار دیا ہے۔

پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ انصار کے بڑے قبیلے دراصل اوس اور خزرج ہیں، باب کی احادیث میں جن قبائل کا ذکر ہے یہ ان دو بڑے قبیلوں کی ذیلی شاخیں ہیں۔ جب کسی قبیلہ کے لوگ ایک محلہ یا گاؤں میں ایک ساتھ سکونت اختیار کریں تو ان کو "دار" کہتے ہیں، اس کی جمع دُوْر بالضم آتی ہے، گویا یہاں مضاف مقدر ہے یعنی اہلِ دار واہلِ دُوْر۔ پھر ان کی افضلیت کی جو ترتیب بتائی گئی ہے یہ باعتبار سبقت اسلامی کے ہے چنانچہ پہلا نمبر بنونجار کو حاصل ہے جو خزرج کی ذیلی شاخ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال ہے پھر بنوعبدالاشہل ہے جو اوس کا بطن ہے۔ پھر بنوالحارث اور بنوساعدہ دونوں خزرج کی شاخیں ہیں۔ پھر جن روایات میں بنوعبدالاشہل کا ذکر سب پر مقدم ہے تو اس کے مقابلہ میں ترمذی کی ترتیب راجح ہے کیونکہ بنونجار آپؐ کی ننھیال ہے اس لئے سب سے افضل ہے۔

باب ماجاء فی فضل المدینة

"عن علی بن ابی طالب قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ اذا کان

بحرۃ السقیاء التی کانت لسعد بن ابی وقاص فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ائتونی بوضوء فتوضأثم قام فاستقبل القبلة فقال اللّٰھم ان ابراھیم کان عبدک وخلیلک دعا لاھل مکة بالبرکة وانا عبدک ورسولک وادعوک لاھل المدینة اَن تبارکَ لھم فی مدّھم وصاعھم مِثلَیْ مابارکتَ لاھل مکة مع البرکة برکتین". (حسن صحیح)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہم حرۃ السقیاء میں پہنچے جو سعد بن ابی وقاص کی زمین تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے وضوء کا پانی لا دو چنانچہ آپؐ نے وضوء کیا اور پھر کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کیا اور فرمایا اے اللہ ابراہیم تیرے بندے اور خلیل تھے اور انہوں نے مکہ والوں کے لئے برکت کی دُعا مانگی اور میں تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں اِمیں تجھ سے مدینہ والوں کے لئے دُعا کرتا ہوں کہ تو ان کے مُدّ میں اور ان کے صاع میں اس برکت سے دوگنی برکت دے جتنی تو نے مکہ والوں کو دی ہے اور ہر دو برکتوں کے ساتھ دو برکتیں۔

تشریح:۔ یہ مدینہ لفظ تمدن سے نہیں بلکہ آپؐ کے شہر کا نام دین سے مشتق ہے بخلاف عام مدینہ کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے خلیل اللہ یا حبیب اللہ کے الفاظ کا استعمال نہیں کیا کیونکہ یہ مقام دُعا کا ہے جس میں تواضع وانکساری مطلوب اور زیادہ باا ثر ہوتی ہے۔ قولہ: "مِثلَیْ مابارکتَ" اس سے تثلیث اور مع البرکة برکتین" سے تربیع معلوم ہوئی یعنی کل چار چیزیں ہو جائیں گی ایک اصل اور تین برکات جبکہ مجموعہ چار بن جائیں گی۔

حدیث آخر:۔ "عن علی بن ابی طالب وابی ھریرۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مابین بیتی ومنبری رَوْضة من ریاض الجنة". (غریب حسن)

میرے گھر (روضہ مبارک جو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں ہے) اور میرے منبر کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغات میں سے (یعنی مسجد کا یہ حصہ)۔

تشریح:۔ یہ حدیث صرف ابو ہریرہؓ سے بھی اس کے متصل بعد مروی ہے، آپؐ کے حجرہ (روضہ) اور منبر کے درمیان حصے کا جنت کا ٹکڑا ہونا تو ثابت ہوا لیکن اس کا مطلب کیا ہے؟ تو ایک مطلب یہ ہے کہ یہ حصہ جنت سے لایا گیا ہے البتہ جب تک یہ حصہ دنیا میں رہے گا تو اس کے اوپر جنت کے لوازمات جیسے بھوک پیاس نہ لگنا اور دیگر احکام لاگو نہ ہوں گے، قیامت میں یہ جنت میں منتقل ہو جائے گا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس

منبر کے پاس حاضر ہوگا اور علوم شریعت اور ایمان وغیرہ سے سیراب ہوگا تو وہ جنت میں جائے گا گویا یہاں حاضری جنت میں جانے کا سبب ہے علیٰ ھذا یہ اطلاق مجازی ہوگا۔ قولہ: "صلاۃ فی مسجدی ھذا خیر من ألف صلاۃ فیما سواہ من المساجد إلا المسجد الحرام" اس حدیث پر تفصیل سے بحث گزری ہے۔ دیکھئے تشریحات جلد دوم ص: ۱۵۸ "باب ما جاء فی ای المساجد افضل"۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من استطاع ان یموت بالمدینة فلیمُت بھا فانی أشفع لِمن یموت بھا". (حسن صحیح غریب)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے ہو سکے کہ مدینہ میں مَرے تو اس کو چاہئے کہ یہیں مرے کیونکہ میں سفارش کروں گا اس کی جو یہاں مرے۔

تشریح:۔ یہ ذکر ہے مسبب (موت) کا اور مراد اس سے لزوم سبب ہے یعنی مدینہ میں قیام اختیار کرنا جیسے قرآن میں "ولا تموتنّ الا وانتم مسلمون" یعنی مدینہ کی رہائش اختیار کرو تو موت جب آئے گی تو مدینہ ہی میں آئے گی پس مدینہ میں موت کی فضیلت مل جائے گی، پھر حضور علیہ السلام کی شفاعت تو پوری امت کے لئے ہوگی لیکن اہلِ مدینہ کے لئے خصوصی ہوگی جو یہاں مراد ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمر ان مولاۃ له أتته فقالت: اِشتدّ عَلَیّ الزمان وانی أُرید ان أخرُجَ الی العراق قال فھلا الی الشام ارضِ المنشر واصبری لکاع فانی سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من صبر علی شدّتھا ولأوائھا کنت له شھیداً وشفیعاً یوم القیامة".

(حسن صحیح غریب)

حضرت ابن عمرؓ کی ایک آزاد کردہ باندی ان کے پاس آکر کہنے لگی کہ میرا وقت بڑا کٹھن ہو گیا ہے (یعنی یہاں کچھ مشکلات ہیں جیسے غربت وغیرہ) اور میں چاہتی ہوں کہ عراق منتقل ہو جاؤں، ابن عمرؓ نے فرمایا تم شام کیوں نہیں جاتی ہو؟ جو حشر ونشر کی سرزمین ہے اور اے کمینی صبر کر! کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے جو مدینہ کی سختی اور تنگی (بھوک) پر صبر کرے تو میں قیامت کے دن اس کے لئے گواہ اور شفیع ہوں گا۔

تشریح:۔ میرے پاس ترمذی کا جو نسخہ ہے اس میں شھیداً کے بعد واؤ ہی ہے لیکن شارحین نے اس کے بعد اوذکر کیا ہے یعنی "کنت له شھیداً او شفیعاً" اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ راوی کو شک ہو۔ دوم گواہ

قیم کے لئے ہو یعنی آپؐ بعض لوگوں کے لئے گواہ بنیں گے اور بعض کے لئے شفیع، مثلاً جو آپؐ کی حیات طیبہ میں فوت ہو چکے تو ان کے لئے آپؐ گواہی دیں گے اور جو بعد میں انتقال کر گئے تو ان کے لئے شفیع یا مگر کسی کے لئے صرف سفارش فرمائیں گے اور کسی کے لئے گواہی و شفاعت دونوں یا او بمعنی واؤ کے ہے۔

حدیث آخر:۔"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم آخر قریة من قری الاسلام خَرَاباً المدینةُ". (حسن غریب)

اسلام کے شہروں میں سب سے آخر میں جو شہر ویران ہوگا وہ مدینہ ہے۔

تشریح:۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے یہاں جاہی و تنزلی سے عرصہ دراز تک حفاظت رہے گی، ہاں جب بساط انسانیت کے لپیٹنے کا وقت آئے گا تو ہر جگہ پر عالمگیر گناہوں کی نحوست کرے گی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

حدیث آخر:۔"عن جابر ان اعرابیاً بایع رسول الله صلی الله علیه وسلم علی الاسلام فاصابه وَعک بالمدینة فجاء الاعرابی إلیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال أقِلنی بیعتی فابی فخرج الاعرابی ثم جاء ه فقال اقلنی بیعتی فابی فخرج الاعرابی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :إنّماالمدینة کالکیر تنفی خَبَثَهاوتَنصَعُ طیّبها". (حسن صحیح)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کی تو اسے مدینہ میں بخار ہو گیا چنانچہ وہ اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا کہ مجھے میری بیعت واپس کردیں آپؐ نے انکار فرمایا تو وہ چلا گیا.... اور پھر آکر آپؐ سے عرض کیا: مجھے میری بیعت واپس کر دیجئے آپؐ نے نہیں مانا اس طرح وہ اعرابی (بغیر اقالہ کے) چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مدینہ بمنزلہ بھٹی کے ہے جو دھات کے میل کو دور کرتی ہے اور خالص کو چھانٹ لیتی ہے۔

تشریح:۔قوله: "بایع" دراصل بیعت بیع معروف سے مختلف عمل ہے لیکن جس طرح بیع میں تبادلہ ہوتا ہے اسی طرح بیعت میں بھی ایفائے عہد کے بدلے ثواب پر معاہدہ ہوتا ہے اسی مناسبت سے دونوں کا مادہ حروف ایک ہی ہے، پھر اس حدیث میں "بَایَعَ علی الاسلام" کے الفاظ ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ یہاں مراد ہجرت ہو اور چونکہ دار الہجرت کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اس لئے آپؐ نے اقالہ سے انکار فرمایا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد ضمناً اسلام ہو لیکن عربوں میں تفاول و تطیر کی رسم عام تھی تو اس اعرابی نے اپنی بیماری سے بدشگونی

کرکے اسلام سے انحراف کا ارادہ کرکے واپسی کا فیصلہ کرلیا ہوگا جس سے آپؐ نے انکار فرمایا پھر جب وہ چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ کی مثال آگ کی بھٹی کی طرح ہے یعنی جس طرح لوہار بھٹی میں لوہار کھتا ہے تو آگ اس کو صاف کرتی ہے زنگ اور میل کو الگ کرتی ہے اور خالص لوہا الگ کرتی ہے اسی طرح مدینہ بھی لوگوں کو جانچتا ہے۔

لیکن یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ آپؐ کے بعد بہت سے صحابہ کرامؓ مدینہ چھوڑ چکے ہیں دوسری طرف مدینہ میں منافقین بھی رہا کرتے تھے حالانکہ منافق تو خبیث ہوتا ہے، اس لئے بعض حضرات نے اس حدیث کو دجال کے زمانہ کے ساتھ خاص مانا ہے، جبکہ بعض حضرات اس کو ہر زمانہ کے لئے عام مانتے ہیں لیکن منافقین وہاں بحیثیت مسلمان نہیں رہتے تھے بلکہ وہ پہلے سے وہاں آباد تھے جبکہ حدیث میں ایسے لوگوں کی حالت کا ذکر مقصود ہے جو اسلام لاکر مدینہ میں آباد ہو جائیں اور پھر دل میں اسلام کے بارے میں شکوک لاحق ودخل ہو جائیں تو مدینہ ایسے لوگوں کو یا تو صاف کرتا ہے یا پھر باہر نکالتا ہے علیٰ ھذا صحابہ کا جانا میل کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ دینی جذبہ سے تھا پس وہ از خود گئے ہیں، مدینہ نے ان کو نکال باہر نہیں کیا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی هريرة انه كان يقول: لو رأيتُ الظِّبَاءَ ترتع بالمدينة ما ذَعرتُها، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال مابين لابتيها حرام". (حسن صحيح)

حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں ہرن دیکھوں جو مدینہ میں (اور اس کے آس پاس) چرتا ہو تو اس کو نہیں ڈراؤں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مدینہ کی دونوں پتھریلی زمینوں کے درمیان حرم ہے"۔

تشریح:۔ **قولہ:** "الظِّبَاء" ظبیٌ کی جمع ہے ہرن کو کہتے ہیں۔ **قولہ:** "ماذَعرتُها" ای ماخوّفتُها میں اسے نہیں ڈراؤں گا اور خوف زدہ کرکے بھگاؤں گا نہیں۔ کیونکہ مدینہ حرم ہے یعنی محترم ہے، مدینہ کی حرمت پر تو اتفاق ہے لیکن آیا اس کے شکار اور درختوں کے کاٹنے پر کوئی جزا ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک نہیں ہے جبکہ ابن ابی ذئب وغیرہ کے نزدیک اس کا حکم حرم مکی کی طرح ہے البتہ امام شافعیؒ کے قدیم قول کے مطابق شکار کرنے اور درخت کاٹنے والے کا سَلَب لینا جائز ہے اور یہی ابن حزمؒ کا بھی مذہب ہے تاہم اس کے جسم کو بالکل ننگا کرنا جائز نہیں لہٰذا ستر عورت کا ضروری لباس چھوڑ کر باقی لیا جائے گا البتہ امام شافعیؒ کا جدید قول حنفیہ کی طرح ہے یعنی اس کا لباس نہیں لیا جائے گا، اور جہاں تک حدیث سے اس کی اباحت معلوم ہوتی ہے تو وہ

مدینہ کی حرمت کو یقینی بنانے کے لئے تغلیظ پر محمول ہے تا کہ مدینہ مشرفہ کی رونق اور زینت قائم ودائم رہے، یہ مطلب نہیں کہ اس کے درخت اور شکار جائز نہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلع له أحد فقال: هذا جبل يُحبنا ونُحِبّه ، اللهم ان ابراهيم حرّم مكة وانى أحرّم مابين لابتيها". (حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے احد (پہاڑ) نمودار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں (اور فرمایا) اے اللہ ابراہیم! نے مکہ کو حرم ٹھہرایا ہے اور میں مدینہ کو محترم قرار دیتا ہوں اس (تمام علاقے کو) جو اس کے دونوں لابتین کے درمیان ہے۔

تشریح:۔ اس محبت کو معنی حقیقی پر حمل کرنا چاہئے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ قوله: "لابتيها" لابۃ کا تثنیہ ہے جہاں سیاہ پتھر پائے جاتے ہوں، مدینہ کی دونوں جانب ایسے دو مقام موجود ہیں، جن کو حرّتین بھی کہتے ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن جرير بن عبدالله عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ان الله أوحىٰ إلىّ أىّ هؤلاء الثلاثة نزلت فهى دار هجرتك المدينة او البحرين او قِنّسرِين". (غریب)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری طرف وحی کی کہ ان تین مقامات میں سے جہاں آپ جائیں تو وہ آپ کا دار الہجرت ہوگا: (۱) مدینہ (۲) یا بحرین (۳) یا قنسرین۔

تشریح:۔ قِنّسرِين بكسر القاف وتشديد النون المفتوحه شام کے شہر حلب کے قریب ایک بستی کا نام ہے، ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ پہلے آپؐ کو ان تینوں میں جانے کا اختیار دیا گیا تھا جس سے آپ کا اکرام واعزاز مقصود تھا پھر اللہ نے آپؐ کے لئے وہی منتخب فرمایا جہاں زیادہ نعمتیں تھیں اور جس کا درجہ اونچا اور مقام بلند تھا۔ علی هذا حدیث میں لفظ او تخییر کے لئے ہے۔

فى فضل مكة

"عن عبدالله بن عدى بن حمراء قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم واقفاً على الحزورة فقال: والله انك لخير ارض الله واحب ارض الله إلى الله ولولا انى أخرجتُ

منک ما خرجتُ!!! (حسن غریب صحیح)

عبداللہ بن عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حزورَہ (بروزن قسورہ) مقام پر کھڑے ہوئے دیکھا، آپؐ فرمار ہے تھے بخدا (اے مکہ!) تو اللہ کی ساری زمین سے بہتر ہے اور اللہ کی ساری زمین سے اللہ کو زیادہ پیاری ہے اگر میں تجھ سے نکالا نہ جاتا تو میں باہر نہ نکلتا!!!

تشریح:۔اگلی روایت میں یہ الفاظ ہیں''مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَاَحَبَّكِ اِلَیَّ'' دونوں معطوف و معطوف علیہ تعجب کے صیغے ہیں، یعنی اے مکہ! تو کتنا عمدہ شہر ہے اور مجھے کس قدر پیارا ہے الخ۔ یہ دوسرا ارشاد جو ابن عباسؓ سے مروی ہے آپؐ نے فتح مکہ کے موقعہ پر فرمایا، جبکہ پہلے کے بارے میں الکوکب میں ہے جب آپؐ عمرۃ القضاء سے واپسی فرمار ہے تھے تو یہ ارشاد فرمایا۔ یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے کہ مکہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے امام مالکؒ چونکہ مدینہ منورہ کی افضلیت کے قائل ہیں اس لئے وہ اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں، یہ مسئلہ ابواب الصلوٰۃ کے''باب ماجاء فی ای المساجد افضل''میں گزرا ہے۔

بعض لوگوں نے اس حدیث کو دیکھ کر ایک عام قاعدہ بنایا ہے کہ ہر آدمی کو اپنے وطن اور ملک سے محبت کرنا چاہئے حالانکہ آپؐ کا یہ ارشاد مکہ کے لئے بحیثیت وطن اصلی کے نہیں تھا بلکہ مکہ کے نفس الامری اور حقیقی اصل مقام کو اُجاگر کرنا مقصود تھا، بعض لوگوں نے اس مطلب کے لئے ایک حدیث بھی تلاش کی ہے کہ''حُبُّ الوطن من الایمان''یعنی وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے، اول تو پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ ایمان مرکب نہیں ہے، دوم وطن کی محبت تو مال کی محبت کی طرح ہے اگر ملک کی محبت ایمان کا جزو ہے تو پھر مال کی محبت بھی ایمان میں سے ہونی چاہئے اور اصل بات یہ ہے کہ حدیث یا ایمانیات کو قیاس سے ثابت نہیں کیا جا سکتا پس کسی دوسرے وطن کو مکہ پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے جبکہ از روئے روایت بھی یہ حدیث موضوع ہے البانی صاحب''سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة''میں لکھتے ہیں:''موضوعٌ کما قال الصغانی وغیره''سیوطیؒ الدرر المنتثرة میں لکھتے ہیں:''لم أقف علیه''، ملاعلی قاریؒ الموضوعات الکبریٰ میں لکھتے ہیں:''قال الزرکشی لم أقف علیه وقال السخاوی لم اقف علیه الخ''۔

فضل العرب

''عن سلمان قال قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: یاسلمان لاتُبغضنی

تفارق دینک قلت یارسول اللّٰہ کیف اُبغِضُک وبک ھدانی اللّٰہ؟ قال تُبغِضُ العربَ فتُبغِضُنی۔ (حسن غریب)

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے سلمان! مجھ سے بغض نہ رکھو ورنہ تیرا دین تجھ سے جُدا ہو جائے گا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں آپ سے کیونکر بغض رکھوں گا جبکہ آپ کے ذریعہ اللہ نے مجھے ہدایت دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا جب تم عربوں سے بغض رکھو گے تو تم مجھ سے بغض رکھو گے۔

تشریح:۔ محبت کے اسباب مختلف ہوتے ہیں اور محبت کرنے والوں کے مزاج بھی مختلف ہیں، کوئی محبت کی بنیاد خوبصورتی گردانتا ہے، کوئی دولت، کوئی شجاعت اور کوئی نسب وغیرہ وغیرہ چونکہ عرب نسب کے اعتبار سے ساری نسل انسانی میں اعلیٰ ہیں اس لئے ان میں بہت ساری جبلی وفطری خوبیاں ہیں خصوصاً جب آپؐ عربی ہیں اور قرآن عربی زبان میں ہے اور اہلِ جنت کی زبان عربی ہے اگرچہ "احبُّوا العرب لِثلاث لِانّی عربی، والقرآن عربی ولسان اھل الجنۃ عربی" کوئی صحیح حدیث نہیں ہے لیکن جو وجوہات اوپر بیان ہوئیں وہ عربوں سے محبت کی متقاضی ہیں ہاں البتہ اگر کوئی عرب غلط فعل کا مرتکب ہو اور اس وجہ سے اس سے بغض رکھا جائے تو وہ الگ چیز ہے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے: "إن ابغضھم لِنَسَبِھم .... فھو الم لان اللّٰہ اصطفاھم من الخلق.... وان ابغضھم لافعالھم القبیحۃ الیوم فذالک دین اذا الصحبۃ والبغض المالکون فی الافعال لا بالذوات"۔

حدیث آخر:۔ "من غشّ العرب لم یدخل فی شفاعتی ولم تنلہ مَوَدّتی"۔ (غریب)

...."ولیس حُصین عندا اھل الحدیث بذالک القوی"۔

جو عربوں سے خیانت کرے وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا اور نصیب نہ ہوگی اس کو میری محبت (یہ روایت سنداً کمزور ہے)۔

تشریح:۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اگر دیکھا جائے کہ غش یعنی خیانت اور دھوکا دہی تو ویسے بھی حرام اور کبیرہ گناہ ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ عربوں کو دھوکا دینا مزید قبیح ہو جاتا ہے اور یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایسا آدمی نتیجتاً آپؐ کی شفاعت ومحبت سے محروم رہے۔

حدیث آخر:۔ اُمِ حریر کا یہ حال تھا کہ اگر کسی عرب کا انتقال ہو جاتا تو ان کو سخت صدمہ پہنچتا تو ان سے

کہا گیا کہ ہم آپ کو دیکھتے ہیں جب عربوں میں سے کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو آپ کو بہت دُکھ ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے آقا (طلحہ بن مالک) سے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "**من اقتراب الساعة هلاک العرب**" "قیامت قریب ہونے کی نشانی عربوں کا مرنا ہے۔ (غریب)

تشریح:۔ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں محمد بن ابی رزین کی ماں مجہولہ ہیں اسی طرح ام الحریر بھی مجہولہ ہیں۔

حدیث اُمّ شریک:۔ "**ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لَيَفِرّنَّ الناس من الدجال حتىٰ يَلْحقُوا بالجبال قالت ام شريک: يارسول الله! فاين العرب يومئذٍ؟ قال هم قليل**". (**حسن صحيح غريب**)

حضرت ام شریکؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ دجال سے بھاگیں گے یہاں تک کہ وہ پہاڑوں میں جا چھپیں گے، اُم شریکؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! اس وقت عرب کہاں ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا وہ تھوڑے ہوں گے۔

تشریح:۔ ام شریک کا نام غزیہ ہے یا غزیلہ ہے، کہتے ہیں کہ یہ وہ انصاری خاتون ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا، جب آپؐ نے بھاگنے کی بات کی تو ان کے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ شاید یہ بھاگنے والے کوئی دوسرے لوگ ہوں گے کیونکہ عرب تو بھاگنے والے نہیں ہیں تو آپؐ نے جواب دیا کہ وہ تعداد میں دجال کے لشکر سے بہت کم ہوں گے اس لئے وہ مقادمت و مدافعت نہیں کرسکیں گے اس لئے بھاگیں گے۔ طیبیؒ نے کہا ہے کہ سوال میں عرب سے مراد مجاہدین ہیں لیکن ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ پہلا مطلب زیادہ صحیح ہے اور امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث کو عربوں کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

حدیث آخر:۔ "**سام ابو العرب ويافث ابو الروم وحام ابو الحبش**" "یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے تین صاحبزادوں کی نسل سے یہ سارے انسان آباد ہیں، عربوں کے جد امجد سام ہیں، رومیوں کے یافث ہیں اور حبشیوں کے حام ہیں۔ (حسن)

تشریح:۔ باقی لوگ ان کے آپس میں رشتہ داریوں سے معرض وجود میں آئے ہیں۔

فی فضل العجم

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عجمیوں کا تذکرہ کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَاَنَا بِهِم او بِبَعْضِهِم اوثق مِنّی بکم او ببعضکم " میں ان (اعاجم) پر یا (فرمایا کہ) ان کے بعض پر زیادہ اعتماد کرنے والا ہوں تم پر یا تم میں سے بعض پر اعتماد کرنے کی بہ نسبت۔ (غریب)

تشریح:۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ بکم او ببعضکم کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کو انفاق فی سبیل اللہ میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی لہٰذا اس ارشاد سے ان کی دلچسپی بڑھانا مقصود ہے پس اس حدیث سے عجمیوں کی عربوں پر تفضیل مراد نہیں ہے لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر تفضیل مراد نہیں ہے بلکہ صرف تعریض مراد ہے تو پھر کلام اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہوگا حالانکہ حتیٰ الامکان نصوص کو ظاہر سے نہیں ہٹانا چاہئے، اس لئے صحیح مطلب یہ ہے کہ مراد اعتماد ہی ہے لیکن یہ باعتبار بعض صفات کے ہے، جس سے جزوی فضیلت تو ثابت ہوتی ہے لیکن کلی و مجموعی فضیلت عربوں کو ہی حاصل ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے جب سورت جمعہ نازل ہوئی "فتلاھا" تو آپؐ نے اس کو پڑھا اور جب "و آخرین منھم لمّا یلحقوا بھم " تک پہنچے (یعنی ان میں سے دوسرے لوگ جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں) تو ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا اے اللہ کے رسول! "من ھٰؤلآء الذین لم یلحقوا بنا؟" یہ کون لوگ ہیں جو اب تک ہمارے ساتھ نہیں ملے ہیں؟ تو آپؐ نے کچھ نہیں فرمایا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سلمان ہمارے درمیان موجود تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک سلمان پر رکھ کر فرمایا "والذی نفسی بیدہ لو کان الایمان بِالثُّریّا لتناولہ رِجال من ھٰؤلآء" قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر ایمان ثریا میں ہوتا تو اُتار لاتے اس کو چند لوگ ان میں سے (یعنی عجمیوں سے) (یہ حدیث ابواب التفسیر میں سورۃ الجمعہ کے تحت گزری ہے)۔

فی فضل الیمن

"عن زید بن ثابت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر قِبل الیمن فقال اللھم اَقْبِلْ بقلوبھم وبارک لَنَا فی صاعنا و مُدِّنا". (حسن غریب)

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف دیکھا تو فرمایا اے اللہ! ان کے دل ہماری طرف پھیر دے اور ہمارے صاع اور مُدّ میں برکت دے۔

تشریح:۔ چونکہ اہلِ یمن کی حکمت اور دانائی ایک طبعی اور جغرافیائی حقیقت ہے اس لئے آپؐ نے ان کے ایمان کے لئے خصوصی دُعا فرمائی اور یُمْن یمن و برکت سے ہے اور حجاز کا غلہ یمن سے آتا تھا جیسا کہ شام سے بھی آیا کرتا تھا اس لئے آپؐ نے زمینی پیداوار کے لئے بھی دُعا فرمائی اور یہ کہ جب مہاجرین کی تعداد مدینہ میں بڑھنے لگی تو اہلِ مدینہ کو کسی قسم کی تکلیف و تنگی نہ ہو۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اتاکم اھل الیمن ھم اضعف قُلوباً وَاَرَق اَفئِدۃً ،الایمان یَمَان والحکمۃ یمانیۃ". (حسن صحیح)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آئے آپ کے پاس یمن والے، وہ لوگ نہایت نرم دل اور رقیق القلب ہیں، ایمان بھی یمن سے نکلا ہے اور حکمت بھی یمن سے نکلی ہے۔

تشریح:۔ **قولہ:** "اضعف قلوباً وارق افئدۃً" دوسرا جملہ پہلے کے لئے تاکید ہے بعض حضرات نے قلب اور فؤاد میں اعتباری فرق کیا ہے لیکن ان میں ہر ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے دل کی رقّت ونرمی قساوت کے مقابل ہے کیونکہ جب دل نرم ہوتا ہے تو وعظ ونصیحت کو قبول کرتا ہے۔ **قولہ:** "یمان" منسوب ہے یمن کی طرف، اسی طرح "الحکمۃ یمانیۃ" بھی منسوب ہے، اصل میں یَمنیٌّ تھا تو یائے نسبت کو حذف کردیا اس کے عوض میں الف بڑھادیا گیا۔

ایمان کے یمانی ہونے کا مطلب کیا ہے؟ تو ایک قول یہ ہے کہ یہ نسبت صرف عُرفی یمن یعنی ملک یمن کی طرف نہیں بلکہ بمعنی جنوبی کے ہے اور چونکہ مکہ مکرمہ مدینہ کے جنوب میں ہے اس لئے یہ نسبت مکہ کی طرف ہوئی۔ اوپر ترجمہ میں اسی احتمال کو لیا گیا ہے یعنی ایمان یمن (مکہ) سے نکلا ہے کیونکہ نبوت کا آغاز مکہ مکرمہ سے ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ارشاد آپؐ نے غزوۂ تبوک میں تبوک میں فرمایا تھا اور مدینہ ومکہ دونوں شام سے بجانب جنوب ہیں لہٰذا اس سے دونوں حرمین شریفین مراد ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اہلِ یمن کو یہ فضیلت اہلِ مشرق کے مقابلہ میں دی گئی ہے کہ اہلِ یمن بطیبِ خاطر ایمان لائے لہٰذا یہ معتدل لوگ ہیں جبکہ اہلِ مشرق، عراق وفارس والے جنگوں سے تنگ آکر مسلمان ہوئے۔ اس آخری قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہلِ یمن کی یہ فضیلت تاقیامت قائم ودائم

رہے گی کیونکہ حدیث کے الفاظ میں ایسا کوئی عموم نہیں ہے بلکہ یا تو اس وقت کے یمنی لوگ مراد ہیں یا وہ وفد مراد ہے جو آپؐ کی خدمت میں یمن سے حاضر ہوا تھا، اس پر کچھ بحث "باب ماجاء ان الدجال لا یدخل المدینۃ" میں گزری ہے۔ (دیکھیے تشریحات: ص: ۲۰۷ ج: ۷)

حدیث آخر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الملک فی قریش والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشۃ والامانۃ فی الازد یعنی الیمن"۔

حکومت قریش میں، قضاء انصار میں، اذان حبشہ والوں میں اور امانت ازد میں ہے یعنی یمن والوں میں۔ یعنی ان قبائل میں یہ صلاحیتیں بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الأزدُ أزدُ اللہ فی الارض یرید الناس ان یضعوھم ویابی اللہ إلّا ان یرفعھم ولَیَأتِیَنّ علی الناس زمان یقول الرجل یالیت ابی کان ازدیاً یالیت اُمّی کانت اَزدیۃ"۔ (غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ازد (اہل یمن) اللہ کا لشکر (دین کے مددگار) ہے زمین میں، لوگ چاہتے ہیں کہ ان کو زیر (کمزور) کریں مگر اللہ ان کو بلند کرنے کے سوا کچھ نہیں مانے گا، اور لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ آدمی کہے گا (یعنی آرزو کرے گا) کاش میرا باپ ازدی ہوتا، کاش میری ماں ازدی ہوتی۔

تشریح:۔ قولہ "ازد" بروزن عبد، یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو ثابت قدمی اور شجاعت میں شہرت کا حامل ہے اس لئے ان کو اللہ کے دین کے انصار و مددگار کہا۔ چونکہ مدینہ کے انصار کا تعلق اسی قبیلے سے ہے اس لئے اس حدیث کا مصداق مدینہ منورہ کے انصار یعنی اوس اور خزرج ہیں۔ ایک نسخہ میں اَزدُ اللہ کے بجائے "اسد اللہ" ہے ابن العربیؒ فرماتے ہیں "یعنی بہ الانصار وماز الوا ہم یغضون اللمز ویرفعون بہ حتی اذن اللہ بتغیر الحال ولکل شیء اجلٌ وکتاب" یعنی انصار دین کی سر بلندی میں اللہ کے شیروں کی طرح خود بھی بلند ہوئے تا آنکہ اللہ کا حکم آیا۔ (تدبر)

"اسد اللہ" میں اضافت تشریف کے لئے ہے جیسے ناقۃ اللہ و بیت اللہ۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں "ان لم نکن من الازد فلسنا من الناس"۔ (حسن غریب صحیح)

اگر ہم ازد میں سے نہ ہوتے تو پھر ہم (اچھے) لوگوں میں سے نہ ہوتے، چونکہ حضرت انسؓ انصاری

تھے اور انصار سارے ازدی تھے اس لئے ان کا کہنا بجا ہے۔

حدیث آخر:۔ "یقول کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء ہ رجل اَحْسِبُهٗ مِنْ قیس" حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپؐ کے پاس ایک شخص آیا میرا خیال ہے کہ وہ شخص قیس قبیلہ کا تھا، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! حِمْیَرْ (قبیلہ) پر لعنت کیجئے! آپؐ نے اس سے منہ پھیر لیا، وہ پھر آیا آپؐ کے پاس دوسری جانب سے، آپؐ نے پھر اعراض فرمایا، وہ پھر آپؐ کے پاس دوسری جانب سے آیا، آپؐ نے پھر اعراض کیا، وہ پھر آپ کے پاس آیا دوسری طرف سے، آپؐ نے پھر اعراض فرمایا۔ **"فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : رحم اللہ حِمْیَراً اَفْوَاهُهم سلام و ایدیهم طعام وهم اهلُ امن و ایمان"** تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ! حمیر پر رحم فرمائے کہ ان کے منہ میں سلام ہے اور ان کے ہاتھوں میں طعام ہے اور وہ خود امن و ایمان والے ہیں۔ (غریب)

تشریح:۔ "حِمْیَر" بکسر الحاء وسکون المیم و فتح الیاء یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ منہ میں سلام کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی ان سے ملے تو اس کو سلام کرتے ہیں اور کسی کو اپنی زبان سے اذیت و تکلیف نہیں پہنچاتے، اور طعام سے مراد مہمان نوازی ہے، یعنی یہ پُر امن، مہمان نواز لوگ ہیں اور مع حذا اہلِ ایمان بھی ہیں تو ان پر لعنت بھیجنے کا کیا جواز ہے؟ جبکہ آپؐ تو رحمۃ للعالمین ہیں۔

فی غِفار و اسلم و جُهینة و مُزینَة

"عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :"الانصار و مُزینة و جُهینة و اشجع و غِفار و من کان من بنی عبدالدار، مَوَالِیَّ لیس لهم مولیٰ دون اللہ واللہُ و رسولُه مولاهم". (حسن صحیح)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار و مُزینہ اور جُہینہ واشجع اور غِفار اور جو قبیلہ عبدالدار سے ہو وہ میرے رفیق ہیں، کوئی ان کا رفیق نہیں سوا اللہ کے اور اللہ اور اس کے رسول ان کے رفیق ہیں۔

تشریح:۔ چونکہ ان قبیلوں نے اسلام لانے میں پہل کی تھی اس لئے آپؐ نے ان کو اتنے بڑے اعزاز سے نوازا، اگرچہ اسلام لانے میں ان کی اجتماعی شکل نہیں تھی لیکن اکثریت پھر بھی جلد ہی مشرف باسلام ہوئی تھی۔

فی ثقیف وبنی حَنِیْفَة

"عن جابر قال قالوا: یارسول الله اَحْرَقتنا نبالُ ثقیف فادع الله علیهم فقال: اللّٰهم اهد ثقیفاً". (حسن صحیح غریب)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ثقیف (قبیلہ) کے تیروں نے ہمیں جلا دیا ان کے لئے بد دعا فرمائیں! آپؐ نے فرمایا اے اللہ! ثقیف کو ہدایت عطا فرما۔

تشریح:۔ قولہ: "نِبَالٌ" جمع نبل ہے بمعنی تیر کے۔ قولہ: "ثقیف" بروزن شریف وامیر، اصل میں ہوازن قبیلہ کی ایک شاخ کے جد کا نام ہے، پھر یہ شاخ اس کے نام سے منسوب ہوگئی جیسا کہ عام قبائلی ناموں کا ضابطہ ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے یہ گزارش فتحِ مکہ کے بعد پیش آنے والے غزوۂ طائف میں کی تھی لیکن آپؐ تو رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے آپؐ نے بجائے بددعاء کے دُعا فرمائی۔

حدیث آخر:۔ حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی "وهو یکره ثلاثة احیاء" درانحالیکہ آپؐ تین قبیلوں کو ناپسند کرتے تھے ثقیف کو اور بنی حنیفہ و بنی اُمیہ کو۔ (غریب)

تشریح:۔ بعض نسخوں میں یکرہ کے بجائے یکرم ہے لیکن شاید یہ صحیح نہ ہو، پھر ان تین قبائل کی ناپسندیدگی ان میں سے بعض بدکردار افراد کی وجہ سے تھی چنانچہ ثقیف کو حجاج بن یوسف کی وجہ سے، بنو حنیفہ کو مُسیلمہ کذاب کی وجہ سے اور بنی اُمیہ کو عبید اللہ بن زیاد (یزید کے چچازاد) کی وجہ سے ناپسندیدہ قرار دیا گیا چنانچہ ابن زیاد کے بارے میں پیچھے مناقب حسنین میں حفصہ بنت سیرین کی حدیث گزری ہے کہ اس نے حضرت حسینؓ کے سر مبارک کی توہین کی ہے۔ علاوہ ازیں ثقیف کی ناپسندیدگی کی دوسری وجہ مختار بھی ہے، جو اگلی حدیث میں مراد ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فی ثقیف کذّاب ومُبیرٌ" ثقیف میں ایک سخت جھوٹا ہے اور سفاک (قاتل) ہے۔ (غریب)

تشریح:۔ قولہ: "کذّاب" مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی سخت دروغ گو۔ قولہ: "مُبیر" بضمہ میم وہ شخص جو قتل وسفاکی میں مبالغہ کرتا ہو۔ حدیث کی شرح تشریحات جلد ہفتم ص:۴۷ "باب ماجاء فی ثقیف کذاب

دمیر ''من ابواب الفتن میں گزری ہے، فلا نعیدہ۔ کذاب مختار بن عُبید تھے اور مُبیر حجاج بن یوسف ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ میں ایک جوان اونٹنی دی اور آپؐ نے اس کو اس کی اونٹنی کے عوض میں چھ اونٹنیاں عطا فرمائیں، مگر وہ پھر بھی خفا رہا، چنانچہ اس کی اطلاع نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی (آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا) آپؐ نے اللہ کی حمد وثناء کی.... پھر آپؐ نے فرمایا: ''ان فلاناً اهدیٰ اِلَیَّ ناقةً فعوَّضتُه منهاستّ بَکَرَات فَظَلّ ساخطاً، لقد هممتُ اَنْ لااقبل هدیةً اِلّامِنْ قرشيٍ اوانصاريٍ اوثقفيٍ اودوسي ''فلاں نے مجھے ایک اونٹنی ہدیہ میں دی تھی اور میں نے اُسے اس کے عوض میں چھ جوان اونٹنیاں دی ہیں پھر بھی وہ خفا رہا، اب میں نے قصد کیا ہے کہ میں قریشی یا انصاری یا ثقفی یا دَوْسی کے علاوہ کسی کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا........'' وفی الحدیث کلام اکثر من هذا'' اس میں شاید اگلی روایت کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بنو فَزارہ کے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اُن اونٹوں میں سے جوان کو غابہ (مقام) میں ملے تھے ایک اونٹنی دی تو آپؐ نے اُسے اس کے عوض میں کچھ بدلہ (اونٹنیوں کی شکل میں) دیا لیکن وہ اس کو ناگوار گزرا..... تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ عربوں کے کچھ لوگ ہیں جن میں سے بعض مجھے ہدیہ دیتے ہیں تو میں ان کو اس کا عوض دیتا ہوں جو میرے پاس ہوتا ہے مگر وہ اس کو ناگوار گزرتا ہے اور اس بارے میں مجھ سے ناراض رہتا ہے، اور اللہ کی قسم ہے کہ میں اپنے اس قیام کے بعد کسی عربی کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا سوائے قریشی یا انصاری یا ثقفی یا دَوْسی کے۔'' وهذا اصح من حدیث یزید بن هارون'' یعنی یہ روایت سابقہ روایت سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح:۔ قوله: ''بَکْرَةً'' بفتح الباء وسکون الکاف جوان اونٹنی، چونکہ اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا چرچا سُنا تھا اس لئے اُس نے آپؐ کو ایک اونٹنی ہدیہ میں پیش کی تاکہ بدلہ میں زیادہ ملیں آپؐ نے اس کو چھ اونٹنیاں عنایت فرمائیں جیسا کہ پہلی حدیث میں ہے اور دوسری حدیث میں اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ حالاً میرے پاس اُتنا ہی مال تھا لیکن اس اعرابی نے بہت زیادہ کا ذہن بنایا تھا اس لئے وہ راضی نہ ہوا۔ اس بناء پر آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں ہر کسی کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا البتہ قریش وانصار وغیرہ قبائل اس سے مُستثنیٰ ہوں گے کیونکہ ان کے ہدایا بے لالچ ہوتے ہیں۔

حدیث آخر:۔ ''نعم الحيُّ الاسدُ والاشعرون ولایفرّون فی القتال ولایغلّون، هم منّی

وانامنهم '' اچھا قبیلہ ہے اسد کا اور اچھا قبیلہ ہے اشعرون کا، وہ لوگ لڑائی میں (میدان سے) بھاگتے نہیں ہیں اور مال غنیمت میں خیانت (اور چوری) نہیں کرتے، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے، راوی عامر کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں نے حضرت معاویہؓ کو بیان کی تو انہوں نے کہا: ''لیس هکذا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم .... قال هم منی والیّ '' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں فرمایا ہے.... حضرت معاویہؓ نے کہا بلکہ ''هم منی والی '' آپؐ نے فرمایا ہے وہ مجھ سے ہیں اور میرے ہیں..... ''فقلت لیس هکذا حدثنی ابی '' عامر بن ابی عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میرے والد نے مجھے اس طرح بیان نہیں کی (جس طرح آپ کہتے ہیں یعنی الیّ) ولکنه حدثنی الخ یعنی میرے والد نے اسی طرح بیان کی ہے جو میں نے پہلے کہا تھا (یعنی هم منی وانامنهم)''قال فانت اعلم بحدیث ابیک '' تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ تم اپنے والد کی روایت سے زیادہ واقف ہو (یعنی کہ اس کے الفاظ کیا ہیں)۔ (ہذا حدیث غریب)

تشریح:۔ قوله: ''الاسد'' بفتح الهمزة وسکون السین اس کو ''ازد'' بالزاء بھی کہتے ہیں، دراصل قبیلہ کے جد کا نام ہے پھر اس کی دو شاخیں ہیں ایک یہی ازد یا اسد شنوءہ، دوسری ازد عمان، یہاں ازد شنوءہ مراد ہے۔ چونکہ حضرت معاویہؓ پہلے الفاظ کو معنی حقیقی کے تناظر میں دیکھ رہے تھے اور حقیقی معنی ''وانامنهم'' کا صحیح نہیں بنتا اس لئے وہ سمجھیں کہ عامر روایت بالمعنی کر رہے ہیں تو اس کا مطلب درست کیا لیکن جب عامر نے یقین کا اظہار کیا کہ روایت کے اصل الفاظ یہی ہیں تو حضرت معاویہؓ سمجھ گئے کہ یہاں معنی مجازی مراد ہے اس لئے فرمایا: ''انت اعلم بحدیث ابیک ''۔ قوله: ''الاسد الازد'' یعنی اسد بنو اسد کے علاوہ ہے۔

حدیث آخر:۔ ''عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اسلمُ سالَمَها الله وغفار غفر الله لها''. (حسن صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قبیلہ) اسلم کو اللہ صحیح سلامت رکھے اور غفار (قبیلہ) کی مغفرت کرے۔

اگلی روایت میں یہ اضافہ ہے ''وعُصَیَّة عَصَتِ اللّٰهَ ورسوله ''۔ (حسن صحیح) اور عُصَیَّہ (قبیلہ) نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی۔

تشریح:۔ چونکہ مذکور الصدر دونوں قبیلے از خود مسلمان ہوئے تھے اس لئے آپؐ نے ان کے لئے دعا

فرمائی جبکہ عُصَیّہ والوں نے بِیرِ معُونہ میں قُراء کو شہید کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے تھے اس لئے آپؐ قنوتِ نازلہ پڑھتے اور رِعل وذکوان پر لعنت بھیجتے اور عصیہ کے بارے میں فرمایا "عُصَیّہ عصتِ اللہ ورسولہ"۔ اس سے معلوم ہوا کہ نام اور اسم کا اپنے مسمّٰی پر اثر پڑتا ہے اس لئے اچھے نام رکھنے چاہئے خواہ بچوں کے ہوں یا قبیلوں اور کمپنیوں کے ہوں۔

حدیث آخر:۔ عن ابی ھریرۃ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ غِفار واسلم اور مُزینہ اور جُہینہ کے لوگ یا فرمایا کہ جُہینہ اور مزینہ کے لوگ..... اللہ کے نزدیک قیامت کے دن بہتر ہیں اَسَدْ، طَیّ اور غطفان سے۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ حضرت عمران بن حُصین فرماتے ہیں کہ بنوتمیم کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی "فقال اَبْشِروا یابنی تمیم!" تو آپؐ نے فرمایا اے بنوتمیم! بشارت ہو تم کو "قالوا: بشّرتَنا فأعطِنا" تو انہوں نے کہا آپ نے ہمیں بشارت دی تو کچھ دیں! "قال فتغیّر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجاء نفرٌ مِنْ اھلِ الیَمَن فقال: اقبَلُوا البُشریٰ فلم یقبلھا بنو تمیم! قالوا قد قَبِلنا" حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں کہ (یہ جواب سن کر افسوس کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا اور چند لوگ یمن سے آئے تو آپؐ نے فرمایا بشارت قبول کرو بنوتمیم نے اس کو قبول نہیں کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا ہم نے قبول کی۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ بنوتمیم خوشخبری کا مطلب مال لے رہے تھے اس لئے بشارت سُن کر انہوں نے درخواست کی کہ وہ مال اب ہمیں عنایت فرمائیں حالانکہ اس سے مراد جنت اور دین کی سمجھ بُوجھ تھی، یہ وفد سنہ ۹ ھ میں آیا تھا۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلم وغفار اور مُزینہ بہتر ہیں تمیم اور اسد وغطفان اور بنی عامر بن صعصعہ سے (قیامت کے دن) "یَمُدُّ بھا صوتہ فقال القوم قد خابوا وخَسِروا" ان کلمات کی ادائیگی کے وقت آپؐ اپنی آواز بلند فرماتے تھے تو لوگوں نے کہا یہ لوگ محروم ہوئے اور نقصان میں پڑے "قال فھُمْ خیر منھم" آپؐ نے فرمایا کہ ھم یعنی اسلم وغفار اور مزینہ بہتر ہیں منھم یعنی تمیم واسد وغطفان اور بنو عامر بن صعصعہ سے۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ مذکور الصدر تین قبائل کو مؤخر الذکر چار پر فضیلت اس لئے دی کہ پہلے تین اسلام لانے میں

پہل کر چکے تھے۔

حدیث آخر:۔"عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اللّٰھم بارک لنا فی شامِنا اللّٰھم بارک لنافی شامناوبارک لنافی یَمَنِنا... قالواوفی نجدنا.... قال: ھنالک الزلازل والفِتن وبِھاوقال منھایُخرج قرن الشیطان". (حسن صحیح غریب)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت دے، اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے یمن میں برکت دے، صحابہ نے کہا اور ہمارے نجد میں (بھی)، آپؐ نے فرمایا اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت دے اور ہمارے لئے ہمارے یمن میں برکت دے صحابہ نے کہا اور ہمارے نجد میں (بھی) آپؐ نے فرمایا: وہاں پر..... یا فرمایا وہاں سے زلزلے اور فتنے (آئیں گے) اور وہاں سے شیطان کا سینگ (یعنی شیطان کا لاؤلشکر) نکلے گا۔

تشریح:۔ چونکہ نجد سے فتنوں کا خروج مقدر تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے لئے دعا نہیں فرمائی کیونکہ نجد والوں کی خوشحالی اور مال میں برکات سے فتنوں کو مزید ہوا ملے گی۔

اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ نجد سے مراد جانب مشرق ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "والکفرُمِنْ قِبَلِ المشرق" جس کی شرح باب ماجاء ان الدجال لایدخل المدینۃ میں گزری ہے۔ (دیکھیں تشریحات جلد ہفتم ص:۷۲)

حدیث آخر:۔"عن زیدبن ثابت قال کُنّاعند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طُوبیٰ لِلشام فقلنالِاَیِّ ذالک یارسول اللہ! قال لِاَنَّ ملائکۃ الرحمن باسطۃ اَجْنحتھاعلیھا". (حسن غریب)

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹکڑوں سے قرآن مرتب کر رہے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شام کے لئے خوبی (بشارت) ہے پس ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ کس بناء پر؟ آپؐ نے فرمایا اس لئے کہ رحمٰن کے فرشتے شام پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

تشریح:۔قولہ: "لِاَیِّ یاء پر تنوینِ عوض پڑھی جائے گی ای لِاَیِّ شیءٍ یالِاَیِّ سببٍ ذالک؟

قولہ: "ملائکۃ الرحمن" اس میں اضافت رحمٰن کی طرف یہ بتانے کے لئے ہے کہ شام پر اللہ کی

خصوصی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور رحمت کے فرشتے ارضِ شام پر نازل ہوتے رہتے ہیں، اس کی اجمالی وجوہات "باب ماجاء فی اہلِ الشام" میں گزری ہیں۔ (دیکھئے تشریحات ص: ۵۷۷ ج: ۶)

حدیث آخر:۔ "عن ابی ھریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم الذین ماتوا اِنماھم فحم جھنم اولیکونَنَّ اھون علی الله من الجُعَلِ الذی یُدَھْدِہُ الخِرآءَ بِاَنْفِهٖ ان الله اَذْھَبَ عنکم عُبِیَّةَ الجاھلیة وفخرھا بالآباء اِنّماھو مؤمن تقی وفاجر شقی الناس بنو آدم وآدم خُلِقَ مِنَ التُراب". (حسن)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا تو باز رہیں وہ لوگ جو اپنے اُن باپ دادوں پر فخر کرتے ہیں جو مر چکے ہیں (یعنی اسلام لانے سے پہلے)، بے شک وہ تو جہنم کا کوئلہ ہیں یا پھر وہ (فخر کرنے والے) اللہ کے نزدیک گوبریلے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو اپنی ناک سے لڑھکاتا ہے گوبر (وغیرہ) کو، بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء پر فخر کرنا دور کیا ہے (یعنی حرام کیا ہے) بس اب تو لوگ یا تو مؤمن متقی ہیں یا فاجر شقی (بدبخت) ہیں، (دراصل) سارے لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

تشریح:۔قولہ: "الجعل" ایک چھوٹا سا جانور (کیڑے کی طرح پروں والا) ہوتا ہے جو انسانی غلاظت اور گوبر سے گولیاں بناتا ہے اور پھر اپنی ناک سے اس کو لڑھکاتا ہے جب اپنے بِل میں پہنچ جاتا ہے تو سُراخ چھوٹا ہونے کی وجہ سے پریشان ہو جاتا ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ وہ گولا باہر رہ جاتا ہے اور وہ گوبریلا (گبریلا) اندر چلا جاتا ہے، ایسا ہی حال دنیا دار کا ہوتا ہے جو اتنا کماتا ہے اور وہ سب کچھ کماتا ہے جو قبر میں اندر لے جانے کے قابل نہیں ہوتا پس جو اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرے گا تو اس سے دنیاوی خوش فہمی ملے گی لیکن یہ آخرت کی متاع میں سے نہیں بلکہ وبالِ آخرت ہے۔ **قولہ:** "عُبِیَّة" تعب سے مشتق ہے چونکہ فخر، تکبر اور نخوت میں تکلف ہوتا ہے اس لئے تکبر کو عُبِیَّہ کہا اور عیب سے بھی ہو سکتا ہے وھو الظاہر۔ چونکہ سابقہ احادیث میں بعض قبائل کی خوبیاں بیان ہوئیں تو آخر میں امام ترمذیؒ نے ابوہریرہؓ کی حدیث ذکر کر کے نسب پر فخر کرنے کی ممانعت اور وجہ بیان کی کہ سب لوگوں کی اصل مٹی ہے گویا کہ بعض مٹی اچھی بھی ہوتی ہے لیکن اصل حقیقت کے اعتبار سے مٹی، مٹی ہی ہوتی ہے یہ کوئی فخر کی چیز نہیں ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ فترۃ الوحی میں جو لوگ بغیر ایمان کے مرے ہیں وہ دوزخی ہیں، مسئلہ تشریحات جلد چہارم ص: ۳۶۶ پر گزرا ہے۔ دیکھئے "باب ماجاء فی

الرخصة فی زیارة القبور"۔(جنائز)

تمت بالخير و الحمدلله تعالىٰ على هذه النعمة العظمىٰ و المنة الكبرىٰ

آخری حدیث سے فراغت بروز جمعہ قبل الزوال سترہ/۱۷ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ بمطابق بائیس ۲۲ نومبر ۲۰۱۳ء ہوئی۔ آخر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر لازم ہوگیا ہے جنہوں نے شرح کے مختلف مراحل پر میرا ہاتھ بٹایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "من لایشکر الناس لایشکر اللہ" حدیث صحیح رواہ الترمذی، اور ایک روایت میں ہے "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ"۔(حسن صحیح ص:۱۷ج:۲)

ایسے حضرات کو فرداً فرداً یاد کرنا اور نام لے کر ذکر کرنا تو مشکل ہے تاہم جو حضرات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں ان میں ڈاکٹر مولانا مفتی عنایت الرحمٰن صاحب (فاضل وسابق استاذ جامعہ اسلامیہ کلفٹن وحال استاذ الحدیث جامعہ احتشامیہ جیکب لائن) جنہوں نے اس مقصد کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا داخلہ سفر منسوخ کر کے جامعہ اسلامیہ کلفٹن میں دورۂ حدیث شریف پڑھنے کو ترجیح دی اور تشریحات کی پہلی دونوں جلدیں دورانِ درس قلمبند کردیں، میں جامعہ اسلامیہ کلفٹن کی انتظامیہ اور قدیمی کتب خانہ کے مالک جناب معراج محمد بارق صاحب اور تشریحات کی احادیث کی تخریج کرنے والے حضرات، کمپوزر حضرات اور ان تمام احباب کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس کام میں میری غیر معمولی حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

میں اپنے خالق و مالک کا شکر کبھی بھی پورا نہیں کرسکتا ہوں، بس ایک حقیری کوشش ہے کہ زندگی بھر اللہ عزوجل کا شکر گذار رہوں گا کہ اس نے مجھے اس کام کی توفیق عطا فرمائی، اور درمیانِ تالیف بارہا نا اُمیدی کے سمندر میں ڈوبنے کے بعد عزم اور اُمید کے ساحل پر لا کھڑا کردیا۔

اللہ ذوالجلال سے دُعاء ہے کہ شرح میں جو کمی رہ گئی ہے وہ اسے معاف فرمائے اور جو خامی اخلاصِ نیت اور احادیث کی ادائیگی حق میں شامل رہی ہے اسے بھی محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائے۔

اس کام کی عنداللہ کتنی قدر ہے؟ وہ اللہ ہی جانتا ہے میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ یا اللہ! برائے نام ہی صحیح مگر ہے تو تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خدمت اسی کے وسیلہ سے مجھے خُدّام احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیة وسلام کی فہرست میں شامل فرما اور یومِ جزاء میں میرا حشر بحیثیت خادم الاحادیث النبویة

صلی اللہ علیہ وسلم فرما، یہ کاوش میری، میرے والدین، بہن، بھائیوں، میرے اساتذہ کرام، میرے بیوی بچوں اور دوستوں کی نجات کا ذریعہ فرما۔

یا ربّ العالمین برحمتک استغیث وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد، المصطفیٰ خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ الیٰ یوم الدین، آمین

☆......☆......☆